بحث اولیاء اللہ وانبیاء سے مدد مانگنا

اولیاء اللہ اور انبیائے کرام سے مدد مانگنا جائز ہے جبکہ اس کا عقیدہ یہ ہو کہ حقیقی امداد تو رب تعالیٰ ہی کی ہے یہ حضرات اس کے مظہر ہیں اور مسلمان کا یہی عقیدہ ہوتا ہے کوئی جاہل بھی کسی ولی کو خدا نہیں سمجھتا۔ اس بحث میں دو باب ہیں۔

پہلا باب

غیر اللہ سے مدد مانگنے کے ثبوت میں

غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ثبوت قرآنی آیات احادیث صحیحہ اور اقوال فقہاء ومحدثین اور خود مخالفین کے اقوال سے ہے ہم ہر ایک کو علیحدہ علیحدہ بیان کرتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے۔

وادعوا شهدآء كم من دون الله ان كنتم صدقين۔

ترجمہ: اور اللہ کے سوا اپنے سارے حمائتیوں کو بلالو۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۳)

اس میں کفار کو دعوت دی گئی ہے کہ قرآن کی مثل ایک سورہ بنا کر لے آؤ اور اپنی امداد کے لئے اپنے حمائتیوں کو بلالو۔ غیر اللہ سے مدد لینے کی اجازت دی گئی۔

قال من انصاری الی الله قال الحواریون نحن انصار الله۔

ترجمہ: کہا مسیح نے کون ہے جو مدد کرے میری طرف اللہ کی کہا حواریوں نے ہم مدد کریں گے اللہ کے دین کی۔

(پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۵۲)

اس میں فرمایا گیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنے حواریوں سے خطاب کر کے فرمایا کہ میرا مددگار کون ہے۔ حضرت مسیح نے غیر اللہ سے مدد طلب کی۔

وتعاونوا على البر و التقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان۔

ترجمہ: مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر نیک کاموں کے اور تقویٰ کے اور نہ مدد کرو ایک دوسرے کی اوپر گناہ اور زیادتی کے۔

(پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۲)

اس آیت میں ایک دوسرے کی مدد کرنے کا حکم دیا گیا۔

ان تنصروا الله ينصركم۔

ترجمہ: اگر مدد کرو گے تم اللہ کے دین کی مدد کرے گا وہ تمہاری۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۷ آیت نمبر ۷)

اس میں خود رب تعالیٰ نے جو کہ غنی ہے اپنے بندوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ نے میثاق کے دن ارواح انبیاء سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں عہد لیا۔

لتؤمنن به ولتنصرنه۔

ترجمہ: کہ تم ان پر ایمان لانا اور ان کی مدد کرنا۔

(پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۸۱)

معلوم ہوا کہ اللہ کے بندوں کی مدد کا میثاق کے دن سے حکم ہے۔
استعینوا بالصبر و الصلوۃ۔
ترجمہ: مدد طلب کرو ساتھ صبر اور نماز کے۔
(پارہ۲ سورہ۲ آیت نمبر۱۵۳)

اس میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ نماز اور صبر سے مدد حاصل کرو اور نماز و صبر بھی تو غیر اللہ ہیں۔
واعینونی بقوۃ۔
ترجمہ: مدد کرو میری ساتھ قوت کے۔
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ذوالقرنین نے دیوار آہنی بناتے وقت لوگوں سے مدد طلب فرمائی۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔
ایدک بنصرہ وبالمومنین۔
ترجمہ: اے نبی رب نے آپ کو اپنی مدد اور مسلمانوں کے ذریعہ قوت بخشی۔
(پارہ۱۰ سورہ۸ آیت نمبر۶۲)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
یایھا النبی حسبک اللہ ومن اتبعک من المومنین۔
ترجمہ: اے نبی آپ کو اللہ اور آپ کے مطیع مسلمان کافی ہیں۔
(پارہ۱۰ سورہ۸ آیت نمبر۶۴)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
فان اللہ ھو مولٰہ مولاہ وجبریل و صالح المومنین والملئکۃ بعد ذلک ظھیر۔
ترجمہ: یعنی رسول کے مددگار اللہ اور جبریل اور متقی مسلمان ہیں بعد میں فرشتے ان کے مددگار ہیں۔
(پارہ۲۸ سورہ۶۶ آیت نمبر۴)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔
انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنو الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون۔
ترجمہ: یعنی اے مسلمانوں تمہارا مددگار اللہ اور رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں اور وہ رکوع کرنے والے ہیں۔
(پارہ۶ سورہ۵ آیت نمبر۵۵)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ والمومنون والمومنت بعضھم اولیآء بعض
(پارہ۱۰ سورہ۹ آیت نمبر۷۱)

دوسری جگہ فرماتا ہے نحن اولیاء کم فی الحیوۃ الدنیا وفی الاخرۃ۔
(پارہ۲۴ سورہ۴۱ آیت نمبر۳۱)

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ بھی مددگار ہے اور مسلمان بھی آپس میں ایک دوسرے کے مگر رب تعالیٰ بالذات مددگار اور یہ بالعرض۔
موسیٰ علیہ السلام کو جب تبلیغ کے لئے فرعون کے پاس جانے کا حکم ہوا تو عرض کیا۔
واجعل لی وزیرا من اھلی ھرون اخی اشدد بہ ازری۔
ترجمہ: خدایا میرے بھائی کو نبی بنا کر میرا وزیر کردے میری پشت کو ان کی مدد سے مضبوط کردے۔

(پارہ۱۶ سورہ۲۰ آیت نمبر۲۹۔۳۰)

رب تعالٰی نے یہ نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا سہارا کیوں لیا میں کیا کافی نہیں ہوں۔ بلکہ ان کی درخواست منظور فرمائی۔ معلوم ہوا کہ بندوں کا سہارا لینا سنت انبیاء ہے۔

مشکوۃ باب السجود وفضلہ میں ربیعہ ابن کعب اسلمی سے بروایت مسلم ہے کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔

سل فقلت اسئلك مرافقتك في الجنة قال او غير ذلك فقلت هو ذالك قال فاعني على نفسك بكثرة السجود۔

ترجمہ: کچھ مانگ لو میں نے کہا کہ میں آپ سے جنت میں آپ کی ہمراہی مانگتا ہوں۔ فرمایا کچھ اور مانگتا ہے میں نے کہا صرف یہ ہی فرمایا کہ اپنے نفس پر زیادہ نوافل سے میری مدد کرو۔

(صحیح مسلم کتاب الصلوۃ باب فضل السجود ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۴۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مشکوۃ شریف ص ۸۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مسند ابوعوانہ باب بیان ثواب السجود والترغیب فی کثرۃ السجود ج ۱ ص ۴۹۹ رقم الحدیث ۱۸۶۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس سے ثابت ہوا کہ حضرت ربیعہ نے حضور سے جنت مانگی۔ تو یہ نہ فرمایا کہ تم نے خدا کے سوا مجھ سے جنت مانگی تم مشرک ہو گئے بلکہ فرمایا وہ تو منظور ہے کچھ اور بھی مانگو۔ یہ غیر خدا سے مدد مانگنا ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام بھی فرماتے ہیں اعنی اے ربیعہ تم بھی اس کام میں میری اتنی مدد کرو کہ زیادہ نوافل پڑھا کرو یہ بھی غیر اللہ سے طلب مدد ہے۔ اسی حدیث پاک کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

واز اطلاق سوال کہ فرمود سل وتخصیص نہ کرد بمطلوبے خاص معلوم مے شود کہ کار ہمہ بدست ہمت وکرامت اوست ہرچہ خواہد باذن پروردگار خود بدہد۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۹۶)

حاشیہ..... ☆

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن عبدالله القرمطي من ولد عامر بن ربيعة ببغداد حدثنا يحيى بن سليمان بن نضلة الخزاعي حدثنا عمي محمد بن نضلة عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جده علي بن الحسين حدثني ميمونة بنت الحرث زوج النبي ﷺ ان رسول الله ﷺ بات عندها في ليلتها فقام يتوضا للصلاة فسمعته يقول في متوضئه لبيك لبيك ثلاثا نصرت نصرت ثلاثا فلما خرج قلت يارسول الله سمعتك تقول في متوضئك لبيك لبيك ثلاثا نصرت نصرت ثلاثا كأنك تكلم انسانا فهل كان معك احد؟ فقال هذا راجز بني كعب يستصرخني ويزعم ان قريشا اعانت عليهم بني بكر ثم خرج رسول الله ﷺ فامر عائشة ان تجهزه ولا تعلم احدا قالت فدخل عليها ابوبكر فقال يا بنية ما هذا الجهاز؟ فقالت والله ما ادري فقال والله ما هذا زمان غزو بني الاصفر فاين يريد رسول الله ﷺ قالت والله لاعلم لي۔ قالت فاقمنا ثلاثا ثم صلى الصبح بالناس فسمعت الراجز ينشده۔

يارب اني ناشد محمدا — حلف ابينا وابيه الاتلدا

انا ولدناك وكنت ولدا — ثمة اسلمنا ولم ننزع يدا

ان قريشا اخلفوك الموعدا — ونقضوا ميثاقك المؤكدا

وزعموا ان لست تدعو احدا — فانصر هداك الله نصرا ابدا

وادع عباد الله ياتوا مددا — فيهم رسول الله قد تجردا

ان سيم خسفا وجهه تربدا

حاشیہ......☆

فقال رسول الله لبيك لبيك ثلاثا نصرت نصرت ثلاثا...... الخ۔

(طبرانی صغیر ج ۲ ص ۷۳۔۷۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الاستیعاب ذکر حضرت عمرو بن سالم رضی اللہ عنہ ج ۳ ص ۱۱۷۵ رقم ۱۹۱۶ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام عبد الملک بن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں۔

فقال رسول الله ﷺ نصرت يا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو تمہاری مدد کی گئی۔

(السیرۃ النبویہ المعروف سیرت ابن ہشام ج ۵ ص ۳۹ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں۔

و خرج عمرو بن سالم الخزاعي في اربعين راكبا من خزاعة فقدموا على رسول الله ﷺ يخبرونه بالذى اصابهم ويستنصرونه۔

ترجمہ: حضرت عمرو بن سالم الخزاعی رضی اللہ عنہ چالیس خزاعی سواروں کے ساتھ روانہ ہوئے یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے آپ کو اس مصیبت کی خبر دی جو انہیں پیش آئی اور مدد کی درخواست کی۔

(طبقات الکبریٰ ابن سعد سریہ رسول اللہ ﷺ عام الفتح ج ۲ ص ۱۳۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام ابو جعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۱ھ لکھتے ہیں۔

قد نصرت يا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(تاریخ الامم والملوک المعروف تاریخ الطبری ج ۲ ص ۱۵۳۔۱۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابو بکر احمد بن حسین بیہقی متوفی ۴۵۸ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال رسول الله ﷺ نصرت يا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(دلائل النبوۃ باب نقض قریش ما عاهد واعليه رسول الله ﷺ بالحديبية ج ۵ ص ۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام اسماعیل بن محمد بن الفضل الاصبہانی متوفی ۵۳۵ھ لکھتے ہیں۔

اخبرنا الشريف ابو نصر الزينبي انا ابو طاهر المخلص ثنا يحيى بن محمد املاء ثنا يحيى بن سليمان بن نضلة الخزاعي بالمدينة سنة خمس واربعين ومائتين حدثني عمي محمد بن نضلة عن جعفر بن محمد عن ابيه عن جده عن ميمونة بنت الحارث زوج النبي ﷺ ان رسول الله ﷺ بات عندها في ليلتها ثم قام يتوضا للصلاة فسمعته وهو يقول لبيك لبيك ثلاثا او نصرت نصرت ثلاثا قالت فلما خرج من متوضاه قلت يارسول الله بابي انت وامي سمعتك تكلم انسانا فهل كان معك احد؟ فقال هذا راجز بني كعب يستصرخني الخ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔ فرمایا ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا۔

(دلائل النبوۃ للاصبہانی ص ۷۳۔۷۴ رقم الحدیث ۵۹ مطبوعہ دار طیبہ الریاض)

حاشیہ......☆

امام ابی الربیع سلیمان بن موسیٰ الکلاعی الاندلسی متوفی ۶۳۴ھ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ نصرت یا عمرو ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(الاکتفاء بما تضمنہ من مغازی رسول اللہ والثلاثۃ الخلفاء غزوۃ الفتح ج ۲ ص ۲۱۶ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

محمد بن ابی بکر الدمشقی الشہیر بابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ نصرت یا عمرو ابن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(زاد المعاد فی ھدی خیر العباد فصل فی الفتح الاعظم ج ۳ ص ۳۹۶ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(السیرۃ النبویۃ غزوۃ الفتح الاعظم وکانت فی رمضان سنۃ ثمان ج ۳ ص ۴۹۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو ۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(خصائص الکبریٰ باب ما وقع فی فتح مکۃ من المعجزات والخصائص ج ۱ ص ۴۲۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

الامام العالم العلامۃ علی بن برہان الدین الحلبی الشافعی متوفی ۱۰۴۶ھ لکھتے ہیں۔

عن میمونۃ رضی اللہ عنہا ان رسول اللہ ﷺ بات عندھا لیلۃ فقام لیتوضا للصلاۃ قالت فسمعتہ یقول لبیك لبیك لبیك ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا فلما خرج قلت یارسول اللہ سمعتك تقول لبیك لبیك لبیك ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانك تکلم انسانا فھل کان معك احد قال ھذا راجز بنی کعب یعنی خزاعۃ یزعم ان قریشا اعانت علیھم بکر بن وائل ای بطنامنھم وھو بنو نفالۃ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا "میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کر دی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔ آپ ﷺ فرمایا یہ بنی کعب کا ایک فریادی تھا جو یہ کہہ رہا تھا کہ قریش نے ان کے ایک ٹولہ بنو نفاشہ مدد کی ہے۔

(انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون المعروف بالسیرۃ الحلبیہ ج ۳ ص ۷۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، سیر ابن ہشام ج ۴ ص ۲۶۵)

محمد بن عبد الوہاب نجدی متوفی ۱۲۰۶ھ لکھتے ہیں۔

فقال رسول اللہ ﷺ نصرت یا عمرو بن سالم۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا اے عمرو بن سالم! تمہاری مدد ہو چکی ہے۔

(مختصر سیرۃ الرسول ص ۱۳۱ مطبوعہ دار القلم بیروت)

حاشیہ.....☆

علامہ یوسف بن اسماعیل النبہانی متوفی ۱۳۵۰ھ لکھتے ہیں۔

اخرج الطبرانی عن میمونۃ ام المومنین رضی اللہ عنہا قالت بات عندی رسول اللہ ﷺ لیلۃ فقام لیتوضا للصلاۃ فسمعتہ یقول فی متوضئہ باللیل لبیک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا فلما خرج قلت یارسول اللہ سمعتک تقول فی متوضئک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انسانا فھل کان معک احد فقال ھذا راجز بنی کعب وھم بطن من خزاعۃ یستصرخنی الخ۔

ترجمہ: حضرت ام المومنین میمونہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے ایک رات میرے ہاں قیام کیا آپ ﷺ وضو کے لئے اٹھے تو میں نے آپ کو وضو کے دوران ارشاد فرماتے ہوئے سنا ''میں حاضر ہوں مدد کو پہنچا میں تمہاری مدد کردی گئی ہے جب آپ باہر تشریف لائے تو میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ میں نے آپ ﷺ کو حالت وضو میں تین بار لبیک لبیک نصرت نصرت کہتے ہوئے سنا ہے۔ گویا آپ کسی انسان سے گفتگو فرما رہے تھے۔ کیا آپ ﷺ کے ساتھ کوئی تھا۔ فرمایا ہاں بنی کعب کا راجز مجھے مدد کے لئے پکار رہا تھا......

(حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا سعید بن عبدالرحمن التستری ثنا یحیی ابن سلیمان بن نضلۃ المدینی ثنا عمی محمد بن نضلۃ عن جعفر بن محمد عن ابیہ عن جدہ قال حدثنی میمونۃ بنت الحارث ان رسول اللہ ﷺ بات عندھا فی لیلتھا ثم قام یتوضا للصلاۃ فسمعتہ یقول فی متوضئہ لبیک لبیک لبیک ثلاثا ونصرت ونصرت ثلاثا قالت فلما خرج قلت یارسول اللہ ﷺ بابی انت سمعتک تقول فی متوضئک لبیک لبیک ثلاثا نصرت نصرت ثلاثا کانک تکلم انسانا فھل کان معک احد قال ھذا راجز بنی کعب یستصرختی ویزعم ان قریشا اعانت علیھم بنی بکر الخ......

(المعجم الکبیر طبرانی ج ۲۳ ص ۴۳۳-۴۳۴ رقم الحدیث ۱۰۵۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

یہ حدیث مبارکہ صحیح ہے طبرانی کبیر کے محشی (جو کہ غیر مقلد ہے) نے مجمع الزوائد کے حوالے سے لکھا ہے کہ اس کی سند میں یحیٰی بن سلیمان نضلۃ ہے جو کہ ضعیف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ جرح مبہم ہے جو کہ طے شدہ اصول کے مطابق قبول نہیں ہے۔ علامہ ہیثمی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ جرح مبہم ہے اس وجہ سے قبول نہیں ہے۔ دوم امام ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ یحیٰی بن سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

وذکرہ بن حبان فی الثقات۔

ترجمہ: یعنی امام ابن حبان رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے۔

(لسان المیزان ج ۶ ص ۲۶۱ مطبوعہ مؤسسۃ الاعلمی للمطبوعات بیروت)

امام الحافظ عبداللہ بن عدی الجرجانی متوفی ۳۶۵ھ لکھتے ہیں۔

احادیث عامتھا مستقیمۃ۔

ترجمہ: اس کی عام احادیث مستقیم ہیں۔

(الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۷ ص ۲۵۵ رقم ۲۱۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس حدیث مبارکہ میں واضح ثبوت ہے کہ حضور ﷺ راجز رضی اللہ عنہ کو دیکھ بھی رہے تھے ان کی آواز بھی سن رہے تھے اور نصرت نصرت فرما کر ان کی مدد فرما رہے تھے۔ اس حدیث مبارکہ میں علم غیب مصطفیٰ ﷺ کے ساتھ استمداد کا بھی ثبوت ہے۔ معلوم ہوا کہ

فان من جودك الدنیا وضرتها ومن علومك علم اللوح والقلم

اگر خیریت دنیا و عقبیٰ آرزو داری بدرگاهش بیا و هرچه می خواهی تمنا کن!

(شرح خرپوتی علی البردۃ ص ۱۱۸ نور محمد کتب خانہ کراچی)

سوال کو مطلق فرمانے سے کہ فرمایا کچھ مانگ لو۔ کسی خاص چیز سے مقید نہ فرمایا۔ معلوم ہوتا ہے کہ سارا معاملہ حضور ہی کے ہاتھ کریمانہ میں ہے۔ جو چاہیں جس کو چاہیں اپنے رب کے حکم سے دیدیں۔ کیونکہ دنیا و آخرت آپ ہی کی سخاوت سے ہے اور لوح و قلم کا علم آپ کے علوم کا ایک حصہ ہے اگر دنیا و آخرت کے خیر چاہتے ہو تو ان کے آستانے پر آؤ اور جو چاہو مانگ لو۔

خانہ کعبہ میں ۳۶۰ بت رہے اور تین سو سال تک رہے پھر حضور ﷺ کے ذریعہ کعبہ پاک ہوا رب تعالیٰ نے بتا دیا کہ جب میرا گھر کعبہ بغیر میرے محبوب کے مداوا کے پاک نہیں ہو سکتا۔ تو تمہارا دل ان کی نظر کرم کے بغیر پاک نہیں ہو سکتا۔

نور الانوار کے خطبہ میں خلق کی بحث میں ہے۔ هو الجود بالكونين والتوجه الى خالقها یعنی دونوں جہان اوروں کو بخش دینا اور خود خالق کی طرف متوجہ ہو جانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خلق ہے اور ظاہر ہے کہ دونوں دوسروں کو وہ ہی بخشے گا جو خود ان کا مالک ہوگا۔ ملکیت ثابت ہوئی۔

حاشیہ.....☆

آقا ﷺ اپنے غلاموں کی دستگیری فرماتے ہیں اور ان کے غموں کو دور فرماتے ہیں اور اس حدیث مبارکہ میں یہ بھی واضح ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم دور دراز مقام سے حضور ﷺ کو ندا بھی کرتے تھے اور مدد بھی طلب کرتے تھے۔

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا الحسين بن اسحاق التستری ثنا احمد بن يحيى الصوفي ثنا عبدالرحمن بن سهل حدثني ابی عن عبدالله بن عيسى عن زيد بن علي عن عتبة بن غزوان عن نبی الله ﷺ قال اذا اضل احدكم شيئا او اراد احدكم عونا وهو بارض ليس بها انيس فليقل يا عبادالله اغيثوني يا عبادالله اغيثوني...... وقد جرب ذلك۔

ترجمہ: حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تم کوئی چیز گم کر بیٹھو یا مدد کا ارادہ کرلو اور اگر تم ایسی جگہ پر ہو کہ وہاں پر تمہارا کوئی انیس نہیں ہے تو اس طرح کہنا چاہیے۔ اے اللہ کے بندوں میری فریادرسی کرو اے اللہ کے بندو میری فریادرسی کرو۔ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث مجرب ہے۔

(طبرانی کبیر ج ۱۷ ص ۱۱۷ رقم الحدیث ۲۹۰ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

غیر مقلد نواب صدیق حسن خاں لکھتے ہیں۔

رجاله ثقات۔

ترجمہ: اس روایت کے تمام راوی ثقہ ہے۔

(نزل الابرار ص ۳۳۵ مطبوعہ بیروت)

یہ روایت حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہیں:

(طبرانی کبیر ج ۱۰ ص ۲۱۷ رقم الحدیث ۱۰۵۱۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۱۳۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (کشف الاستار عن زوائد البزار ج ۴ ص ۳۴ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

شیخ عبدالحق کی ان عبارات نے فیصلہ کردیا کہ دنیا وآخرت کی تمام نعمتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مانگو مال مانگو جنت مانگو جہنم سے پناہ مانگو بلکہ اللہ کو مانگو۔ ایک صوفی شاعر خوب فرماتے ہیں۔

محمد اتو مے خواہم خدارا — خدایا از تو عشق مصطفی را

یارسول اللہ میں آپ سے اللہ کو مانگتا ہوں — اور اے اللہ میں تجھ سے رسول اللہ کو مانگتا ہوں

حضرت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم نے فرمایا کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **ولو انهم اذظلموا انفسهم جآء وك فاستغفروا الله واستغفرلهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔** (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۶۴) اس کا ترجمہ ہے کہ اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرکے آپ کی بارگاہ میں آجاتے پھر خدا سے اپنی مغفرت مانگتے اور یہ رسول بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرتے تو یہ لوگ آپ کے پاس اللہ کو پالیتے۔ مگر کس شان میں **توابا رحيما** تو بہ قبول فرمانے والا مہربان یعنی آپ کے پاس آنے سے ان کو خدا مل جاتا۔

اللہ کو بھی پایا مولیٰ تیری گلی میں

اشعۃ اللمعات کی طرح مرقاۃ شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت فرمایا ہے کہ **فعطى لمن شآء ماشآء** حضور علیہ السلام جس کو جو چاہیں دے دیں تفسیر کبیر جلد سوم پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت ۸۸ **ولو اشركوا لحبط عنهم ما كانوا يعملون** ہے۔

وثالثها الانبيآء وهم الذين اعطاهم الله تعالى من العلوم والمعارف ما لاجله يقدرون على التصرف فى بواطن الخلق وارواحهم وايضا اعطاهم من القدرة والمكنة ما لا يقدرون على التصرف فى ظواهر الخلق۔

ترجمہ: تیسرے ان میں انبیاء ہیں یہ وہ حضرات ہیں جن کو رب نے علوم اور معارف اس قدر دیئے ہیں۔ جن سے وہ مخلوق کی اندرونی حالت اور ان کی ارواح پر تصرف کرسکتے ہیں اور ان کو اس قدر قدرت وقوت دی ہے جس سے مخلوق کے ظاہر پر تصرف کرسکتے ہیں۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اسی تفسیر کبیر پارہ الم **واذ قال ربك للملئكة** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۳۰) کی تفسیر میں ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی جنگل میں پھنس جائے تو کہے۔

اعينونى عباد الله يرحمكم الله۔

ترجمہ: اے اللہ کے بندو میری مدد کرو رب تم پر رحم فرمائے۔

تفسیر روح البیان سورہ مائدہ پارہ ۶ زیر آیت ۳۳ **ويسعون فى الارض فسادا** ہے کہ شیخ صلاح الدین فرماتے ہیں۔ مجھ کو رب نے قدرت دی ہے کہ میں آسمان کو زمین پر گرادوں اگر میں چاہوں تو تمام دنیا والوں کو ہلاک کردوں اللہ کی قدرت سے لیکن ہم اصلاح کی دعا کرتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۳۶۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

مثنوی شریف میں ہے۔

اولیاء راہست قدرت از الٰہ — تیر جستہ باز گرداند زراہ

اولیاء کو اللہ سے یہ قدرت ملی ہے — کہ چھوٹا ہوا تیر واپس کرلیں

اشعۃ اللمعات شروع باب زیارت القبور میں ہے۔

امام غزالی گفتہ ہر کہ استمداد کردہ شود بوے در حیات استمداد کردہ می شود بوے بعد از وفات یکے از مشائخ گفتہ دیدم چہار کس را از مشائخ کہ تصرف می کنند در قبور خود مانند تصرفہا ایشاں در حیات خود یا بیشتر قومے می گویند کہ امداد حی قوی تر است ومن می گویم کہ امداد میت قوی تر و اولیاء را تصرف در اکون حاصل است وآں نیست مگر ارواح ایشاں را و ارواح باقی است۔

ترجمہ: امام غزالی نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جاتی ہے اس سے ان کی وفات کے بعد بھی مدد مانگی جاوے ایک بزرگ نے فرمایا کہ چار شخصوں کو ہم نے دیکھا کہ وہ قبروں میں بھی وہ ہی عمل درآمد کرتے ہیں جو زندگی میں کرتے تھے یا زیادہ ایک جماعت کہتی ہے کہ زندہ کی مدد زیادہ قوی ہے اور میں کہتا ہوں کہ مردہ کی امداد زیادہ قوی اولیاء کی حکومت جہانوں میں ہے اور یہ نہیں ہے مگر ان کی روحوں کو کیونکہ ارواح باقی ہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۷۱۵ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

حاشیہ مشکوۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

واما الاستمداد باهل القبور في غير النبي عليه السلام او الانبيآء فقد انكره كثير من الفقهآء واثبته المشائخ الصوفية وبعض الفقهآء قال الامام الشافعي قبر موسى الكاظم ترياق مجرب لاجابة الدعاء وقال الامام الغزالي من يستمد في حياته يستمد بعد وفاته۔

ترجمہ: نبی علیہ السلام و دیگر انبیائے کرام کے علاوہ اور اہل قبور سے دعا مانگنے کا بہت سے فقہا نے ان کا کیا اور مشائخ صوفیہ اور بعض فقہاء نے اس کو ثابت کیا ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ موسیٰ کاظم رحمۃ اللہ علیہ کی قبر قبولیت دعا کے لئے آزمودہ تریاق ہے اور امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ جس سے زندگی میں مدد مانگی جا سکتی ہے اس سے بعد وفات بھی مدد مانگی جا سکتی ہے۔

(حاشیہ مشکوۃ شریف ۱۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (احیاء العلوم ج ۲ ص ۲۴۷ مطبوعہ مطبعۃ عثمانیہ مصر)

اس عبارت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ یا دیگر انبیائے کرام سے مدد مانگنے میں تو کسی کا اختلاف نہیں۔ قبور اولیاء اللہ سے مدد مانگنے میں اختلاف ہے علمائے ظاہرین نے ان کار کیا صوفیا کرام اور فقہاء اہل کشف نے جائز فرمایا۔

حصن حصین ص ۲۰۲ میں ہے۔

وان اراد عونا فليقل يا عبادالله اعينوني يا عبادالله اعينوني يا عبادالله اعينوني۔

ترجمہ: جب مدد لینا چاہے تو کہے اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔

(الحصن الحصین للجزری ص ۲۲ مطبوعہ مصر)

اس کی شرح الحرز الثمین میں ملا علی قاری اسی جگہ فرماتے ہیں۔

اذا انفلتت دآبة احدكم بارض فلاة فليناديا عبادالله احبسوا۔

ترجمہ: یعنی جب جنگل میں کسی کا جانور بھاگ جائے تو آواز دو کہ اے اللہ کے بندو اسے روک دو۔

(الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۲۰۲ مطبوعہ مطبع المیریہ سعودی عرب مکۃ المکرمۃ)

عباد اللہ کے ماتحت فرماتے ہیں۔

المراد بهم الملئكة او المسلمون من الجن او رجال الغيب المسمون بابدال۔

ترجمہ: یعنی بندوں سے یا تو فرشتے یا مسلمان یا جن یا رجال الغیب یعنی ابدال مراد ہیں۔
(الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۲۰۲ مطبوعہ مطبع المیریہ سعودی عرب مکہ المکرمۃ)

پھر فرماتے ہیں۔

هذا حديث حسن يحتاج اليه المسافرون وانه مجرب۔

ترجمہ: یہ حدیث حسن ہے مسافروں کو اس حدیث کی سخت ضرورت ہے اور یہ عمل مجرب ہے۔
(الحرز الثمین شرح حصن حصین ص ۲۰۲ مطبوعہ مطبع المیریہ سعودی عرب مکہ المکرمۃ)

شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر فتح العزیز ص ۲۰ پر فرماتے ہیں۔

باید فهمید که استعانت از غیر بوجهی که اعتماد باشد او را اعوان الهی نداند حرام است واگر التفات محض بجانب حق است داو را یکے از مظاهر عون الهی دانسته وبکارخانه اسبابی وحکمت او تعالی در آں نموده بغیر استعانت ظاهر نماید دور از عرفان نخواهد بود ودر شرح نیز جائز وروا است در انبیاء واولیاء ایں نوع استعانت تعبیر کرده اند در حقیقت ایں نوع استعانت بغیر نیست بلکه استعانت بحضرت حق است لاغیر۔

ترجمہ: سمجھنا چاہیے کہ کسی غیر سے مدد مانگنا بھروسہ کے طریقہ پر کہ اس کو مدد الٰہی نہ سمجھے حرام ہے اور اگر توجہ حق تعالیٰ کی طرف ہے اس کو اللہ کی مدد کا ایک مظہر جان کر اور اللہ کی حکمت اور کارخانہ اسباب جان کر اس سے ظاہری مدد مانگی تو عرفان سے دور نہیں ہے اور شریعت میں جائز ہے اور اس کو انبیاء واولیاء کی مدد کہتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ حق تعالیٰ کے غیر سے مدد مانگنا نہیں ہے لیکن اس کی مدد سے ہے۔
(تفسیر فتح العزیز ج ا ص ۸ مطبوعہ دار الکتب دہلی)

تفسیر عزیزی سورہ بقرہ ص ۴۶۰ میں شاہ عبدالعزیز فرماتے ہیں۔

افعال عادی الهی را مثل بخشیدن فرزند و توسیع رزق وشفاء مریض وامثال ذالک را مشرکان نسبت به ارواح خبیثه اصنام می نمایند وکافر می شوید۔ از تاثیر الهی یا خواص مخلوقات ادمی دانند ازا دویه ومغافیر یا دعائے لحاء بندگان او که هم از جناب او در درخواسته انجاح مطلب می کنانند می مهمند ودر ایمان ایشاں خلل نمی طرف نسبت کرتے ہیں اور کافر ہوجاتے ہیں اور مسلمان ان امور کو حکم الہی یا اس کی مخلوق کی خاصیت سے جانتے ہیں جیسے کہ دوائیں یا مغافیر یا اس کے نیک بندوں کی دعائیں کہ وہ بندے رب کی بارگاہ سے مانگ کر لوگوں کی حاجت روائی کرتے ہیں اور ان مومنین کے ایمان میں اس سے خلل نہیں آتا۔

بستان المحدثین شاہ عبدالعزیز صاحب شیخ ابوالعباس احمد زرونی کے یہ اشعار نقل کرتے ہیں۔

انا لمریدی جامع لشتاته اذا ما مطى جور الزمان بنكبته
وان كنت فى ضيق وكرب وحشته فناد بياز روق ات بسرعته

ترجمہ: میں اپنے مرید کی پراگندگیوں کو جمع کرنے والا ہوں جبکہ زمانہ کی مصیبتیں اس کو تکلیف دیں۔ اگر تو تنگی یا مصیبت یا وحشت

میں ہوتو پکار کر اے زروق میں فوراً آؤں گا۔

تفسیر کبیر وروح البیان وخازن میں سورہ یوسف زیر آیت فلبث فی السجن بضع سنین (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۴۲) (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۲۴۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) ہے الا ستعانه بالناس فی دفع الضرر والظلم جائزة اور خازن زیر آیت ۴۲ فانساه الشیطن میں ہے الاستعانته بالمخلوق فی دفع الضرر جائز مصیبت دور کرنے کے لئے مخلوق سے مدد لینا جائز ہے۔ درمختار جلد سوم باب اللقطہ کے آخر میں گمی ہوئی چیز تلاش کرنے کے لئے ایک عمل لکھا۔

ان الانسان اذا ضاع له شیئی واراد ان یرده الله علیه فلیقف علی مکان عال مستقبل القبلة و یقرء الفاتحة ویهدی ثوابها للنبی علیه السلام ثم یهدی ثوابها لسیدی احمد ابن علوان یقول یا سیدی یا احمد ابن علوان ان لم ترد علی ضالتی والا نزعتك من دبوان الاولیآء فان الله یرد ضالته ببرکته۔

ترجمہ: جس کسی کی کوئی چیز گم ہو جاوے اور وہ چاہے کے خدا وہ چیز واپس ملا دے تو کسی اونچی جگہ پر قبلہ کو منہ کر کے کھڑا ہو اور سورہ فاتحہ پڑھ کر اس کا ثواب نبی علیہ السلام کو ہدیہ کرے پھر سیدی احمد ابن علوان اگر آپ نے میری چیز نہ دی تو میں آپ کو دفتر اولیاء سے نکال دوں گا۔ پس خدا تعالیٰ اس کی گمی ہوئی چیز ان کی برکت سے ملا دے گا۔

(ردالمحتار باب اللقطہ ج ۳ ص ۳۲۴ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس دعا میں سید احمد ابن علوان کو پکارا بھی ان سے مدد مانگی ان سے گمی ہوئی چیز بھی طلب کی اور یہ دعا کس نے بتائی حنفیوں کے فقیہ اعظم صاحب درمختار نے حضرت امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

یا اکرم الثقلین یا کنز الوری — جدلی بجودك وارضنی برضاك

انا طامع بالجود منك لم یكن — لابی حنیفته فی الانام سواك

اے موجودات سے اکرم اور نعمت الٰہی کے خزانے جو اللہ نے آپ کو دیا ہے مجھے بھی دیجئے اور اللہ نے آپ کو راضی کیا ہے مجھے بھی آپ راضی فرمایئے۔ میں آپ کی سخاوت کا امیدوار ہوں آپ کے سوا ابوحنیفہ کا خلقت میں کوئی نہیں۔ اس میں حضور علیہ السلام سے صریح مدد لی گئی ہے۔ قصیدہ بردہ میں ہے۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبه — سواك عند حلول الحادث العمم

اے تمام مخلوق سے بہتر میرا آپ کے سوا کوئی — جس کی میں پناہ لوں مصیبت کے وقت نہیں

(شرح الخرپوتی علی البردۃ ص ۲۱۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اگر ہم ان علماء و فقہاء کا کلام جمع کریں۔ جس میں انہوں نے حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے۔ تو اس کے لئے دفتر درکار ہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔ نیز ہم سفر برائے زیارت قبور میں شامی کی عبارت نقل کریں گے۔ جس میں امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب مجھے کوئی حاجت پیش ہوتی ہے تو امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مزار پر آتا ہوں ان کی برکت سے کام ہو جاتا ہے۔

(اخبار ابی حنیفہ واصحابہ ص ۸۹ مطبوعہ مکتبہ عزیزیہ)، (تانیب الخطیب ص ۱۶ مطبوعہ مکتبہ ملتان)

(امام خطیب بغدادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

اخبرنا القاضی ابوعبدالله الحسین ابن علی بن محمد الصمیری قال انبانا عمر بن ابراهیم المقری قال نبانا مکرم بن احمد قال نبانا عمر بن اسحاق بن ابراهیم قال نبانا علی بن میمون قال سمعت الشافعی یقول انی لاتبرك بابی حنیفة واجئی الی قبره فی کل یوم یعنی زائر فاذا عرضت لی حاجته صلیت رکعتین وجئت الی قبره سالت الله تعالیٰ الحاجته عنده فما تبعد عنی حتیٰ تقضی۔

ترجمہ: حضرت علی بن میمون نے فرمایا کہ میں نے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے سنا کہ بے شک میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ برکت حاصل کرتا ہوں اور ہر روز ان کی قبر کی زیارت کے لئے آتا ہوں۔ جب مجھے کوئی حاجت پیش آئے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر پر حاضری دیتا ہوں اور قبر کے پاس اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتا ہوں تو وہ میری حاجت بہت جلد پوری ہو جاتی ہے۔

(تاریخ بغداد ج ا ص ۱۲۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت سعید اللہ غفر اللہ)

نزہۃ الخاطر الفاتر فی ترجمہ سیدی الشریف عبدالقادر مصنفہ ملا علی قاری ص ۶۱ میں حضور غوث اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ قول نقل فرمایا۔

من استغاث بی فی کربة کشفت عنه و من نادانی باسمی فی شدة فرجت عنه و من توسل بی الی الله فی حاجة قضیت۔

ترجمہ: یعنی جو کوئی رنج و غم میں مجھ سے مدد مانگے تو اس کا رنج و غم دور ہوگا اور جو سختی کے وقت میرا نام لے کر مجھے پکارے تو وہ شدت دفع ہوگی اور جو کسی حاجت میں رب کی طرف مجھے وسیلہ بنائے تو اس کی حاجت پوری ہوگی۔

(بہجۃ الاسرار ص ۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ مصطفیٰ البابی مصر)

پھر اسی جگہ ہے کہ حضور غوث پاک نماز غوثیہ کی ترکیب بتاتے ہیں کہ دو رکعت نفل پڑھے۔ ہر رکعت میں ۱۱۔۱۱ بار سورہ اخلاص پڑھے۔ سلام پھیر کر ۱۱ بار صلوٰۃ و سلام پڑھے پھر بغداد کی طرف (جانب شمال) ۱۱ قدم چلے ہر قدم پر میرا نام لے کر اپنی حاجت عرض کرے اور دو شعر پڑھے۔

ایدرکنی ضیم وانت ذخیرتی	واظلم فی الدنیا وانت نصیری
دعار علی حامی الحمی وھو منجدی	اذا ضاع فی البیداء عقال بغیری

یہ کہہ کر ملا علی قاری فرماتے ہیں **وقد جرب ذالك مرارا فصح** یعنی بار ہا اس نماز غوثیہ کا تجربہ کیا گیا۔ درست نکلا کہیئے کہ حضور غوث پاک مسلمانوں کو تعلیم دیتے ہیں کہ مصیبت کے وقت مجھ سے مدد مانگو اور حنفیوں کے بڑے معتبر عالم ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اسے بغیر تردید نقل فرما کر فرماتے ہیں کہ اس کا تجربہ کیا گیا بالکل صحیح ہے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں سے بعد وفات مدد مانگنا جائز اور فائدہ مند ہے۔

یہاں تک تو ہم نے قرآنی آیات اور احادیث اور اقوال فقہاء و علماء و مشائخ سے ثبوت دیا اب خود منع کرنے والوں کے اقوال سے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

مولوی محمود حسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے ترجمہ قرآن میں جس کے چار پاروں کا حاشیہ انہوں نے لکھا باقی کا مولوی شبیر احمد صاحب نے۔ اس میں ایاک نستعین کے ماتحت فرماتے ہیں "ہاں اگر کسی مقبول بندے کو واسطہ رحمت الٰہی اور غیر مستقل سمجھ کر استعانت ظاہری اس سے کرے تو یہ جائز ہے۔ کہ یہ استعانت درحقیقت حق تعالیٰ ہی سے استعانت ہے"

(تفسیر عثمانی ج ا ص ۴ مطبوعہ مکتبہ رحمانیہ لاہور)

بس فیصلہ ہی کر دیا۔ یہ ہی ہمارا دعویٰ ہے کوئی مسلمان بھی کسی نبی یا ولی کو خدا نہیں جانتا نہ خدا کا فرزند محض وسیلہ مانتا ہے۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۶۴ پر ایک سوال و جواب ہے۔

سوال:۔ اشعار اس مضمون کے پڑھنے "یا رسول اللہ کبریا فریاد ہے" یا محمد مصطفیٰ فریاد ہے۔ مدد کر بہر خدا حضرت محمد مصطفیٰ۔ میری تم سے ہر گھڑی فریاد ہے۔ کیسے ہیں۔

الجواب:۔ ایسے الفاظ پڑھنے محبت میں اور خلوت میں بایں خیال کہ حق تعالیٰ آپ کی ذات کو مطلع فرما دیوے یا محض محبت سے بلا کسی خیال کے جائز ہیں۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم ص ۵ پر ہے کہ مولوی رشید احمد صاحب سے کسی نے سوال کیا کہ ان اشعار کو بطور وظیفہ یا ورد پڑھنا کیسا ہے۔

یارسول اللہ انظر حالنا یارسول اللہ اسمع قالنا

اننی فی بحر ھم مغرق خذ یدی سھل لنا اشکالنا

یا قصیدہ بردہ کا یہ شعر وظیفہ کرنا۔

یا اکرم الخلق مالی من الوذبہ سواک عند حلول الحادث العمم

جواب دیا کہ ایسے کلمات کو نظم ہوں یا نثر ورد کرنا مکروہ تنزیہی ہے کفر و فسق نہیں۔

ان دونوں عبارتوں میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگنے کو کفر و شرک نہیں بلکہ جائز زیادہ سے زیادہ مکروہ تنزیہی کہا۔ قصائد قاسمی میں مولوی قاسم صاحب فرماتے ہیں۔

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار

(القصائد القاسمیہ ۵۔۷۔۸ مطبوعہ ملتان)

اس میں حضور علیہ السلام سے مدد مانگی ہے اور عرض کیا ہے آپ کے سوا میرا کوئی بھی حامی نہیں یعنی خدا کو بھی بھول گئے۔ ترجمہ صراط مستقیم اردو خاتمہ تیسرا افادہ صفحہ ۱۰۳ پر مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ اسی طرح ان مراتب عالیہ اور مناصب رفیعہ صاحبان عالم مثال اور عالم شہادت میں تصرف کرنے کے ماذون مطلق اور مجاز ہوتے ہیں۔

(صراط مستقیم ص ۶۰ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دیوبند انڈیا)

حاجی امداد اللہ صاحب فرماتے ہیں۔

جہاز امت کا حق نے کردیا ہے آپ کے ہاتھوں تم اب چاہے ڈباؤ یا تراؤ یارسول اللہ

فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۹ میں ہے۔ اور بعض روایات میں جو آیا ہے۔ اعینو نی یا عباد اللہ یعنی اے اللہ کے بندو میری مدد کرو۔ تو وہ فی الواقع کسی میت سے استعانت نہیں ہے بلکہ عباد اللہ جو صحرا میں موجود ہوتے ہیں ان سے طلب اعانت ہے کہ حق تعالیٰ نے ان کو اسی کام کے واسطے وہاں مقرر کیا ہے۔

(فتاویٰ رشیدیہ کتاب البدعات ج ۱ ص ۹۹ مطبوعہ محمد علی کارخانہ کراچی)

اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنگلوں میں کچھ اللہ کے بندے کی طرف سے اسی لئے رہتے ہیں کہ لوگوں کی مدد کریں ان سے مدد مانگنا جائز ہے مدعی ہمارا بھی یہ ہے کہ اللہ کے بندوں سے استمداد جائز ہے۔ رہا یہ فیصلہ کہ نبی کریم ﷺ مدد فرما سکتے ہیں یا کہ نہیں ہم اس کے متعلق بہت کچھ عرض کر چکے اور آئندہ عقلی دلائل میں بھی بیان کریں گے۔

مولوی محمود حسن ادلہ کاملہ میں صفحہ ۱۲ پر فرماتے ہیں۔ ''آپ اصل میں بعد خدا مالک عالم ہیں جمادات ہوں یا حیوانات بنی آدم ہوں یا غیر بنی آدم۔ القصہ آپ اصل میں مالک ہیں اور یہی وجہ ہے کہ عدل و مہر آپ کے ذمہ واجب الادا نہ تھا۔ صراط مستقیم دوسری ہدایت کا پہلا افادہ صفحہ ۶۰ میں مولوی اسمٰعیل صاحب فرماتے ہیں۔ ''اور حضرت مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت ثابت ہے اور

وہ فضیلت آپ کے فرماں برداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت بلکہ قطبیت وغوثیت اور ابدالیت اور انہی جیسے باقی خدمات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کی وساطت سے ہوتا ہے اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔

(صراط مستقیم ص ۶۰ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دیو بند انڈیا)

اس عبارت سے صاف معلوم ہوا کہ سلطنت امیری ولایت غوثیت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے لوگوں کو ملتی ہے۔ دیو بندیوں کے پیرومرشد حاجی امداد صاحب اپنی کتاب ضیاء القلوب میں فرماتے ہیں اس مرتبہ میں پہنچکر بندہ خدا کا خلیفہ ہو کر لوگوں کو اس تک پہنچاتا ہے اور ظاہر میں بندہ باطن میں خدا ہو جاتا ہے اس کو برزخ کہتے ہیں اور اس میں وجوب وامکان مساوی ہیں۔ کسی کو کسی پر غلبہ نہیں اس مرتبہ پر پہنچ کر عارف عالم پر متصرف ہو جاتا ہے۔ (ضیاء القلوب مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ راشد کمپنی دیو بند صفحہ ۲۹ کے مراتب کا بیان) غور کرو پیر صاحب نے بندہ کو باطن میں خدا مان لیا عالم میں متصرف۔

یکشنبہ ۹ جولائی ۱۹۶۱ء کے جنگ راولپنڈی میں خبر شائع ہوئی کہ صدر پاکستان محمد ایوب خاں صاحب جب امریکہ کے دورے پر کراچی سے روانہ ہوئے تو مولانا احتشام الحق صاحب دیو بندی نے صدر کے بازو پر امام ضامن باندھا اور ۱۰ جولائی ۶۱ دوشنبہ کے جنگ میں مولانا کا فوٹو شائع ہوا جس میں آپ صدر کے بازو پر امام ضامن باندھ رہے ہیں۔ امام ضامن کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ہم امام حسین کے نام روپیہ مسافر کے بازو پر باندھتے ہیں امام ضامن اس کے ضامن ہیں۔ ان کے سپرد کرتے ہیں۔ جب مسافر بخیریت واپس آوے تب اس روپیہ کی فاتحہ امام حسین کے نام کی کی جاوے جن کے سپرد مسافر کیا گیا تھا۔ دیکھو اس میں امام حسین کی مدد بھی لی گئی۔ ان کی فاتحہ بھی کی گئی ان کی نذر بھی مانی گئی۔ جناب صدر کو ان کے سپرد بھی کیا سبحان اللہ کیسا ایمان افروز کام ہے خدا کا شکر ہے کہ دیو بندی بھی اس کے قائل ہو گئے۔

امداد الفتاویٰ مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب جلد ۴ کتاب العقائد والکلام صفحہ ۹۹ میں ہے جو استعانت واستمداد باعتقاد علم وقدرت غیر مستقل ہو اور وہ علم قدرت کسی دلیل سے ثابت ہو جائے تو جائز ہے۔ خواہ مستمد منہ حی ہو یا میت"

(امداد الفتاویٰ کتاب العقائد والکلام ج ۴ ص ۹۹ مطبوعہ مکتبہ دار العلوم کراچی)

بس فیصلہ ہی فرما دیا کہ مخلوق کو غیر مستقل قدرت مان کر ان سے استمداد جائز ہے۔ اگر چہ میت ہی سے مانگی جائے یہ ہی ہم کہتے ہیں۔

مولوی اشرف علی صاحب نے اپنی کتاب نشر الطیب کے آخر میں شیم الحبیب کے عربی کے اشعار کا ترجمہ کیا جس کا نام شیم الطیب رکھا۔ جس میں حضور علیہ السلام سے بے دریغ امداد مانگی اشعار حسب ذیل ہیں۔

شیم الطیب ترجمہ شیم الطیب مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی صفحہ ۱۴۵۔

یا شفیع العباد خذ بیدی	... فی الاضطرار معتمدی
دستگیری کیجئے میری نبی	کشمکش میں تم ہی ہو میرے ولی
لیس لی ملجاء سواك اغث	مسنی الضر سیدی سندی
جز تمہارے ہے کہاں میری پناہ	فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی!
غشنی الدھر ابن عبداللہ	کن مغیثا فانت لی مددی
ابن عبداللہ زمانہ ہے خلاف	اے مرے مولیٰ خبر لیجئے مری
نام احمد چوں حصینے شد حصین	پس چہ باشد ذات آں روح الامین

(نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب ص ۱۸۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

دوسرا باب

اولیاءاللہ سے مدد مانگنے کا عقلی ثبوت

دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور یہاں کے کاروبار اس عالم کے کاروبار کا پتہ دیتے ہیں اسی لئے قرآن کریم نے حشر نشر اور رب کا الوہیت کو دنیاوی مثالوں سے ثابت فرمایا ہے۔ مثلاً فرمایا کہ خشک زمین پر بارش پڑتی ہے تو پھر سبزہ زار بن جاتی ہے۔ اسی طرح بے جان جسموں کو دوبارہ حیات دی جاوے گی نیز فرمایا کہ تم گوارا نہیں کرتے کہ تمہارے غلاموں میں کوئی اور شریک ہو تو ہماری ملکیت میں بتوں وغیرہ کو کیوں شریک مانتے ہو۔ غرضکہ دنیا آخرت کا نمونہ ہے اور دنیا میں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں تو یہ دیکھا گیا ہے کہ یہاں کے بادشاہ ہر کام خود اپنے ہاتھ سے نہیں کرتے۔ بلکہ سلطنت کے کاموں کے لئے محکمہ بنا دیتے ہیں اور ہر محکمہ میں مختلف حیثیت کے لوگ رکھتے ہیں کوئی افسر اور کوئی ماتحت۔ پھر ان تمام محکموں کا مختار یا حاکم اعلیٰ وزیر اعظم کو منتخب کرتے ہیں۔ یعنی ہر کام بادشاہ کی مرضی اس کے منشاء سے ہوتا ہے۔ لیکن بلا واسطہ اس کے ہاتھ سے نہیں ہوتا۔ اس کی وجہ یہ نہیں ہے کہ بادشاہ مجبوری کی وجہ سے اپنا عملہ رکھتا ہے کیونکہ بادشاہ خود پانی پی سکتا ہے۔ اپنی اکثر ضروریات زندگی خود انجام دے سکتا ہے لیکن رعب کا تقاضا ہے کہ ہر کام خدام سے لیا جاوے اور رعایہ کو ہدایت ہوتی ہے کہ اپنی ضروریات کے وقت ان مقرر کردہ حکام کی طرف رجوع کرو۔ بیماری میں شفاخانہ جا کر ڈاکٹر سے کہو۔ مقدمات میں کچہری جا کر جج سے وکلاء کے ذریعہ سے کہو وغیرہ وغیرہ ان مصائب میں رعایا کا ان حکام کی طرف جانا بادشاہ کی بغاوت نہیں ہے بلکہ یہ عین اس کی منشاء کے مطابق ہے کہ اس نے ان کو حکام اسی لئے مقرر کیا ہے۔ ہاں اگر یہ رعایا دوسرے کو اپنا بادشاہ بنا کر اس سے مدد کے طالب ہوں تو اب باغی ہے کیونکہ شاہی انتخاب والوں کو چھوڑا اور غیر کو اپنا حاکم مانا۔ جب یہ بات سمجھ میں آ گئی تو سمجھو کہ یہ ہی طریقہ سلطنت الٰہیہ کا ہے کہ وہ قادر ہے کہ دنیا کا بڑا چھوٹا ہر کام اپنی قدرت سے خود ہی پورا فرما دے مگر ایسا نہیں کرتا بلکہ انتظام عالم کے لئے ملائکہ وغیرہم کو مقرر فرمایا اور ان کے علیحدہ علیحدہ محکمے کر دیئے۔ جان نکالنے والوں کا ایک محکمہ جس کے افسر اعلیٰ حضرت عزرائیل ہیں۔ اسی طرح انسان کی حفاظت رزق پہنچانا بارش برسانا ماؤں کے پیٹ میں بچے بنانا۔ ان کی تقدیر لکھنا مدفون میتوں سے سوالات کرنا۔ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کرنا۔ اور قیامت قائم کرنا۔ پھر قیامت میں جنت و دوزخ کا انتظام کرنا۔ غرضکہ دنیا و آخرت کے سارے کام ملائکہ میں تقسیم فرما دیئے۔

اسی طرح اپنے مقبول انسانوں کے سپرد بھی عالم کا انتظام کیا اور ان کو اختیارات خصوصی عطا فرمائے۔ کتب تصوف دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ اولیاءاللہ کے کتنے طبقے ہیں اور کس کے ذمہ کون کون سے کام ہیں اس کی وجہ یہ نہیں کہ رب تعالیٰ ان کا محتاج ہے۔ نہیں بلکہ آئین سلطنت کا یہ ہی تقاضا ہے پھر ان حضرات کو خصوصی اختیارات بھی دیئے جاتے ہیں۔ جس کی وجہ سے وہ فرماتے ہیں کہ ہم یہ کر سکتے ہیں یہ محض ہمارا قیاس نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث اس پر شاہد ہیں۔ حضرت جبریل نے حضرت مریم سے کہا۔

قال انما انا رسول ربك لاهب لك غلاما زكيا۔

ترجمہ: اے مریم میں تمہارے رب کا قاصد ہوں۔ آیا ہوں تا کہ تم کو پاک فرزند دوں۔

(پارہ ۱۶ سورہ ۱۹ آیت نمبر ۱۹)

معلوم ہوا کہ حضرت جبریل بیٹا دیتے ہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیرا باذن اللہ۔

ترجمہ: میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی شکل بنا کر اس میں پھونکتا ہوں تو وہ خدا کے حکم سے پرندہ بن جاتا ہے۔

(پارہ ۳ سورۃ ۳ آیت نمبر ۴۹)

معلوم ہوا کہ حضرت مسیح باذن الہی بے جان کو جان بخشتے ہیں۔

قل یتوفکم ملک الموت الذی و کل بکم۔

ترجمہ: فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دیںگے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں۔

(پارہ ۲۱ سورۃ ۳۲ آیت نمبر ۱۱)

معلوم ہوا کہ حضرت عزرائیل جاندار کو بے جان کرتے ہیں۔ اور بھی اس قسم کی بہت سی آیات ملیں گی جس میں خدائی کاموں کو بندوں کی طرف نسبت کیا گیا ہے۔ رب تعالیٰ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں فرماتا ہے۔

ویزکیھم ویعلمھم الکتاب والحکمۃ۔

ترجمہ: ہمارے محبوب ان کو پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔

(پارہ ۴ سورۃ ۳ آیت نمبر ۱۶۴)

اغنھم اللہ ورسولہ من فضلہ۔

ترجمہ: ان کو اللہ اور رسول نے اپنے فضل سے غنی کر دیا۔

(پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت نمبر ۷۴)

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر گندگی سے پاک بھی فرماتے ہیں اور فقیروں کو غنی بھی کرتے ہیں۔

خذ من اموالھم صدقۃ تطھر ھم وتزکیھم بھا۔

ترجمہ: آپ ان کے مالوں سے صدقے وصول فرمائیے اور اس سے ان کو پاک فرمادیجئے۔

(پارہ ۱۱ سورۃ ۹ آیت نمبر ۱۰۳)

معلوم ہوا کہ وہ ہی عمل خدا کے یہاں قبول ہے جو بارگاہ رسالت میں منظور ہو جائے۔

ولو انھم رضوا ما اتاھم اللہ ورسولہ وقالوا حسبنا اللہ سیوتینا اللہ من فضلہ ورسولہ۔

ترجمہ: اور کیا اچھا ہوتا۔ اگر وہ اس پر راضی ہوتی جو اللہ رسول نے ان کو دیا اور کہتے نہ اللہ ہم کو کافی ہے اب ہم کو اللہ اپنے فضل سے اور رسول دیں گے۔

(پارہ ۱۰ سورۃ ۹ آیت نمبر ۵۹)

معلوم ہوا کہ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام دیتے ہیں۔ ان آیات سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کہے کہ ہم کو رسول اللہ عزت دیتے ہیں مال واولاد دیتے ہیں تو صحیح ہے کیونکہ آیات نے یہ بتایا لیکن مقصد وہ ہی ہوگا کہ یہ حضرات حکومت الہیہ کے حکام ہیں رب تعالیٰ نے ان کو دیا یہ ہم کو دیتے ہیں۔ اسی طرح مصیبت کے وقت اولیاء اللہ یا انبیائے کرام سے مدد مانگنا بھی اسی طرح ہوا۔ جس طرح کہ بیماری اور مقدمہ میں بادشاہ کی رعایا ڈاکٹر یا حاکم سے مدد مانگتی ہے۔ قرآن نے فرمایا۔

ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جآء وك فاستغفر واللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما۔

ترجمہ: اگر یہ گنہگار اپنی جانوں پر ظلم کر کے اے محبوب تمہارے پاس آجاتے اور پھر اللہ سے مغفرت مانگتے اور اے محبوب آپ بھی ان کے لئے دعائے مغفرت فرماتے تو یہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پاتے۔

(پارہ ۵ سورۃ ۴ آیت نمبر ۶۴)

عالمگیری کتاب الحج باب آداب زیارۃ قبر النبی میں فرماتے ہیں کہ اب بھی جب زائر روضہ پاک پر حاضر ہوتو یہ آیت پڑھے۔ یہ تو دنیا میں تھا۔ قبر میں تین سوال نکرین کرتے ہیں۔ اول تو من ربک تیرا رب کون ہے؟ بندہ کہتا ہے کہ اللہ۔ پھر پوچھتے ہیں کہ تیرا دین کیا؟ بندہ کہتا ہے کہ اسلام۔ ان سوالوں میں اسلام کی ساری باتیں آگئیں۔ مگر ابھی پاس نہیں ہوا۔ بلکہ آخری سوال ہوتا ہے کہ اس سبز گنبد والے آقا کوتو کیا کہتا ہے؟ جب یہ صراحۃً کہلوالیا کہ ہاں میں ان کو پہچانتا ہوں۔ یہ میرے نبی محمد رسول اللہ ﷺ ہیں تب سوالات ختم ہوتے ہیں تو قبر میں ان کے نام کی امداد سے نجات ہوئی۔ قیامت میں لوگ تنگ آکر شفیع کو ہی ڈھونڈیں گے جب حضور علیہ السلام کے دروازے تک پہنچ جائیں گے۔ تب حساب وکتاب شروع ہوگا۔ وہ بھی حضور کی شفاعت سے معلوم ہوا کہ رب کو یہ منظور ہے کہ سارا عالم حضور علیہ السلام کا ہی محتاج رہے یہاں بھی قبر میں بھی اور حشر میں بھی۔ اسی لئے فرمایا **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** تم رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔ یعنی ہر جگہ وسیلہ مصطفیٰ علیہ السلام کی ضرورت ہے۔

اگر یہاں وسیلہ سے مراد نیک اعمال ہی کا وسیلہ مراد ہوتو ہم جیسے گنہگار بدعمل اور مسلمانوں کے لئے دیوانے اور وہ جو ایمان لاتے ہی مرجاویں وہ سب بے وسیلہ ہی رہ جاویں۔ نیز نیک اعمال بھی تو حضور ہی کے طفیل سے حاصل ہوں گے۔ پھر بھی بالواسطہ حضور ہی کا وسیلہ ضروری ہوا۔ نبی کے وسیلہ کے کفار بھی قائل تھے۔ **وکانوا یستفتحون علی الذین کفروا** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۸۹) کعبہ معظمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے بتوں سے پاک ہوا اور حضور ہی کے وسیلہ سے قبلہ بنا **فلنولینک قبلۃ ترضھا**۔ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۴۴) بلکہ حضور ہی کے وسیلہ سے قرآن قرآن کہلایا۔ اور قرآن کی آیات حضور کے مکی مدنی ہونے سے مکی مدنی ہیں ورنہ وہ تو عرشی ہیں۔

شیطان بلاواسطہ انبیاء رب تک پہنچنا چاہتا ہے تو شہاب سے ماردیا جاتا ہے اگر مدینہ کے راستہ سے جاتا تو ہرگز نہ مارا جاتا۔ یہ ہی نتیجہ ان کا بھی ہوگا جو کہتے ہیں خدا کو مان خدا کے سوا کسی کو نہ مان۔

ہماری اس تقریر سے اتنا معلوم ہوا کہ انبیاء واولیاء سے مدد مانگنا یا ان کو حاجت روا جاننا نہ شرک ہے اور نہ خدا کی بغاوت بلکہ عین قانون اسلامی اور منشاء الٰہی کے بالکل مطابق ہے جناب معراج میں نماز اولاً پچاس وقت کی فرض فرمائی۔ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر کم کرتے کرتے پانچ رکھیں آخر کیوں؟ اسی لئے کہ مخلوق جانے کہ نماز پچاس کی پانچ رہیں۔ اس میں موسیٰ علیہ السلام کی مدد شامل ہے۔ یعنی اللہ کے مقبول بعد وفات بھی مدد فرماتے ہیں۔ رہا مشرکین کا اپنے بتوں سے مدد مانگنا یہ بالکل شرک ہے دو وجہ سے۔ اولاً تو اس لئے کہ وہ ان بتوں میں خدائی اثر اور ان کو جھوٹا خدا مان کر مدد مانگتے ہیں۔ اس لئے ان کو الہ یا شرکاء کہتے ہیں یعنی ان بتوں کو اللہ کا بندہ اور پھر الوہیت کا حصہ دار مانتے ہیں جیسے عیسیٰ علیہ السلام کی عیسائی اللہ کا بندہ ہونے کے ساتھ ابن اللہ یا ثالث ثلثہ یا عین اللہ مانتے ہیں مومن ان اولیاء وانبیاء کو محض بندہ ہی مان کر اس کو اس طرح کا حاجت روا مانتے ہیں۔ جیسے اہل دیوبند مالداروں کو مدرسہ کا معاون ومددگار یا طبیب وحاکم کو مختار حکومت تسلیم کرتے ہیں۔ دوسرے اس لئے کہ بتوں کو رب تعالیٰ نے یہ اختیارات نہ دیئے وہ اپنی طرف سے ان کو اپنا مختار مان کر ان سے مدد وغیرہ طلب کرتے ہیں لہٰذا وہ مجرم بھی ہیں اور اللہ کے باغی بندے بھی۔ جس کی بہترین مثال ابھی ہم دے چکے ہیں اس فرق کو شاہ عبدالعزیز صاحب نے ملحوظ رکھ کر فیصلہ فرمایا ہے بلاتشبیہ ایک بت پرست پتھر کی طرف سجدہ کرتا ہے مشرک ہے کہ اس کا فعل اپنی ایجاد سے ہے اور مسلمان کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہاں بھی پتھر ہی کی عمارت ہے مگر مشرک نہیں کیونکہ اس کا سجدہ حقیقت میں خدا کو ہے نہ کہ کعبہ کو اور حکم الٰہی سے ہے مشرک کا سجدہ خلاف حکم الٰہی پتھر کو ہے یہ فرق ضروری ہے۔ گنگا کے پانی کی تعظیم کرنا کفر ہے مگر آب زمزم کی تعظیم ایمان۔ مندر کے پتھر کی تعظیم شرک ہے مگر مقام ابراہیم کی تعظیم ایمان حالانکہ وہ بھی پتھر ہی ہے۔

دوسرا باب

استمداد اولیاء اللہ پر اعتراضات کے بیان میں

اس مسئلہ پر مخالفین کے چند مشہور اعتراضات ہیں وہ ہی ہر جگہ بیان کرتے ہیں۔

اعتراض:۔ مشکوۃ باب الانذار و التحذیر میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے فرمایا۔

لا اغنی عنك من الله شیئا۔

ترجمہ: میں تمہاری مدد نہیں کر سکتا۔

(مشکوۃ المصابیح باب الانذار والتحذیر الفصل الاول ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

جب آپ سے فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی مدد نہ ہو سکتی تو دوسروں کی کیا ہوگی؟

جواب:۔ یہ اول تبلیغ کا واقعہ ہے مقصد یہ ہے کہ اے فاطمہ رضی اللہ عنہا اگر تم نے ایمان قبول نہ کیا تو میں خدا کے مقابل ہو کر تم سے عذاب دور نہیں کر سکتا۔ دیکھو پسر نوح۔ یہاں اسی لئے من اللہ فرمایا۔ مسلمانوں کی حضور ہر جگہ امداد فرمائیں گے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ الا خلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو الا المتقون (پارہ ۲۵ سورہ ۴۳ آیت نمبر ۶۷) پرہیزگاروں کے سوا سارے دوست قیامت میں ایک دوسرے کے دشمن ہو جائیں گے حضور علیہ الصلوۃ والسلام گناہ کبیرہ والوں کی بھی شفاعت فرمائیں گے گرتوں کو سنبھالیں گے۔ شامی باب غسل المیت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا کہ قیامت میں سارے رشتے ٹوٹ جائیں گے سوا میرے نسب اور رشتہ کے۔ واقعی دیوبندیوں کی حضور مدد نہ فرمائیں گے۔ ہم چونکہ بحمدہ تعالیٰ مسلمان ہیں ہماری مدد ضرور فرمائیں گے۔

اعتراض:۔ ایاك نعبد ایاك نستعین۔

ترجمہ: ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔

(پارہ ۱ سورہ ۱ آیت نمبر ۴)

معلوم ہوا کہ عبادت کی طرح مدد مانگنا بھی خدا سے ہی خاص ہے جب غیر خدا کی عبادت شرک۔ تو غیر خدا کی استمداد بھی شرک۔

جواب:۔ اس جگہ مدد سے مراد حقیقی مدد ہے یعنی حقیقی کارساز سمجھ کر تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں۔ رہا اللہ کے بندوں سے مدد مانگنا وہ محض واسطہ فیض الٰہی سمجھ کر ہے جیسے کہ قرآن میں ہے۔ ان الحکم الا للہ (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت نمبر ۵۷) نہیں ہے حکم مگر اللہ کا۔ یا فرمایا گیا لہ ما فی السموت وما فی الارض اللہ ہی کی ہیں تمام آسمان و زمین کی چیزیں۔ پھر ہم حکام کو حکم بھی مانتے ہیں اور اپنی چیزوں پر دعویٰ ملکیت بھی کرتے ہیں۔ یعنی آیت سے مراد ہے حقیقی حکم اور حقیقی ملکیت مگر بندوں کے لئے ہے عطائے الٰہی۔

نیز یہ بتاؤ کہ عبادت اور مدد مانگنے میں تعلق کیا ہے؟ کہ اس آیت میں ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ تعلق یہ ہی ہے کہ حقیقی معاون سمجھ کر مدد مانگنا یہ بھی عبادت ہی کی ایک شاخ ہے۔ بت پرست بتوں کی پرستش کرتے وقت مدد کے الفاظ بھی کہا کرتے ہیں کہ "کالی مائی تیری دہائی" وغیرہ اس لئے ان دونوں کو جمع کیا گیا۔ اگر آیت کا مطلب یہ ہے کہ کسی غیر خدا سے کسی قسم کی مدد مانگنا بھی شرک ہے تو دنیا میں کوئی مسلمان نہیں رہ سکتا۔ نہ تو صحابہ کرام اور نہ قرآن کے ماننے والے اور نہ خود مخالفین۔ ہم اس کا ثبوت اچھی طرح پہلے دے چکے ہیں۔ اب بھی مدرسہ کے چندہ کے لئے مالداروں سے مدد طلب کی جاتی ہے۔ انسان اپنی پیدائش سے لے کر دفن قبر بلکہ قیامت تک بندوں کی مدد کا محتاج ہے۔ دائی کی مدد سے پیدا ہوئے ماں باپ کی مدد سے پرورش پائی۔ استاد کی مدد سے علم سیکھا۔ مالداروں کی مدد سے زندگی گزاری اہل قرابت کی تلقین کی مدد سے دنیا سے ایمان سلامت لے گئے۔ پھر غسال اور درزی کی مدد سے غسل ملا اور کفن پہنا۔ گورکن کی مدد سے قبر کھدی۔ مسلمانوں کی مدد سے زیر خاک دفن ہوئے پھر اہل قرابت کی مدد سے بعد میں ایصال ثواب ہوا۔ پھر ہم کس منہ سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم کسی سے مدد نہیں مانگتے اس آیت میں کوئی قید نہیں ہے کہ کس سے مدد اور کس وقت۔

اعتراض: ۔رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وما لکم من دون اللہ من ولی و لا نصیر** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۰۷) معلوم ہوا کہ رب کے سوانہ کوئی ولی ہے نہ مددگار۔

جواب: ۔ یہاں ولی اللہ کی نفی نہیں ۔ بلکہ ولی من دون اللہ کی نفی ہے۔ جنہیں کفار نے اپنا ناصر و مددگار مان رکھا تھا یعنی بت وشیاطین ولی اللہ وہ جسے رب نے اپنے بندوں کا ناصر بنایا۔ جیسے انبیاء واولیاء وائسرائے لندن سے حکومت کرنے کے لئے منتخب ہو کر آتا ہے۔ اگر کوئی شخص کسی کو خودساختہ حاکم مان لے وہ مجرم ہے۔ سلطانی حکام کو مانو، خودساختہ حاکموں سے بچو۔ ایسے ہی ربانی حکام سے مدد لو گھریلو ناصرین سے بچو موسیٰ علیہ السلام کو رب تعالیٰ نے حکم دیا کہ۔

اذهب الی فرعون انه طغی۔

ترجمہ: فرعون کے پاس جاؤ وہ سرکش ہو گیا۔

(پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت نمبر ۲۴)

آپ نے عرض کیا:

واجعل لی وزیراً من اهلی هرون اخی اشدد به ازری۔

ترجمہ: مولیٰ حضرت ہارون کو میرا وزیر بنادے جس سے میرے بازو کو قوت ہو۔

(پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت نمبر ۲۹۔۳۰۔۳۱)

رب تعالیٰ نے بھی نہ فرمایا کہ تم نے میرے سوا کسی اور کا سہارا کیوں لیا؟ بلکہ منظور فرمایا۔ معلوم ہوا کہ اللہ والوں کا سہارا لینا طریقہ انبیاء ہے۔

اعتراض: ۔درمختار باب المرتدین کرامات اولیاء میں ہے کہ قول **شیئاً للہ قیل یکفرہ** معلوم ہوا کہ **یا عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ** کہنا کفر ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب المرتد مطلب فی کرامات الاولیاء ج ۳ ص ۳۳۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جواب: ۔یہاں شیئا للہ کے یہ معنی ہیں کہ خدا کی حاجت روائی کے لئے کچھ دو۔ رب تعالیٰ تمہارا محتاج ہے جیسے کہا جاتا ہے کہ یتیم کے لئے کچھ دو۔ یہ معنی واقعی کفر ہیں۔ اس کی شرح میں شامی نے فرمایا۔ **اما ان قصد المعنی الصحیح فالظاهر انه لاباس به۔**

(ردالمحتار علی درالمختار باب المرتد مطلب فی کرامات الاولیاء ج ۳ ص ۳۳۰۔۳۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یعنی اگر اس سے صحیح معنی کی نیت کی کہ اللہ کے لئے مجھے کچھ دو یہ جائز ہے اور ہمارے نزدیک شئیا للہ کا یہ ہی مطلب ہے۔

اعتراض: ۔

وہ کیا ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اولیاء سے!

جواب: ۔

وہ چندہ ہے جو نہیں ملتا خدا سے جسے تم مانگتے ہو اغنیاء سے

توسل کچھ نہیں سکتے خدا سے اسے ہم مانگتے ہیں اولیاء سے

اعتراض: ۔خدا کے بندے ہو کر غیر کے پاس کیوں جائیں؟ ہم اس کے بندے ہیں چاہیئے کہ اسی سے حاجتیں مانگیں۔ (تقویۃ الایمان)

جواب: ۔ ہم خدا کے بندہ خدا کے حکم سے خدا کے بندوں کے پاس جاتے ہیں۔ قرآن بھیج رہا ہے۔ دیکھو گزشتہ تقریر۔ اور خدا نے ان بندوں کو اسی لئے دنیا میں بھیجا ہے۔

حاکم حکیم دارو دوا دیں یہ کچھ نہ دیں مردود یہ مراد کس آیت خبر کی ہے!

اعتراض:۔ قرآن کریم نے کفار کا کفر یہ بیان کیا ہے کہ وہ بتوں سے مدد مانگتے ہیں۔وہ بتوں سے مدد مانگ کر مشرک ہوئے اور تم اولیاء سے۔

جواب:۔ اور تم بھی مشرک ہوئے اغنیاء پولیس اور حاکم سے مدد مانگ کر، یہ فرق ہم اپنی عقلی تقریر میں بیان کر چکے ہیں۔رب تعالیٰ فرماتا ہے:

و من یلعن اللہ فلن تجد لہ نصیراً۔

ترجمہ: جس پر خدا کی لعنت ہوتی ہے۔اس کا مددگار کوئی نہیں۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۵۲)

مومن پر خدا تعالیٰ کی رحمت ہے اس کے لئے رب تعالیٰ نے بہت مددگار بنائے۔

اعتراض:۔ شرح فقہ اکبر میں ملاعلی قاری نے لکھا ہے کہ حضرت خلیل نے آگ میں پہنچ کر حضرت جبریل کے پوچھنے پر بھی ان سے مدد نہ مانگی۔ بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کوئی حاجت نہیں اگر غیر خدا سے حاجت مانگنا جائز ہوتا تو ایسی شدت میں خلیل اللہ جبریل سے کیوں مدد نہ طلب کرتے۔

جواب:۔ یہ وقت امتحان تھا اندیشہ تھا کہ حرف شکایت منہ سے نکلنا رب کو ناپسند ہوگا۔اسی لئے خلیل اللہ نے اس وقت خدا سے بھی دعا نہ کی بلکہ فرمایا کہ اے جبریل تم سے کچھ حاجت نہیں اور جس سے ہے وہ خود جانتا ہے جیسے کہ حضور علیہ السلام نے حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔مگر اس مصیبت کے دفع ہونے کی کسی نے بھی دعا نہ کی نہ مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نہ حضرت مرتضیٰ نے نہ حضرت فاطمہ زہرا نے رضی اللہ عنہما۔

اعتراض:۔ زندوں سے مدد مانگنا جائز ہے مگر مردوں سے نہیں۔کیونکہ زندہ میں مدد کی طاقت ہے مردہ میں نہیں لہذا یہ شرک ہے۔

جواب:۔ قرآن میں ہے **و ایاك نستعین** (پارہ ا سورہ ا آیت نمبر ۴) ہم تجھ سے ہی مدد مانگتے ہیں اس میں زندہ اور مردے کا فرق کہاں۔کیا زندہ کی عبادت جائز ہے مردے کی نہیں؟ جس طرح غیر خدا کی عبادت مطلقاً شرک ہے زندہ کی ہو یا مردے کی استمداد بھی مطلقاً شرک ہونی چاہیے۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے ڈھائی ہزار برس بعد امت مصطفیٰ ﷺ کی یہ مدد فرمائی کہ شب معراج میں پچاس نمازوں کی بجائے پانچ کرادیں۔رب تعالیٰ جانتا تھا کہ نمازیں پانچ رہیں گی مگر بزرگان دین کی مدد کے لئے پچاس مقرر فرما کر پھر دو پیاروں کی دعا سے پانچ مقرر فرمائیں۔استمداد کے منکرین کو چاہیے کہ نمازیں پچاس پڑھا کریں۔کیونکہ پانچ میں غیر اللہ کی مدد شامل ہے۔

نیز قرآن کریم تو فرماتا ہے کہ اولیاء اللہ زندہ ہیں ان کو مردہ نہ کہو اور نہ جانو۔

و لا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموت بل احیاء ولکن لاتشعرون۔

ترجمہ: جو اللہ کی راہ میں قتل کئے گئے ان کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ تو زندہ ہیں لیکن تم احساس نہیں کرتے۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۵۴)

جب یہ زندہ ہوئے تو ان سے مدد حاصل کرنا جائز ہوا۔بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ تو شہداء کے بارے میں ہے جو کہ تلوار سے راہ خدا میں مارے جاویں گے۔مگر یہ بلاوجہ زیادتی ہے اس لئے کہ آیت میں لوہے کی تلوار کا ذکر نہیں ہے جو حضرات عشق الٰہی کی تلوار سے مقتول ہوئے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔(روح البیان) اسی لئے حدیث پاک میں آیا کہ جو ڈوب کر مرے جل جاوے طاعون میں مرے عورت زچگی کی حالت میں مرے۔طالب علم مسافر وغیرہ سب شہید ہیں۔نیز اگر صرف تلوار سے مقتول تو زندہ ہوں باقی سب مردے تو نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معاذ اللہ مردہ ماننا لازم آوے گا۔حالانکہ سب کا متفقہ عقیدہ ہے کہ حضرات بحیات کامل زندہ ہیں۔نیز زندہ اور مردے سے مدد مانگنے کی تحقیق بہ ہم ثبوت استمداد میں کر چکے ہیں کہ امام غزالی فرماتے ہیں کہ جس سے زندگی میں مدد لی جاسکتی ہے بعد موت بھی اس سے مدد مانگی جاوے اور اس کی کچھ تحقیق بوسہ تبرکات اور سفر زیارت قبور میں بھی ہوگی۔انشاءاللہ تعالیٰ۔

تفسیر صاوی آخر سورہ قصص **ولا تدع مع اللہ الھا اخر** (پارہ ۲۰ سورہ ۲۸ آیت نمبر ۸۸) کی تفسیر میں ہے۔

فحینئذ فلیس فی الایة دلیل علی ما زعمه الخوارج من ان الطلب من الغیر حیا و میتا شرك فانه جهل مرکب لان سوال الغیر من اجراء الله النفع او النصر علی یده قد یکون واجبا لانه من التمسك بالاسباب ولاینکر الاسباب الا جحودا او جهولا۔

ترجمہ: یعنی یہاں لاتدع کے معنی ہیں نہ پوجو لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ کچھ مانگنا شرک ہے۔ خارجیوں کی یہ بکواس اس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل۔

(تفسیر صاوی ج ۴ ص ۳۰۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس عبارت سے تین باتیں معلوم ہوئیں (۱) غیر خدا سے مانگنا صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب بھی ہوتا ہے (۲) اس طلب کا انکار خارجی کرتے ہیں (۳) لاتدع میں پوجنے کی نفی ہے نہ کہ پکارنے کی یا مدد مانگنے کی۔

اعتراض:۔ بزرگان دین کو دیکھا گیا ہے کہ بڑھاپے میں چل پھر نہیں سکتے اور بعد وفات بالکل بے دست و پا ہیں پھر ایسے کمزوروں سے مدد لینا بتوں سے مدد لینے کی طرح لغو ہے۔ اس کی برائی رب تعالیٰ نے بیان کی کہ وان یسلبهم الذباب شیئاً لایستنقذوه منه (پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۷۳) یہ اولیاء اپنی قبروں سے مکھی بھی دفع نہیں کر سکتے۔ ہماری کیا مدد کریں گے۔

جواب:۔ یہ تمام کمزوریاں اس جسم خاکی پر اس لئے طاری ہوتی ہیں کہ اس کا تعلق روح ہے کمزور ہو گیا روح میں کوئی کمزوری نہیں بلکہ بعد موت اور زیادہ قوی ہو جاتی ہے کہ قبر کے اندر سے باہر والوں کو دیکھتی اور قدموں کی آواز سنتی ہے۔ خصوصاً ارواح انبیاء رب تعالیٰ نے فرمایا ہے وللاخرة خیر لك من الاولی (پارہ ۳۰ سورہ ۹۳ آیت نمبر ۴) پچھلی گھڑی گزشتہ گھڑی سے آپ کے لئے بہتر ہے اور استمداد ولی کی روح سے ہے۔ نہ جسم عنصری سے کفار جن سے مدد مانگتے ہیں وہ روحانی طاقت سے خالی ہیں نیز وہ پتھروں کو اپنا مددگار جانتے ہیں جن میں روح بالکل نہیں۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت ۳۷ (تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۴۴۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) یحلونه عاماً ویحرمونه عاماً کی تفسیر میں ہے کہ حضرت خالد و عمر نے زہر پیا۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہما۔ حضور علیہ السلام نے خیبر میں زہر کھایا۔ مگر بوقت وفات اثر ظاہر ہوا کہ انہوں نے مقام حقیقت میں رہ کر زہر پیا تھا۔ اور زہر کا اثر حقیقت پر نہیں ہوتا۔ بوقت وفات بشریت کا ظہور تھا کہ موت بشریت پر طاری ہوتی ہے۔ لہٰذا اب اثر ظاہر ہوا۔ ان حضرات کو قبر کی مکھی تو کیا عالم کو پلٹ دینے کی طاقت ہے۔ مگر اس جانب توجہ نہیں۔ خانہ کعبہ میں تین سو برس بت رہے رب نے دور نہ کیے تو کیا خدا کمزور ہے اپنے گھر سے نجاست دور نہ کر سکا؟ رب سمجھ دے۔

اعتراض:۔ حضرت علی اور امام حسین میں اگر کچھ طاقت ہوتی۔ تو خود دشمنوں سے کیوں شہید ہوتے جب وہ اپنی مصیبت دفع نہ کر سکے۔ تو تمہاری مصیبت کیا دفع کریں گے؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وان یسلبهم الذباب شیئا لا یستنقذوه منه۔

(پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۷۳)

جواب:۔ ان میں دفع مصیبت کی طاقت تو تھی۔ مگر طاقت کا استعمال نہ کیا۔ کیونکہ رب تعالیٰ کی مرضی ایسی ہی تھی۔ موسیٰ علیہ السلام کا عصاء فرعون کو بھی کھا سکتا تھا۔ مگر وہاں استعمال نہ کیا امام حسین رضی اللہ عنہ میں طاقت تھی کہ کربلا میں حوض کوثر منگا لیتے فرات کی کیا حقیقت تھی مگر راضی برضاء الٰہی تھے۔ دیکھو رمضان میں ہمارے پاس پانی ہوتا ہے۔ مگر حکم الٰہی کی وجہ سے استعمال نہیں کرتے بخلاف بتوں کے کہ ان میں طاقت ہی نہیں۔ لہٰذا یہ آیت انبیاء و اولیاء کے لئے پڑھنا بے دینی ہے۔ یہ بتوں کے لئے ہے۔ حضرت حسین کے نانا نے بار بار اپنی انگلیوں سے پانی کے چشمے بہا دیئے یہ پانی جنت سے آتا تھا۔

وَابتَغُوا اِلَیهِ الوَسِیلَةَ

اور اس (رب) کی طرف وسیلہ ڈھونڈو

رحمت خدا

بوسیلۂ اولیاء اللہ

مؤلفہ

حکیم الامت شیخ التفسیر مولانا مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔

الحمد للہ رب العلمین والصلوۃ والسلام علی من کان نبیاً و ادم بین المآء والطین خاتم النبیین قائد الغر المحجلین وسیلتنا فی الدارین الی اللہ رب العلمین سیدنا ومولانا محمد والہ الطیبین واصحابہ الطاھرین۔

جس پر آشوب زمانہ سے ہم گزر رہے ہیں یہ مسلمانوں کے لئے نہایت ہی فتنوں اور آفتوں کا زمانہ ہے۔ آج بہت خوش نصیب وہ شخص ہے جس کا ایمان موجودہ ہواؤں سے بچ جائے۔ بدمذہبی اور بے دینی کی ایسی تیز آندھیاں چل رہی ہیں جن سے سادہ لوح مسلمانوں کا ایمان خطرے میں ہے۔ اگر چہ اسلام میں نئے نئے فرقے پہلے بھی پیدا ہوتے رہے لیکن جو بیماری آج ہے وہ اس سے پہلے کے مسلمانوں میں سننے ہی میں نہ آئی تھی۔ آج ہر جاہل قرآن شریف کا مفسر بن گیا اور ہر بیہودہ آدمی بندگان دین اور ائمہ مجتہدین پر بکواس کر رہا ہے۔

اسلام کے ایسے مسلمہ مسائل جن کے متعلق کبھی گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی کلمہ پڑھنے والا ان کا انکار کرے گا۔ آج ان مسلم الثبوت مسائل کے منکر پیدا ہو گئے۔ انہی مسائل میں سے اللہ تعالیٰ کے پیارے اور مخلص بندوں کا وسیلہ ہے۔ ہر زمانہ میں ہر شخص وسیلہ کا قائل اور معتقد رہا۔ مگر آج وسیلہ کے منکر ہو گئے ہیں جو دنیاوی مصیبتوں اور آلام میں حاکموں اور حکیموں کے پاس بھاگے اور مارے مارے پھریں مگر انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے وسیلہ پکڑنے والوں کو مشرک و مرتد کہتے ہیں۔ ذرا خوف نہیں کرتے۔ خدائے تعالیٰ کا غضب جس شخص جس قوم پر ہوتا ہے اسے اللہ تعالیٰ وسیلہ سے محروم کر دیتا ہے۔

اور جن پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت ہوتی ہے انہیں اس کے پیاروں کا وسیلہ نصیب ہوتا ہے خوش نصیب بندہ اپنے گناہوں پر گریہ زاری کرتا ہے۔ اور بزرگوں کے وسیلہ سے گناہوں کے میل کو دل سے دھوتا ہے لیکن بدنصیب انسان اللہ کے پاک بندوں میں عیب نکالتا ہے۔ اور ان سے دور رہ کر رب کی رحمت سے محروم ہوتا ہے۔ تمام فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو قرب الٰہی کا وسیلہ جان کر ان کے سامنے اپنا سر جھکا دیا۔ وہ مقبول بارگاہ ہے شیطان نے بے وسیلہ والی لاکھوں عبادتیں کیں مگر حضرت آدم علیہ السلام کا وسیلہ نہ بنایا اور مردود بارگاہ الٰہی ہوا۔ مولانا فرماتے ہیں۔ مثنوی۔

چوں خدا خواہد کہ راز کس درد	میلش اندر طعنہ پاکاں نہد
چوں خدا خواہد کہ مایاری کند	میل مارا جانب زاری کند

بے شک خدا تعالیٰ جب کسی کی پردہ دری اور رسوا کرنا چاہتا ہے تو اس کی طبیعت میں پاک لوگوں کی طعنہ زنی میں رغبت پیدا کر دیتا ہے اور جب خدا تعالیٰ نیکی کی توفیق عطا کرتا ہے تو گریہ وزاری کی طرف طبیعت کو مائل کر دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا وسیلہ ایک ایسا وسیلہ ہے جس کے قائل کفار بھی ہیں۔ جانور اور بے جان لکڑیاں بھی مقبولان بارگاہ کو وسیلہ پکڑتے رہے ہیں۔ قرآن کریم فرما رہا ہے کہ فرعون اور اس کی قوم پر غرق ہونے سے پہلے جوں اور مینڈک وغیرہ کے بہت سے عذاب آئے۔ مگر جب عذاب آتا تھا تو وہ موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں عرض کرتے تھے کہ لئن کشفت عنا الرجز لنؤمنن لک و لنرسلن معک بنی اسرائیل اے موسیٰ علیہ السلام اگر آپ نے یہ عذاب ہم سے دور کر دیا تو ہم آپ پر ضرور ایمان لائیں گے اور بنی اسرائیل کو آپ کے حوالے کر دیں گے مگر جب پھر ان کی دعا سے عذاب دور ہو جاتے ایمان نہ لاتے تھے۔ جب رب کو فرعونیوں کا ہلاک کرنا منظور ہوا تو موسیٰ علیہ السلام تک نہ پہنچنے دیا بلکہ دریائے قلزم سے پہلے تو موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو صحیح وسالم نکال دیا۔ اور پھر فرعون کو دریا میں پھنسا دیا اور بولا۔ امنت برب موسیٰ وھارون میں موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کے رب پر ایمان لاتا ہوں چونکہ وسیلہ

درمیان میں نہ تھا ایمان قبول نہ ہوا۔ اور ڈوب گیا۔

کفار مکہ بھی ہر مصیبت یعنی قحط سالی وغیرہ کے موقع پر نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر دعا کراتے تھے اونٹوں چڑیوں اور ہرنیوں نے مصیبت میں حضور ﷺ سے فریادیں کیں۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے کیا خوب فرمایا۔

ہاں یہیں کرتی ہیں چڑیاں فریاد ہاں یہیں چاہتی ہے ہرنی داد

اسی در پہ شتران ناشاد گلہ رنج وعنا کرتے ہیں

بے جان کنکروں لکڑیوں نے حضور ﷺ ہی کا وسیلہ اختیار کیا۔ مولانا روم فرماتے ہیں۔

نطق آب ونطق خاک ونطق گل ہست محسوس حواس اہل دل

فلسفی کو منکر حنانہ است از حواس اولیا بیگانہ است

اگر یہ واقعات تفصیل وار دیکھنا ہوں تو ہماری تصنیفات کا مطالعہ کرو خصوصاً سلطنت مصطفیٰ دیکھو۔

غرضیکہ پاک بندوں کا وسیلہ ایک ایسا مسئلہ ہے جس کی کفار اور بے عقل مخلوق بھی قائل ہے مگر افسوس کہ ایسے ظاہر مسئلہ کے اب منکر ہوئے تو کون جانور نہیں رام لعل دوارکا پرشاد کافر نہیں بے علم مسلمان نہیں۔ بلکہ کلمہ پڑھنے والے فاضل دیوبند کہلانے والے۔ اسلام کے ٹھیکہ دار بنتے والے دیوبندی وہابی اور مولوی نے فقط انکار ہی نہیں کیا بلکہ ایسی ضد پر آئے کہ ان کے تمام وعظ جلسے مجلسیں اسی لئے اسی لئے وقف ہو گئیں۔ وسیلہ کے قائل مسلمانوں پر شرک وکفر اور طغیان کے فتوے لگنے لگے۔ بتوں کی آیات پیغمبروں پر اور کفار کی آیات مسلمانوں پر چسپاں کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ کے پیاروں اور مخلص بندوں کی شان میں ایسی گستاخیاں کرنے لگے۔ کہ کبھی کفار کو بھی ایسی جرأت نہیں ہوتی تھی۔ بعض سادہ لوح مسلمان ان کے جبہ ودستار دیکھ کر ان کے جال میں پھنس گئے۔ اور یہ بیماری متعدی مرض کی طرح روز بروز بڑھنے لگی۔

اس لئے میں نے سوچا کہ اگر میں اس وقت خاموش رہوں تو میرا وجود کس کام آئے گا۔ میں نے بارگاہ مصطفیٰ ﷺ کے دروازے کے ٹکڑے کھائے ہیں ان کے نام پر پلا ہوں۔ اگر ان کے دین پر آنچ آتی دیکھوں اور حرکت نہ کروں تو ضرور میری پکڑ ہوگی۔ محافظ کتے کا فرض ہے کہ جب مالک کے گھر چور آتے دیکھے تو کم از کم چیخ وپکار کر کے چوروں کو بھگا دے۔ میرے پاس صرف چوب قلم ہے اللہ کے نام پر یہ رسالہ لکھا اس رسالے کا بھی وہی طریقہ ہوگا جو "جاء الحق" اور "سلطنت مصطفیٰ" کا ہے یعنی وسیلہ کا مسئلہ دو بابوں میں بیان ہوگا پہلے باب میں وسیلہ بزرگان کا ثبوت قرآنی آیات احادیث نبوی بزرگوں کے اقوال اور خود مخالفین کی تحریروں سے۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات مع جوابات کے اس رسالہ کا نام رحمت خدا بوسیلہ اولیاء رکھتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ اسے اپنے حبیب ﷺ کے صدقہ سے قبول فرما کر صدقہ جاریہ بنائے اسے میرے گناہ کا کفارہ فرمائے جو مسلمان اس سے فائدہ اٹھائیں میں وہ میرے لئے دعا کریں کہ رب تعالیٰ مجھے ایمان پر خاتمہ نصیب کرے اور میرے گناہوں کے سیاہ دفتروں کو اپنی رحمت اور مغفرت کے پانی سے دھو دے کہ اسی امید پر میں نے یہ محنت کی ہے۔

ربنا تقبل منا انك انت السميع العليم وتب علينا انك انت التواب الرحيم وصلى الله تعالىٰ على خير خلقه سيدنا محمد واله واصحابه اجمعين۔
امين امين يا رب العالمين ويا اكرم الاكرمين۔

ناچیز

احمد یار خاں نعیمی اشرفی

بانی: مدرسہ غوثیہ گجرات (پاکستان)

یکم ماہ فاخر ربیع الآخر ۱۳۷۱ھ روز ایمان افروز طغیان سوز دوشنبہ مبارکہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے خواہ زندہ ہوں یا وفات یافتہ اللہ تعالیٰ کے ہاں مسلمانوں کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ان کی ذات وسیلہ ان کا نام وسیلہ ان کی چیزیں وسیلہ جس چیز کو ان کے نسبت ہو جائے وہ وسیلہ ہے مگر فی زمانہ وہابی دیوبندی میں عرض کرتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراض و جواب۔

پہلا باب

وسیلہ کے ثبوت میں

اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے ان کی ذات۔ان کا نام۔ان کے تبرکات مخلوق کا وسیلہ ہیں اس کا ثبوت قرآنی آیات۔احادیث نبویہ۔ اقوال بزرگان اجماع امت اور دلائل عقلیہ بلکہ خود مخالفین کے اقوال سے ہے۔رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآء وك فاستغفرو الله واستغفر لهم الرسول لوجد والله توابا رحيما۔

(سورہ نساء پارہ ۵ آیت نمبر ۶۴)

ترجمہ: اگر یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر کے آپ کے آستانہ پر آجاویں اور اللہ سے معافی چاہیں اور آپ بھی یا رسول اللہ ان کی سفارش کریں۔تو بے شک یہ لوگ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا مہربان پائیں گے۔

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ ہر مجرم کے لئے ہر وقت تا قیامت وسیلہ مغفرت ہیں۔ ظلموا میں کوئی قید نہیں۔اور اذن عام ہے۔یعنی ہر قسم کا مجرم ہمیشہ آپ کے پاس حاضر ہو۔

حاشیہ......☆

علامہ اسماعیل بن عمر ابن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں۔

یرشد تعالی العصاة والمذنبين اذا وقع منهم الخطا والعصيان ان ياتوا الى الرسول ﷺ فيستغفروا الله عنده ويسالوه ان يغفر لهم فانهم اذا فعلوا ذلك تاب الله عليهم ورحمهم وغفرلهم ولهذا قال ﴿لوجدوا الله توابا رحيما﴾ وقد ذكر جماعة منهم الشيخ ابو منصور الصباغ فى كتابه الشامل الحكاية المشهورة عن العتبى قال كنت جالسا عند قبر النبى ﷺ فجاء اعرابى فقال السلام عليك يارسول الله سمعت الله يقول ﴿ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآءوك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا توابا رحيما﴾ وقد جئتك مستغفرا لذنبى مستشفعا بك الى ربى۔ ثم انشا يقول:

يا خير من دفنت بالقاع اعظمه
فطاب من طيبهن القاع والاكم
نفسى الفداء لقبر انت ساكنه
فيه العفاف وفيه الجود والكرم

ثم انصرف الاعرابى فغلبتنى عينى فرايت النبى ﷺ فى النوم فقال يا عتبى الحق الاعرابى فبشره ان الله قد غفر له۔

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیہ الوسیلۃ وجاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحون۔

ترجمہ: اے ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو اور رب کی طرف وسیلہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جہاد کرو تا کہ تم کامیاب ہو۔
(پارہ ۶ سورہ مائدہ آیت نمبر ۳۵)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ اعمال کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کا وسیلہ ڈھونڈ نا ضروری ہے۔ کیونکہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آ گئے اور اس کے بعد وسیلہ کا حکم فرمایا۔ معلوم ہوا کہ یہ وسیلہ اعمال کے علاوہ ہے۔☆

حاشیہ......☆

ترجمہ: (اس آیت کریمہ میں) اللہ تعالیٰ عاصیوں اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ جب ان سے خطاو گناہ سرزد ہو جائیں تو انہیں رسول اللہ ﷺ کے پاس آ کر خدا تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہیے اور خود رسول اللہ ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہئے کہ آپ ﷺ ہمارے لئے دعا فرمائیں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ تعالیٰ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اور ان پر رحم فرمائے گا۔ اسی لئے فرمایا گیا **لوجدوا اللہ توابا رحیما** (تو وہ اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے) یہ روایت بہت سوں نے بیان کی ہے جن میں سے ابو منصور صباغ نے اپنی کتاب الحکایات المشہورہ میں لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے کہ میں حضور ﷺ کی قبر انور کے پاس بیٹھا ہوا تھا ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیک یا رسول اللہ میں نے سنا ہے کہ اللہ پاک کا ارشاد ہے اور (اے حبیب) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھتے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول اللہ ﷺ بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بناء پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔ میں آپ ﷺ کی خدمت میں اپنے گناہوں پر استغفار کرتے ہوئے اور آپ کو اپنے رب کے سامنے اپنا سفارشی بناتے ہوئے حاضر ہوا ہوں۔ پھر اس نے یہ اشعار پڑھے۔

اے مدفون لوگوں میں سب سے بہتر ہستی جس کی وجہ سے میدان اور ٹیلے اچھے ہو گئے میری جان قربان اس قبر پر جس میں آپ ﷺ رونق افروز ہیں جس میں عفاف و بخشش اور جودو کرم ہے۔

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی میں نے خواب میں حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت کی آپ ﷺ مجھ سے فرما رہے تھے عتبی اعرابی حق ہے پس تو جا اور اسے خوشخبری سنا دیکہ اللہ تعالیٰ نے اس کے گناہ معاف فرما دیئے ہیں۔
(تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۵۱۹۔۵۲۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

☆امام ابو بکر بن حسین بیہقی ۴۵۸ھ لکھتے ہیں۔

قال فی محکم کتابہ ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاءوک فاستغفروا اللہ واستغفر لھم الرسول لوجدوا اللہ توابا رحیما وقد جئتک بابی انت وامی مثقلا بالذنوب والخطایا استشفع بک علی ربک ان یغفرلی ذنوبی وان تشفع......
(شعب الایمان ج ۳ ص ۴۹۵۔۴۹۶ رقم الحدیث ۴۱۷۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المغنی لابن قدامہ ج ۳ ص ۲۹۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) (کتاب الاذکار للنووی ص ۹۲۔۹۳ مطبوعہ المطبعۃ الخیریہ مصر)، (امتاع الاسماع للمقریزی ج ۱۴ ص ۶۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المواہب اللدنیہ ج ۴ ص ۵۸۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (زرقانی علی المواہب ج ۱۲ ص ۱۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ج ۵ ص ۲۶۵۔۲۶۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صحابی رسول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما متوفی ۶۸ھ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

(وکانو من قبل) من قبل محمد ﷺ والقرآن (یستفتحون) یستنصرون بمحمد والقرآن (علی الذین کفروا) من عدوھم اسد وغطفان ومزینۃ وجھینۃ (فلما جاء ھم ما عرفوا) صفتہ ونعتہ فی کتابھم (کفروا بہ) جحدوا بہ (فلعنۃ اللہ) سخط اللہ وعذابہ (علی الکافرین) علی الیھود۔

ترجمہ: (یہود) حضرت محمد ﷺ اور قرآن کے نزول سے قبل اپنے دشمنوں اسد غطفان مزینہ اور جھینہ کے قبائل کے خلاف اللہ

حاشیہ......☆

عزوجل سے حضور نبی اکرم ﷺ اور قرآن کے توسل سے حصول فتح کے لیے دعائیں کرتے تھے۔لیکن جب وہ ہستی جس کی صفات وخصوصیات کو وہ اپنی کتابوں میں پہچان چکے تھے تشریف لے آئی تو اس کا انکار کر دیا۔پس (اس کفر کی وجہ سے) کافر یہود پر اللہ کا عذاب اور لعنت ہو۔
(تنویر المقباس من تفسیر ابن عباس ص ۱۳ مطبوعہ مصر)

امام ابن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

ان یهود کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول الله ﷺ قبل مبعثه فلما بعثهالله من العرب کفروا به وجحدوا ما کانوا یقولون فیه فقال لهم معاذ بن جبل وبشر بن البراء بن معرور اخو بنی سلمة یا معشر یهود! اتقوا الله واسلموا فقد کنتم تستفتحون علینا بمحمد ﷺ ونحن اهل شرك وتخبروننا انه مبعوث وتصفونه لنا بصفته۔

ترجمہ: یہود حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل قبیلہ اوس اور خزرج پر فتح حاصل کرنے کے لیے آپ ﷺ کے توسل سے دعائیں کرتے تھے۔جب اللہ عزوجل نے عربوں میں سے آپ ﷺ کو بعثت عطا فرمائی تو انہوں نے (حسداً) آپ ﷺ کا انکار کر دیا اور اس بات سے مکر گئے جس کا وہ خود اقرار کیا کرتے تھے۔ان یہودیوں سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ اور بنو سلمہ کے بشر بن براء رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اے طبقہ یہود اللہ سے ڈرو اور اسلام قبول کر لو جب تم ہم پر فتحیابی کے لیے محمد ﷺ کے توسل سے دعائیں کرتے تھے حالانکہ اس وقت ہم مشرک تھے اور تم ہمیں بتاتے تھے کہ وہ نبی عنقریب مبعوث ہوگا اور تم ہمیں اس کی صفات بیان کرتے تھے۔
(جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۱ ص ۳۲۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (کتاب الشریعہ للآجری ص ۴۴۶ مطبوعہ لاہور)، (الجامع لاحکام القرآن ج ۲ ص ۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مدارک التنزیل تفسیر نسفی ج ۱ ص ۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۱ ص ۲۱۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (الکشاف عن حقائق غوامض التنزیل ج ۱ ص ۱۶۴ مطبوعہ قاہرہ مصر)، (تفسیر السراج المنیر ج ۱ ص ۷۶)، (تفسیر ابن کثیر ج ۱ ص ۲۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۱۷۹ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

امام ابو منصور محمد بن محمود ماتریدی متوفی ۳۳۳ھ لکھتے ہیں۔

قبل ان یبعث محمد ﷺ یقولون اللهم انصرنا بحق نبیك الذی تبعثه فلما لم یجئهم علی هواهم ومرادهم کفروا به فلعنة الله علی الکافرین۔

ترجمہ: یہود حضور ﷺ کی بعثت سے قبل آپ ﷺ کے وسیلہ سے اللہ عزوجل سے یوں دعا کرتے تھے اے اللہ اپنے اس نبی کے وسیلہ جسے تو نے ابھی مبعوث فرمانا ہے ہماری مدد فرما۔لیکن جب حضور ﷺ ان کی خواہشات اور امیدوں کے مطابق نہ آئے تو انہوں نے آپ ﷺ کا انکار کر دیا۔پس انکار کرنے والوں پر اللہ کی لعنت ہو۔
(تاویلات اهل السنۃ ماتریدی ج ۱ ص ۷۰ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ ناشرون بیروت)

علامہ عبد الرحمٰن ابن جوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں۔

ان یهود کانوا یستفتحون علی الاوس والخزرج برسول الله ﷺ قبل مبعثه۔

ترجمہ: بے شک یہودی رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے پہلے اوس اور خزرج قبیلہ پر آپ ﷺ کے وسیلہ سے فتح طلب کرتے تھے۔
(الوفاء باحوال المصطفیٰ ﷺ ج ۱ ص ۴۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام فخر الدین رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں۔

ان الیهود من قبل مبعث محمد علیه السلام ونزول القرآن کانوا یستفتحون ای یسالون الفتح والنصرة وکانوا یقولون اللهم افتح علینا وانصرنا بالنبی الامی۔

رحیما ۞ وقد جئتك مستغفرا لذنبی مستشفعا بك الی ربی۔ ثم انشا یقول:

خذ من اموالھم صدقة تطھرھم وتزکیھم بھا وصل علیھم ان صلوتك سکن لھم۔

ترجمہ: اے محبوب ان مسلمانوں کے مالوں کا صدقہ قبول فرماؤ اور اس کے ذریعہ آپ انہیں پاک وصاف کرو۔ اور ان کے حق میں دعائے خیر کرو۔

(پارہ ۱۱ سورہ توبہ)

کیونکہ آپ کی دعا ان کے دل کا چین ہے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات اعمال صالحہ طہارت کا کافی وسیلہ نہیں بلکہ طہارت تو حضور ﷺ کے کرم سے حاصل ہوتی ہے۔

ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم ایتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمة۔

ترجمہ: رب تعالیٰ وہ قدرت والا ہے جس نے بے پڑھوں میں ان ہی میں سے رسول بھیجا جو ان پر رب کی آیات تلاوت فرماتے ہیں۔ اور انہیں پاک فرماتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

(پارہ ۲۸ سورہ جمعہ آیت نمبر ۲)

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ پاک وصاف فرماتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا وسیلہ عظمیٰ ہیں۔

وکانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔

ترجمہ: یہ اہل کتاب حضور کی تشریف آوری سے پہلے حضور کے طفیل کفار پر فتح کی دعا کرتے تھے۔

(پارہ ۱ سورہ بقرہ آیت نمبر ۸۹)

معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے اہل کتاب آپ کے نام کے وسیلہ سے جنگوں میں دعائے فتح کرتے تھے اور قرآن کریم نے ان کے فعل پر اعتراض نہ کیا بلکہ تائید کی اور فرمایا کہ ان کے نام کے وسیلہ سے تم دعائیں مانگا کرتے تھے اب ان پر ایمان کیوں نہیں لاتے۔

معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کا مبارک نام ہمیشہ سے وسیلہ ہے۔

فتلقی ادم من ربہ کلمت فتاب علیہ۔

(پارہ ۱ سورہ بقرہ آیت نمبر ۳۷)

آدم علیہ السلام نے اپنے رب کی طرف سے کچھ کلمے پائے جن کے وسیلہ سے دعا کی اور رب نے ان کی توبہ قبول کی۔

بہت سے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نام کے وسیلہ سے دعا کی جو قبول ہوئی۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام انبیائے کرام کا بھی وسیلہ ہیں۔

قد نری تقلب وجھك فی السمآء فلنولینك قبلة ترضھا۔

ترجمہ: ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف پھرتے دیکھ رہے ہیں۔ اچھا ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیرتے دیتے ہیں جس سے آپ راضی ہیں۔

(پارہ ۲ سورہ بقرآیت نمبر ۱۴۴)

حاشیہ.....☆

ترجمہ: حضرت محمد ﷺ کی بعثت اور نزول قرآن سے قبل یہود فتح کی دعا مانگا کرتے تھے یعنی فتح اور مدد طلب کرتے تھے اور یہ الفاظ کہا کرتے تھے اے اللہ ہمیں امی نبی ﷺ کے وسیلے فتح ونصرت عطا فرما۔

(التفسیر الکبیر ج ۲ ص ۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ تہران ایران)

معلوم ہوا کہ تبدیلی قبلہ صرف اسی لئے ہوئی کہ حضور ﷺ کی یہ خواہش تھی یعنی کعبہ معظمہ حضور کے وسیلہ سے قبلہ بنا۔ جب کعبہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کا محتاج ہے تو ماوشما کا کیا پوچھنا ہے۔

وکان ابوھما صالحا فاراد ربك ان یبلغا اشدھما ویستخرجا کنزھما۔

ترجمہ: حضرت خضر علیہ السلام نے دیوار بنا کر موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیم بچوں کا سرمایہ ہے ان کا باپ نیک تھا اس لئے تیرے رب نے چاہا کہ ان کا خزانہ محفوظ رہے اور یہ جوان ہو کر اپنا خزانہ نکال لیں۔

(پارہ ۱۶ سورہ کہف آیت نمبر ۸۲)

معلوم ہوا کہ ان یتیم بچوں پر رب کا یہ کرم ہوا کہ ان کی شکستہ دیوار بنانے کے لئے دو مقبول بندے بھیجے گئے اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کا باپ نیک آدمی تھا یعنی نیک باپ کے وسیلہ سے اولاد پر اللہ تعالیٰ کا کرم ہوتا ہے۔

اولئك الذین یدعون یبتغون الی ربھم الوسیلة ایھم اقرب ویرجون رحمته ویخافون عذابه۔

وہ مقبول بندے جن کی بت پرست پوجا کرتے ہیں وہ خود اپنے رب کی طرف وسیلہ ڈھونڈتے ہیں کہ ان میں کون زیادہ مقرب ہے اس کی رحمت کی امید رکھتے ہیں۔ اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ جن نیک بندوں کی کفار پوجا کرتے ہیں ان میں ہر ایک اللہ سے زیادہ قرب والے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس تلاش وسیلہ پر اعتراض نہ فرمایا۔

ولولا رجال مومنون ونساء مومنات لم تعلموھم ان تطؤھم فتصیبکم منھم معرة بغیر علم لیدخل اللہ فی رحمته من یشآء لو تزیلو العذبنا الذین کفروا منھم عذابا الیما۔

اگر کچھ مسلمان مرد اور کچھ مسلمان عورتیں جن کو تم نہیں جانتے (اگر اس امر کا اندیشہ نہ ہوتا) کہ تم ان کو پیس ڈالتے پھر تم پر خرابی آپڑتی ان کی طرف سے بے خبری میں (فتح تو ہو جاتی) لیکن اس میں دیر اس لئے ہوئی تا کہ اللہ جس کو چاہے اپنی رحمت میں داخل فرمائے۔ اگر وہ مسلمان کفار مکہ سے جدا ہو جاتے تو ہم کافروں کو دردناک عذاب کی سزا دیتے۔

معلوم ہوا کہ کفار مکہ کے عذاب سے محفوظ رہنے کی وجہ یہ ہے کہ ان میں کچھ مسلمان رہ گئے تھے یعنی شہر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کا ہونا بیدینوں کے امن کا وسیلہ ہوتا ہے۔

وقال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا۔

ترجمہ: غالب آنے والے لوگ بولے کہ ہم اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔

(پارہ ۱۵ سورہ کہف آیت نمبر ۲۱)

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی قبروں کے پاس مسجد بنانا تا کہ ان کے وسیلہ سے نماز میں برکت ہو اور زیادہ قبول ہو ہمیشہ سے مسلمانوں کا دستور رہا ہے قرآن کریم نے اصحاب کہف کی نماز پر مسجد بنانے کا ذکر کیا اور اس کی تردید نہ کی جس سے پتہ لگا کہ ان کا یہ کام اللہ تعالیٰ کو پسند ہوا۔

اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجه ابی یات بصیرا۔

ترجمہ: یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے فرمایا کہ میری قمیص لے جاؤ اور میرے والد ماجد کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں بینا ہو جائیں گی۔

(پارہ ۱۳ سورہ یوسف)

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے لباس کے وسیلہ سے دکھ دور ہو جاتے ہیں شفا ملتی ہے۔

لا اقسم بھذا البلد۔ و انت حل بھذا البلد۔

ترجمہ: میں قسم فرماتا ہوں اس شہر مکہ کی کہ اے محبوب اس میں تم تشریف فرما ہو۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ سے مکہ مکرمہ کو یہ فضیلت ملی کہ رب نے اس کی قسم فرمائی۔

(سورہ البلد پارہ ۳۰ آیت نمبر ۱۔۲)

والتین والزیتون وطور سینین وھذا البلد الامین۔

ترجمہ: یعنی قسم ہے انجیر زیتون اور طور کی اور اس امانت والے شہر کی۔

(پارہ ۳۰ سورہ والتین آیت نمبر ۱۔۲)

معلوم ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے انجیر اور طور پہاڑ کو عزت ملی اور نبی ﷺ کے وسیلہ سے مکہ شریف کو ایسی برکت حاصل ہوئی کہ اس کی قسم رب نے فرمائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ وسیلہ کا نفع بے جان چیزوں کو بھی پہنچ جاتا ہے۔

ان ایۃ ملکہ ان یاتیکم التابوت فیہ سکینۃ من ربکم وبقیۃ مما ترک ال موسی وال ھرون تحملہ الملئکۃ۔

(پارہ ۲ سورہ بقرہ)

شموئیل علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہت کی دلیل یہ ہے کہ ان کے پاس تابوت سکینہ آ دیگا جس میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وہارون علیہ السلام کے تبرکات ہیں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو یہ صندوق دیا تھا جس میں موسیٰ علیہ السلام کا نعلین شریف اور ہارون علیہ السلام کی دستار مبارک اور دیگر تبرکات تھے جسے بنی اسرائیل جنگ میں اپنے آگے رکھتے تھے جس کی برکت سے دشمن پر فتح پاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کے تبرکات کے وسیلہ سے آفات دور ہوتی ہیں مشکلات حل ہوتی ہیں۔

انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں مٹی سے پرندے کی شکل بناتا ہوں پھر اس میں پھونک مارتا ہوں۔ جس سے وہ باذن پروردگار پرندہ بن جاتا ہے۔

(پارہ ۳ سورہ ال عمران)

معلوم ہوا کہ بزرگوںؒ کے دم کے وسیلہ سے مٹی میں جان پڑجاتی ہے۔ اور بیماروں کو شفا ہو جاتی ہے۔

فقبضت قبضۃ من اثر الرسول فنبذتھا و کذلک سولت لی نفسی۔

ترجمہ: سامری بولا کہ میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کی ٹاپ کے نیچے سے ایک مٹھی مٹی لی اور سونے کے بچھڑے کے منہ میں دی (اور بچھڑا آواز دینے لگا)۔

(پارہ ۱۶ سورہ طہٰ آیت نمبر ۹۶)

معلوم ہوا کہ جبرائیل علیہ السلام کی گھوڑی کے پاؤں کی خاک کے وسیلہ سے سونے کے بیجان بچھڑے میں جان پڑگئی۔

قال یتوفاکم ملک الموت الذی وکل بکم۔

ترجمہ: فرمادو کہ تم کو ملک الموت وفات دیں گے جو تم پر مقرر کئے گئے ہیں معلوم ہوا کہ حضرت ملک الموت کے وسیلہ سے جان نکلتی ہے۔

(پارہ ۲۱ سورہ السجدہ)

قل انما انا رسول ربک لاھب لک غلاماً زکیا۔

(پارہ ۱۶ سورہ مریم آیت نمبر ۱۹)

حضرت جبرائیل علیہ السلام نے حضرت مریم رضی اللہ عنہا سے کہا کہ میں تمہارے رب کا قاصد ہوں اس لئے آیا ہوں کہ تمہیں ستھرا بیٹا بخشوں۔

معلوم ہوا کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے وسیلہ سے لڑکا ملا۔

وما کان اللہ لیعذبھم وانت فیھم۔

ترجمہ: اللہ انہیں عذاب نہ دیگا۔ حالانکہ آپ ان میں ہیں۔

(پارہ۹ سورہ انفال)

یعنی اہل مکہ عذاب سے اس لئے بچے ہوئے ہیں کہ ان میں آپ جلوہ گر ہیں معلوم ہوا کہ حضور ﷺ کی ذات بابرکات عذاب الٰہی سے امن کا وسیلہ ہے۔

واذ قلتم یا موسی لن نصبر علی طعام واحد فادع لنا ربک یخرج لنا مما تنبت الارض من بقلھا۔

ترجمہ: اور جب تم (بنی اسرائیل) نے کہا اے موسیٰ ہم ایک کھانے (یعنی من وسلویٰ) پر ہرگز صبر نہیں کریں گے اپنے رب سے دعا کرو کہ ہمارے لئے زمین کی پیداوار نکالے۔

(پارہ۱ سورہ بقرہ)

معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل جب کوئی بات رب سے عرض کرنا چاہتے تو موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے۔

ھنالک دعا زکریا ربہ۔

ترجمہ: یعنی حضرت مریم رضی اللہ عنہا کو بے موسم پھل کھاتے ہوئے دیکھ کر زکریا علیہ السلام نے مریم رضی اللہ عنہا کے پاس کھڑے ہوکر فرزند کے لئے دعا مانگی۔

(پارہ۳ سورہ ال عمران)

معلوم ہوا کہ بزرگوں کے پاس دعا مانگنا زیادہ باعث قبول ہے۔ اگرچہ دعا مانگنے والا زیادہ بزرگ ہو۔

احادیث

(۱) مسند احمد بن حنبل میں حضرت شریح ابن عبید سے بروایت حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ نبی ﷺ نے چالیس ابدال کے متعلق فرمایا۔

یسقی بھم الغیث وینصریھم علی الاعداء ویصرف بھم عن اھل الشام العذاب۔

ترجمہ: یعنی ان چالیس ابدال کے وسیلہ سے بارش ہوگی۔ دشمنوں پر فتح حاصل کی جاوے گی اور شام والوں سے عذاب دور ہوگا۔

(مسند احمد ج۱ ص۱۱۲ رقم حدیث ۸۹۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے وسیلہ سے بارش، فتح ونصرت اور بلا دفع ہوتی ہے۔

حاشیہ......☆

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا ابو المغیرۃ ثنا صفوان حدثنی شریح یعنی عبید قال ذکر اھل الشام ثم علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ وھو بالعراق فقالوا العنھم یا امیر المؤمنین قال لا انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ثم الابدال یکونون بالشام وھم اربعون رجلا کلما مات رجل ابدل اللہ مکانہ رجلا یسقی بھم الغیث وینتصر بھم علی الاعداء ویصرف عن اھل الشام بھم العذاب۔

ترجمہ: شریح بن عبید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ عراق میں حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے سامنے اہل شام کا ذکر کیا گیا۔ لوگوں نے کہا اے امیر المؤمنین ان پر لعنت کیجئے؟ آپ نے کہا نہیں کیونکہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ابدال شام

(۲) دارمی شریف میں ہے کہ ایک دفعہ مدینہ شریف میں بارش بند ہوگی اور قحط پڑ گیا لوگوں نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا:

انظروا قبرا للنبی ﷺ فاجعلوا منه کوی الی السماء حتی لایکون بینه وبین السمآء سقف ففعلوا فمطروا مطرا حتی یکون نبت العشب وسمت الابل حتی تفتقت من الشحم فسمی عام الفتق۔

ترجمہ: یعنی ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ روضہ رسول اللہ ﷺ کی چھت کھول دو کہ قبر انور اور آسمان کے درمیان چھت حائل نہ رہے لوگوں نے ایسا ہی کیا تو فوراً بارش ہوئی یہاں تک کہ چارہ اگا۔ اونٹ موٹے ہوگئے گویا چربی سے بھر گئے معلوم ہوا کہ اللہ کے پیاروں کی قبر کے وسیلہ سے بارشیں آتی ہیں۔

(سنن دارمی ج ۱ ص ۵۶ رقم الحدیث ۹۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (امتاع الاسماع ج ۱۴ ص ۶۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المواہب اللدنیہ ج ۴ ص ۲۷۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (زرقانی علی المواہب ج ۱۱ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفاء با حوال المصطفی لابن جوزی ص ۸۱۷۔۸۱۸ رقم الحدیث ۱۵۳۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (وفاء والوفاء باخبار دار المصطفی ﷺ ج ۲ ص ۵۶۰ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر)

(۳) شرح السنہ میں ابن مکندر رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ کے غلام حضرت سفینہ عہد فاروقی میں گرفتار ہوگئے آپ قید سے بھاگ نکلے کہ اچانک ایک شیر سامنے آگیا آپ نے شیر سے فرمایا۔

یا ابا الحارث انا مولی رسول اللہ ﷺ کان من امری کیت وکیت فاقبل الاسد له بصبصة حتی اقام الی جنبه کلما سمع صوتا اهوی الیه ثم اقبل یمشی الی جنبه حتی بلغ الجیش ثم رجع الاسد۔

حاشیہ......☆

میں ہوں گے اور وہ چالیس مرد ہیں جب بھی ان میں سے ایک شخص فوت ہوتا ہے تو اللہ تعالی اس کی جگہ دوسرے شخص کو اس کا دل بنا دیتا ہے اس کی وجہ سے بارش ہوتی ہے ان کی وجہ سے دشمنوں کے خلاف مدد حاصل ہوتی ہے ان کی وجہ سے اہل شام سے عذاب دور کیا جاتا ہے۔

(فضائل صحابہ لابن حنبل ج ۲ ص ۹۰۶ رقم الحدیث ۱۷۲۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (الاحادیث المختارۃ ج ۲ ص ۱۱۰۔۱۱۱۔۱۱۲ رقم الحدیث ۴۸۴۔۴۸۵۔۴۸۶ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ مکہ مکرمۃ)، (الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۱ ص ۵۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر زید بن وہب رحمۃ اللہ علیہ ج ۴ ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۴۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۳۷۰۔۳۷۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۶ ص ۲۱۶۔۲۱۷ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمہ)، (خصائص الکبری باب اختصاصہ ﷺ بان طائفۃ من امتہ لاتزال علی الحق وان فیھم اقطابا واوتادا ونجباء وابدالا الخ ج ۲ ص ۳۷۰ مطبوعہ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۱ ص ۲۷۳ رقم الحدیث ۲۹۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ لکھتے ہیں۔

واخرج الطبرانی وابن عساکر عن عوف بن مالك قال لاتسبوا اهل الشام فانی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول فیهم الابدال بهم تنصرون وبهم تمطرون۔

(الدر المنثور فی التفسیر الماثور سورۃ البقرہ تحت آیت نمبر ۲۵۱ ج ۱ ص ۵۶۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۳۰۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ای ببرکتهم او بسبب وجودهم فیما بهم یدفع البلاء عن هذه الامة۔

ترجمہ: ابدالوں کی برکت اور ان میں ان کے وجود مسعود کے سبب بارشیں ہوتی ہیں دشمنوں پر فتح حاصل ہوتی ہے اور ان کی برکت سے امت محمدیہ سے بلائیں دور ہوتی ہیں۔

(مرقاۃ المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح ج ۱ ص ۳۶۰ مطبوعہ ملتان)

ترجمہ: یعنی اے شیر! میں رسول اللہ ﷺ کا غلام ہوں۔ میرا واقعہ ایسا ایسا ہوا ہے یہ سن کر شیر دم ہلاتا ہوا حضرت سفینہ کے پاس آ جاتا۔ غرض اسی طرح حفاظت اور خدمت کرتا رہا۔ یہاں تک کہ آپ لشکر اسلام میں پہنچ گئے پھر لوٹ گیا معلوم ہوا کہ حضور پر نور ﷺ کے وسیلہ سے شیر بھی تابع ہو جاتے ہیں۔ اور شیر حضور کے غلاموں کو پہنچاتے ہیں۔

(مستدرک للحاکم ج ۲ص ۶۷۵ رقم الحدیث ۴۲۳۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (التاریخ الکبیر للبخاری ج ۳ص ۱۹۵ رقم الحدیث ۶۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۷ص ۸۰ رقم الحدیث ۶۴۳۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مشکاۃ المصابیح کتاب احوال القیامۃ وبدء الخلق باب الکرامات الفصل الثانی ج ۲ص ۴۰۰ رقم الحدیث ۵۹۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) مسلم و بخاری میں ہے کہ معراج کی رات پچاس نمازیں فرض ہوئیں۔

فرجعت فمررت علی موسی فقال بم امرت قلت امرت خمسین صلوة کل یوم قال ان امتك لا تستطیع خمسین صلوة کل یوم وانی واللہ جربت الناس قبلك وعالجت بنی اسرائیل اشد المعالجة فارجع الی ربك فسئله التخفیف لامتك۔

ترجمہ: حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم واپسی میں موسیٰ علیہ السلام پر گزرے تو آپ نے پوچھا کہ آپ کو کیا حکم ملا؟ فرمایا ہر دن پچاس نمازوں کا فرمایا۔ حضور آپ کی امت میں اتنی طاقت نہیں میں بنی اسرائیل کو آزما چکا ہوں اپنی امت کے لئے رب سے رعایت مانگے۔ غرض کہ کئی بار عرض کرنے پر پانچ رہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الصلوۃ باب کیف فرضت الصلوۃ ج ۱ص ۵۰۔۵۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (مشکوۃ المصابیح باب فی المعجزات ص ۵۲۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے یہ رعایت اور رحمت ملی کہ پچاس نمازوں کی صرف پانچ باقی رہیں یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں کا وسیلہ ان کی وفات کے بعد بھی فائدہ مند ہے۔

(۵) مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ کے زمانہ میں ایک بار قحط پڑا تو جمعہ کے دن خطبہ میں ایک شخص نے حضور سے عرض کیا تو حضور نے اسی حالت میں دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے **فوالذی نفسی بیدہ ما وضعها حتی ثار السحاب امثال الجبال ثم لم ینزل عن منبرہ حتی رایت المطر یتحادر علی لحیته**۔ یعنی خدا کی قسم ابھی حضور ﷺ کی دعا کے ہاتھ نیچے نہ گئے تھے کہ پہاڑوں کی طرح بادل اٹھا اور حضور اقدس منبر سے نہ اترے تھے کہ بارش کا پانی آپ کی ریش مبارک سے ٹپکتا تھا سات دن بارش ہوتی رہی اگلے جمعہ کو پھر زیادتی بارش کی شکایت کی گئی۔

فرفع یدیه فقال اللهم حوالینا ولا علینا فما یشیر الی ناحیة من السحاب الا انفرجت۔

ترجمہ: تو حضور ﷺ نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے اور عرض کیا کہ مولیٰ اب ہم پر نہ ہی پھٹ جاتا تھا۔

(صحیح البخاری ابواب الاستسقاء باب من تمطر فی المطر حتی یتحادر علی لحیته ج ۱ص ۱۴۰۔۱۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم کتاب الصلوۃ الاستسقاء فصل فی الکفایۃ بالدعاء من الصلوۃ فی خطبۃ جمعۃ واجابۃ السائل والدعاء بتحوط المطر اذا کثر ج ۱ص ۲۹۳۔۲۹۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام مصیبتوں کے وقت حضور ﷺ کا وسیلہ اختیار کرتے تھے۔

(۶) مسلم و بخاری میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا۔

انما انا قاسم واللہ یعطی۔

ترجمہ: ہم تقسیم فرمانے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ دیتا ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجهاد ج ۱ص ۴۳۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم کتاب الزکوۃ ج ۱ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مشکوۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الاول ص ۳۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتیں حضور پر نور تقسیم فرماتے ہیں اور تقسیم فرمانے والا وسیلہ ہوتا ہے لہذا نبی ﷺ خالق کی ہر نعمت کا وسیلہ ہیں۔

(۷) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت ماعز سے ایک بڑا گناہ ہوگیا تو بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کیا۔ یارسول اللہ طھرنی اے اللہ تعالیٰ کے رسول مجھے پاک فرمادیں۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الحدود الفصل الاول ص ۳۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رب کا گناہ کر کے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر عرض کرتے تھے کہ ہمیں پاک فرمادیں کیونکہ حضور انور کو وسیلہ نجات جانتے تھے۔

(۸) مسلم شریف باب السجود میں ہے کہ حضرت ربیعہ ابن کعب نے حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں عرض کیا اسئلك مرافقتك فی الجنة میں آپ سے مانگتا ہوں کہ جنت میں آپ کے ساتھ رہوں۔

(صحیح مسلم ج ۱ ص ۳۵۳ رقم الحدیث ۴۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کو رب کی تمام نعمتوں حتیٰ کہ جنت کے حصول کا وسیلہ سمجھ کر حضور پرنور سے مانگتے تھے۔

(۹) ترمذی شریف میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت کبشہ کے گھر ان کے مشکیزہ سے دہن مبارک لگا کر پانی پیا۔ توقمت الیھا فقطعته میں اٹھی اور میں نے مشکیزہ کا منہ کاٹ لیا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الاشربہ ج ۲ ص ۱۱۳۲ رقم الحدیث ۳۴۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع الصحیح للترمذی ابواب الاشربہ ج ۴ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۱۸۹۲ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۵۳۱۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مسند حمیدی ج ۱ ص ۱۷۲ رقم الحدیث ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۲۵ ص ۱۵ رقم الحدیث ۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

اس کی شرح مرقاۃ میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

ای فم القربة فحفظته بی بیتی واتخذته شفاء۔

ترجمہ: یعنی مشکیزہ کا منہ کاٹ کر گھر میں محفوظ رکھا تا کہ اس سے شفا حاصل کی جاوے۔

معلوم ہوا کہ صحابیہ اس مشکیزہ کے منہ کے ذریعہ بیماروں کی شفا حاصل کرتی تھیں اور حضور ﷺ سے مس ہوجانے کی برکت سے اس چمڑہ کو شفا کا وسیلہ جانتی تھیں۔

(۱۰) مسلم شریف میں ہے کہ حضرت اسماء رضی اللہ عنہ کے پاس حضور ﷺ کا جبہ شریف تھا اور فرماتی تھیں۔

ھذا جبة رسول اللہ ﷺ کانت عند عائشة فلما قبضت قبضتها وکان النبی ﷺ یلبسها فنحن نغلسها للمرضی نستشقی بها۔

ترجمہ: یعنی یہ جبہ شریف حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس تھا ان کی وفات کے بعد میں نے اسے لے لیا اس جبہ شریف کو نبی ﷺ پہنتے تھے اور اب ہم یہ کرتے ہیں کہ مدینہ میں جو بیمار ہوجاتا ہے اسے دھو کر پلاتے ہیں اس سے شفا ہوجاتی ہے۔

(صحیح مسلم کتاب اللباس ج ۳ ص ۱۶۴۱ رقم الحدیث ۲۰۶۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب اللباس ج ۴ ص ۴۹ رقم الحدیث ۴۰۵۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۳۴۷ رقم الحدیث ۲۶۹۸۷ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۲ ص ۴۲۳ رقم الحدیث ۴۰۱۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۹۸ رقم الحدیث ۲۶۴ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (شعب الایمان ج ۵ ص ۱۴۱ رقم الحدیث ۶۱۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۴۵۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بدن شریف سے مس کئے ہوئے جبہ کو شفا کا وسیلہ سمجھ کر اسے دھو کر پیتے ہیں۔

(۱۱) نسائی شریف میں ہے کہ یہود کی ایک جماعت حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مسلمان ہوئی اور عرض کی کہ ہمارے شہر میں عبادت خانہ ربیعہ ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ اسے توڑ کر مسجد بنائیں۔

فاستوهبناه من فضل طھوره فدعا بماء فتوضا وتمضمض ثم صبه لنا فی اداوة وامرنا فقال

اخرجوا فاذا اتیتم ارضکم فاکسروا بیعتکم وانضحوا مکانہا بھذا المآء وتخذوھا مسجدا۔

ترجمہ: ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے آپ کا غسالہ مانگا تو آپ نے پانی منگا کر وضو کیا اور کلی کی اور یہ تمام پانی کلی اور وضو کیا ایک برتن میں ڈال کر ہمیں عنایت فرمایا اور حکم دیا کہ جاؤ اپنے بیعہ میں اس پانی کو چھڑک دو اور وہاں مسجد بنالو۔

(سنن النسائی کتاب المساجد باب اتخاذ البیع مساجد ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ طبع مجتبائی لاہور وفی نسخۃ ج ۲ ص ۳۸ رقم الحدیث ۷۰۱ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا غسالہ باطنی گندگی دور کرنے کا وسیلہ ہے۔

(۱۲) ابن البر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں لکھا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے انتقال کے وقت وصیت فرمائی۔ کہ مجھے نبی ﷺ نے ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا۔ وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا تھا۔ اس کپڑے کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وخذ ذالک الشعر والاظفار فاجعلہ فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔

ترجمہ: حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہ بال اور ناخن لو! انہیں میرے منہ اور آنکھوں اور سجدوں کی جگہوں میں رکھ دینا۔ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تبرکات کو راحت قبر کا وسیلہ سمجھ کر اپنی قبروں میں ساتھ لے جاتے ہیں۔ (الحرف الحسن)

(اسد الغابہ فی معرفۃ الصحابہ ج ۵ ص ۲۰۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تہذیب الاسماء للنووی ج ۲ ص ۴۰۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۱۳) ابونعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں روایت فرمایا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سیدنا علی مرتضےٰ رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ بنت اسد کو قمیص کا کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹ کر آرام فرمایا۔ وجہ پوچھنے پر ارشاد فرمایا۔

انی البستھا لتلبس من ثیاب الجنۃ واضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا عن ضغطۃ القبر۔

ترجمہ: ہم نے اپنی چچی صاحبہ کو اپنی قمیص اس لئے پہنائی تا کہ ان کو جنت کا لباس پہنایا جاوے اور ان کی قبر میں اس لئے آرام فرمایا تا کہ انہیں تنگی قبر سے امن ملے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لباس جنتی جوڑے حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اور جس جگہ ان کا پاک قدم پڑ جائے وہاں آفات سے امن ہو جاتا ہے۔

(طبرانی کبیر ج ۲۴ ص ۳۵۱ رقم الحدیث ۸۷۱ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۱۵۲ رقم الحدیث ۱۹۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف سعودی عرب ریاض)، (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر عاصم بن سلیمان احول ج ۳ ص ۱۲۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (العلل المتناھیۃ حدیث فی فضل فاطمۃ بنت اسد ج ۱ ص ۲۷۰ رقم الحدیث ۴۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج ۹ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (وفاء الوفاء باخبار المصطفی ﷺ ج ۳ ص ۸۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ باب ما جاء فی ضغط القبر علی صاحبہ وان کان صالحا ج ۱ ص ۹۵ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

(۱۴) مسلم شریف میں ہے۔

اذا صلی الغداۃ جآء خدم المدینۃ بانیتھم فیھا المآء فما یاتون باناءٍ الا غمس یدہ فیھا۔

ترجمہ: جب نبی ﷺ نماز فجر پڑھتے تھے تو مدینہ منورہ کے بچے برتنوں میں پانی لے آتے تھے۔

(مشکوۃ المصابیح باب فی اخلاقہ شمائلہ ﷺ ص ۵۱۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ مدینے والے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست مبارک کی برکت کو بیماروں کی شفا کا وسیلہ سمجھتے تھے اور نبی ﷺ بھی ان کو منع نہ فرماتے تھے۔ بلکہ اپنا ہاتھ شریف پانی میں ڈال دیتے تھے۔

(۱۵) مسلم وبخاری شریف میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے فرمایا

یاتی علی الناس زمان فیغزوا الفئام من الناس فیقولون نعم فیفتح لھم۔

ترجمہ: یعنی لوگوں پر ایک زمانہ آئے گا کہ وہ جہاد کریں گے پس کہیں گے کیا تم میں کوئی صحابی رسول اللہ بھی ہیں۔ جواب ملے گا۔ ہاں

اس صحابی کے وسیلہ سے انہیں فتح نصیب ہوگی۔

(صحیح البخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل اصحاب النبی ﷺ ج ۳ ص ۱۳۳۵ رقم الحدیث ۳۴۴۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضل الصحابۃ ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ج ۴ ص ۱۹۶۲ رقم الحدیث ۲۵۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۷ رقم الحدیث ۱۱۰۵۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۱ ص ۸۶ رقم الحدیث ۴۷۶۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے وسیلہ جہاد میں فتح نصیب ہوتی ہے اور ان کا وسیلہ پکڑنے کا حکم ہے اس حدیث میں تابعین تبع تابعین کے وسیلہ کا ذکر بھی ہے یعنی اولیاء اللہ کے توسل سے فتح و نصرت حاصل ہوتی ہے۔

(۱۶) بخاری شریف میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے **هل تنصرون و ترزقون الا بضعفائکم۔**

ترجمہ: تم کو نہیں فتح ملتی اور نہیں رزق ملتا مگر ضعیف مومنوں کی برکت اور وسیلہ سے۔

(مشکوۃ باب فضل الفقراء الفصل الاول ص ۴۴۶ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ فقراء کے وسیلہ سے بارش ہوتی ہے رزق ملتا ہے فتح و نصرت نصیب ہوتی ہے۔

(۱۷) ترمذی ابوداؤد ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے۔

شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔

ترجمہ: یعنی میری سفارش و شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہے۔

(سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق باب ماجاء فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۶۲۵ رقم الحدیث ۲۴۳۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب السنہ باب فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۴۷۳۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس کی شرح میں شیخ عبدالحق لمعات میں فرماتے ہیں۔

ای لوضع السیات واما الشفاعة لرفع الدرجات فلکل من الاتقیآء والاولیآء۔

ترجمہ: یعنی گناہگاروں کے لئے تو معافی دلانے کی سفارش ہوگی۔ لیکن درجات بلند کرانے کی شفاعت وہ ہر متقی اور ولی کے لئے ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر قسم کا مومن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے وسیلہ کا حاجتمند ہے۔ بہت سے بدعمل لوگ بھی حضور پر نور ﷺ کی شفاعت سے جنتی ہو جائیں گے۔ اور کوئی ولی بھی حضور اقدس ﷺ سے بے نیاز نہیں۔

(۱۸) ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا نبی ﷺ نے۔

یشفع یوم القیامة ثلثة الانبیآء ثم العلماء ثم الشهدآء۔

ترجمہ: یعنی قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے۔ انبیاء علماء پھر شہداء۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ج ۲ ص ۱۴۴۳ رقم الحدیث ۴۳۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (شعب الایمان ج ۲ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۱۷۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

لوگو! معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی طفیل علماء شہداء عام مسلمانوں کے لئے وسیلہ نجات ہیں۔

(۱۹) ترمذی۔ دارمی۔ ابن ماجہ میں ہے کہ فرمایا نبی اکرم ﷺ نے

یدخل الجنة بشفاعة رجل من امتی اکثر من بنی تمیم۔

ترجمہ: یعنی میرے ایک امتی کی شفاعت سے بنی تمیم قبیلہ سے زیادہ آدمی جنت میں جائیں گے۔

(سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ والرقائق باب ماجاء فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۶۲۶ رقم الحدیث ۲۴۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ کتاب الزھد باب ذکر الشفاعۃ ج ۲ ص ۱۴۴۳ رقم الحدیث ۴۳۱۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الدارمی ج ۲ ص ۴۲۳ رقم الحدیث ۲۸۰۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۴۶۹۔ ۴۷۰ رقم الحدیث ۱۵۸۵۷ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)، (مسند ابو یعلیٰ ج ۱۲ ص ۲۸۰ رقم الحدیث ۶۸۶۶ مطبوعہ دار المامون للتراث دمشق)

اس کی شرح مرقات میں ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

قیل الرجل عثمان ابن عفان قیل اویس قرنی وقیل غیرہ۔

ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا وہ عثمان غنی رضی اللہ عنہ ہیں۔ بعض نے فرمایا کہ وہ شخص اویس قرنی ہیں بعض نے کہا کوئی اور بزرگ ہیں۔

معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے امتی بھی وسیلہ نجات ہیں۔

(۲۰) شرح سنہ میں ہے کہ ایک دفعہ نبی کریم ﷺ کسی جگہ تشریف لے جا رہے تھے۔ ایک اونٹ نے جو کھیت میں کام کر رہا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دیکھا اور منہ اپنا زانوئے پاک پر رکھ کر فریادی ہوا۔ سرکار دو عالم نے اس کے مالک کو فرمایا کہ

فانہ شکی کثرۃ العمل وقلۃ العلف فاحسنوا الیہ۔

(مشکوۃ المصابیح باب المعجزات الفصل الثانی ص ۵۴۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

یہ اونٹ شکایت کرتا ہے کہ تم اس سے کام زیادہ لیتے ہو اور چارہ کم دیتے ہو۔ اس کے ساتھ بھلائی کرو۔ معلوم ہوا کہ بے عقل جانور بھی حضور ﷺ کو رفع حاجات کے لئے وسیلہ جانتے ہیں۔ جو انسان ہو کر ان کے وسیلہ کا منکر ہو وہ اونٹ سے زیادہ بے عقل ہے۔

(۲۱) حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طفیل سے ابولہب کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوئی کیونکہ اس کی لونڈی ثوبیہ نے حضور سرور دو عالم ﷺ کو دودھ پلایا تھا۔

(صحیح البخاری کتاب النکاح باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ج ۵ ص ۱۹۶۱ رقم الحدیث ۴۸۱۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۱۳۹۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۷ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۱۳۷۰۱ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان ج ۱ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ ومعرفۃ احوال صاحب الشریعۃ ج ۱ ص ۱۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۶۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (الروض الانف فی تفسیر السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ج ۳ ص ۹۸۔۹۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نصب الرایۃ الاحادیث الہدایۃ ج ۳ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الحدیث القاہرۃ مصر)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۶۷ ص ۱۷۱۔۱۷۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (البدایۃ والنھایۃ ج ۲ ص ۲۲۹۔۲۳۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (فتح الباری ج ۹ ص ۱۴۵ مطبوعہ دار نشر الکتب الاسلامیہ لاہور)، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۲۰ ص ۹۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ نبی کا وسیلہ ایسی نعمت ہے جس کا فائدہ ابولہب جیسے مردود نے بھی کچھ پالیا۔ مسلمان تو ان کا بندہ بے دام ہے۔

(۲۲) بخاری شریف کتاب المساجد میں ہے کہ حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما حج کو جاتے ہوئے ہر اس جگہ نماز پڑھتے تھے جہاں نبی ﷺ نے اپنے حج کے موقع پر نماز پڑھی تھی۔

(اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ ج ۳ ص ۳۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (جامع المسانید والسنن ج ۲۸ ص ۶۲۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ مقامات بخاری شریف نے بتائے بھی ہیں معلوم ہوا کہ جس جگہ بزرگ عبادت کرے وہ جگہ قبولیت کا وسیلہ بن جاتی ہے۔

☆......حاشیہ

مزید احادیث

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عمرو بن علی قال حدثنا ابو قتیبۃ قال حدثنا عبدالرحمن بن عبداللہ بن دینار عن ابیہ قال سمعت ابن عمر یتمثل بشعر ابی طالب:

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتمی عصمۃ للارامل

وقال عمر بن حمزۃ حدثنا سالم عن ابیہ وربما ذکرت قول الشاعر وانا انظر الی وجہ النبی ﷺ یستسقی فما ینزل حتی یجیش کل میزاب۔

وابیض یستسقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

ترجمہ: میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو ابو طالب کا یہ شعر پڑھتے ہوئے سنا وہ روشن چہرے والے کہ جن کے چہرہ انور کے

حاشیہ......☆

وسیلے سے بارش طلب کی جاتی ہے جو یتیموں کے ملجا اور بیواؤں کے فریاد رس ہیں۔

سالم نے اپنے والد ماجد سے روایت کی کہ کبھی میں شاعر کی اس بات کو یاد کرتا اور کبھی نبی کریم ﷺ کے چہرہ انور کو دیکھتا کہ اس کے ذریعے بارش مانگی جاتی تو آپ اترنے بھی نہ پاتے کہ سارے پرنالے بہنے لگتے۔

(صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذ اقحطوا ج ۱ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

امام محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

عن انس بن مالك ان عمر بن الخطاب رضی الله عنه كان اذا قحطوا استسقى بالعباس بن عبدالمطلب رضی الله عنه فقال اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا ﷺ فتسقينا وانا نتوسل اليك بعم نبينا فاسقنا قال فيسقون۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب قحط پڑ جاتا تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بارش کی دعا حضرت عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ کے وسیلے سے کرتے اور کہتے اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی ﷺ کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی کے چچا جان کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا۔ پس انہیں بارش عطا کی جاتی۔

(صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذ اقحطوا ج ۱ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن الکبری للبیہقی ج ۳ ص ۳۵۲ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح بخاری ج ۲ ص ۴۹۷ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (زرقانی علی المواہب ج ۱۱ ص ۱۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام مسلم بن حجاج متوفی ۲۶۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن اسير بن جابر ان اهل الكوفة وفدوا الى عمر فيهم رجل ممن كان يسخر باويس فقال عمر هل ههنا احد من القرنيين؟ فجاء ذلك الرجل فقال عمر ان رسول الله ﷺ قد قال ان رجلا ياتيكم من اليمن يقال له اويس لايدع باليمن غير ام له قد كان به بياض فدعا الله فاذهبه عنه الا موضع الدينار او الدرهم فمن لقيه منكم فليستغفر لكم۔

ترجمہ: اسیر بن جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل کوفہ ایک وفد لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے۔ وفد میں ایک ایسا آدمی بھی تھا حضرت اویس رضی اللہ عنہ سے مذاق کرتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا یہاں کوئی قرن کا رہنے والا ہے؟ تو وہ شخص پیش ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا تمہارے پاس یمن سے ایک شخص آئے گا اس کا نام اویس ہوگا۔ یمن میں اس کی والدہ کے سوا کوئی نہیں ہوگا۔ اس کو برص کی بیماری تھی اس نے اللہ عزوجل سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک دینار یا درھم کے برابر سفید داغ کے سوا باقی داغ اس سے دور کر دیئے۔ تم میں سے جس شخص کی اس سے ملاقات ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس سے تمہاری مغفرت کی دعا کرائے۔

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل اویس قرنی رضی اللہ عنہ ج ۴ ص ۱۹۶۸ رقم الحدیث ۲۵۴۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۴۵۶ رقم الحدیث ۵۷۱۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند البزار ج ۱ ص ۴۷۹ رقم الحدیث ۳۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۰۔۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (البدایہ والنہایہ ابن کثیر ج ۶ ص ۱۹۸ مطبوعہ المکتبۃ التجاریۃ مکۃ المکرمۃ)، (طبقات ابن سعد ج ۶ ص ۱۶۲ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (تھذیب التھذیب ج ۱ ص ۳۸۶۔ میزان الاعتدال ج ۱ ص ۲۷۸)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

واخرج البيهقي من وجه آخر عن عمر ان رسول الله ﷺ سيكون في التابعين رجل من قرن يقال له: اويس بن عامر يخرج به رضح فيدعو الله ان يذهبه عنه فيذهبه فيقول: اللهم دع لي في جسدي منه ما اذكر به نعمتك على فيدع له في جسده فمن ادركه منكم فاستطاع ان يستغفر له فليستغفر له۔

حاشیہ......☆

ترجمہ: بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے دوسری سند کے ساتھ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تابعین میں قرن کا ایک شخص ہوگا۔ اس کا نام اویس بن عامر رحمۃ اللہ علیہ ہوگا۔ اس کے جسم میں سفیدی ظاہر ہوگی وہ اللہ عزوجل سے اسے دور کرنے کی دعا کرے گا اور وہ دور ہو جائے گی۔ چنانچہ وہ دعا کرے گا ''اللھم دع لی فی جسدی منہ ما اذکر بہ نعمتک علی ''اے خدا میرے جسم سے اس سفیدی کو دور کر دے اور میرے جسم میں اتنی سفیدی چھوڑ دے کہ میں تیری نعمت کو یاد رکھوں تو اللہ عزوجل اس کے جسم میں اتنی سفیدی چھوڑ دے گا لہذا تم میں سے کوئی اگر اس سے ملے تو اور وہ استطاعت رکھتا ہو کہ اس سے استغفار کرائے تو اسے لازم ہے کہ اس سے استغفار کی درخواست کرے۔

(خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۳۷۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۴۔۳۹۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر اویس بن عامر القرنی سید العباد وعلم الاصفیاء ج ۲ ص ۸۰ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

محدث کبیر امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں۔

قالوا یارسول اللہ کیف لنا برجل منهم قال ذاك اویس القرنی قالوا وما اویس القرنی قال اشهل ذا صهوبة بعید ما بین المنكبین معتدل القامة آدم شدید الادمة ضارب بذقنه الی صدره رام بذقنه الی موضع سجوده واضع یمینه علی شماله یتلو القرآن یبكی علی نفسه ذو طمرین لا یؤبه له متزر بازار صوف ورداء صوف مجهول فی اهل الارض معروف فی اهل السماء لو اقسم علی الله لا بر قسمه الا وان تحت منكبه الا یسر لمعة بیضاء الا وانه اذا كان یوم القیامة قیل للعباد اد خلوا الجنة ویقال لاویس قف فاشفع فیشفع الله عزوجل فی مثل عدد ربیعة ومضر یا عمرو و یاعلی اذا انتما لقیتماه فاطلبا الیه ان یستغفر لكما یغفر الله لكما۔

ترجمہ: صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ ان بزرگوں میں سے ہمیں کوئی آدمی مل سکتا ہے؟ فرمایا ہاں ''اویس قرنی'' ہے جس سے تمہاری ملاقات ہوگی صحابہ رضی اللہ عنہم نے اویس قرنی رضی اللہ عنہ کی علامات پوچھیں ارشاد فرمایا اس کی آنکھیں سرخ مائل ہوں گی سرخ بالوں والا ہوگا۔ کشادہ کاندھوں والا میانے قد والا گندم گوں، سینے پر بالوں والا، دایاں بائیں پر رکھتا ہوگا قرآن کی تلاوت کرے گا اور اپنے پر بہت روتا ہوگا اہل سماء میں مشہور ہے اگر اللہ پر کسی کام کے کرنے کی قسم کھالے تو اللہ اسے اپنی قسم میں بری کر دیتا ہے سنو اس کے بائیں کاندھے کے نیچے ایک چمک ہوگی اہل زمین میں اسے کوئی نہیں جانتا اون کا ازار باندھا ہوگا اون ہی کی چادر اوڑھی ہوگی خوب سن لو۔ قیامت کے دن عام لوگوں سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ اور اویس رضی اللہ عنہ سے کہا جائے گا کہ ادھر کھڑے ہو جاؤ اور شفاعت کرو تمہاری شفاعت قبول کی جائے گی اے عمر و علی رضی اللہ عنہما جب تمہاری ان سے ملاقات ہوگی تو ان سے استغفار کرانا اللہ تمہاری مغفرت فرمائے گا۔

(حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ذکر اویس بن عامر القرنی سید العباد وعلم الاصفیاء ج ۲ ص ۸۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

سیكون فی امتی رجل یقال له اویس بن عبدالله القرنی وان شفاعة فی امتی مثل ربیعة ومضر۔

(الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف السین ج ۱ ص ۲۹۳ رقم الحدیث ۴۷۷۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۲ ص ۵۸، رقم الحدیث ۶۹۴۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حاشیہ......☆

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

واخرج ابن سعد والحاکم من طریق أسیر بن جابر عن عمر انه قال لاویس القرنی استغفرلی قال: کیف استغفر لك وانت صاحب رسول اللہ ﷺ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول ان خیر التابعین رجل یقال له اویس القرنی۔

ترجمہ: ابن سعد وحاکم رحمہما اللہ نے بطریقہ اسیر بن جابر رحمۃ اللہ علیہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کی۔ انہوں نے حضرت اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا کہ آپ میرے لئے استغفار فرمائیں۔ اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا میں آپ کے لئے کیونکر استغفار کروں جبکہ آپ خود رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے۔ آپ نے فرمایا خیر التابعین وہ شخص ہے جس کا نام اویس قرنی رحمۃ اللہ علیہ ہے۔

(خصائص الکبری ج ۲ ص ۲۲۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ ص ۱۰۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج ۴ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ابی شیبہ متوفی ۲۳۵ھ روایت کرتے ہیں۔

اصاب الناس قحط فی زمن عمر فجاء رجل الی قبر النبی ﷺ فقال یارسول اللہ استسق لامتك فانهم قد هلکوا فاتی الرجل فی المنام فقیل له ائت عمر فاقرئه السلام واخبره انکم مستقیون وقل له علیك الکیس علیك الکیس فاتی عمر فاخبره فبکی عمر ثم قال یارب لا آلو الا ما عجزت عنه۔

ترجمہ: لوگ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں قحط میں مبتلا ہو گئے تو ایک شخص (حضرت بلال بن حارث رضی اللہ عنہ) حضور نبی اکرم ﷺ کے روضہ انور پر حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ آپ کی امت ہلاک ہوا چاہتی ہے آپ اس کے لیے بارش کی دعا فرمائیں اس صحابی کو خواب میں کہا گیا کہ عمر کو جا کر سلام کہو اور انہیں بتاؤ کہ تمہیں بارش عطا کی جائے گی اور یہ بھی کہو کہ (امور خلافت ادا کرنے میں مزید) بیدار مغزی سے کام لو۔ اس صحابی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اطلاع دی تو آپ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور عرض کیا اے میرے رب! جہاں تک مجھ سے ہو سکتا ہے میں اس میں کوتاہی نہیں کرتا۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۱۲ ص ۳۲ رقم الحدیث ۱۲۰۵۱ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

وروی ابن ابی شیبة باسناده صحیح۔

ترجمہ: امام ابن ابی شیبہ نے اسے سند صحیح کے ساتھ روایت کیا ہے۔

(فتح الباری ج ۲ ص ۴۹۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (زرقانی علی المواہب ج ۸ ص ۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابن ہشام متوفی ۲۱۳ھ لکھتے ہیں۔

اہل مدینہ قحط میں مبتلا ہو گئے تو انہوں نے بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر اس کی شکایت کی۔ رسول اللہ ﷺ منبر پر تشریف فرما ہوئے اور بارش کی دعا فرمائی۔ تھوڑی دیر گزری تھی کہ زوردار بارش شروع ہوگئی۔ جب بارش زیادہ ہوگئی تو مدینہ منورہ کے آس پاس کے لوگوں نے حاضر ہو کر عرض کی کہ ہم تو ڈوب جائیں گے۔ آپ ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ ہمارے اردگرد بارش ہو ہم پر نہ ہو۔ چنانچہ بادل آس پاس سے اس طرح ہٹ گیا جیسے تاج ہو۔ اس موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

حاشیہ......☆

لو ادرك ابو طالب هذا اليوم لسره فقال له بعض اصحابه يا رسول الله اردت قوله:

وابیض یستسقی الغمام بوجهه　　　ثمال الیتامی عصمة للارامل

ترجمہ: اگر ابو طالب اس دن کو پاتے تو یقیناً انہیں خوشی ہوتی۔ ایک صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کا اشارہ ان کے اس شعر کی طرف ہے۔

گورے رنگ والے جن کے چہرے کے وسیلے سے بارش کی دعا مانگی جاتی ہے اور جو یتیموں اور بیواؤں کے ملجا و ماوی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہاں۔

(السیرۃ النبوۃ لابن ہشام مع الروض الانف ج اص ۱۷۹ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ لکھتے ہیں۔

حضرت سلیم بن عامر خبائری روایت کرتے ہیں۔

ان السما قحطت فخرج معاوية بن ابى سفيان رضى الله عنه واهل دمشق يستسقون فلما قعد معاوية على المنبر قال اين يزيد ابن الاسود الجرشى؟ قال فناداه الناس فاقبل يتخطى فامره معاوية فصعد المنبر فقعد عند رجليه فقال معاوية۔

اللهم انا نستشفع اليك اليوم بخيرنا وافضلنا اللهم انا نستشفع اليك بيزيد بن الاسود الجرشى يا يزيد ارفع يديك الى الله فرفع يزيد ورفع الناس ايديهم فما كان اوشك ان ثارت سحابة فى المغرب وهبت لها ريح فسقينا حتى كاد الناس لا يتصلون الى منازلهم۔

ترجمہ: (بہت عرصہ تک) آسمان سے بارش نہ ہوئی تو حضرت معاویہ بن ابو سفیان رضی اللہ عنہ اور اہل دمشق بارش کی دعا کے لیے باہر نکلے۔ پھر جب حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ منبر پر بیٹھے تو فرمایا یزید بن الاسود الجرشی کہاں ہیں؟ لوگوں نے انہیں بلایا تو وہ پھلانگتے ہوئے تشریف لائے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے حکم پر وہ منبر پر چڑھے اور ان کے قدموں میں بیٹھ گئے۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی اے اللہ آج ہم بہتر اور افضل شخصیت کا وسیلہ پیش کرتے ہیں اے اللہ ہم تیری بارگاہ میں یزید بن الاسود الجرشی کا وسیلہ پیش کرتے ہیں (پھر حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا) یزید! اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہاتھ اٹھاؤ۔ انہوں نے ہاتھ اٹھائے۔ لوگوں نے بھی ہاتھ اٹھائے (اور دعا کی) اچانک مغرب کی طرف سے ایک بادل اٹھا ہوا چلنے لگی اور زوردار بارش شروع ہوگئی یہاں تک کہ لوگوں کو گھروں تک پہنچنا مشکل ہوگیا۔

(طبقات ابن سعد ج ۷ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)

امام سلیمان بن احمد طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

لما اذنب آدم بالذى اذنبه رفع راسه الى العرش فقال اسالك بحق محمد الا غفرت لى فاوحى الله اليه وما محمد؟ ومن محمد؟ فقال تبارك اسمك لما خلقتنى رفعت راسى الى عرشك فاذا فيه مكتوب لا اله الا الله محمد رسول الله فعلمت انه ليس احد اعظم عندك قدراً ممن جعلت اسمه مع اسمك فاوحى الله اليه يا آدم انه آخر النبيين من ذريتك وان امته آخر الامم من ذريتك ولولا هو يا آدم ما خلقتك۔

ترجمہ: جب حضرت آدم علیہ السلام (اجتہادی) خطا ہوگئی تو انہوں نے اپنا سر آسمان کی طرف اٹھایا اور عرض کیا اے رب اگر تو نے مجھے معاف نہ فرمایا تو میں تجھ سے بحق محمد (ﷺ اپنی بخشش کا) سوال کرتا ہوں (کہ تو مجھے بخش دے) اللہ عزوجل نے ان کی طرف وحی کی اور فرمایا اے آدم! محمد کیا ہیں اور محمد کون ہیں؟ حضرت آدم علیہ السلام نے کہا اے بابرکت نام والے جب تو نے مجھے اپنے دست

بزرگان دین کے اقوال

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک تمام مسلمانوں کا عقیدہ رہا ہے کہ نبی ﷺ مخلوق کے لئے وسیلہ عظمیٰ ہیں۔ اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صدقہ سے اولیاء اللہ اور علماء بھی وسیلہ ہیں۔ ہم صحابہ کرام کے قول اور عمل احادیث کے باب میں بیان کر چکے ہیں اب علماء اور اولیاء کے کلام کو سنو اور اپنا ایمان تازہ کرو۔

(۱) حضور غوث الثقلین محی الدین عبدالقادر جیلانی بغدادی رضی اللہ عنہ اپنے قصیدہ غوثیہ میں اپنے خداداد اختیارات بیان فرما کر ارشاد فرماتے ہیں۔

وکل ولی لہ قدم وانی — علی قدم النبی بدر الکمال

میں جو دنیا پر راج کر رہا ہوں اور میرے قبضہ میں زمین و زمان مکین و مکان ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر ولی کسی نہ کسی نقش قدم پر ہوتا ہے اور اس کا مظہر ہوتا ہے میں نبیوں کے چاند رسولوں کے سورج حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے قدم پر ہوں معلوم ہوا کہ حضور غوث پاک کی نگاہ میں مصطفیٰ ﷺ ایسی اہم چیز ہیں کہ انہیں سارے مراتب عالیہ اسی سرکار سے میسر ہوئے۔

(۲) اماموں کے امام یعنی امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ قصیدہ نعمان میں فرماتے ہیں۔

انا طامع بالجود منك ولم یکن — لابی حنیفة فی الانام سواك

یا رسول اللہ میں حضور کی عطا کا امیدوار ہوں اور مخلوق میں ابوحنیفہ کے لئے آپ کے سوا کوئی نہیں۔

(قصیدہ نعمان مع خیرات الحسان ص ۲۰۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

معلوم ہوا کہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنا وسیلہ مانتے ہیں۔

(۳) امام بوصیری رضی اللہ عنہ قصیدہ بردہ شریف میں فرماتے ہیں۔ اور مقبول بارگاہ مصطفیٰ ﷺ بھی ہو چکا ہے۔

ومن تکن برسول اللہ نصرتہ — ان تلقہ الاسد فی اجامها تجم

یعنی جس کی مدد رسول اللہ ﷺ فرما دیں وہ شیروں سے بھی بچ جاتا ہے۔

معلوم ہوا کہ یہ بزرگ بھی حضور ﷺ کو ہر مصیبت کے دفع کا وسیلہ مانتے ہیں۔

حاشیہ.....☆

سے پیدا کیا تو میں نے سر اٹھا کر تیرے عرش کو دیکھا تو عرش (کے پایوں) پر لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ لکھا ہوا تھا سو میں نے جان لیا کہ تو نے جس کے نام کو اپنے نام کے ساتھ ملا کر لکھا ہے وہ تجھ کو تمام مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہوگا۔ اللہ عزوجل نے فرمایا اے آدم (تم نے سچ کہا وہ مجھے مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب ہے) وہ تیری اولاد میں سے تمام انبیاء میں سے آخری ہے اور اس کی اُمت تیری اولاد میں سب سے آخری امت ہے اور اے آدم اگر وہ (محمد) نہ ہوتے تو میں تم کو بھی پیدا نہ کرتا۔

(طبرانی الاوسط ج ۶ ص ۳۱۴ رقم الحدیث ۶۵۰۲ مطبوعہ مکتبہ المعارف الریاض)، (الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۱ ص ۵۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۴۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المستدرک للحاکم ج ۲ ص ۶۷۲ رقم الحدیث ۴۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الوفاء باحوال المصطفیٰ ص ۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۴) حضرت شیخ سعدی شیرازی قدس سرہ اپنی کتاب بوستان میں فرماتے ہیں۔

شنید م کہ در روز امید و بیم — بداں رابہ نیکاں بہ بخشند کریم

یعنی میں نے سنا ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نیکوں کے وسیلہ سے بروں کو بخش دے گا۔

معلوم ہوا کہ حضرت شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ علماء وصالحین کے وسیلہ سے گنہگاروں کی مغفرت مانتے ہیں۔

(۵) شیخ عطار فرید الدین قدس سرہ پند نامہ عطار میں فرماتے ہیں۔

آنکہ آمد نہ فلک معراج او — انبیاء و اولیاء محتاج او

یعنی نبی ﷺ وہ شان والے ہیں کہ نو آسمانوں کی معراج فرمائی اور تمام نبی ولی حضور ﷺ کو سارے نبیوں اور ولیوں کا وسیلہ مانتے ہیں۔

(۶) مولانا جامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

اگر نام محمد راز آوردے شفیع آدم — نہ آدم یافتے توبہ نہ نوح از غرق نجینا

اگر حضور ﷺ کے نام کے وسیلہ سے حضرت آدم علیہ السلام نہ کرتے تو ان کی توبہ کبھی قبول نہ ہوتی۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ نہ پکڑتے تو غرق سے نجات نہ پاتے معلوم ہوا کہ مولانا جامی علیہ الرحمۃ حضور ﷺ کو قبول دعا کا اور آفات سے بچنے کا وسیلہ سمجھتے ہیں۔

(۷) مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ العزیز اپنی مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

اے بسا در گور خفتہ خاک دار — بہ ز اصد احیاء بنفع وانتشار

سایہ او بود و خاکش سایہ مند — صد ہزاراں زندہ در سایہ دے اند

بہت سے قبروں میں سونے والے بندے ہزاروں زندوں سے زیادہ نفع پہنچاتے ہیں ان کی قبر کی خاک بھی لوگوں پر سایہ فگن ہے لاکھوں زندے ان قبر والوں کے سایہ میں ہیں۔

معلوم ہوا کہ مولانا قدس سرہ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کو وفات کے بعد زندوں کا وسیلہ مانتے ہیں۔

(۸) درود تاج شریف جو تمام اولیاء وعلماء کا ورد وظیفہ ہے اس میں ہے وسیلتنا فی الدارین۔ نبی ﷺ دنیا وآخرت میں ہمارے وسیلہ ہیں۔

(۹) مثنوی شریف میں مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

پیر رابگزیں کہ بے پیر ایں سفر — ہست بس پر آفت وخوف وخطر

چوں گرفتی پیر ہیں تسلیم شو — ہمچو موسےٰ زیر حکم خضر رو

گرچہ کشتی بشکند تو دم مزن — گرچہ طفلے راکشد تو مو مکن

یعنی پیر پکڑلو کیونکہ آخرت کا سفر بغیر پیر کے بہت خطرناک ہے اور جب پیر اختیار کرو تو اس کے تابع فرمان ہو جاؤ جیسے موسیٰ علیہ السلام خضر علیہ السلام کے کہ اگر پیر کشتی کو توڑ دے تو دم نہ مارو۔ اگر بچہ کو بلا قصور قتل کردے تو اعتراض نہ کرو۔

معلوم ہوا کہ پیر کا وسیلہ پکڑنا مولانا کے نزدیک لازم ہے۔

(۱۰) شیخ سعدی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

مپندار سعدی کہ راہ صفا ۔۔۔ تواں یافت جز در پئے مصطفےٰ

اے سعدی یہ خیال بھی نہ کرنا کہ حضور ﷺ کی پیروی کے بغیر تم راہ ہدایت پاسکو گے یعنی ایمان لانے اور اعمال کرنے کے بعد بھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وسیلہ کی ہر جگہ ضرورت ہے۔

(۱۱) حنفیوں کے معتبر عالم ملاعلی القاری رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب نزہۃ الخاطر الفاطر فی ترجمۃ شیخ عبدالقادر صفحہ ۶۱ میں فرماتے ہیں کہ حضور غوث پاک نے فرمایا۔

من استغاث بی فی کربة کشفت عنه ومن نادانی باسمی فی شدة فرجت عنه ومن توسل بی الی الله فی حاجته قضیت۔

یعنی جو کوئی مصیبت میں مجھ سے مدد مانگے تو وہ مصیبت دور ہوگی اور جو کوئی تکلیف میں میرا نام لے کر پکارے تو تکلیف رفع ہوگی۔

(نزہۃ الخاطر الفاتر ص ۶۱ سنی دارالاشاعت فیصل آباد)

اس کے بعد مولانا علی قاری نماز غوثیہ کی ترکیب بتا کر فرماتے ہیں۔ اس کا بارہا تجربہ کیا گیا۔ صحیح ثابت ہوا۔ ملاعلی قاری حضور غوث پاک کا وسیلہ پکڑ کر فرماتے ہیں کہ درست ہے اور حضور غوث پاک اپنا وسیلہ پکڑنے کا حکم دیتے ہیں۔ یہ ملاعلی قاری وہ بزرگ ہیں جن کو دیوبندی وہابی بڑے زور شور سے مانتے ہیں۔

(۱۲) شامی شریف کے مقدمہ میں ہے کہ امام شافعی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

انی لاتبرك بابی حنیفة واجی الی قبره فاذا عرضت لی حاجة صلیت رکعتین وسالت الله عند قبره فتقضی سریعا۔

یعنی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر سے برکت حاصل کرتا ہوں اور ان کی قبر پر آتا ہوں۔ جب مجھ کو کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو میں دو رکعت نماز پڑھتا ہوں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی قبر کے پاس کھڑے ہو کر رب سے دعا کرتا ہوں۔ تو فوراً حاجت پوری ہو جاتی ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۴۱ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)، (الخیرات الحسان فی مناقب الامام الاعظم ص ۹۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مذہب کے اتنے بڑے امام یعنی امام شافعی رضی اللہ عنہ امام اعظم رضی اللہ عنہ کی قبر شریف کو وسیلہ دعا بنا کر سفر کر کے وہاں آتے ہیں۔ اور ان کے وسیلہ سے دعا کرتے ہیں۔

(۱۳) حصن حصین شریف کے شروع میں آداب دعا ارشاد فرمائے اس میں بحوالہ بخاری و بزار دعا کا ایک ادب یہ بیان فرمایا۔

وان یتوسل الی الله تعالی بالانبیاء والصالحین من عباده۔

(حصن حصین ص ۳۴ مطبوعہ مصر)

یعنی دعا مانگے انبیاء اور نیک بندوں کے وسیلہ سے

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا نام دعا کی قبولیت کا وسیلہ ہے۔

(۱۴) اس کی شرح میں شیخ عبدالحق رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خصوصاً حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین ﷺ کہ رجاء قبول بطفیل وے اکثر واتم داد فریاد اکمل است وفعل انبیاء مرسلین وسیرت سلف صالحین است۔

یعنی خصوصیت سے حضرت سید المرسلین محبوب رب العالمین ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرے کہ اس میں قبولیت بہت زیادہ ہے اور گزشتہ پیغمبروں اور بزرگوں کی یہ سنت ہے اس جگہ شیخ عبدالحق صاحب رحمۃ اللہ علیہ حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ کا قصہ بیان کرتے ہیں

کہ حضور ﷺ کی طفیل سے قبول ہوئی۔

(۱۵) اس کی شرح الحرز الوصلین میں ملاعلی قاری فرماتے ہیں۔

من المنہ دیات یعنی وسیلہ مستحب ہے۔

(۱۶) فقہاء فرماتے ہیں کہ استسقاء یعنی بارش مانگنے کی نماز میں جب جائیں تو شیر خوار بچوں کو ماؤں سے علیحدہ کردیں اور جانوروں کو ساتھ لے جائیں کہ ان کے وسیلہ سے دعا ہو اور بارش ہو دیکھو عالمگیری شامی جوہرہ وغیرہ۔

دیکھو بارش مانگنے کے لیئے جانوروں اور بچوں کا وسیلہ اختیار کیا گیا۔

(۱۷) سلطان محمود غزنوی جب سومنات کے حملہ میں گھر گیا تو آپ نے شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ کے جبہ کو سامنے رکھ کر دعا کی۔ کہ مولا! اس کے وسیلہ سے فتح دے۔ اور ایسی فتح پائی کہ آج تک مشہور ہے۔

حضرت شیخ رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا جبہ اسی لیے دیا تھا۔ جو وسیلہ ثابت ہوا۔

حاشیہ.....☆

امام ابن عبدالبر مالکی متوفی ۴۶۳ھ لکھتے ہیں۔

وقبر ابی ایوب قرب سورها معلوم...... يستسقون به فيسقون۔

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی قبر قلعہ کی فصیل کے قریب ہے اور سب کو معلوم ہے کہ وہاں پہنچ کر لوگ بارش کے لیے دعا کرتے ہیں تو بارش ہو جاتی ہے۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب ج ۱ ص ۴۰۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

يا ابا عبدالله استقبل القبلة وادعو ام استقبل رسول الله ﷺ؟ فقال ولم تصرف وجهك عنه وهو وسيلتك ووسيلة ابيك آدم عليه السلام الى الله تعالىٰ يوم القيٰمة؟ بل استقبله واستشفع به جآء وك فاستغفروا الله واستغفر لهم الرسول لوجدوا الله توابا رحيما۔

ترجمہ: اے ابوعبداللہ کیا میں (زیارت نبوی کے وقت) دعا کرتے ہوئے قبلہ رخ ہوں یا حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف رخ کروں؟ امام مالک رضی اللہ عنہ نے جواب دیا (اے امیر!) تو حضور نبی اکرم ﷺ کی جانب سے منہ کیوں پھیرتا ہے حالانکہ وہ تمہارے لیے اور تمہارے جداعلیٰ حضرت آدم علیہ السلام کے لیے روز قیامت وسیلہ ہیں؟ بلکہ تو آپ ﷺ کی جانب متوجہ ہو (کر مناجات کر) اور آپ ﷺ کی شفاعت کا طالب ہو کہ آپ ﷺ اللہ کے سامنے تیری شفاعت فرمائیں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اور (اے حبیب!) اگر وہ لوگ جب اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے تھے آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے اور اللہ سے معافی مانگتے اور رسول (ﷺ) بھی ان کے لئے مغفرت طلب کرتے تو وہ (اس وسیلہ اور شفاعت کی بنا پر) ضرور اللہ کو توبہ قبول فرمانے والا نہایت مہربان پاتے۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۹۶ مطبوعہ عبدالتواب اکیڈمی ملتان)

امام ابوالقاسم قشیری متوفی ۴۶۵ھ امام معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں لکھتے ہیں۔

كان من المشائخ الكبار مجاب الدعوة يستشفى بقبره يقول البغداد يون قبر معروف ترياق مجرب۔

ترجمہ: آپ بزرگ ترین مشائخ میں سے تھے۔ آپ کی دعا قبول ہوتی تھی۔ آج بھی آپ کی قبر مبارک کے پاس کھڑے ہو کر شفا یابی کی دعا کی جاتی ہے۔ اہل بغداد کہتے ہیں۔ حضرت معروف کرخی رحمۃ اللہ علیہ کی قبر مجرب اکسیر ہے۔

(الرسالۃ القشیریہ ص ۴۱)، (تاریخ بغداد ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صفۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۲۱۴ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

اقوال مخالفین

دیوبندیوں کے پیشوا بھی وسیلہ پر عقیدہ رکھتے تھے ہم وہ بھی پیش کرتے ہیں

(۱) مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اپنی کتاب نیل الشفاء بنعل مصطفیٰ میں فرماتے ہیں کہ فی زمانہ کثرت معاصی کی وجہ سے ہم پر بلیات کا ہجوم ہے اور دل و زبان کی کیفیت خراب ہونے کی وجہ سے تو یہ استغفار قبول نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کوئی وسیلہ قوی ہو تو اس کی برکت سے حضور قلب بھی میسر ہوسکتا ہے اور امید قبول بھی ہے۔ منجملہ ان وسائل کے بہ تجربہ بزرگان نقشہ نعل مقدسہ حضور سرور عالم فخر دو عالم ﷺ نہایت قوی البرکات اور سریع الاثر پایا گیا ہے۔

غور کیجئے مولوی صاحب نے نبی ﷺ کی نعلین شریف کے نقشہ کو جو ہم خود کھینچ لیتے ہیں۔ قبول دعا کے لیئے بہترین وسیلہ بتایا۔ تو جس شہنشاہ کے جوتوں شریف کا نقشہ قبول دعا کا وسیلہ ہے تو خود نعل شریف کیسا وسیلہ ہوگا۔ اور پھر اس جوتہ شریف کو پہننے والا اللہ کا پیارا معراج والا تخت و تاج والا کس درجہ کا وسیلہ ہوگا۔ بے کسوں کا کس ہے اور بے بسوں کا بس ﷺ۔

حاشیہ.....☆

مشہور محدث ابن ابو حاتم رازی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۳۵۴ھ حضرت امام علی رضا ابن موسیٰ رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک کے بارے میں اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ما حلت بی شدة فی وقت مقامی بطوس وزرت قبر علی بن موسی الرضا صلوات الله علی جده وعلیه ودعوت الله تعالی ازلتها عنی الا استجیب لی وزالت عنی تلك الشدة وهذا شئی جربته مرامرا۔

ترجمہ: شہر طوس قیام کے دوران جب بھی مجھے کوئی مشکل پیش آئی اور حضرت امام موسیٰ رضا رضی اللہ عنہ کے مزار مبارک پر حاضری دے کر خدا تعالیٰ سے وہ مشکل دور کرنے کی دعا تو وہ ضرور قبول ہوئی اور مشکل دور ہوگئی۔ یہ ایسی حقیقت ہے جسے میں نے بارہا آزمایا ہے۔
(کتاب الثقات ج ۸ ص ۴۵۷ برقم ۱۴۴۱۱ مطبوعہ)

علامہ احمد بن احمد طحطاوی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں۔

ذکر لبعض العارفین ان الادب فی التوسل ان یتوسل بالصالحین الی رسول الله ﷺ ثم به الی حضرة الحق عزوجل وتعاظمت اسماؤه فان مراعاة لواسطة علیها مدار قضاء الحاجات۔

ترجمہ: بعض عرفاء نے بیان کیا ہے کہ توسل کے آداب سے مراد یہ ہے کہ (جب آپ حضور نبی اکرم ﷺ کے مزار اقدس پر حاضری دے کر صلوٰۃ وسلام عرض کریں تو پھر آپ کو یہ کرنا مناسب ہے کہ) ان دونوں خلفاء کو جناب رسول اللہ ﷺ کی جناب میں اور پھر آپ ﷺ کو بلند اور عظیم ناموں والے اللہ عزوجل کی جناب میں وسیلہ بنا کر دعا مانگیں کیونکہ واسطہ کی مراعات پر قضاء حاجات کا دارومدار ہے۔
(حاشیہ طحطاوی علی مراقی الفلاح ج ۱ ص ۲۶۰)

علامہ ابن عابدین شامی متوفی ۱۳۰۶ھ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں حضور نبی کریم ﷺ اور امام اعظم رضی اللہ عنہ کا وسیلہ پیش کرتے ہیں۔

وانی اساله تعالی متوسلا الیه بنبیه المکرم ﷺ وباهل طاعته من کل ذی مقام علی معظم وبقدوتنا الامام الاعظم ان یسهل علی ذلك من انعامه ویعیننی علی اکماله واتمامه۔

ترجمہ: میں حضور نبی اکرم ﷺ کو اور عالی مرتبت فرمانبردار بندوں کو اور خاص طور پر ہادی برحق امام اعظم رضی اللہ عنہ کو وسیلہ بنا کر اللہ عزوجل کی بارگاہ میں سوال کرتا ہوں کہ وہ اپنے احسان سے مجھ پر یہ مشکل آسان کردے اور اس کے اکمال و اتمام کے لیے میری مدد فرمائے۔
(رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۳ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

(۲) یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اپنی اسی کتاب میں اسی نقشہ نعلین مبارک سے وسیلہ پکڑنے کا طریقہ یوں بیان کرتے ہیں۔
اس نقشہ کا باادب اپنے سر پر رکھے اور تضرع تمام جناب باری میں عرض کرے کہ الٰہی جس مقدس پیغمبر ﷺ کے نقشہ نعل شریف کو سر پر لئے ہوئے ہوں ان کا ادنیٰ درجہ کا غلام ہوں۔ الٰہی اسی نسبت غلامی پر نظر فرما کر برکت اسی نقشہ نعل شریف کے میری فلاں حاجت پوری فرما۔ پھر فرماتے ہیں پھر سر پر سے اتار کر اپنے چہرے پر ملے اور اس کو بہت سے بوسے دے۔
(۳) یہ ہی مولوی اشرف علی صاحب اسی کتاب میں اسی نقشہ نعلین شریف کی برکات اسی طرح بیان کرتے ہیں۔ اسی نقشہ کی آزمائی ہوئی برکت یہ ہے کہ جو شخص تبرکاً اس کو اپنے پاس رکھے۔ ظالموں کو ظلم سے دشمنوں کے غلبہ سے شیطان سرکش سے حاسد کی نظر بد سے امن و امان میں رہے اگر حاملہ عورت دردزہ کی شدت میں اس کو اپنے داہنے ہاتھ میں رکھے۔ بفضلہ تعالیٰ اس کی مشکل آسان ہو جائے۔
موجودہ دیوبندی حضرات اپنے پیشوا مولوی اشرف علی صاحب کی عبارتیں غور سے پڑھیں اور سوچیں کہ مولوی صاحب مذکور نے کس دھڑلے سے حضور اقدس ﷺ کے نعل شریف کے نقشہ کو وسیلہ مانا ہے اور لوگوں کو اس کا حکم دیا ہے بلکہ آخر کتاب میں فرماتے ہیں اور اس کو وسیلہ برکت سمجھیں کتاب کے آخری صفحہ پر اسی نعل شریف کا نقشہ کھینچ کر دکھایا ہے۔
(۴) مولوی اشرف علی صاحب کے خلیفہ مولوی عبدالمجید صاحب نے مناجات مقبول کے آٹھوں حزب میں جس کا انہوں نے اضافہ کیا ہے یہ اشعار لکھے۔

ہیں جو تیرے بندہ خاص اے غنی — مولوی اشرف علی تھانوی
اس کے صدقہ میں دعا مقبول کر — یہ مناجات التجا مقبول کر

دیکھئے اپنے پیر کے توسل سے دعا قبول کرا رہے ہیں یہ ہے پیر کا وسیلہ۔
(۵) مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند قصائد قاسمی میں نبی ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں۔

ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرۂ طاعت — بنے گا کون ہمارا سوا ترے غمخوار

دیکھو! مولوی محمد قاسم صاحب نبی ﷺ پر بھروسہ رکھتے ہیں اس سے بڑھ کر وسیلہ کیا ہو سکتا ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

براہوں بدہوں گنہگاریوں پر تیرا ہوں — ترا کہیں ہیں مجھے گو کہ ہوں میں نابکار

(قصائد قاسمی ص ۵۔۷۔۸)

(۶) مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم دوسری ہدایت میں صفحہ ۶۰ میں فرماتے ہیں اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے لئے شیخین پر بھی ایک گونہ فضیلت حاصل ہے اور وہ فضیلت آپ کے فرمانبرداروں کا زیادہ ہونا اور مقامات ولایت وقطبیت بلکہ غوثیت وابدالیت اور انہیں جیسے باقی خطابات آپ کے زمانہ سے لے کر دنیا کے ختم ہونے تک آپ ہی کے وساطت سے ہوتے ہیں اور بادشاہوں کی بادشاہت اور امیروں کی امارت میں آپ کو وہ دخل ہے جو عالم ملکوت کی سیر کرنے والوں پر مخفی نہیں۔
(صراط مستقیم ص ۶۰ مطبوعہ کتب خانہ اشرفیہ دیوبند انڈیا)

اسی عبارت ہیں مولوی صاحب نے فرمایا کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے دنیا کی نعمتیں جیسے بادشاہت وامارت اور آخرت کی نعمتیں جیسے ولایت وغوثیت سب کو ملتی ہیں۔

(۷) مولوی اشرف علی صاحب اپنی کتاب شیم الطیب ترجمہ شیم الحبیب میں حسب ذیل اشعار تحریر فرماتے ہیں۔

دستگیری کیجئے میری نبی! کشمکش میں ہوں تم ہی میرے ولی

جز تمہارے کہاں ہے میری پناہ فوج کلفت مجھ پہ آ غالب ہوئی

ابن عبداللہ! زمانہ ہے خلاف اے مرے مولا خبر لیجئے مری

اسی کتاب میں مولوی صاحب مثنوی شریف کا یہ شعر بھی نقل کرتے ہیں۔

نام احمد چوں حصارے شد حصین پس چہ باشد ذات آں روح الامیں

یعنی جب محمد ﷺ کا مبارک نام مضبوط قلعہ ہے تو اس روح امین کی ذات مبارک کیسی ہوگی۔

(نشر الطیب فی ذکر ابن الحبیب ص ۱۸۶ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

(۸) شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کے عمل میں تحریر فرماتے ہیں بعدہ ہفت کرہ طواف کند دوران تکبیر بخواند و آغاز از راست کند و بعدہ بطرف رخسار نہد۔ اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اور اس طواف میں تکبیر کہے دائیں سے شروع کرے بعد میں قبر کی بائیں طرف اپنا رخسار رکھے۔

اس عبارت کو مولوی اشرف علی تھانوی نے کتاب حفظ الایمان میں نقل فرما کر اس عمل کے جائز ثابت کرنے کی کوشش کی۔

ان مذکورہ بالا عبارات سے پتہ لگا کہ بزرگوں کی ذات تو بہت اعلیٰ ہے ان کا نام بلکہ ان کی قبروں کی مٹی بھی وسیلہ ہے۔

(۹) شاہ ولی اللہ صاحب القول الجمیل میں مرید کرنے کا طریقہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ثم یتلو الشیخ ھاتین الایتین یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ۔

یعنی پھر مرشد مرید کرتے وقت یہ دو آیتیں پڑھے پہلی آیت ہے۔

یا ایھا الذین امنو اتقوا اللہ اور دوسری آیت **وابتغوا الیہ الوسیلۃ۔**

اس کی اردو شرح میں مولوی خرم علی صاحب وہابی کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ دوسری آیت **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** میں وسیلہ سے مراد مرشد کی بیعت ہے آگے کہتے ہیں کہ ممکن نہیں کہ وسیلہ سے مراد ایمان لیجئے اس واسطے کے خطاب اہل ایمان سے ہے۔ چنانچہ **یا ایھا الذین امنوا** اس پر دلالت کرتا ہے اور عمل صالح مراد نہیں ہوسکتا کہ وہ **اتقوا اللہ** میں داخل ہے اس واسطے کہ تقویٰ عبادت ہے امتثال اوامر اور اجتناب نواہی سے اس واسطے کہ قاعدہ عطف کا مغایرت بین المعطوف والمعطوف علیہ ہے اس عبارت میں صاف طور پر مان لیا کہ **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** میں وسیلہ سے مراد نہ ایمان کا وسیلہ نہ اعمال بلکہ مرشد کا وسیلہ مراد ہے ورنہ معطوف و معطوف علیہ کا فرق نہ ہوگا۔

(۱۰) مولوی محمود الحسن صاحب دیوبندیوں کے شیخ الہند اپنے مرشد مولوی رشید احمد صاحب کے مرثیہ میں لکھتے ہیں۔

حوائج دین و دنیا کے کہاں لے جائیں ہم یارب گیا وہ قبلہ حاجات روحانی وجسمانی

خدا ان کا مربی وہ مربی تھے خلائق کے مرے مولیٰ مرے ہادی تھے بیشک شیخ ربانی

(مرثیہ ص ۸۔۹ مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند)

مولوی صاحب اپنے مرشد کو جسمانی وروحانی حاجت روا اور انہیں خلقت کا مربی مانتے ہیں اس سے بڑھ کر وسیلہ کیا ہوسکتا ہے۔

عقلی دلائل

عقل کا بھی تقاضا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا وسیلہ پکڑنا جائز ہے حسب ذیل دلائل سے۔

(۱) رب تعالیٰ غنی اور ہم سب فقیر جیسا کہ ارشاد تعالیٰ ہے۔ **واللہ الغنی وانتم الفقراء** اور وہ غنی ہمیں بغیر وسیلہ کے کوئی نعمت نہیں دیتا۔ ماں باپ کے وسیلہ سے جسم دیتا ہے استاد کے ذریعہ علم پیر کے ذریعہ سے ایمان۔ مالداروں کے ذریعہ سے دولت فرشتہ کے ذریعہ سے شکل ملک الموت کے ذریعہ سے موت۔ غرضیکہ کوئی نعمت بغیر وسیلہ نہیں دیتا۔ تو ہم فقیر محتاج ہو کر بغیر وسیلہ کے اس سے کیسے لے سکتے ہیں۔ وہ داتا اور غنی اور ہم منگتے اور فقیر اگر ہم نے بغیر وسیلہ اس سے لے لیا تو اس سے بڑھ گئے۔

(۲) دنیا ادنیٰ اور تھوڑی ہے۔ آخرت اعلیٰ اور زیادہ ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل متاع الدنیا قلیل** اور فرماتا ہے **والاخرۃ خیر وابقیٰ** جب دنیا حقیر چیز بغیر وسیلہ نہیں ملتی تو آخرت جو دنیا سے اعلیٰ ہے بغیر وسیلہ کیونکر مل سکتی ہے اس لئے قرآن و ایمان دینے کے لیے پیغمبر ﷺ کو مبعوث فرمایا۔

(۳) ہمارے اعمال کی مقبولیت مشکوک ہے اور نبی ﷺ و اولیاء اللہ کی مقبولیت یقینی ہے جب مشکوک اعمال وسیلہ بن سکتے ہیں تو یقینی طور پر مقبول بندے بدرجہ اولیٰ وسیلہ ہیں۔

(۴) اعمال صالحہ وسیلہ ہیں رب سے ملنے کا۔ اور اعمال کا وسیلہ انبیاء اولیاء علماء تو یہ حضرات وسیلہ کے وسیلہ ہوئے اور وسیلہ کا وسیلہ بھی وسیلہ ہے۔ لہذا یہ حضرات بھی وسیلہ ہیں۔

(۵) حضور اقدس ﷺ سے پہلے تین سو سال تک خانہ کعبہ میں بت رکھے تھے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے دست اقدس سے کعبہ پاک و صاف کیا گیا ہے تا کہ معلوم ہو کہ کعبہ معظمہ جو خدا تعالیٰ کا گھر ہے وہ بھی بغیر وسیلہ مصطفیٰ ﷺ پاک نہ ہو سکا تو تمہارے دل بغیر اس ذات کریم کے وسیلہ کے ہرگز پاک نہیں ہو سکتے۔

(٦) اسلام میں پہلے بیت المقدس قبلہ تھا۔ پھر حضور سرکار دو عالم کی خواہش پر کعبہ معظمہ قبلہ بنا تا کہ معلوم ہو کہ وہ قبلہ جو ہزارہا عبادات کی صحت کا وسیلہ ہے وہ بغیر حضور ﷺ کے قبلہ نہ بن سکا لہذا تمہارا کوئی کام بغیر وسیلہ مصطفیٰ ﷺ مقبول نہیں ہو سکتا۔

(۷) رب فرماتا ہے۔ **وکونوا مع الصدقین** ۔ سچوں کے ساتھ رہو اور سارے سچے اولیاء علماء وسیلہ کے قائل رہے لہذا وسیلہ کا ماننا ہی سچا راستہ ہے۔

(۸) شیطان نے ہزاروں برس بغیر وسیلہ والی عبادات کیں مگر وہ وسیلہ والا ایک سجدہ نہ کیا تو مردود ہو گیا ملائکہ نے وسیلہ والا سجدہ کر کے محبوبیت پائی۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ والی عبادت تھوڑی بھی ہو تو بھی مقبول بارگاہ الٰہی ہے۔

(۹) قیامت میں سب سے پہلے تلاش وسیلہ کی ہوگی پھر دوسرے کام یعنی بغیر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شفاعت کے رب تعالیٰ کوئی کام شروع نہ فرمائے گا۔ تا کہ معلوم ہو کہ آخرت میں ہماری عبادتیں ختم ہو جائیں گی مگر وسیلہ پکڑنا وہاں بھی باقی ہے۔

(۱۰) اگر بغیر وسیلہ عبادات درست ہوتیں تو کلمہ طیبہ **لاالہ الا اللہ** کے بعد محمد رسول اللہ نہ ہوتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ توحید بھی وہی معتبر ہے جو حضور ﷺ کے وسیلہ سے مانی جاوے عقلی توحید کا اعتبار نہیں۔ کلمہ طیبہ کے پہلے جز میں توحید ہے اور دوسرے جز میں وسیلہ توحید۔

(۱۱) نماز التحیات سے اور درود شریف سے مکمل ہوتی ہے جس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بابرکات نام کے بغیر نماز بھی نہیں ہوتی۔ جو اصل عبادت ہے۔

(۱۲) قبر میں مردہ سے تین سوال ہوتے ہیں۔ پہلا سوال توحید کا اور دوسرا دین کا۔ مگر ان دونوں سوالوں کے جواب درست دینے پر بھی بندہ کامیاب نہیں ہوتا اور جنت کی کھڑکی نہیں کھلتی۔ سوال تیسرا یہ ہوتا ہے۔ ما کنت تقول فی حق هذا الرجل تو اس کالی زلفوں والے ہرے گنبد والے محبوب کو کیا کہتا تھا؟ دیکھ یہ تیرے سامنے جلوہ گر ہیں۔ حضور کا فرمانبردار بندہ جواب دیتا ہے کہ یہ میرے رسول میرے نبی ہیں اور میں ان کا امتی ہوں۔

نکیرو! پہچانتا ہوں ان کو یہ میرے مولا یہ میرے داتا

مگر تم ان سے تو پوچھو اتنا یہ مجھ کو اپنا بتا رہے ہیں

تب بندہ پاس ہوتا ہے اور آواز آتی ہے۔ صدق عبدی افتحوا له باباً من الجنة میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو۔ معلوم ہوا کہ وسیلہ کے بغیر قبر میں بھی کامیابی نہیں ہوتی۔ وہاں اعمال کا ذکر نہیں ہوتا اعمال کا ذکر تو قیامت میں ہوگا۔

(۱۳) دنیا آخرت کا نمونہ ہے کہ یہاں سے حالات دیکھ کر وہاں کا پتہ لگاؤ۔ کہ ایسے ہی وہاں بھی ہوگا۔ اس لئے قرآن کریم میں دنیا کے حالات سے آخرت پر استدلال کیا گیا ہے۔ دنیا میں اصل فیض دینے والا ایک ہوتا ہے اور اس سے پہلا فیض لینے والا بھی ایک ہی ہوتا ہے پھر وسیلہ کے ذریعہ یہ فیض اوروں تک پہنچتا ہے۔ بادشاہ ایک اس کا وزیر ایک پھر حکام کے ذریعہ اس کے احکام رعایا تک پہنچتے ہیں سورج ایک اس کا وزیر اعظم چاند بھی ایک پھر اس سے فیض لیتے ہیں بے شمار تارے درخت کی جڑ ایک اور اس کا تنا ایک پھر گدے چند اور شاخوں سینکڑوں اور پتے ہزاروں ان ہزاروں پتوں میں جڑ کا فیض تنے اور گدوں اور شاخوں کے وسیلہ سے پہنچتا ہے انسان کا دل جو گویا جسم کا بادشاہ ہے وہ ایک اس دل کا وزیر اعظم جگر ایک۔ پھر بہت سی رگیں وسیلہ کے طور پر جسم میں پھیلی ہوئی ہیں جن سے جسم کا ہر حصہ دل کا فیض لیتا ہے۔

پس اس طرح رب تعالیٰ شہنشاہ اعلی احکم الحاکمین ایک اور محبوب اعظم حضور ﷺ بھی ایک۔ جو رب تعالیٰ سے فیض لیتے ہیں۔ پھر اولیاء علماء وسیلہ کی طرح عالم میں پھیلے ہوئے ہیں جن کے ذریعہ رب کا فیض عالم کے ذرہ ذرہ میں پھیل رہا ہے ان وسائل کو چھوڑنے والا کا فیض عالم کے ذرہ ذرہ میں پھیل رہا ہے ان کو چھوڑنے والا رب کا فیض حاصل نہیں کر سکتا۔

(۱۴) جب کمزور قوی سے فیض لینا چاہے تو درمیان میں ایسے وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے جو قوی سے فیض لینے اور کمزوروں کو فیض دینے پر قادر ہو۔ اگر روٹی کو گرم کرنا ہے تو درمیان میں توے کی ضرورت ہے اور اگر سورج کو دیکھنا ہے تو بیچ میں اس ٹھنڈے شیشہ کی ضرورت ہے سورج کی تیز شعاعوں کو ٹھنڈا کر کے آنکھ کے دیکھنے کے قابل بنا دے۔ اللہ تعالیٰ قوی ہے۔ ان اللہ قوی عزیز اور تمام بندے کمزور اور ضعیف خلق الانسان ضعيفاً۔ ناممکن تھا کہ کمزور اور ضعیف بندہ بلاواسطہ غالب قوی رب سے فیض لے لیتا۔ روٹی نار سے بلاواسطہ فیض لینے سے مجبور و معذور ہے تو ہم کمزور نور مطلق سے فیض لینے سے معذور ہیں اسی لئے خالق و مخلوق۔ رب و مربوب کے درمیان ایک ایسے برزخ کبریٰ کی ضرورت تھی جو رب سے فیض لینے اور مخلوق کو فیض دینے پر قادر ہو ادھر رب اعلان کرے۔ وما ینطق عن الهوى ان هو الا وحی یوحی۔ نبی کا کلام رب کا فرمان ہوتا ہے ادھر وہ برزخ کبریٰ انما انا بشر مثلكم کہہ کر بندوں کو اپنی طرف مائل فرمائے کہ اے لوگو گھبراؤ نہیں میں تم جیسا ہی بشر ہوں فرشتہ یا جن وغیرہ کی جنس سے نہیں ہوں اسی وسیلہ عظمیٰ کا نام محمد مصطفیٰ ہے ﷺ۔

ادھر اللہ سے واصل ادھر مخلوق میں شامل خواص اس برزخ کبریٰ میں ہے حرف مشدد کا

(۱۵) اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کا وسیلہ پکڑنا برا اور ناجائز ہے تو نماز بھی منع ہونی چاہیے کیونکہ بالغ مردہ کے لئے ہم وسیلہ بن کر دعا اللهم اغفر لحيتنا و ميتنا (سنن الترمذی ج ۳ ص ۳۴۳ رقم الحدیث ۱۰۲۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) اور نابالغ مردہ کو ہم اپنا وسیلہ بناتے ہیں اور دعا کرتے ہیں۔

اللهم اجعله لنا فرطاً و اجعله لنا اجرا و ذخرا و اجعله لنا شافعاً و مشفعاً۔

خدایا اس بچہ کو قیامت میں ہمارا پیش رو بنا کر ہمیں جنت میں لے جاوے اور ہمارے لئے ثواب کا وسیلہ اور نیکی کا ذخیرہ بنا اور اسے ہمارا سفارشی بنا نماز جنازہ وسیلہ پر ہی قائم ہے۔

(۱۶) مسجد نبوی شریف میں ایک نماز کا ثواب پچاس ہزار ہے کیوں؟ کیا دوسری مسجدیں خدا کا گھر نہیں ہیں؟ صرف اسی لئے یہ ثواب بڑھا کہ اس میں حضور مصطفیٰ احمد مجتبیٰ سرکار دو عالم ﷺ آرام فرما رہے ہیں اسی طرح مسجد بیت المقدس میں کئی ہزار پیغمبر جلوہ گر ہیں کعبہ میں بھی ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ۔ اس لئے کہ وہ حضور پر نور ﷺ کا مقام پیدائش ہے اور وہاں بیت اللہ چاہ زمزم اور مقام ابراہیم ہے ان کے وسیلہ سے ثواب زیادہ ہو گیا وسیلہ والی عبادت کا درجہ زیادہ ہے۔

(۱۷) اور مسجدوں میں پہلی صفوں کا درجہ زیادہ مگر مسجد نبوی میں تیسری صف کا ثواب بڑھ کر۔ اور مسجدوں میں صف کا داہنا حصہ افضل مگر مسجد نبوی شریف میں صف کا بایاں حصہ افضل کیوں؟ اس لئے کہ تیسری صف روضہ شریف سے قریب تر ہے جیسے جسم میں دل۔ اب بائیں طرف کھڑے ہونے میں روضہ پاک سے زیادہ قریب ہوگا اور جتنا زیادہ قریب اتنا ثواب زیادہ۔ معلوم ہوا کہ حضور کی ذات بابرکات مقبولیت کے لئے وسیلہ عظمیٰ ہے ﷺ۔

(۱۸) بزرگوں کا وسیلہ اور نبی ﷺ کا علم غیب یہ ایسے مسائل ہیں جن کے مسلمان تو کیا۔ کفار منافقین بلکہ جانور بھی قائل تھے۔ دیکھو فرعون پر جب عذاب آتا تھا تو موسیٰ علیہ السلام سے دعا کراتا تھا ابوجہل وغیرہ کفار قحط اور دیگر مصیبتوں میں حضور سرور کونین ﷺ کے پاس دعا کے لئے آتے تھے۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

وقالوا یایها الساحر ادع لنا ربك بما عهد عندك لئن كشفت عنا الرجز الخ۔

فرعون نے ڈوبتے وقت کہا۔ امنت برب موسیٰ وهارون جانور مصیبت میں حضور ﷺ کے پاس فریاد لاتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ فریاد رس ہی سرکار دو عالم ﷺ ہیں۔

(۱۹) اگرچہ ریل ساری لائن سے گزرتی ہے مگر ملتی اسٹیشن پر ہی ہے۔ ایسے ہی رب کی رحمت کے اسٹیشن انبیائے کرام اور اولیائے عظام ہیں اس لئے ان کے پاس جاؤ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ ولو انهم اذ ظلموا انفسهم جآء وك الخ یہی وسیلہ ہے۔

(۲۰) بادشاہ کی خاطر عمدہ جگہ اعلیٰ ہوا اور دیگر تکلفات کا انتظام ہوتا ہے جو بادشاہ کے پاس آ کر بیٹھ جاوے تو وہ بھی ان چیزوں سے فائدہ اٹھا لیتا ہے ایسے ہی جہاں اللہ تعالیٰ کے پیارے ہوتے ہیں وہاں رب کی رحمت کے پنکھے چلتے ہیں جو ان کی بارگاہ میں اخلاص سے حاضر ہو جاوے وہ بھی اس سے فائدہ اٹھا لیتے ہیں۔ یہی وسیلہ ہے اسی لئے بزرگوں کے مزارات کے پاس گنہگار اپنی قبریں بنواتے ہیں مسجدیں تیار کراتے ہیں۔ وہ عبادات کرتے ہیں تا کہ ان کی طفیل بخشش ہو اور نماز زیادہ قبول ہو۔

(۲۱) اگر معمولی کام کا تعلق پیغمبر سے ہو جاوے تو اچھا بن جاتا ہے اور اگر اچھے کام کا تعلق پیغمبر سے نہ ہو تو برا ہو جاتا۔ بے نفس اور نام کے لئے لڑنا فساد کہلاتا ہے اور حضور مصطفیٰ ﷺ کی عظمت کے لئے لڑنا جہاد کہلاتا ہے فساد گناہ اور جہاد اعلیٰ عبادت ہے قابیل اور یوسف علیہ السلام کے بھائیوں سے قریباً ایک قسم کا قصور ہوا۔ لیکن قابیل کے قصور کی بنا عورت کی محبت تھی اور ان کے قصور کی بنا نبی کی محبت پر یہ چاہتے تھے کہ یوسف علیہ السلام کو علیحدہ کرا دو تو حضرت یعقوب علیہ السلام ہم سے محبت کریں گے لہذا اینتیجہ میں یہ فرق ہے کہ قابیل تو مردود مرا۔ اور یہ لوگ محبوب بن گئے کہ انہیں تاروں کی شکل میں حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں دیکھا معلوم ہوا کہ وسیلہ پیغمبر اعلیٰ چیز ہے۔

دوسرا باب

وسیلہ اولیاء اللہ پر اعتراضات و جوابات

ساری امت مصطفیٰ ﷺ کا اتفاق رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے پیاروں کا وسیلہ پکڑا جاوے جیسے پہلے باب میں گزر چکا ہے مگر اب آخر زمانہ میں ایک ملحد ابن تیمیہ اور اس کے شاگرد ابن قیم نے وسیلہ اولیاء اللہ کا انکار کیا علمائے دین نے ابن تیمیہ کو گمراہ اور گمراہ کن فرمایا ہے موجودہ زمانہ کے وہابی دیوبندی ابن تیمیہ کی پیروی میں وسیلہ کے منکر ہو گئے اب چونکہ اسی مسئلہ پر زور ہے۔ اس لئے ہم اس باب میں ان کے تمام ان دلائل کا جواب دیتے ہیں جواب تک وہ پیش کر سکے ہیں بلکہ عام وہابی دیوبندیوں کو یہ اعتراضات معلوم ہی نہیں ہوتے جو ہم ان کی وکالت میں بنا کر جواب دیتے ہیں رب تعالیٰ قبول فرمائے آمین۔

بعض دیوبندی تو وسیلہ اولیاء اللہ کے مطلقاً منکر ہیں اور بعض وفات یافتہ بزرگوں کے وسیلہ ہونے کے منکر ہیں اور زندہ ولیوں کے وسیلہ کے قائل ہیں ہم دونوں کے دلائل اور جواب عرض کرتے ہیں۔

اعتراض (۱)......رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وما لکم من دون اللہ من ولی و لانصیر۔

یعنی تمہارا مددگار خدا کے سوا کوئی نہیں۔ معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ مددگار ہے اور کسی کو وسیلہ بنانا ایک طرح مددگار ماننا ہے یہ شرک ہے۔

جواب:۔ اس کے تین جواب ہیں ایک یہ کہ من دون اللہ سے مراد ہے خدا تعالیٰ کے مقابل ہو کر یعنی اگر رب تمہیں عذاب دینا چاہے تو کوئی خدا کے مقابل اس کے عذاب سے نہیں بچا سکتا۔ لہٰذا اولیاء اللہ کا وسیلہ درست ہے۔ رب فرماتا ہے۔ **وان یخذلکم فمن ذاالذی ینصرکم من بعدہ وعلی اللہ فلیتوکل المومنون** ۔ اگر رب تعالیٰ ہی تمہیں رسوا کرنا چاہے تو تمہاری مدد کون کر سکتا ہے مسلمانوں کو رب پر ہی توکل کرنا چاہیے یہ آیت تمہاری پیش کردہ آیت کی تفسیر ہے دوسرے یہ کہ یہاں مدد سے مستقل مدد مراد ہے یعنی مستقل مدد رب تعالیٰ کی ہی ہے باقی وسیلوں کی مدد رب تعالیٰ کے اذن اور اسی کی اجازت سے ہے تیسرے یہ کہ اس سے مراد ہے اگر تم کفر اختیار کرو تو تمہارا مددگار کوئی نہیں رب تعالیٰ فرماتا ہے **وما للظالمین من انصار** ۔ ظالموں یعنی کافروں کا کوئی مددگار نہیں اگر یہ مطلب نہ کئے جائیں تو بتاؤ اس آیت کے کیا معنی ہوئے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والذین امنوا الذین یقیمون الصلوۃ ویوتون الزکوۃ وھم راکعون** ۔ یعنی اے مسلمانو تمہارے مددگار اللہ اور اس کا رسول اور وہ مسلمان ہیں جو نماز پڑھتے ہیں اور زکوۃ دیتے ہیں یہاں تین ذاتوں کو ولی فرمایا گیا نیز فرماتا ہے۔ **والمومنون والمومنات بعضھم اولیاء بعض** ۔ مسلمان مرد اور مسلمان عورتیں بعض بعض کے مددگار ہیں ان میں ماسوا اللہ کی مدد کا ثبوت ہے اور تمہاری پیش کردہ آیت میں ان کی نفی ہے تو ایسے معنی کرو جس سے تعارض پیدا نہ ہو۔

اعتراض (۲)......رب تعالیٰ کفار کا کفریہ عقیدہ بیان کرتا ہے **ما نعبدو ھم الا لیقربونا الی اللہ زلفی** ۔ یعنی ہم نہیں پوجتے ان کو مگر اس لئے کہ ہمیں رب تعالیٰ سے قریب کر دیں معلوم ہوا کہ کفار بتوں کو خدا نہیں مانتے مگر خدا رسی کا وسیلہ سمجھتے تھے جسے شرک کیا گیا ہے لہٰذا کسی کو وسیلہ سمجھنا شرک ہے۔

جواب:۔ اس کے بھی دو جواب ہیں۔ ایک یہ کہ وسیلہ ماننے کو رب نے کفر نہیں فرمایا۔ بلکہ ان کے پوجنے کو شرک کہا فرمایا۔ **نعبدو ھم** ہم اس لئے انہیں پوجتے ہیں کسی کو پوجنا واقعی شرک ہے اگر کوئی عیسیٰ علیہ السلام یا کسی ولی کی عبارت کرے وہ مشرک ہے۔

الحمدللہ مسلمان کسی وسیلہ کی پوجا نہیں کرتے۔ دوسرے یہ کہ مشرکین نے بتوں کو وسیلہ بنایا جو خدا کے دشمن ہیں۔ مسلمان اللہ کے پیاروں کو وسیلہ سمجھتا ہے وہ کفر اور یہ ایمان دیکھو مشرک گنگا کا پانی لاتا ہے تو مشرک اور مسلمان آب زمزم لاتے ہیں وہ مومن ہیں کیونکہ مسلمان آب زمزم کی اس سے تعظیم کرتا ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ یہ پانی حضرت اسماعیل علیہ السلام کا معجزہ ہے اور پیغمبر کی تعظیم ایمان ہے اسی طرح مشرک ایک پتھر کے آگے سر جھکاتا ہے وہ مشرک ہے آپ بھی کعبہ کے سامنے سجدہ کوتے ہیں بلکہ مقام ابراہیم کو سامنے لے کر حج میں نماز پڑھتے ہیں آپ مومن ہیں کیوں؟ اس لئے کہ کہ کافر کے پتھر کو بت سے نسبت ہے اس لئے وہ اس تعظیم سے کافر ہے اور ان چیزوں کو نبیوں سے نسبت ہے ان کی تعظیم عین ایمان ہے۔

دیوالی کی تعظیم شرک ہے مگر رمضان اور محرم کی تعظیم ایمان ہے۔ تفسیر روح البیان شریف میں سورہ احقاف میں **اتخذوا من دون الله قربانا الهة** کی تفسیر میں فرمایا کہ وسیلہ دو قسم کا ہے وسیلہ ہدے اور وسیلہ ہوی۔ یعنی ہدایت کا وسیلہ اور گمراہی کا وسیلہ بنی۔ ولی الہام وحی ہدایت کا وسیلہ ہے اور بت شیطان وسوسے گمراہی کے وسیلے ہیں۔ آیت پیش کردہ ہیں وسیلہ ہوئی کو اختیار کرنا کفر ہے وہی اس آیت میں مراد ہے۔

اعتراض (۳)......رب تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ **سوآء علیهم استغفرت لهم ام لم تستغفرلهم لن یغفر الله لهم** برابر ہے کہ آپ ان کے لئے دعائے مغفرت کریں یا نہ کریں اللہ تعالیٰ نہیں بخشے گا معلوم ہوا کہ نبی ﷺ کی دعا مغفرت کا وسیلہ نہیں۔ جب آپ کی دعا کا وسیلہ نہیں تو دیگر اولیاء کا ذکر ہی کیا ہے۔ یہ اعتراض گجرات کے جاہل دیوبندی وہابیوں کا ہے۔

جواب:۔ یہ آیت ان منافقین کے حق میں اتری ہے جو حضور ﷺ کے منکر تھے اور دیوبندیوں کی طرح براہ راست رب تک پہنچنا چاہتے تھے اسی آیت سے پہلے یہ ہے۔ **واذا قیل لهم تعلوا لیستغفرلکم رسول الله لو واروسهم ورایتهم یصدون وهو مستکبرون۔** جب ان منافقوں سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے لئے دعائے مغفرت کریں تو آپ سے یہ لوگ یعنی منافق منہ موڑ لیتے اور غرور کرتے ہوئے حاضری بارگاہ سے رک جاتے ہیں پھر فرمایا کہ اے محبوب جو آپ سے بے نیاز ہوں اور آپ اپنی رحمت سے ان کے لئے دعائے مغفرت کر بھی دیں ہم تو انہیں نہیں بخشیں گے کیونکہ ہم نہیں چاہتے کہ کوئی تمہارے وسیلہ کے بغیر جنت میں جائے اس آیت سے تو وسیلہ کا ثبوت ہے نہ کہ نفی۔ یہی قرآن مسلمانوں کے متعلق فرماتا ہے وصل علیهم اے نبی (ﷺ) آپ مسلمانوں کو دعا دیں۔ اگر حضور ﷺ کی دعا بے کار ہو تو اس کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔ جناب بات یہ ہے۔

باراں کہ در لطافت طبعش خلاف نیست

در باغ لالہ روید و در شورہ بوم خس

بارش ہے تو فائدہ مند۔ مگر بدقسمت شورہ زمین اس سے فائدہ حاصل نہیں کرتی۔ اس میں اس زمین کا اپنا قصور ہے نہ کہ بارش کا۔

اعتراض (۴)......رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تصل علی احد منهم مات ابداً ولاتقم علی قبرہ۔

یعنی ان میں سے کسی کی آپ نماز جنازہ نہ پڑھیں اور نہ ان کی قبر پر کھڑے ہوں۔

(سورہ التوبہ آیت نمبر ۸۴)

اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عبداللہ بن ابی کی نعش کو اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں اپنا لعاب ڈالا۔ اور اس کے جنازہ کی نماز۔ پڑھی تب یہ آیت اتری جس میں نبی ﷺ کو ان کاموں سے منع فرمادیا۔ دیکھو حضور کی دعا نماز جنازہ قمیص پہنانا منہ میں لعاب ڈالنا سب بے کار گیا۔ کچھ فائدہ نہ ہوا کیونکہ اس کے اعمال خراب تھے معلوم ہوا کہ وسیلہ کوئی چیز نہیں۔

جواب:۔ اس کا جواب اس میں موجود ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ انھم کفروا باللہ ورسولہ وما نوا وھم فسقون۔ کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور کفر پر مر گئے اور وہ فاسق ہیں۔ معلوم ہوا کہ چونکہ وہ زندگی میں منافق تھا اور کفر پر موت ہوئی۔ اس لئے اس کے لئے کوئی وسیلہ مفید نہ ہوا وسیلہ مومنوں کے لئے ہیں کافروں کے لئے نہیں۔ اعلیٰ دوائیں بیماریوں کے لئے مفید ہیں۔ مردہ کے لئے نہیں اور گنہگار مومن گویا بیمار ہے اور کافر اور منافق مردہ ہے۔

اعتراض (۵)......رب تعالیٰ قیامت کے بارے میں فرماتا ہے۔

یوم لا بیع فیه و لا خلة و لا شفاعة اور کہیں فرماتا ہے فما تنفعھم شفاعة الشافعین۔ یعنی اس دن نہ تجارت ہوگی نہ دوستی کام آئے گی نہ کسی کی سفارش۔ معلوم ہوا کہ قیامت میں سارے وسیلے ختم ہو جائیں گے۔

جواب:۔ یہ سب آیتیں کافروں کے لئے ہیں مسلمانوں سے ان کا کوئی تعلق نہیں اس لئے آگے رب تعالیٰ فرماتا ہے والکافرون ھم الظلمون۔ مسلمانوں کے لئے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الاخلاء یومئذ بعضھم لبعض عدو الا المتقون۔

اس دن سارے دوست دشمن بن جائیں گے سوا پرہیزگاروں کے کفار کی آیت مومن پر پڑھنا بے دینی ہے نیز فرماتا ہے۔

یوم لاینفع مال ولابنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

اس دن مال و اولاد کام نہ آئے گی۔ سوا اس کے جو رب کے پاس سلامت دل لے کر آوے۔ معلوم ہوا کہ مومن کا مال و اولاد قیامت میں کام آویں گے۔

اعتراض (۶)......رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

یا یھا الذین امنوا اتقوا اللہ وابتغوا الیه الوسیلة وجاھدوا فی سبیله لعلکم تفلحون۔

اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈھو۔ اور اس کی راہ میں جہاد کرو تاکہ تم فلاح یعنی جنت پاؤ اس میں وسیلہ سے مراد اعمال کا وظیفہ ہے۔ نہ کہ بزرگوں کا۔ کیونکہ جن بزرگوں کو وسیلہ بناتے ہو وہ خود اعمال کرتے ہیں۔

(سورہ المائدہ آیت نمبر ۳۵)

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اعمال تو اتقوا اللہ میں آچکے تھے اگر وسیلہ سے بھی مراد اعمال ہوں تو آیت میں تکرار بے کار ہوگی۔ لہذا یہاں وسیلہ سے مراد بزرگوں کا وسیلہ ہے دوسرے یہ کہ اگر اعمال کا وسیلہ مراد ہے تو مسلمانوں کے بچے دیوانہ مسلمان اور وہ نو مسلم جو مسلمان ہوتے ہی مر گیا۔ ان کے پاس اعمال نہیں وہ کس کا وسیلہ پکڑیں تیسرے اگر اعمال کا وسیلہ مراد ہے تو شیطان کے پاس اعمال بے شمار تھے وہ اس کے لئے وسیلہ کیوں نہ بنے۔ چوتھے یہ کہ اگر اعمال ہی مراد ہوں تو اعمال بھی نبی کے وسیلہ سے حاصل ہوتے ہیں تو وہ حضرات اعمال کے وسیلہ ہوئے اور وسیلہ کا وسیلہ خود وسیلہ ہوتا ہے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے اعمال بزرگوں کی نقل ہیں۔ رمی (حج میں کنکر مارنا) حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نقل ہے۔ صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا حضرت ہاجرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی نقل ہے قربانی کرنا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نقل۔ طواف میں اکڑ کر چلنا حضرت نبی کریم ﷺ کی نقل ہے۔ اس لئے ان اعمال پر ثواب ملتا ہے کہ یہ اچھوں کی نقل ہے اس کی نہایت نفیس تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جس میں بیان کیا گیا ہے کہ روزہ، نماز، حج، زکوٰۃ کلمہ غرضیکہ ہر عبادت کسی کی نقل ہے حدیث شریف میں ہے کہ جنت خالی رہ جائے گی۔ تو ایک جماعت جنت بھرنے کے لئے پیدا کی جاوے گی۔ بتاؤ اس جماعت نے کون سے اعمال کئے تھے۔

نوٹ ضروری

جنت کا داخلہ تین طرح ہوگا۔ کسبی۔ وہبی۔ عطائی۔ کسبی وہ جس میں جنتی کے عمل کو دخل ہو۔ جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے جزآء بما کانو یعلمون۔ جنت وہبی وہ جو کسی بندے کی طفیل سے ملے اپنے عمل کو کوئی دخل نہ ہو۔ جیسے مسلمانوں کے نابالغ بچے اور دیوانہ مسلمان کہ یہ جنتی ہیں۔ مگر بغیر اعمال جن کے بارے میں فرمایا گیا ہے۔ الحقنابھم ذریتھم جنت عطائی وہ جو محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ملے کسی اور شے کو دخل نہ ہو جیسے جنت بھرنے کے لئے جو مخلوق پیدا ہوگی یا جو بغیر شفاعت جنت میں جائیں گے۔ جنہیں جہنمی کہا جاوے گا جن کے بارے میں حدیث شریف میں آیا ہے کہ رب تعالیٰ اپنا ایک قدرت کا لپ (چلو) جہنمی لوگوں سے بھر کر جنت میں داخل کرے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کا ایمان شرعی نہ تھا۔ مگر وسیلہ حضور ﷺ سب کو درکار ہے۔ غرضیکہ بغیر اعمال جنت مل سکتی ہے بغیر وسیلہ جنت ہرگز ہرگز نہیں مل سکتی۔

اعتراض (۷)......قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان کی شفاعت فرمائی تو آپ سے فرمایا گیا **یا نوح انه لیس من اهلك انه عمل غیر صالح**۔ اے نوح! یہ آپ کے گھر والوں سے نہیں اس کے اعمال خراب ہیں معلوم ہوا کہ عمل خراب ہوتے پر نبی ولی وسیلہ نہیں۔

جواب:۔ جی ہاں اس کنعان کا عمل خراب یہ تھا کہ وہ نبی کا وسیلہ کا منکر تھا اور طوفان آنے پر وہ آپ کے دامن میں نہ آیا۔ حضرت نوح علیہ السلام نے فرمایا تھا یابنی ارکب معنا و لاتکن مع الکفرین۔ یعنی اے بیٹا! ہمارے ساتھ سوار ہوجا۔ کافروں کے ساتھ نہ رہو۔ تو اس نے جواب دیا قال ساٰوی الی جبل یعصمنی من المآء میں پہاڑ کی پناہ لے لوں گا وہ مجھ کو پانی سے بچا لے گا۔ اس لئے غرق ہوگیا۔ اب جو نبیوں کے وسیلہ کا منکر ہے وہ اس سے عبرت پکڑے۔

اس آیت میں تو وسیلہ کا ثبوت ہے نہ کہ انکار۔ اگر حضرت نوح علیہ السلام کا وسیلہ قبول کر لیتا تو ہرگز غرق نہ ہوتا۔

اعتراض (۸)......حضرت ابراہیم علیہ السلام نے حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کے لئے دعا کرنا چاہی تو فرمادیا گیا۔

یا ابراهیم اعرض عن هذا انه قد جاء امر ربك وانهم اتیهم عذاب غیر مردود۔

یعنی اے ابراہیم ان کے لئے دعا نہ کرو۔ ان پر عذاب آکر ہی رہے گا۔ دیکھو پیغمبر کی دعا غیر مقبول ہوئی۔

جواب:۔ قوم لوط کافر تھی اور کفار کے لیئے کوئی وسیلہ مفید نہیں کیونکہ وہ نبی کے وسیلہ کے منکر ہوتے ہیں قرآن فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ناراض ہوکر سامری سے فرمایا۔ اذھب فان لك فی الحیوۃ ان تقول لامساس۔ خبیث تجھے اپنی زندگی میں یہ نوبت پہنچ جائے گی کہ تو لوگوں سے کہتا پھرے گا کہ مجھ کو کوئی نہ چھوئے حضرت کلیم اللہ صلوات اللہ علیہ وسلامہ کے منہ کی یہ نکلی ہوئی بات ایسی درست ہوئی کہ اس کے جسم میں یہ تاثیر ہوگئی کہ جو اس سے چھوتا اسے بھی بخار ہوجاتا۔ اور خود سامری کو بھی۔ ان خدا تعالیٰ کے پیاروں کی زبان کا یہ عالم ہے۔

نوٹ ضروری

انبیاء علیہم السلام کی دعا ضرور قبول ہوتی ہے ہاں ان کی وہ دعائیں جن کے خلاف رب کا فیصلہ ہوچکا ہو اور قلم چل چکا ہو۔ اگر پیغمبر ایسی دعا کریں تو انہیں سمجھا کر روک دیا جاتا ہے اس روکنے میں ان کی انتہائی عظمت کا اظہار ہوتا ہے یعنی اے پیارے یہ کام نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ ناممکن ہوچکا ہے اور ہمیں یہ منظور نہیں کہ تمہاری زبان خالی جاوے لہٰذا تم اس بارے میں دعا ہی نہ کرو۔

سبحان اللہ! معترض نے جو دعائیں پیش کیں۔ وہ سب اسی قسم کی ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ ان دعاؤں کا پیغمبروں کو ثواب مل جاتا ہے کیونکہ دعا مانگنا بھی عبادت ہے۔ اگرچہ قبول نہ ہو۔ اس لیے رب نے فرمایا۔ **سو آء علیھم استغفرت لھم ام لم تستغفر لھم الخ** آپ کا دعا کرنا یا نہ کرنا ان منافقوں کے لیئے برابر ہے کہ ان کی مغفرت نہیں ہوسکتی۔ آپ کو ضرور ثواب مل جائے گا یہاں علیھم فرمایا علیک نہ فرمایا۔

اعتراض (۹)......مشکوٰۃ شریف باب الانذار میں ہے کہ نبی ﷺ نے حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا۔

لا اغنی عنك من الله شیئا۔

(مشکوۃ المصابیح باب الانذار والتحذیر الفصل الاول ص ۴۶۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

میں اللہ کے عذاب کو تم سے دفع نہیں کرسکتا۔ جب نبی کریم ﷺ اپنی دختر کے لئے وسیلہ نہیں۔ تو ہمارے لئے کیونکر وسیلہ ہوسکتے ہیں اور جب حضور ﷺ ہی وسیلہ نہ ہوئے تو دوسرے ولیوں کا ذکر ہی کیا۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک یہ کہ رب تعالیٰ کے مقابل ہو کر تم سے رب کے عذاب کو دفع نہیں کرسکتے یہ وسیلہ تو رب کے اذن سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے مقابل۔ دوسرے یہ کہ اے فاطمہ! اگر تم نے اسلام قبول نہ کیا تو ہم تم سے عذاب دفع نہیں کرسکتے۔ یعنی وسیلہ مومنین کیلئے ہوتا ہے کافروں کے لئے نہیں حضرت نوح علیہ السلام کا بیٹا نبی زادہ ہونے کے باوجود ہلاک ہوگیا کفر کی وجہ سے۔ اگر یہ عذاب نہ مانا جائے تو یہ حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہو جائے گی اور دیگر احادیث کے بھی رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **انما ولیکم اللہ ورسولہ والمومنون** ۔ تمہارے مددگار اللہ رسول اور مسلمان ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں **کل نسب منقطع یوم القیامۃ الا نسبی و سببی** قیامت کے دن سارے ذریعے اور رشتے ٹوٹ جائیں گے۔ سوا میرے ذریعے اور رشتہ کے (شامی باب غسل میت ج ۱ ص ۶۳۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) فرماتے ہیں۔ **شفاعتی لاھل الکبائر من امتی** ۔ میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لئے ہوگی۔ کیسے ہوسکتا ہے کہ گناہ کبیرہ والے حضور ﷺ کی طفیل بخشے جاویں اور لخت جگر نور نظر کچھ فائدہ حاصل نہ کرسکیں۔

(رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۶۳۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نوٹ ضروری

حضور اقدس ﷺ کی طفیل بعض فوائد کفار بھی حاصل کر لیتے ہیں۔ جیسے دنیا میں قہر الٰہی سے امن اور قیامت کے دن میدان محشر سے نجات اور حساب کا شروع ہونا اس لحاظ سے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا لقب ہے۔ **رحمۃ للعالمین** ۔

بعض فوائد وہ ہیں جو صرف متقیوں کو پہنچتے ہیں گنہ گاروں کو نہیں جیسے درجات بلند کرانا اس معنی کے لحاظ سے حضور ﷺ نے فرمایا کہ سنت کو چھوڑنے والا میری شفاعت سے محروم ہے یعنی بلندی درجات کی شفاعت۔

بعض فوائد وہ ہیں جو صرف گنہ گاروں کو پہنچیں گے نیکوکاروں کو نہیں جیسے گناہوں کی معافی کیونکہ نیکوکاروں کے پاس گناہ ہوتے ہی نہیں ان مسلمانوں کو محفوظ کہا جاتا ہے انبیاء علیہم السلام گناہوں سے معصوم ہیں۔ یعنی گناہ کر سکتے نہیں اور خاص اولیاء گناہوں سے محفوظ یعنی وہ گناہ کرتے نہیں۔ مولانا فرماتے ہیں۔

لوح محفوظ است پیش اولیاء
ارچہ محفوظ اند محفوظ از خطا

ان کے لئے معافی گناہ کی شفاعت نہیں۔ان کے لحاظ سے فرمایا گیا کہ شفاعتی لاھل الکبائر من امتی۔میری شفاعت میری امت کے اہل الکبائر کے لئے ہے۔

تمہاری پیش کردہ حدیث میں دوسری قسم کے فوائد مراد ہیں۔بشرطیکہ ایمان قبول نہ کیا جائے۔

یہ بھی خیال رہے کہ یہاں فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کو فرمایا گیا ہے اور دوسروں کو سنایا گیا ہے ورنہ حضور ﷺ کی طفیل ابولہب کا عذاب ہلکا ہوا۔ابوطالب دوزخ میں جانے بچ گئے۔

اعتراض (۱۰)...... بخاری شریف کتاب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قحط کے موقع پر حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے اور فرماتے تھے:

انا کنا نتوسل الیك بنبینا فتسقیا وانا نتوسل الیك بعم نبینانا سقنا قال فیسقو۔

ترجمہ: الٰہی ہم اپنے نبی ﷺ کے وسیلہ سے بارش مانگتے تھے بارش بھیجتا تھا اور اب ان کے چچا کے وسیلے سے بارش مانگ رہے ہیں۔بارش بھیج پس بارش آتی تھی۔

(صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا ج ا ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

معلوم ہوا کہ وفات یافتہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا منع ہے زندوں کو وسیلہ پکڑنا جائز۔دیکھو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حضور ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ پکڑا۔حضور ﷺ کا وسیلہ چھوڑ دیا۔

یہ ان دیوبندیوں وہابیوں کا اعتراض ہے جو زندہ بزرگوں کے وسیلہ کے قائل ہیں وفات یافتہ کے وسیلہ کے منکر ہیں۔

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔

الزامی جواب تو یہ ہے کہ اگر وفات یافتہ بزرگوں کا وسیلہ پکڑنا منع ہے تو چاہیئے کہ حضور کی وفات کے بعد کلمہ شریف میں سے حضور کا اسم شریف علیحدہ کر دیا جاتا۔صرف لاالہ الا اللہ رکھا جاتا۔اور التحیات میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سلام بند کر دیا جاتا۔درود شریف ختم کر دیا جاتا۔کیونکہ یہ سب حضور پرنور ﷺ سے وسیلہ ہی تو ہیں حالانکہ یہ سارے کام باقی رہ گئے۔معلوم ہوا کہ وسیلہ مصطفیٰ ﷺ بعد وفات بھی ویسے ہی ہے۔ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس ﷺ کے بال شریف اور لباس شریف دھو کر بیماروں کو پلاتے اور صحت ہوتی اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے بارش کے لئے روضہ پاک کی چھت کھلوا دی۔قبر شریف کھول دی اور بارش آئی قرآن پاک فرما رہا ہے کہ حضور سے پہلے والی امتیں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اسم شریف کے وسیلہ سے دعائیں مانگتی تھیں و کانوا من قبل یستفتحون علی الذین کفروا۔قرآن کریم فرماتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد ان کے نعلین شریف۔ٹوپی شریف کی طفیل فتح حاصل کی جاتی تھی۔ فیه بقیة مما ترك ال موسی وال هرون تحمله الملئکة۔

موسیٰ علیہ السلام نے اپنی وفات کے بعد مسلمانوں کی امداد فرمائی کہ پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں بتاؤ یہ وفات یافتہ بزرگوں کا وسیلہ ہے کہ نہیں نیز جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیدائش سے پہلے ان کے اسم مبارک کے وسیلہ سے دعائیں قبول ہوتی تھیں تو کیا اب ان کے اسم شریف کی تاثیر بدل گئی۔ہرگز نہیں۔

دوسرا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان یہ بتا رہا ہے کہ حضور انور ﷺ کے صدقہ سے ان کے

اولیاء کا بھی وسیلہ جائز ہے۔ یعنی وسیلہ نبی سے خاص نہیں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی نہ تھے ولی تھے۔ نیز معلوم ہو رہا ہے کہ جس کو نبی ﷺ سے نسبت ہو جائے اس کا بھی وسیلہ جائز ہے کیونکہ وہ فرماتے ہیں۔

وانا نتوسل الیک بعم نبینا۔

ترجمہ: یعنی ہم اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چچا کے وسیلہ سے بارش مانگتے ہیں۔

(صحیح بخاری ابواب الاستسقاء باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذ قحطوا ج ۱ ص ۳۴۲ رقم الحدیث ۹۶۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

اسی حدیث کی شرح میں امام قسطلانی شرح بخاری میں فرماتے ہیں **ای بوسیلة الرحیم التی بینه وبین النبی ﷺ**۔ یعنی حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے وسیلہ سے اس لئے دعا کی کہ ان کو نبی ﷺ سے قربت تھی۔

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی حدیث سے وسیلہ اولیاء ثابت کیا۔ چنانچہ وہ شرح حصن حصین میں آداب الدعا وسیلہ اولیاء کے تحت فرماتے ہیں۔

قصہ استسقاء عمر ابن الخطاب لعباس ابن عبدالمطلب ازیں باب است یعنی حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے وسیلہ سے بارش مانگنا اسی وسیلہ اولیاء سے ہے۔

اسی حصن حصین کی شرح میں اسی مقام پر ملا علی قاری فرماتے ہیں۔

وھو من المندوبات وفی صحیح البخاری فی الاستسقآء حدیث عمر انا کنا نتوسل الیک نبینا ﷺ وانا نتوسل الیک بعم نبیک فاسقنا فلیسقو والحدیث عثمان ابن حنیف فی شان الاعمیٰ۔

ترجمہ: یعنی دعا میں انبیاء و اولیاء کا وسیلہ پکڑنا مستحب ہے بخاری کی اس روایت کی وجہ سے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بوسیلہ عباس رضی اللہ عنہ دعا کی اور حضرت عثمان ابن حنیف کی روایت کی وجہ سے نابینا کی دعا میں۔

ہاں اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ یہ فرماتے کہ مولا اب تک ہم تیرے نبی پاک ﷺ کے وسیلہ سے دعا کرتے تھے اب ان کی وفات کے بعد ان کا وسیلہ چھوڑ دیا۔ اب حضرت عباس کی طفیل دعا کرتے ہیں تب تمہاری دلیل درست ہوتی مگر نفی کا ذکر نہیں۔ لہٰذا دلیل غلط ہے۔ انبیاء اولیاء کا وسیلہ صحیح ہے۔

اعتراض (۱۱)...... حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہمارے پاس زکوٰۃ نہ دینے والے اپنے سروں پر گائے، بھینسیں بکریاں لادے ہوئے آئیں گے۔ اور ہم سے شفاعت کی درخواست کریں گے ہم یہ فرما کر ان کو ہٹا دیں گے کہ ہم نے تم تک احکام پہنچا دیئے تھے تم نے کیوں عمل نہ کیا۔ اب شفاعت کیسی؟

اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ زکواۃ نہ دینے والے مجرموں کا وسیلہ کوئی نہیں۔ جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا وسیلہ کام نہ آیا۔ تو دوسرے کا وسیلہ بدرجہ اولے کام نہیں آسکتا۔ چنانچہ بخاری شریف کتاب الزکوٰۃ باب اثم مانع الزکوٰۃ میں ہے۔

ولایاتی احدکم یوم القیامة ببعیر یحمله علی عنقه له رغاء فیقولو یا محمد فاقول لااملك لك شیئا قد بلغت۔

(صحیح البخاری کتاب الزکوٰۃ باب اثم مانع الزکوٰۃ ج ۱ ص ۱۸۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

نوٹ ضروری

یہ واہیات اعتراض مولوی مودودی صاحب کا ہے جو زمانہ موجودہ کے مجدد۔ اور نہ معلوم کیا کیا بنتے ہیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے جو جواب ہیں ایک یہ کہ معاملہ ان لوگوں سے ہوگا جو زکوٰۃ کی فرضیت کے منکر ہو گئے تھے جیسے حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے شروع زمانہ خلافت میں ہوا اور جن پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جہاد فرمایا اور زکوٰۃ کی فرضیت کا

منکر کافر ہے۔ اور کافروں کے لیئے نہ وسیلہ ہے نہ شفاعت لہذا اس کا تعلق مسلمانوں سے نہیں۔

دوسرا جواب یہ کہ اس حدیث میں شفاعت نہ کرنے کا ذکر ہے نہ کہ شفاعت نہ کر سکے گا۔ یعنی نبی ﷺ شفیع مختار اور وسیلہ با اختیار ہیں۔ اگر چاہیں کریں نہ چاہیں نہ کریں ان پر ناراضگی ظاہر فرمانے کے لیئے یہ ارشاد ہوگا۔ اگر اس حدیث کے یہ مطلب نہ ہوں تو اس حدیث شریف کے مخالف ہوگی۔

شفاعتی لاهل الکبائر من امتی۔

ترجمہ: میری شفاعت میری امت کے گناہ کبیرہ والوں کے لیئے ہوگی۔

(سنن الترمذی کتاب صفۃ القیامۃ والرائق باب ماجاء فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۶۲۵ رقم الحدیث ۲۴۳۵ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب السنہ باب فی الشفاعۃ ج ۴ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۴۷۳۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

نیز ان تمام آیات قرآنیہ کے خلاف ہوگی جو پہلے باب میں مذکور ہوئیں۔

نوٹ ضروری

وسیلہ دو طرح کے ہیں ایک مجبور جیسے سورج روشنی کا وسیلہ ہے اور بارش رزق کا۔ قرآن کریم رب کی بخشش کا ماہ رمضان عفو سیات کا۔ دوسرا با اختیار جیسے انبیاء و اولیاء کی شفاعت اور دنیا میں حکیم وکیل حاکم شفا و عدل کے وسیلے ہیں کہ کریں یا نہ کریں۔ اس حدیث شریف میں جو معترض نے پیش کی۔ حضور محمد مصطفیٰ ﷺ کے خداداد اختیار کا ذکر ہے۔

اعتراض (۱۲)...... بخاری شریف حدیث غار میں ہے کہ تین شخص جنگل میں جارہے تھے کہ بارش آگئی پناہ پکڑنے کے لئے غار میں گھس گئے۔ ایک چٹان پتھر کی غار کے منہ پر گری جس سے غار کا منہ بند ہو گیا تو ان لوگوں نے اپنے نیک اعمال کے وسیلہ سے دعا کی۔ ایسی شدت کے موقع پر کسی پیر کا وسیلہ انہوں نے نہیں پکڑا بلکہ اپنے اعمال کا۔ معلوم ہوا کہ بندے کا وسیلہ پکڑنا جائز نہیں۔

جواب:۔ اس حدیث شریف میں صرف یہ ہے کہ ان شخصوں نے اعمال کے وسیلہ سے دعا کی۔ یہ کہاں ہے کہ بزرگوں کا وسیلہ جائز ناجائز ہے دعویٰ کچھ اور ہے دلیل کچھ اور ہے۔ اعمال کا وسیلہ جائز ہے اور بزرگوں کا بھی ایک جائز پر عمل کرنے سے دوسرا جائز کیسے حرام ہو گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی آگ میں جاتے وقت حضرت جبرائیل کے عرض کرنے پر بھی اس آفت کے دور ہونے کی دعا نہ کی۔ نبی ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی۔ مگر دفع کی دعا نہ کی تو کیا اس سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ دعا مانگنا ہی حرام ہے یہ اعتراض نہایت ہی لغو ہے۔

اعتراض (۱۳)...... شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

ندارم غیر از تو فریاد رس

پتہ لگا کر خدا تعالیٰ کے سوا کوئی فریاد نہیں سنتا۔ پھر وسیلہ کیسا اگر وسیلہ مانو تو غیر خدا کو فریاد رس ماننا پڑے گا۔

جواب:۔ اس جگہ حقیقی فریاد رس مراد ہے اس کی نفی ہے خدا کے حکم سے اس کے پیارے بندے فریاد رس ہیں۔ یہی شیخ سعدی علیہ الرحمۃ گلستان میں فرماتے ہیں۔

ہر کہ فریاد رس روز مصیبت خواھد
گو دراپام سلامت بجوانمردی کوشش

جو چاہتا ہے کہ مصیبت کے دن میرا کوئی فریاد رس بنے اس سے کہہ دو کہ آرام کے زمانے میں لوگوں سے اچھا سلوک کرے۔

ایک دوا کا نام شربت فریادرس ہے کہو یہ نام شرک یا نہیں؟ تعجب ہے کہ شربت تو فریادرس بن جاوے۔ مگر نبی ﷺ فریادرس نہ ہوں۔

(۱۴) بوستان میں ہے۔

بہ تہدید گر بر کشد تیغ حکم
بمانند کروبیان صم و بکم

یعنی اگر رب تعالیٰ ڈرانے کے لئے حکم کی تلوار کھینچے تو جن فرشتے بھی گونگے اور بہرے رہ جائیں گے۔

کہیئے شیخ سعدی علیہ الرحمۃ جیسے بزرگ فرشتوں جیسی معصوم جماعت کو بیکار فرما رہے ہیں اوروں کے وسیلہ کا تو ذکر ہی کیا ہے۔

جواب:۔ جناب! یہاں رب کے مقابلے میں یہ بات کہی گئی ہے یعنی اگر وہ غضب فرمادے تو کوئی اس کے مقابل دم نہیں مار سکتا۔ یہ ہر مسلمان کا ایمان ہے گفتگو تو اس بارے میں ہے کہ رب تعالیٰ کی اجازت اور اس کی مرضی سے اس کے مقبول بندے محرم بندوں کی سفارش کر سکتے ہیں۔ اور رب تعالیٰ ان کی طفیل گنہ گاروں کے گناہ بخش دیتا ہے یہ وسیلہ ہے اس شعر کو وسیلہ کے مسئلہ سے کوئی تعلق نہیں شیخ سعدی قدس سرہ یہ شعر نہ دیکھا۔

چہ باشد کہ مشتے گدایان خیل
بمہمان دارالسلامت طفیل

یارسول اللہ! کیا اچھا ہو کہ ہم جیسے مٹھی بھر فقیر آپ کی طفیل جنت کے مہمان خانہ میں پہنچ جاویں۔

نیز فرماتے ہیں۔

خدا یا بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کنی خاتمہ

الٰہی حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کی اولاد کی طفیل میرا خاتمہ ایمان پر ہو یہ صاف بزرگوں کا وسیلہ ہے۔

نیز فرماتے ہیں۔

شنیدم کہ در روز امید وبیم
بداں رابہ نیکاں بہ بخشد کریم

قیامت کو نیکوں کے وسیلہ سے خدائے کریم گنہ گاروں کو بخش دے گا۔

اعتراض (۱۴)...... اگر اللہ کے مقبول بندے خدا رسی کا وسیلہ بھی ہوں تب بھی خدا تعالیٰ کو پالینے کے بعد ان کو چھوڑ دینا چاہیئے جیسے ریل گاڑی میں اسی وقت تک بیٹھتے ہیں جب تک کہ منزل مقصود تک پہنچیں مقصود پر پہنچ کر اسے چھوڑ دیتے ہیں مسلمان نے کلمہ پڑھ لیا رب کو پالیا اب بزرگوں کی کیا ضرورت رہی۔

جواب:۔ وسیلے دو طرح کے ہوتے ہیں ایک محض وسیلہ جیسے سفر کے لئے ریل گاڑی۔ دوسرا وہ وسیلہ جس سے مقصد وابستہ ہے۔ جیسے روشنی کے لئے چراغ۔ پہلی قسم کا وسیلہ مقصود پر پہنچ کر چھوڑ دیا جائے گا۔ لیکن دوسری قسم کا وسیلہ کبھی نہیں چھوٹ سکتا۔ ورنہ فوراً مقصود فوت ہو جائے گا روشنی چراغ کے دم سے قائم ہے۔ اگر اسے گل کیا تو اندھیرا ہو جاوے گا اللہ تعالیٰ کے مقبول بندے دوسری قسم کا وسیلہ ہیں اسی لئے رب تعالیٰ نے نبی ﷺ کو نور فرمایا۔ کہیں سراج منیر یعنی چمکتا ہوا سورج۔ مقصد یہ ہے کہ جیسے آفتاب کی ضرورت ہمیشہ ہے ایسے ہی پیارے دنیا کو تمہاری حاجت دائمی ہے اس لئے قبر میں ان کے نام پر کامیابی اور حشر میں ان کے دم پر نجات رکھی ﷺ۔

اعتراض (۱۵)...... جب خدا تعالیٰ سب کا رب ہے اور اس کا نام رب العٰلمین ہے تو پھر کسی وسیلہ کی کیا ضرورت ہے ہر شخص اس کے دروازے پر بلا واسطہ جاوے اور فیض لے وسیلہ کا مسئلہ اس کے رب العٰلمین ہونے کے خلاف ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک الزامی دوسرا تحقیقی۔ الزامی جواب تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ رازق العباد ہے اور شافی الامراض ہے پھر تم رزق تلاش کرنے کے لئیے امیروں کے پاس اور شفا لینے کے لئے حکیموں کے پاس کیوں جاتے ہو تمہارا ان لوگوں کے پاس جانا بھی خدا تعالیٰ کے رازق اور شافی ہونے کے خلاف ہے وہ حکم الحاکمین ہے پھر مقدمہ کچہری کے حکام کے پاس کیوں لے جاتے ہو؟

جناب! وسیلے رب تعالیٰ کے دروازے ہیں یا اس کے چکران کے ہاتھوں سے جو کچھ ہوتا ہے وہ رب تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتا ہے اسی طرح اولیاء اللہ انبیائے کرام رب تعالیٰ کے مختار خدام ہیں۔

تحقیقی جواب یہ ہے کہ ان وسیلوں کی ضرورت رب تعالیٰ کو نہیں بلکہ ہم کو ہے جیسے روٹی کو توے کے ذریعے سے گرم کیا جاتا ہے تو آگ گرم کرنے میں توے کی محتاج نہیں بلکہ روٹی کو احتیاج ہے۔

رب تعالیٰ سب کا ہے مگر اس کی ربوبیت کے مظہر یہ چیزیں ہیں سانپ اس کی قہاریت کا مظہر ہے اور دیگر آرام وہ چیزیں اس کی رحمت کی تجلی گاہ ہیں۔

اعتراض (۱۶)...... وسیلہ کے مسئلہ سے لوگ بدعمل ہو جائیں گے۔ جب انہیں خبر ہوگی کہ حضور ﷺ بخشوالیں گے تو پھر عمل کرنے کی زحمت کیوں گوارہ کریں؟

جواب:۔ یہ اعتراض ایسا ہے جیسے آریہ کہتے ہیں کہ توبہ کے مسئلہ سے بدعملی اور زکوۃ کے مسئلہ سے بیکاری بڑھ جاتی ہے کیونکہ جب مسلمانوں کو خبر ہے کہ توبہ سے گناہ بخشے جاتے ہیں تو پھر خوب گناہ کر کے توبہ کر لیا کریں گے اور جب غریبوں کو خبر ہو کہ مالداروں کی زکوۃ ہزاروں روپیہ سالانہ نکلتی ہے پھر کمائی کیوں کریں جب ملے یوں تو محنت کرے کیوں؟ جو اس کا جواب ہے وہی اس اعتراض کا ہے۔

جناب! جیسے توبہ کی قبول کا یقین۔ مالداروں کی زکوۃ ملنے کا یقین ملے یا نہ ملے۔

ایسے ہی اگر بدعملی کی گئی تو یقین نہیں وسیلہ نصیب ہو یا نہ ہو میں تو کہتا ہوں کہ وسیلہ کے انکار سے بدعملی بڑھے گی۔ کیونکہ جب گنہ گار شفاعت سے مایوس ہوگا تو خوب گناہ کرے گا کہ دوزخ میں تو جانا ہی ہے لاؤ دس گناہ اور کر لو۔ شیخ فرماتے ہیں۔

نہ بینی کہ چوں گربہ عاجز شود   بر آرد بہ چنگال چشم پلنگ

جب تک بلی کو جان بچنے کی امید رہتی ہے تب تک چیتے سے بھاگتی ہے۔ مگر جب پھنس کر جان سے مایوس ہو تو چیتے پر حملہ کر دیتی ہے مایوسی دلیری پیدا کرتی ہے۔

اعتراض (۱۷)...... مشرکین عرب اسی لئے مشرک ہوئے کہ وہ بتوں کو رب کا بندہ تو سمجھتے تھے مگر ان سے غائبانہ مدد مانگتے تھے۔ اور انہیں خدا رسی کا وسیلہ جانتے تھے۔ وہ کسی بت کو خالق یا مالک نہیں مانتے تھے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولئن سالتهم من خلق السموت والارض ليقولن الله۔

اور اگر آپ مشرکوں سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا۔ تو وہ کہیں گے اللہ تعالیٰ نے۔

معلوم ہوا کہ وہ مشرک صرف اس لئے مشرک ہوئے کہ انہوں نے رب کے بندوں کو بندہ مان کر انہیں حاجت روا، مشکل کشا، فریاد رس مانا۔ اسی طرح تم بھی نبیوں ولیوں کو مانتے ہو تم اور وہ برابر ہو۔

جواب:۔ ایک ہے رب تعالیٰ کی قدرت اور ایک ہے رب کا قانون۔ قدرت تو یہ ہے کہ رب تعالیٰ چاہے تو ہر چھوٹا بڑا کام بغیر کسی وسیلہ کے خود ہی کرے۔ قدرت کا اظہار اس آیت شریف میں ہے۔ **انما امره اذا اراد شيئاً ان يقول له كن فيكون۔** اس کی

شان تو یہ ہے کہ کسی چیز کو چاہے تو کن فرمادے تو وہ شئی ہو جائے۔

اس قانون کا اظہار صدہا آیات میں ہے۔ مثلاً

قل یتوفکم ملك الموت الذی و کل بکم۔

فرمادو تمہیں ملک الموت موت دے گا جو تم پر مقرر کر دیا گیا ہے۔

ویز کیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ۔

نبی ﷺ انہیں پاک فرماتے اور کتاب وحکمت سکھاتے ہیں۔

وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیراً۔

کہو کہ یا اللہ! جیسے میری ماں باپ نے صغرسنی میں مجھے پرورش فرمایا تو بھی ان پر رحم فرما۔ دیکھو موت دینا۔ پاک کرنا۔ پالنا رب تعالیٰ کا کام ہے مگر دیوبندیوں کے ذریعہ سے ہوا۔

مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ ایک خدا اتنے بڑے جہان کا انتظام نہیں فرما سکتا لہذا اس نے اپنے بعض بندے اپنی مدد کے لئے عالم سنبھالنے کے لئے مقرر کئے ہیں یعنی انہوں نے بندوں کو رب تعالیٰ کے برابر کر دیا۔ لہذا وہ مشرک ہوئے۔ اسی لئے قیامت میں وہ بتوں سے کہیں گے۔

تاللہ ان کنا لفی ضلال مبین از نسویکم برب العالمین۔

خدا کی قسم ہم کھلی گمراہی میں تھے کہ ہم تمہیں خدا کے برابر سمجھتے تھے۔

معلوم ہوا کہ وہ بتوں کو بندہ مان کر رب تعالیٰ کو ان کا حاجتمند مانتے تھے قرآن کریم اس وسیلہ کی تردید فرماتا ہے۔

لم یتخذ ولداً ولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن له ولی من الذل وکبره تکبیراً۔

یعنی رب تعالیٰ نے نہ اپنا بچہ بنایا نہ ملک میں اس کا کوئی شریک ہے نہ کمزوری کی وجہ سے اس کا کوئی ولی ہے۔ یعنی جو اس نے جو اولیاء مقرر فرمائے وہ اپنی شان ظاہر کرنے کے لئے بنائے نہ کہ کمزوری اور عاجزی کی وجہ سے۔

پتہ لگا کہ مشرک خدائے تعالیٰ کے متعلق یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ رب تعالیٰ کے بعض بندے اس لئے ان کے ولی ہیں کہ خدا اتنے بڑے کام پر خود قادر نہیں۔ کسی مسلمان کا یہ عقیدہ نہیں۔ مشرکین اولیاء کو ایسا مانتے تھے۔ جیسے کونسل کا ممبر اور مسلمان اولیاء کو ایسا مانتے ہیں جیسے بارگاہ عالیہ کے خدام اور کارندے۔ لہذا وہ مشرک تھے اور یہ مومن رہے۔ غرضیکہ جو رب تعالیٰ کی قدرت کا منکر ہو وہ مشرک ہے اور جو قدرت مان کر رب کے قانون کا منکر ہے۔ وہ وہابی ہے۔

نوٹ ضروری

ہم اپنی زندگی میں غور کریں تو معلوم ہوگا کہ دنیا کی کوئی نعمت ہمیں بغیر وسیلہ نہیں ملی۔ پیدائش و پرورش ماں باپ کے وسیلہ سے علم و ہنر استاد کے وسیلہ سے۔ تندرستی حکیم کے وسیلہ سے موت ملک الموت کے وسیلہ سے۔ غسل غسال کے وسیلہ سے کفن درزی...... کے وسیلہ سے دفن گورکن کے وسیلہ سے۔ پھر آخرت کی نعمتیں تو دنیاوی نعمتوں سے کہیں زیادہ ہیں اور بغیر وسیلہ کیسے مل سکتی ہیں۔ کلمہ قرآن روزہ نماز رب کی پہچان غرض کہ یہ ساری نعمتیں حضور ﷺ کے وسیلہ سے ملیں پھر وسیلہ کا انکار نہ کرے گا مگر جاہل۔

نوٹ:۔ ساری عبادات کا فائدہ صرف ان انسانوں کو ہوتا ہے مگر وسیلہ کا فائدہ انسان، جن، فرشتہ، جانور بلکہ درخت زمین۔ زمان سب کو ہوتا ہے مکہ معظمہ حضور ﷺ کے وسیلہ سے افضل ہوا۔ کوہ طور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وسیلہ سے اعلیٰ ہوا۔ آب زمزم حضرت

اسماعیل علیہ السلام کی طفیل سے متبرک ہو گیا۔ ایوب علیہ السلام کو شفا دینے کے لئے فرمایا گیا۔

ارکض برجلك هذا مغتسل بارد وشراب۔

اپنا پاؤں زمین پر رگڑو اس سے جو پانی کا چشمہ پیدا ہو اسے پیو اور اس سے غسل کرو۔ چنانچہ اس سے آپ کو شفا ہوئی۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا دھوون ان کے پاؤں کے وسیلہ سے شفا بن جاتا ہے غرضیکہ بزرگوں کا وسیلہ ہر چیز کو فائدہ پہنچاتا ہے۔

اعتراض (۱۸)......موجودہ وہابی یہ بھی کہتے ہیں کہ انسان خواہ کتنا ہی بزرگ ہو۔ مرنے کے بعد اس جہان سے بے خبر ہو جاتا ہے یہاں کی اسے بالکل خبر نہیں رہتی۔ دیکھو اصحاب کہف تین سو سال تک سو کر جب جاگے تو انہوں نے سمجھا ہم دن بھر سوئے حضرت عزیز علیہ السلام سو برس تک وفات یافتہ رہ کر جب زندہ کئے گئے تو رب نے کم لبثت؟ تم یہاں کتنے دن ٹھہرے؟ تو عرض کیا۔ لبثت یوماً او بعض یوم ایک دن یا اس سے بھی کم ٹھہرا۔ فرمایا گیا۔ بل لبثت مائة عام تم یہاں سو برس رہے۔ اگر ان کی توجہ اس جہان پر ہوتی۔ تو اس مدت کے اندازہ میں کیوں غلطی کرتے جب اتنے بزرگوں کو یہاں سے کچھ تعلق نہیں رہتا۔ تو دیگر اولیاء اللہ کا ذکر ہی کیا ہے جب یہ لوگ یہاں سے ایسے بے تعلق ہیں تو ان کی قبروں پر جا کر ان کے وسیلہ سے دعا کرنا یا ان سے حاجت مانگنا بالکل ہی عبث ہے۔

جواب:۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے وفات کے بعد اس دنیا سے تعلق رکھتے ہیں یہاں کی خبر رکھتے ہیں معراج شریف کی رات سارے پیغمبروں نے حضور ﷺ کے پیچھے بیت المقدس میں نماز پڑھی حجۃ الوداع کے موقعہ پر بہت سے پیغمبروں نے شرکت کی جس کی خبر نبی ﷺ نے دی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے معراج شریف کی رات پچاس نمازوں کی پانچ کرا دیں۔ اگر وہ حضرات اس عالم میں پہنچ کر ادھر سے بے خبر ہو جاتے ہیں تو انہیں حضور ﷺ کی معراج اور حجۃ الوداع کی خبر کیسے ہوئی اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نماز کم کرنے کی ضرورت پڑی؟ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وسئل من ارسلنا من قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون۔

اے نبی ﷺ اپنے سے پہلے پیغمبروں کو پوچھو کیا ہم نے خدا کے سوا اور معبود بنائے ہیں؟ اگر وہ پیغمبر اس دنیا سے بے خبر ہو گئے تو پھر پوچھنا کیسا؟

مردہ قبرستان میں آنے والے کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں وارد ہے۔

اصحاب کہف اور حضرت عزیز علیہ السلام کے معجزے اور کرامت کا دکھانا منظور تھا اس لئے رب تعالیٰ نے انہیں خصوصیت سے اس دنیا سے بے توجہ کر دیا اگر اصحاب کہف کو اپنے سونے کی مدت کا پتہ ہوتا تو بازار میں نہ آتے اور کرامت لوگوں پر ظاہر نہ ہوتی جیسے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ ہمارا دل جاگتا رہتا ہے۔ صرف آنکھ سوتی ہے مگر تعریس کی رات رب نے حضور ﷺ کے دل کو اپنی طرف متوجہ فرما لیا۔ اور نماز فجر قضا ہو گئی تا کہ امت کو نماز قضا پڑھنے کا طریقہ معلوم ہو جائے۔

اگر نبی ولی وفات کے بعد اس طرف سے بالکل بے تعلق ہو جاتے ہیں تو ہمارے درود و سلام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام تک کیسے پہنچتے ہیں۔ نیز مردوں کو ثواب کیسے پہنچتا ہے۔ ایسے شخص کو سلام کرنا منع ہے جو جواب نہ دے سکے جیسے سونے والا۔ استنجا والا۔ نمازی اور اذان کی حالت اگر نبی کریم ﷺ سنتے ہی نہیں اور جواب نہیں دے سکتے تو ان کو سلام کرنا منع ہونا چاہیے تھا۔

یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضرت عزیر علیہ السلام پر حقیقتاً سو سال گزرے ہوں لیکن جتنا ایک دن جیسے قیامت کا دن ہزاروں سال کا ہو گا۔ مگر

مومن کے لیئے ایک نماز کے برابر ہوگا وہاں دونوں کا اثر موجود تھا کہ گدھے پر سو سال گزر گئے تھے اور شربت پر ایک دن۔ لہذا عزیر علیہ السلام کا ایک دن فرمانا بھی ٹھیک تھا۔ وہ جتنے کے لحاظ سے تھا۔ اور رب تعالیٰ کا اسے سو سال فرمانا بھی ٹھیک تھا کہ وہ حقیقت پر مبنی تھا۔

اعتراض (۱۹)...... نبی ﷺ نے بہت کوشش کی کہ ابوطالب ایمان لے آویں مگر نہ لائے تو آپ کیا کرسکتے ہیں بلکہ آیت اتری انك لاتهدی من احببت جس سے تم محبت کرو اسے ہدایت نہیں دے سکتے جب اپنے پیاروں کا وسیلہ نہیں بن سکتے تو دوسروں کا کیا پوچھنا۔

جواب:۔ اس آیت کا مطلب ظاہر ہے کہ جس سے آپ محبت کریں اسے ہدایت نہیں دے سکتے کیونکہ آپ رحمۃ للعالمین ہیں۔ ہر بشر سے محبت فرماتے سب ہی پر کرم کرتے ہی۔ کافر ہو یا مومن۔ مخلص ہو یا منافق۔ مگر ہدایت اسے ملے گی جو آپ سے محبت کرے اور آپ سے جو محبت کرے گا وہ آپ کی بات مانے گا ابوطالب نے آپ سے محبت نہ کی اور آپ کی بات نہ مانی کلمہ نہ پڑھا لہذا ہدایت نہ پا سکے اس میں خود ان کا اپنا قصور ہے اگر آفتاب سے روشنی حاصل نہ کرسکے تو اس کا نصیب۔ آفتاب روشنی دینے میں کوتاہی نہ کرتا۔ پھر بھی ابوطالب کو حضور ﷺ کی خدمت کا یہ فائدہ پہنچ گیا کہ وہ دوزخ میں نہیں رکھے گئے۔ بلکہ آگ کے جھیرے میں ہیں جیسا کہ بخاری کی حدیث میں ہے۔

اعتراض (۲۰)...... نبی ﷺ نے حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کوئی خدمت نہ کی تو اوروں کی مدد بھی نہیں کرسکتے۔ پھر وسیلہ کیا؟

جواب:۔ حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ نے اس وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے مدد مانگی ہی نہیں تاکہ صبر میں فرق نہ آوے جیسے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں جاتے وقت رب سے مدد نہ مانگی۔ نیز حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی یہ استقامت کہ اتنی شدید اور سخت مصیبتوں میں ثابت قدم رہے حضور ﷺ کی مدد سے ہوئی۔

اعتراض (۲۱)...... قرآن شریف سے ثابت ہے کہ انبیاء علیہ السلام اپنی زندگی میں بھی دنیا سے بے خبر رہتے ہیں دیکھو حضرت سلیمان علیہ السلام نے ہدہد کو گم پا کر لوگوں سے پوچھا کہ ہدہد کو میں نہیں دیکھتا۔ اگر واقف تھے تو پوچھا کیوں؟ نیز ہدہد نے آکر کہا میں وہ چیز دیکھ کر آیا ہوں جو آپ نے نہیں دیکھی یعنی بلقیس اور اس کا تخت دیکھو ہدہد کی خبر سے پہلے آپ کو نہ بلقیس کا پتہ لگا نہ شہر سبا کا۔ جب وہ کسی کی خبر ہی نہیں رکھتے تو وسیلہ کیسے بن سکتے ہیں۔

جواب:۔ اس آیت میں یہ کہاں ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو خبر نہ تھی۔ ہدہد نے آپ کی بے خبری کا دعویٰ نہیں کیا۔ بلکہ عرض کیا۔ انی احطت بما لم تحط به۔ میں اس چیز کا احاطہ کرکے اور دیکھ کر آیا ہوں جس کو آپ نے جا کر نہ دیکھا اور واقعی آپ اس وقت تک وہاں با یں جسم شریف نہ گئے تھے خبر تو آپ کو تھی مگر اظہار نہ تھا تاکہ پتہ لگے کہ پیغمبر کی صحبت میں رہنے والے جانور بھی ہزاروں کے لئے ایمان کا وسیلہ بن جاتے ہیں دیکھو ہدہد ہی کے ذریعہ سے سارے یمن والوں اور بلقیس وغیرہ کو ایمان نصیب ہوا اور بھی ہزار رہا اس میں حکمتیں تھیں حضرت یوسف علیہ السلام نے بادشاہ بن کر بھی اپنے والد ماجد کو خبر نہ بھیجی اس لئے نہیں کہ آپ ان سے بے خبر تھے۔ بلکہ وقت کا انتظار تھا اور آپ کی انتہائی عظمت کا ظہور ہونے والا تھا کہ قحط سالی میں تمام عالم کا رزق آپ کے ہاں پہنچا اور سب لوگ روزی میں آپ کے حاجتمند کیئے گئے۔

اچھا بتاؤ کہ جب حضرت سلیمان علیہ السلام نے آصف کو بلقیس کا تخت لانے کا حکم فرمایا تو انہوں نے نہ تو کسی ملک یمن کا پتہ پوچھا اور نہ بلقیس کا گھر دریافت کیا نہ تخت کی جگہ تلاش کی بلکہ جھپکنے سے پہلے تخت لاکر حاضر کر دیا انہیں بھی بلقیس کے سارے مقامات کی خبر تھی یا نہیں تھی۔ اور ضرور تھی تو جن کی صحبت میں رہ کر یہ کمال حاصل کیا تھا۔ وہ بے خبر ہوں یا ناممکن ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ قال الذی

عندہ علم من الکتاب جس کے پاس کتاب کا علم تھا انہوں نے کہا انا اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک میں تخت بلقیس آپ کے پلک جھپکنے سے پہلے لے آؤں گا بتاؤ وہ کتاب آصف نے کس سے پڑھی تھی خود حضرت سلیمان علیہ السلام سے تعجب ہے کہ شاگرد کو خبر ہو۔ اور استاذ کو نہ ہو۔ رب تعالیٰ سمجھ دے غرضیکہ آپ کو علم تھا مگر وقت سے پہلے اظہار نہ تھا۔ طلب وسیلہ برائے حصول مرادات از خدائے تعالیٰ چیزے دگر است۔

اعتراض (۲۲)......رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ فیغفر لمن یشآء ویعذب من یشآء۔ رب تعالیٰ جسے چاہے گا بخشے گا اور جسے چاہے عذاب دے گا جن نبیوں اور ولیوں کو تم مغفرت کا وسیلہ سمجھتے ہو خود ان کی مغفرت یقینی نہیں۔ نہ معلوم ان کی بخشش ہو یا نہ ہو۔ اگر وہ تمہارے وسیلے ہیں تو بتاؤ اگر خدا تعالیٰ انہیں پکڑے تو ان کا وسیلہ کون بنے گا۔ من یشآء میں من عام ہے نبی ولی سب کو شامل ہے (بعض بے ادب دیوبندی)

جواب:۔ اس کے دو جواب ہیں ایک عالمانہ دوسرا صوفیانہ۔ عالمانہ جواب یہ ہے کہ بندے تین طرح کے ہیں ایک وہ جن کے جہنمی ہونے کی خبر دی گئی جیسے ابولہب اور اس کی بیوی جمیلہ جن کے بارے میں فرمادیا گیا۔

سیصلیٰ نارا ذات لهب و امراته الخ (پارہ ۳۰ سورہ لھب آیت نمبر ۳۔۴) یہ اور اس کی بیوی عنقریب بھڑکتی ہوئی آگ میں پہنچیں گے۔ دوسرے وہ جن کے جنتی ہونے کی خبر دی گئی۔ فرمادیا گیا رضی اللہ عنهم و رضوا عنه۔ (پارہ ۳۰ سورہ البینہ آیت نمبر ۸) اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو گیا اور وہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہو گئے یا فرمادیا کلا وعد اللہ الحسنیٰ اللہ تعالیٰ نے ان سب سے جنت کا وعدہ کر لیا۔ تیسرے وہ جن کے متعلق کوئی خبر نہ دی گئی جیسے ہم لوگ۔ پہلی جماعت کا دوزخی ہونا اور دوسری جماعت کا جنتی ہونا ایسا ہی یقینی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک ہونا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا سچا ہونا ایسی ہی اس کی صفت ہے جیسے اس کا ایک ہونا تمہاری پیش کردہ آیات میں تیسری جماعت مراد ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ وعدہ خلافی نہیں کرتا۔

صوفیانہ جواب یہ ہے کہ اس آیت کا یہ مطلب ہے کہ رب تعالیٰ جسے چاہتا ہے اسے نیک اعمال کی توفیق دے کر جنتی بناتا ہے اور جسے چاہتا ہے اسے گمراہ کر کے جہنمی بناتا ہے یعنی لوگوں کے جنتی اور جہنمی ہونے کا ارادہ ہو چکا۔ قیامت میں صرف اس کا ظہور ہوگا۔ ہر ایک کے متعلق قلم چل چکا ہے یہ مطلب نہیں کہ جس نیک کار کو چاہے جہنمی ہو چکا اور جس کو وہ جنتی ہونا چاہ چکا وہ جنتی ہو چکا۔ اب اس کا برعکس ہونا اس آیت کے خلاف ہوگا۔

اعتراض (۲۳)......قرآن کریم فرما رہا ہے کہ کفار نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ لن نومن لک حتی تفجر لنا من الارض ینبوعاً۔ الایۃ۔

یعنی ہم اس وقت تک ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ آپ زمین سے چشمے جاری نہ کر دیں یا آپ کے پاس کھجور وانگور کا باغ نہ ہو جس کے بیچ میں نہریں ہوں۔ الخ اس کے جواب میں فرمایا گیا۔ قل سبحان ربی هل کنت الا بشرا رسولاً۔ کہ سبحان اللہ میں تو صرف رسول بشر ہوں مجھ میں یہ طاقت نہیں اس آیت سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک یہ کہ نبی میں کوئی طاقت اور زور نہیں بندہ مجبور ہیں ورنہ انہیں یہ معجزے دکھا کر مسلمان کر لیا جاتا۔ دوسرے یہ کہ پانی کے چشمے بہانا۔

باغ اگانا یہ خدا تعالیٰ کا کام ہے نبی ولی کا نہیں۔ اسی طرح بیٹی بیٹا بخشا عزت ذلت دینا مرادیں پوری کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے کسی کو ان چیزوں کا وسیلہ ماننا بھی اس آیت کے خلاف ہے۔

جواب:۔ نبی اس سے کہیں زیادہ طاقت ہے یہ کہو کہ ان کے مطالبہ پر اپنی طاقت دکھائی نہیں کیونکہ وہ ایمان لانے کی نیت سے یہ

مطالبہ نہ کرتے تھے بلکہ نبی کا زور آزمانے کے لیے کرتے تھے اور جس قوم نے نبی کا زور آزمایا وہ مٹادی گئی۔ فرعون نمرود قوم عاد وثمود ان سب نے نبی کا زور دیکھنا چاہا زور دکھایا گیا مگر وہ ایمان نہ لائے ہلاک ہو گئے حضور ﷺ کا ان کے یہ مطالبے پورے نہ فرمانا رحمت کی بنا پر ہے۔ ورنہ وہ تو زمین سے چشمے نکالنے کا مطالبہ کرتے تھے حضور ﷺ نے انگلیوں سے چشمے بہادیئے۔ وہ تو کھجور وانگور کے باغ کا مطالبہ کرتے تھے حضور ﷺ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دکھایا۔ ڈوبے ہوئے سورج کو لوٹایا۔ کھاری کنوئیں کو میٹھا بنایا ٹکریوں کنکریوں سے اپنا کلمہ پڑھوایا۔ فقیروں کو بادشاہ بنا دیا جس کو چاہا غنی کر دیا۔

ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

بوریا ممنون خواب راحتش تاج کسریٰ زیر پائے امتش

غرضیکہ ہونا ہوتا اور چیز ہے اور دکھانا کچھ اور۔ اور اس آیت میں طاقت نہ دکھانے کا ذکر ہے ان سرکش کافروں کو تا کہ ہلاک نہ ہو جائیں۔

خاتمہ

حقیقت یہ ہے کہ وہابیوں دیوبندیوں کو خدا نے گمراہ کر دیا۔ ان کی شامت آ گئی ہے اس لئے تمام وسیلوں سے منہ موڑ رہے ہیں جسے خدا ہدایت دیتا ہے وہ ولی اور مرشد کے دامن میں رہتا ہے اور جسے رب گمراہ کرتا ہے اس کا نہ ولی نہ مرشد۔ رب فرماتا ہے۔ **ومن یضلل فلن تجدلہ ولیا مرشدا**۔ جسے رب گمراہ کر دے اس کے لئے نہ تم کوئی ولی پاؤ گے نہ مرشد یہ بے پیرے بے نورے درگاہ الٰہی سے نکالے ہوئے ہیں۔ یہ ساری باتیں اسی سبب سے ہیں۔ مسلمانوں کو چاہیئے کہ ہر نئے مذہب سے بچیں اسی راستے پر رہیں جو اب تک اللہ کے نیک بندوں کا ہے بے سمجھے بوجھے قرآن کا ترجمہ گمراہی کا راستہ ہے رب فرماتا ہے۔ **یضل بہ کثیرا ویھدی بہ کثیرا**۔ رب تعالیٰ اس قرآن سے بہت لوگوں کو ہدایت دیتا ہے اور بہت کو گمراہ کر دیتا ہے ہدایت ملنے کا ذریعہ صرف یہی ہے کہ اچھوں کے ساتھ رہو رب فرماتا ہے **یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین**۔ اے مسلمانوں اللہ سے ڈرو اور سچوں کے ساتھ رہو ہمیں سورہ فاتحہ میں یہ دعا مانگنے کی ہدایت فرمائی۔ **اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیھم**۔ اے مولیٰ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے (یعنی قائم رکھ) ان بندوں کے راستہ پر جن پر تو نے انعام کیا۔ یعنی نبیوں صدیقوں شہداء اور صلحاء کے راستہ پر قائم رکھ۔ آج ہر چکڑالوی ہر قادیانی ہر دیوبندی وہابی ہر بے دین قرآن کریم بغل میں دبائے پھر رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ قرآن کی رو سے ہیں سچا ہوں جیسے کہ یزیدیوں سے بے سوچے سمجھے نفسانی خواہش سے قرآن پڑھ کر امام حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا اور امام حسین رضی اللہ عنہ پر یہ آیت چسپاں کی **فقاتلو التی تبغی حتی تفئ الی امر اللہ** یعنی جو بادشاہ اسلام سے باغی ہو جائے اس سے جنگ کرو یہاں تک کہ رجوع کرے انہوں نے حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کو تو باغی اور یزید پلید کو بادشاہ اسلام بنایا غرضیکہ بے سمجھے قرآن کے ترجموں نے بہت لوگوں کا بیڑا غرق کر دیا ہے اگر چاہتے ہو کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاؤ تو اسی راستہ پر چلو جو اولیائے کرام اور علمائے عظام کا راستہ ہے اور اسی میں دین و دنیا کی بھلائی ہے۔

آج سوائے مذہب اہل سنت کے کسی فرقہ میں اولیاء موجود نہیں معلوم ہوا کہ یہی جماعت حق پر ہے جب تک دین موسوی منسوخ نہ ہوا تھا بنی اسرائیل میں ہزارہا ولی ہوئے جب وہ منسوخ ہو گیا اب ان میں کوئی ولی نہیں۔ حضرت مریم۔ اصحاب کہف آصف بن برخیا جن کے قصے قرآن شریف میں مذکور ہیں سب بنی اسرائیل کے ولی تھے جریج اسرائیلی کی ولایت کا یہ حال تھا کہ اس نے چار سال کے بچہ سے

اپنی پاکدامنی کی گواہی لے لی مگر بتاؤ جب سے یہ دین منسوخ ہوا اب کوئی یہودی عیسائی ولی ہوا۔ جب ان میں ایمان ہی نہیں تو ولایت کہاں سے آوے اسی طرح آج سوائے مذہب اہل سنت کے کسی فرقہ میں ولی نہیں کوئی دیوبندی ولی نہیں۔ کوئی قادیانی چکڑالوی غیر مقلد ولی نہیں ادھر دیکھو کہ حضور غوث پاک سرکار بغداد ہم میں حضور خواجہ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ہم میں، حضور خواجہ بہاؤالدین نقشبند ہم میں۔ حضور شیخ شہاب الدین سہروردی ہم میں گزرے ہیں اب بھی مذہب اہل سنت میں ہزارہا اولیاء جلوہ گر ہیں۔ حضرت پیر سید حیدر شاہ صاحب جلال پوری حضرت خواجہ مہر علی شاہ صاحب گولڑوی اعلیٰ حضرت بریلوی پیر سید جماعت علی شاہ صاحب علی پوری حضرت خواجہ محمد سلیمان صاحب تونسوی اور تمام گدی والے حضرات ہماری ہی جماعت میں ہیں۔ یہ تمام حضرات پکے سنی متقی وسیلہ کے قائل۔ نیاز۔ عرس۔ فاتحہ۔ میلاد شریف پر عامل رہے۔ ان اولیاء کرام کا ہم میں ہونا مذہب اہل سنت کی حقانیت کی کھلی دلیل ہے آج تمام فرقوں کو میں چیلنج کرتا ہوں کہ اپنے مذہبوں میں اولیاء دکھائیں۔ ولی کی پہچان قرآن کریم نے یہ بیان فرمائی ہے۔ کہ خلقت انہیں ولی مانے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **لهم البشرى في الحيوة الدنيا وفي الاخرة** ان کے لئے دنیا وآخرت میں خوشخبری دنیا کی خوشخبری عام لوگوں کا ان کی طرف جھکنا۔ اور آخرت کی خوشخبری ملائکہ کا انہیں مبارکباد دینا قرآن کریم فرماتا ہے۔ **ان الذين امنوا وعملوا الصلحت سيجعل لهم الرحمن ودا**۔ یعنی جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کیئے اللہ تعالیٰ ان کی محبت سب کے دلوں میں ڈال دے گا۔ جن بزرگوں کے نام ہم نے گنائے ہیں ان کو عام خلقت ولی مانتی ہے چونکہ دیوبندیوں میں کوئی نہیں اس لیے وہ اولیاء اللہ کو گالیاں دینے لگے۔ جیسے قادیانیوں کے مسیح موعود مرزا میں کوئی کرامت یا معجزہ نہیں تو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کا انکار کرنے لگے۔ بہر حال مسلمان اس فقیر کے اس قاعدہ کو یاد رکھیں کہ وہی راستہ اختیار کریں جو اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں کا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آج کل کی زہریلی ہواؤں سے ان کا ایمان محفوظ رہے گا گلدستہ کی گھاس پھولوں کے وسیلہ سے بادشاہوں کے ہاتھ میں پہنچ جاتی ہے باوام کے چھلکے مغز کے ساتھ تلتے ہیں مگر علیحدہ ہو کر پھینک دیئے جاتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ کتابوں سے علم وحکمت ملتا ہے لیکن دین کسی کی نظر سے نصیب نہیں ہوتا۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

علم وحکمت از کتب دیں از نظر دیں مجواندر کتب اے بے خبر
بوسہ زن بر آستانے کاملے کیمیا پیدا کن از مشتے گلے

دین صرف کتابوں سے نہ ڈھونڈو کتابوں سے صرف علم ملتا ہے اور دین کامل کی نگاہ کرم سے۔ اپنے جسم کو کیمیا بنا لو اس طرح کہ کسی کامل کے آستانہ پر ادب سے بوسہ دو۔

اگر قرآن شریف کا ترجمہ پڑھ لینے سے دین مل جاتا تو ابو جہل ابولہب اور ابلیس اول درجہ کے مومن ہوتے کیونکہ یہ ترجمہ جانتے تھے صرف نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فیض حاصل نہ کیا مارے گئے۔

آؤ ہم مثنوی شریف کا ایک قصہ سنا کر رسالہ کو ختم کریں تا کہ وسیلہ اولیاء کا رسالہ ولی کامل کے ذکر پر ختم ہو۔

حکایت

مولانا جلال الدین رومی قدس سرہ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں کہ سلطان العارفین حضرت بایزید بسطامی قدس سرہ العزیز کے زمانہ میں بسطام شریف میں ایک رنڈی آگئی جس کے حسن وجمال اور خوش آواز پر خلقت عاشق ہوگئی مسجدیں خانقاہیں خالی ہوگئیں اور رنڈی کے گھر تماشائیوں کا ہر وقت میلہ لگا رہتا۔ کسی شخص نے حضرت سلطان العارفین کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضرت آپ

کے زمانہ اور آپ کے شہر میں ایسا فسق و فجور۔ حضور نے فرمایا کیا بات ہے؟ اس شخص نے سارا ماجرا عرض کر دیا۔ فرمایا ہمیں اس رنڈی کا مکان بتاؤ آپ مصلے اور لوٹا لے کر اس کے گھر پہنچ گئے تمام تماشائی آپ کو دیکھ کر غائب ہو گئے آپ نے اس رنڈی کے دروازے پر مصلے بچھا دیا۔ اور نوافل شروع کر دیئے۔ جو ادھر آتا آپ کو دیکھ کر لوٹ جاتا۔ یہاں تک کہ رات کا اکثر حصہ گزر گیا اور کسی کے آنے کا خطرہ نہ رہا۔ تو آپ نے اس رنڈی سے پوچھا تیری روزانہ کی آمدنی کتنی ہے اس نے بتائی آپ نے اتنی نقدی مصلے کے نیچے سے نکال کر اس کے حوالے کر دی۔

فقیروں کی جھولی میں ہوتا ہے سب کچھ مگر چاہیئے ان سے لینے کا ڈھب کچھ
بہت جانچ لیتے ہیں دیتے ہیں تب کچھ

پھر آپ نے اسے فرمایا کہ اب تیری یہ رات ہم نے خرید لی کیونکہ تیری اجرت دیدی اس نے عرض کی کہ ہاں بے شک پھر حضور نے فرمایا اچھا اب ہم جو کہیں تو وہ کر۔ بولی بہت اچھا آپ نے فرمایا وضو کر کے نفل کی نیت کر۔ غرضیکہ اسے نماز میں کھڑا کر دیا۔ جب تک اس نے قیام کیا وہ رنڈی تھی۔ رکوع میں گئی تو رنڈی تھی قومہ کیا تو رنڈی تھی مگر جب سجدہ میں گئی ادھر تو اس کا سر سجدہ میں جھکا اور ادھر سلطان العارفین کے ہاتھ دعا کے لئے اٹھے مولانا فرماتے ہیں کہ آپ نے بدرگاہ خدا عرض کیا۔

آنچہ کارم بود آخر کردمش کز زنا سوئے نماز آوردمش

اے مولیٰ تو قوی میں ضعیف تو رب میں بندہ مجھ عاجز کمزور اور ضعیف بندے کا تو اتنا ہی کام تھا کہ فاسقہ کو زنا سے ہٹا کر تیرے دروازے پر جھکا دیا اگلا کام تیرا ہے کہ تو اس جھکے ہوئے سر کو قبول کرے یا رد کرے پھر عرض کیا کہ اگر تو نے اس کو رد کر دیا تو میری بدنامی ہو جائے گی کہ لوگ کہیں گے سلطان العارفین تجھے کیا دے گئے۔

بسر ذرت آوردہ ام من اے خدا قلبہا قلب طفیل مصطفیٰ

یہ نہ دیکھ کہ آنے والا کون ہے مولیٰ یہ دیکھ کہ لانے والا کون ہے اگرچہ آنے والی ایک فاسقہ ہے لیکن لانے والا میں گنہگار ہوں اس لئے اس ہرے گنبد والے کالی زلفوں والے محبوب ﷺ کے صدقہ اس کے دل کا رخ بدل دے۔ آپ کا یہ فرمانا تھا کہ وہ فاسقہ ولیہ بن گئی پھر بعد میں اس کے دوست اسے بلاتے تو وہ اندر سے کہلا بھیجتی کہ اب میں نے ان آنکھوں سے سلطان العارفین کو دیکھ لیا جو سلطان العارفین کو دیکھ لے وہ کسی کو نہ دیکھے۔

سورج کی شعاعیں کی آتشی شیشہ کے ذریعہ کسی کپڑے پر ڈالی جائیں تو وہ کپڑا جل جاتا ہے اگر یہ آتشی شیشہ درمیان میں نہ ہو۔ تو جلن پیدا نہیں ہوتی مدینہ کے سورج ﷺ کی نورانی شعاعیں بغداد والے یا اجمیر والے شیشہ کے ذریعہ دل پر ڈالو تا کہ تپش اور درد پیدا ہو۔ یہ درد دل وہ چیز ہے جس کے سبب انسان فرشتوں سے افضل ہو۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقہ سیدنا محمد والہ واصحابہ اجمعین۔

احقر العباد

احمد یار خاں

سرپرست: مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات

بحث بدعت کے معنی اور اس کے اقسام واحکام

اس میں دو باب ہیں۔ پہلا باب بدعت کے معنی اور اس کے اقسام واحکام میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات وجوابات میں۔

پہلا باب

بدعت کے معنی اور اس کے اقسام واحکام میں

بدعت کے لغوی معنی ہیں نئی چیز قرآن کریم فرماتا ہے۔
قل ما كنت بدعا من الرسل۔
ترجمہ: فرمادو کہ میں نیا رسول نہیں ہوں۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۶ آیت نمبر ۹)

نیز فرماتا ہے بديع السموت والارض (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۱۷) آسمانوں اور زمینوں کا ایجاد کرنے والا ہے۔ نیز فرماتا ہے ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم۔ (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷)۔

ان آیات میں بدعت لغوی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ یعنی ایجاد کرنا، نیا بنانا وغیرہ۔ مرقاۃ شرح مشکوۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے۔ قال النووی البدعته كل شيئى عمل على غير مثال سبق بدعت وہ کام ہے جو بغیر گزری مثال کے کیا جاوے۔
(مرقات المفاتیح ج ۱ ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اب بدعت تین معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ نیا کام جو حضور انور کے بعد ایجاد ہوا۔ خلاف سنت کام جو دافع سنت ہو۔ برے عقائد جو بعد میں پیدا ہوئے پہلے معنی سے بدعت دو قسم کی ہے۔ حسنہ، سیئہ دوسرے دو معنی سے ہر بدعت سیئہ ہی ہے جن بزرگوں نے فرمایا کہ ہر بدعت سیئہ ہوتی ہے وہاں دوسرے معنی مراد ہیں وہ جو حدیث میں ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے وہاں تیسرے معنی مراد ہیں لہذا احادیث واقوال علماء آپس میں متعارض نہیں۔

بدعت کے شرعی معنی ہیں وہ اعتقاد یا وہ اعمال جو کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ حیات ظاہری میں نہ ہوں بعد میں ایجاد ہوئے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ بدعت شرعی دو طرح کی ہوئی۔ بدعت اعتقادی اور بدعت عملی۔ بدعت اعتقادی ان برے عقائد کو کہتے ہیں جو حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے بعد اسلام میں ایجاد ہوئے عیسائی، یہودی، مجوسی اور مشرکین کے عقائد بدعت اعتقادی نہیں۔ کیونکہ یہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ پاک میں موجود تھے۔ نیز ان عقائد کو عیسائی وغیرہ بھی اسلامی عقائد نہیں کہتے اور جبریہ، قدریہ، مرجیہ، چکڑالوی، غیر مقلد، دیوبندی عقائد بدعت اعتقادیہ ہیں۔ کیونکہ یہ سب بعد کو بنے۔ اور یہ لوگ ان کو اسلامی عقائد سمجھتے ہیں۔ مثلاً دیوبندی کہتے ہیں کہ خدا جھوٹ پر قادر ہے۔ حضور علیہ السلام غیب سے جاہل یا حضور علیہ السلام کا خیال نماز میں بیل گدھے کے خیال سے بدتر ہے۔ یہ ناپاک عقیدے بارھویں صدی کی پیداوار ہیں۔ جیسا کہ ہم شامی سے اس کا ثبوت مقدمہ کتاب میں دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ وجعلنا في قلوب الذين اتبعوه رافة ورحمة ورهبانية ابتدعوها ما كتبناها عليهم الا ابتغآء رضوان الله (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷) پھر فرماتا ہے فاتينا الذين امنوا منهم اجرهم اس آیت سے معلوم ہوا کہ عیسائیوں نے بدعت حسنہ یعنی تارک الدنیا ہو جانا ایجاد کیا رب نے اس کی تعریف کی بلکہ اس پر اجر بھی دیا۔ ہاں جو اسے نبھا نہ سکے ان پر عتاب آیا۔

فرمایا گیا۔ فما رعوها حق رعايتها (پارہ ۲۷ سورہ ۵۷ آیت نمبر ۲۷) دیکھو ایجاد بدعت پر عتاب نہیں ہوا بلکہ نبھانے پر۔ معلوم ہوا کہ بدعت حسنہ اچھی چیز ہے اور باعث ثواب۔ مگر اس پر پابندی نہ کرنا برا خیر الامور ادومها لہذا چاہیئے کہ مسلمان محفل میلاد شریف وغیرہ پر پابندی کریں۔ مشکوۃ باب الاعتصام کی پہلی حدیث ہے کہ من احدث فی امرنا هذا ما ليس منه فهو رد جو شخص ہمارے اس دین میں وہ عقیدے ایجاد کرے جو دین کے خلاف ہوں وہ مردود ہے۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم شریف ج ۳ ص ۱۳۴۳ رقم الحدیث ۱۷۱۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ المقدمہ باب تعظیم حدیث رسول اللہ ج ۱ ص ۷ رقم الحدیث ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱ ص ۲۰۷ رقم الحدیث ۲۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

ہم نے ما کے معنی عقیدے اس لئے کئے ہیں کہ دین عقائد کا ہی نام ہے اعمال فروع میں بے نمازی گنہگار ہے بے دین یا کافر نہیں۔ بداعتقاد یا تو گمراہ ہے یا کافر۔ اس کے ماتحت مرقات میں ہے۔

والمعنى ان من احدث فى الاسلام رايا فهو مردود عليه اقول فى وصف هذا الامر اشارة الى ان امر الاسلام كمل۔

ترجمہ: معنی یہ ہیں کہ جو اسلام میں ایسا عقیدہ نکالے کہ دین سے نہیں ہے وہ اس پر پردے ہے میں کہتا ہوں کہ ہذا الامر کے وصف میں اس طرف اشارہ ہے کہ اسلام کا معاملہ مکمل ہو چکا۔

ثابت ہوا کہ بدعت عقیدے کو فرمایا گیا۔ اسی مشکوۃ باب الایمان بالقدر میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ سے کسی نے کہا کہ فلاں شخص نے آپ کو سلام کہا ہے تو فرمایا بلغنى انه قد احدث فان كان احدث فلا تقرعه منى السلام مجھے خبر ملی ہے کہ وہ بدعتی ہو گیا ہے اگر ایسا ہو تو اس کو میرا اسلام نہ کہنا۔ بدعتی کیسے ہوا؟ فرماتے ہیں۔

يقول يكون فى امتى خسف ومسخ او قذف يف اهل القدر۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام فرماتے تھے کہ میری امت میں زمین میں دھنسا صورت بدلنا یا پتھر برسنا ہوگا قدریہ لوگوں میں۔

(مشکوۃ المصابیح باب باب الایمان بالقدر الفصل الثالث ص ۲۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ وہ قدریہ یعنی تقدیر کا منکر ہو گیا تھا۔ اس کو منکر فرمایا۔ درمختار کتاب الصلوۃ باب الامت میں ہے۔

ومبتدع اى صاحب بدعة وهى اعتقاد خلاف المعروف عن الرسول۔

ترجمہ: بدعتی امام کے پیچھے نماز مکروہ ہے بدعت اس عقیدے کے خلاف اعتقاد رکھنا ہے جو حضور علیہ السلام سے معروف ہیں۔

(الدر المختار وعلی حاشیہ کشف الاستار کتاب الامامۃ ص ۸۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بدعت نئے اور برے عقائد کو بھی کہتے ہیں اور بدعت اور بدعتی پر جو سخت وعیدیں احادیث میں آئی ہیں ان سے مراد بدعت اعتقادیہ ہے حدیث میں ہے کہ جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے ڈھانے پر مدد دی۔ یعنی بدعت اعتقادیہ والے کی۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۰ میں ہے۔ جس بدعت میں ایسی شدید عید ہے وہ بدعت فی العقائد ہے۔ جیسا کہ روافض خوارج کی بدعت ہے۔

بدعت عملی ہر وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک کے بعد ایجاد ہوا خواہ وہ دنیاوی ہو یا دینی خواہ صحابہ کرام کے زمانہ میں ہو یا اس کے بھی بعد۔ مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وفى الشرع احداث مالم يكن فى عهد رسول الله عليه السلام۔

ترجمہ: بدعت شریعت میں اس کام کا ایجاد کرنا ہے جو کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ ہو۔

اشعۃ اللمعات میں یہ ہی باب بدانکہ ہر چیز پیدا شدہ بعد از پیغمبر علیہ السلام بدعت است جو کام حضور علیہ السلام کے بعد پیدا ہو وہ بدعت ہے۔

(اشعۃ اللمعات باب الاعتصام الفصل الاول ج ا ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ان دونوں عبارتوں میں نہ تو دینی کام کی قید ہے نہ زمانہ صحابہ کا لحاظ جو کام بھی ہو دینی ہو یا دنیاوی حضور علیہ السلام کے بعد جب بھی ہو خواہ زمانہ صحابہ میں یا اس کے بعد وہ بدعت ہے ہاں عرف عام میں ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں بدعت نہیں بولتے یہ عرف ہے ورنہ خود فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے تراویح کی باقاعدہ جماعت مقرر فرما کر فرمایا نعمتہ البدعتہ هذه یہ تو بہت ہی اچھی بدعت ہے۔

بدعت عملی دو قسم کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت حسنہ وہ نیا کام جو کسی سنت کے خلاف نہ ہو جیسے محفل میلاد اور دینی مدارس اور نئے نئے عمدہ کھانے اور پریس میں قرآن و دینی کتب کا چھپوانا اور بدعت سیئہ وہ جو کہ کسی سنت کے خلاف ہو یا سنت کو مٹانے والی ہو۔ جیسے کہ غیر عربی میں خطبہ جمعہ و عیدین پڑھنا یا کہ لاؤڈ سپیکر پر نماز پڑھنا پڑھانا کہ اس میں سنت خطبہ یعنی عربی میں نہ ہونا اور تبلیغ تکبیر کی سنت اٹھ جاتی ہے۔ یعنی بذریعہ مکبرین کے آواز پہنچانا بدعت حسنہ جائز بلکہ بعض وقت مستحب اور واجب بھی ہے اور بدعت سیئہ مکروہ تنزیہی یا مکروہ تحریمی یا حرام ہے۔ اس تقسیم کو ہم آئندہ بیان کریں گے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی دلیل سنو۔ اشعۃ اللمعات جلد اول باب الاعتصام زیر حدیث و کل بدعتہ ضلالۃ ہے۔ وآنچہ موافق اصول وقواعد اوسنت وقیاس کردہ شدہ است آں را بدعت حسنہ گویند وآنچہ مخالف آں باشد باعث ضلالت گویند۔ جو بدعت کہ اصول اور قوانین اور سنت کے موافق ہے اور اس سے قیاس کی ہوتی ہے۔ اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور جو اس کے خلاف ہے اس کو بدعت گمراہی کہتے ہیں۔

(اشعۃ اللمعات باب الاعتصام الفصل الاول ج ا ص ۱۳۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

مشکوۃ باب العلم میں ہے۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله واجر من عمل بها من م بعده من غير ان ينقص من اجورهم شيئی و من سن فی الاسلام سنة سيئة فعليه وزرها و وزر من عمل بها من غير ان ينقص من اوزاهم شيئی۔

ترجمہ: جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے اس کو اس کا ثواب ملے گا۔ اور اس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اور ان کے ثواب سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے اس پر اس کا گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ بھی ہے اور ان کا بھی جو اس پر عمل کریں اور ان کے گناہ میں بھی کچھ کمی نہ ہوگی معلوم ہوا کہ اسلام میں کار خیر ایجاد کرنا ثواب کا باعث ہے۔ اور برے کام نکالنا گناہ کا موجب۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب الحث علی الصدقہ ج ۲ ص ۷۰۵ رقم الحدیث ۱۰۱۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب الزکاۃ باب التحریض علی الصدقہ ج ۵ ص ۷۵۔۷۶ رقم الحدیث ۲۵۵۴ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن ابن ماجہ مقدمہ باب من سنہ حسنۃ او سیئۃ ج ا ص ۷۴ رقم الحدیث ۲۰۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۴ ص ۳۵۷۔۳۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۱۰۱۔۱۰۲ رقم الحدیث ۳۳۰۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

شامی کے مقدمہ میں فضائل امام ابوحنیفہ بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں۔

قال العلمآء هذه احاديث من قواعد الاسلام وهو ان كل من ابتدع شيئاً من الشر كان عليه مثل وزر من اقتدى به فی ذلك و كل من ابتدع شيئاً من الخير كان له مثل اجر كل من يعمل الی يوم القيمة۔

ترجمہ: علماء فرماتے ہیں کہ یہ حدیثیں اسلام کے قانون ہیں کہ جو شخص کوئی بدعت ایجاد کرے اس پر اس کام میں ساری پیروی کرنے

والوں کا گناہ ہے اور جو شخص اچھی بدعت نکالے اس کو قیامت تک کے سارے پیروی کرنے والوں کا ثواب ہے۔
(ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ص ۴۳۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ اچھی بدعت ثواب ہے اور بری بدعت گناہ۔

بری بدعت وہ ہے جو سنت کے خلاف ہو۔ اس کی بھی دلیل ملاحظہ ہو۔ مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهورد۔

ترجمہ: جو شخص ہمارے اس دین میں کوئی ایسی رائے نکالے جو کہ دین سے نہیں ہے تو وہ مردود ہے۔
(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

دین سے نہیں ہے کے معنی یہ ہیں کہ دین کے خلاف ہے۔ چنانچہ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

ومراد چیزے است کہ مخالف ومغیر آن باشد۔

اس سے مراد وہ چیز ہے جو کہ دین کے خلاف یا دین کو بدلنے والی ہو۔ اسی مشکوۃ باب الاعتصام تیسری فصل میں ہے۔

ما احداث قوم بدعة الا رفع مثلها من السنة فتمسك بسنة خير من احداث بدعة۔

ترجمہ: کوئی قوم بدعت ایجاد نہیں کرتی مگر اتنی سنت اٹھ جاتی ہے۔ لہذا سنت کو لینا بدعت کے ایجاد کرنے سے بہتر ہے۔
(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثالث ص ۳۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ وچوں احداث بدعت رافع سنت است ہمیں قیاس اقامت سنت قاطع بدعت خواہد بود۔

اور جب بدعت نکالنا سنت کو مٹانے والا ہے۔ تو سنت کو قائم کرنا بدعت کو مٹانے والے ہوگا۔

اس حدیث اور اس کی شرح سے یہ معلوم ہوا کہ بدعت سیئہ یعنی بری بدعت وہ ہے کہ جس سے سنت مٹ جاوے۔ اس کی مثالیں ہم پہلے دے چکے ہیں۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کی پہچان خوب یاد رکھنا چاہئے کہ اسی جگہ دھوکا ہوتا ہے۔

بدعت کی قسمیں اور ان کے احکام

یہ تو معلوم ہو چکا کہ بدعت دو طرح کی ہے۔ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ اب یاد رکھنا چاہئے کہ بدعت حسنہ تین طرح کی ہے۔

بدعت جائز...... بدعت مستحب...... بدعت واجب۔

اور بدعت سیئہ دو طرح کی ہے۔ **بدعت مکروہ**......اور...... **بدعت حرام۔**

اس تقسیم کی دلیل ملاحظہ ہو۔ مرقات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ میں ہے۔

البدعة اما واجبة كتعلم النحو وتدوين اصول الفقه واما محرمة كمذهب الجبرية واما مندوبة كاحداث الروابط والمدارس وكل احسان لم يعهد فى الصدر الاول وكالتراويح اى بالجماعة العامة واما مكروهة كذخرفة المسجد واما مباحة كالمصافحة عقيب الصبح والتوسع بلذيذ الماكل والمشارب۔

ترجمہ: بدعت یا تو واجب ہے جیسے علم نحو کا سیکھنا اور اصول فقہ کا جمع کرنا اور یا حرام ہے جیسے جبریہ مذہب اور یا مستحب ہے۔ جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کا ایجاد کرنا اور ہر وہ اچھی بات جو پہلے زمانہ میں نہ تھی اور جیسے عام جماعت سے تراویح پڑھنا اور یا مکروہ ہے جیسے مسجدوں کو فخریہ زینت دینا اور یا جائز ہے جیسے فجر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا اور عمدہ عمدہ کھانوں اور شربتوں میں وسعت کرنا۔

(مرقات المفاتیح ج ۱ص ۲۱۶ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

شامی جلد اول کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں ہے۔

ای صاحب بدعة محرمة والا فقد تکون واجبة کنصب الادلة وتعلم النحو ومندوبة کاحداث نحو رباط ومدرسة وکل احسان لم یکن فی الصدر الاول مکروهة کزخرفة المسجد ومباحة کالتوسع بلذیذ الماکل و المشارب والثیاب کما فی شرح الجامع الصغیر۔

ترجمه: یعنی حرام بدعت والے کے پیچھے نماز مکروہ ہے ورنہ بدعت تو کبھی واجب ہوتی ہے جیسے کہ دلائل قائم کرنا اور علم نحو سیکھنا اور کبھی مستحب جیسے مسافر خانہ اور مدرسے اور ہر وہ اچھی چیز جو کہ پہلے زمانہ میں نہ تھی ان کا ایجاد کرنا اور کبھی مکروہ جیسے کہ مسجدوں کی فخریہ زینت اور کبھی مباح جیسے عمدہ کھانے شربتوں اور کپڑوں میں وسعت کرنا اسی طرح جامع صغیر کی شرح میں ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار ج اص ۴۱۴ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

ان عبارات سے بدعت کی پانچ قسمیں بخوبی واضح ہوئیں۔لہذا معلوم ہوا کہ ہر بدعت حرام نہیں بلکہ بعض بدعتیں کبھی ضروری بھی ہوتی ہیں جیسے کہ علم فقہ واصول فقہ قرآن کریم کا جمع کرنا یا قرآن کریم میں اعراب لگانا یا آج کل قرآن کریم کا چھاپنا اور دینی مدرسوں کے درس وغیرہ بنانا۔

بدعت کی قسموں کی پہچانیں اور علامتیں

بدعت حسنہ اور سیئہ کی پہچان تو بتادی گئی کہ جو بدعت اسلام کے خلاف ہو یا کسی سنت کو مٹانے والی ہو۔وہ بدعت سیئہ۔اور جو ایسی نہ ہو۔وہ بدعت حسنہ ہے۔اب ان پانچ قسموں کی علامتیں معلوم کرو۔

بدعت جائز......: ہر وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو۔اور بغیر کسی نیت خیر کے کیا جاوے۔جیسے چند کھانے کھانا وغیرہ۔اس کا حوالہ مرقاۃ اور شامی میں گزر گیا۔ان کاموں پر نہ ثواب نہ عذاب۔

بدعت مستحبه......: وہ نیا کام جو شریعت میں منع نہ ہو اس کو عام مسلمان کار ثواب جانتے ہوں یا کوئی شخص اس کو نیت خیر سے کرے جیسے محفل میلاد شریف اور فاتحہ بزرگان کہ عام مسلمان اس کو کار ثواب جانتے ہیں۔اس کو کرنے والا ثواب پاوے گا۔اور نہ کرنے والا گنہگار نہیں ہوگا۔دلائل ملاحظہ ہوں۔

مرقات باب الاعتصام میں ہے۔

وروی عن ابن مسعود ماراہ المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔

ترجمه: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مسند احمد ج اص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المدخل السنن الکبری للبیہقی ج اص ۱۱۴ مطبوعہ دار الخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت)، (مسند الطیالسی ج اص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

وفی حدیث مرفوع ولاتجمع امتی علی الضلالة۔

ترجمه: اور حدیث مرفوع میں ہے کہ میری امت گمراہی پر متفق نہ ہوگی۔

(سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۴۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج اص ۲۰۱ رقم الحدیث ۳۹۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مشکوٰۃ کے شروع میں ہے۔

انما الاعمال بالنیات وانما لامرء مانوی۔

ترجمہ: اعمال کا مدار نیت سے ہے اور انسان کے لئے وہی ہے جو نیت کرے۔

(صحیح مسلم ج ۳ ص ۱۵۱۵ رقم الحدیث ۱۹۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الترمذی قال ابوعیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح ج ۴ ص ۱۷۹ رقم الحدیث ۱۶۴۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد باب فیما عنی بہ الطلاق والنیات ج ۲ ص ۲۶۲ رقم الحدیث ۲۲۰۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند الحمیدی ج ۱ ص ۱۶ رقم الحدیث ۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۲ ص ۱۱۳۔۱۱۴ رقم الحدیث ۳۸۸۔۳۸۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (صحیح ابن خذیمۃ ج ۱ ص ۷۳ رقم الحدیث ۱۴۲ المکتب الاسلامی بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۸ ص ۴۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۴۱۳ رقم الحدیث ۴۲۲۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند الطیالسی ص ۹ رقم الحدیث ۳۷ مطبوعہ دارالعرفۃ بیروت)، (سنن نسائی ج ۶ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۴۳۷ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۱ ص ۳۸۰۔۳۸۱ رقم الحدیث ۲۵۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (المنتقی لابن الجارود باب فی النیۃ فی الاعمال ص ۲۷ رقم الحدیث ۶۴ مطبوعہ موسسۃ الکتاب الثقافیۃ بیروت)، (مسند احمد ج ۱ ص ۲۵ رقم الحدیث ۱۶۸ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الکبری للبیہقی باب النیۃ فی الطہارۃ الحکمیۃ ج ۱ ص ۴۱ رقم الحدیث ۱۸۱ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۵۳ برقم ۳۱۹۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیۃ بیروت)، (السنن الصغری للبیہقی ص ۱۸ رقم الحدیث ۱ مطبوعہ مکتبۃ الدار المدینۃ المنورۃ)، (مسند الربیع عن ابن عباس رضی اللہ عنہما ص ۲۳ رقم الحدیث ۱ مطبوعہ دارالحکمۃ بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبۃ عن ابوہریرۃ رضی اللہ عنہ ج ۷ ص ۵۰۲ رقم الحدیث ۳۷۵۵۷۔۳۷۵۵۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

درمختار جلد اول بحث مستحبات وضو میں ہے۔

ومستحبه وهو ما فعله النبی علیه السلام مرة و ترکه اخری وما احبه السلف۔

ترجمہ: مستحب وہ کام ہے جو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا ہو اور کبھی چھوڑا ہو اور وہ کام جسے گزشتہ مسلمان اچھا جانتے ہوں۔

(الدرمختار علی حامشہ کشف الاستار بحث مستحبات وضو ص ۲۲ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

شامی جلد پنجم بحث قربانی میں ہے۔

فان النیات تجعل العادات عبادات۔

ترجمہ: کیونکہ نیت خیر عادات کو عبادت بنا دیتی ہے۔

(ردالمحتار علی الدالمختار ج ۵ ص مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

اسی طرح مرقاۃ بحث نیت میں بھی ہے۔

ان احادیث وفقہی عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام نیت ثواب سے کیا جاوے یا مسلمان اس کو ثواب کا کام جانیں۔ وہ عنداللہ بھی کار ثواب ہے۔ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں جس کے اچھے ہونے کی گواہی دیں وہ اچھا ہے اور جس کو برا کہیں وہ برا۔ گواہی کی نفیس بحث ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو اور اس کتاب میں بھی عرس بزرگان کی بحث میں کچھ اس کا ذکر آویگا۔ انشاءاللہ۔

بدعت واجبہ......: وہ نیا کام جو شرعاً منع نہ ہو اور اس یک چھوڑنے سے دین میں حرج واقع ہو۔ جیسے کہ قرآن کے اعراب اور دینی مدارس اور علم نحو وغیرہ پڑھنا اس کے حوالے گزر چکے۔

بدعت مکروھہ......: وہ نیا کام جس سے کوئی سنت چھوٹ جاوے۔ اگر سنت غیر موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تنزیہی ہے۔ اور اگر سنت موکدہ چھوٹی تو یہ بدعت مکروہ تحریمی۔ اس کی مثالیں اور حوالے گزر گئے۔

بدعت حرام......: وہ نیا کام جس سے کوئی واجب۔ چھوٹ جاوے۔ یعنی واجب کو مٹانے والی ہو۔

درمختار باب الاذان (الدرمختار علی حامشہ کشف الاستار باب الاذان ص ۶۴ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور) میں ہے کہ بعد سلام کرنا ۷۸۱ھ میں ایجاد ہوا۔ لیکن وہ بدعت حسنہ ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ اذان جوق کے بارے میں فرماتے ہیں۔

ففیه دلیل علی انه غیر مکروه لان المتوارث لایکون مکروها و کذلك تقول فی الاذان بین یدی الخطیب فیکون بدعة حسنة اذ ما راه المومنون حسنا فهو عند الله حسن۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۴۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ جو جائز کام مسلمانوں میں مروج ہو جائے باعث ثواب ہے۔

آؤ ہم آپ کو دکھائیں کہ اسلام کی کوئی عبادت حسنہ سے خالی نہیں۔ فہرست ملاحظہ ہو۔

ایمان:۔ مسلمان کے بچہ بچہ کو ایمان مجمل اور ایمان مفصل یاد کرایا جاتا ہے۔ ایمان کی یہ دو قسمیں اور ان کے یہ دونوں نام بدعت ہیں قرون ثلثہ میں اس کا پتہ نہیں۔

کلمہ:۔ ہر مسلمان چھ کلمہ یاد کرتا ہے۔ یہ چھ کلمے ان کی تعداد ان کی ترکیب کہ یہ پہلا کلمہ ہے۔ یہ دوسرا اور ان کے یہ نام ہیں۔ سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں پتہ بھی نہیں تھا۔

قرآن:۔ قرآن شریف کے تیس پارہ بنانا۔ ان میں رکوع قائم کرنا۔ اس پر اعراب لگانا اس کی سنہری روپہلی جلدی تیار کرنا۔ قرآن کو بلاک وغیرہ بنا کر چھاپنا سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

حدیث:۔ حدیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا۔ حدیث کی اسناد بیان کرنا۔ اسناد پر جرح کرنا اور حدیث کی قسمیں بنانا کہ یہ صحیح ہے یہ حسن، یہ ضعیف، یہ معضل، یہ مدلس ان قسموں میں ترتیب دینا کہ اول نمبر صحیح ہے۔ دوم نمبر حسن سوم نمبر ضعیف۔ پھر ان کے احکام مقرر کرنا کہ حرام و حلال چیزیں حدیث صحیح سے ثابت ہوں گی۔ اور فضائل میں حدیث ضعیف بھی معتبر ہوگی۔ غرضکہ سارا فن حدیث ایسی بدعت ہے۔ جس کا قرون ثلثہ میں ذکر بھی نہ تھا۔

اصول حدیث:۔ یہ فن بالکل بدعت ہے بلکہ اس کا تو نام بھی بدعت ہے اس کے سارے قاعدے قانون بدعت۔

فقہ: اس پر آج کل دین کا دارومدار ہے۔ مگر یہ بھی از اول تا آخر بدعت ہے جس کا قرون ثلثہ میں ذکر نہیں۔

اصول فقہ وعلم کلام:۔ یہ علم بھی بالکل بدعت ہے ان کے قواعد وضوابط سب بدعت۔

نماز:۔ نماز میں زبان سے نیت کرنا۔ بدعت جس کا ثبوت قرون ثلثہ میں نہیں۔ رمضان میں بیس تراویح پر ہیشگی کرنا بدعت ہے خود امیر المومنین عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا **نعمۃ البدعتہ ھذہ** یہ بڑی اچھی بدعت ہے۔

روزہ:۔ روزہ افطار کرتے وقت زبان سے دعا کرنا۔ **اللھم لك صمت** الخ اور سحری کے وقت دعا مانگنا کہ **اللھم بالصوم لك غدا نویت** بدعت ہے۔

زکوۃ:۔ زکوۃ میں موجود سکہ رائج الوقت ادا کرنا بدعت ہے قرون ثلثہ میں یہ تصویر والے سکے نہ تھے نہ ان سے زکوۃ جیسی عبادات ادا ہوتی تھی۔ موجودہ سکے سے غلوں سے فطرانہ نکالنا یہ سب بدعت ہیں۔

حج:۔ ریل گاڑیوں لاریوں موٹروں ہوائی جہازوں کے ذریعہ حج کرنا۔ موٹروں میں عرفات شریف جانا بدعت ہے اس زمانہ پاک میں نہ یہ سواریاں تھیں نہ ان کے ذریعہ حج ہوتا تھا۔

طریقت:۔ طریقت کے قریباً سارے مشاغل اور تصوف کے قریباً سارے مسائل بدعت ہیں مراقبے چلے پاس انفاس تصور شیخ ذکر کے اقسام سب بدعت ہیں۔ جن کا قرون ثلثہ میں کہیں پتہ نہیں چلتا۔

چار سلسلے:۔ شریعت وطریقت دونوں کے چار چار سلسلے یعنی حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اسی طرح قادری، چشتی، نقشبندی، کوئی صحابی تابعی حنفی قادری نہ ہوئے۔

اب دیوبندی بتائیں کہ بدعت سے بچکر وہ دینی حیثیت سے زندہ بھی رہ سکتے ہیں؟ جب ایمان اور کلمہ میں بدعات داخل ہیں۔ تو

بدعت سے چھٹکارا کیسا؟

دنیاوی چیزیں:۔ آج کل دنیا میں وہ وہ چیزیں ایجاد ہوگئی ہیں۔ جن کا خیر القرون میں نام ونشان بھی نہ تھا اور جن کے بغیر اب دنیاوی زندگی مشکل ہے۔ ہر شخص ان کے استعمال پر مجبور ہے۔ ریل موٹر ہوائی جہاز سمندری جہاز تانگہ گھوڑا گاڑی پھر خط لفافہ تار ٹیلیفون ریڈیو لاؤڈ سپیکر وغیرہ یہ تمام چیزیں اور ان کا استعمال بدعت ہے اور انہیں ہر جماعت کے لوگ بلاتکلف استعمال کرتے ہیں۔

بولو دیوبندی، وہابی بغیر بدعات حسنہ کے دنیاوی زندگی گزار سکتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔

لطیفہ:۔ ایک مولوی صاحب کسی شخص کا نکاح پڑھانے گئے۔ دولہا کے پھولوں کا سہرا بندھا ہوا تھا۔ جاتے ہی بولے یہ سہرا بدعت ہے شرک ہے حرام ہے نہ حضور نہ باندھا نہ صحابہ کرام نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے بتاؤ کونسی کتاب میں لکھا ہے کہ سہرا باندھو لوگوں نے سہرا کھول دیا جب نکاح پڑھا چکے تو دولہا کے باپ نے دس روپیہ کا نوٹ دیا۔ مولوی صاحب نوٹ جیب میں ڈال رہے تھے کہ دولہا نے ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ مولوی صاحب نکاح پڑھا کر روپیہ لینا بدعت ہے حرام ہے۔ شرک ہے۔ نہ حضور نے لئے نہ صحابہ نے نہ تابعین نے نہ تبع تابعین نے۔ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ نکاح کی فیس لو مولوی صاحب بولے یہ تو خوشی کے پیسے ہیں۔ دولہا نے کہا کہ سہرا بھی خوشی کا تھا۔ غم کا نہ تھا۔ مولوی صاحب شرم سے ڈوب گئے۔ یہ ہے ان بزرگوں کی بدعت۔

دوسرا باب

اس تعریف اور تقسیم پر اعتراضات وجوابات میں

ہم نے بدعت عملی کی یہ تعریف کی ہے کہ جو کام دینی یا دنیاوی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے بعد ایجاد ہو وہ بدعت ہے خواہ زمانہ صحابہ کرام میں ہو یا اس کے بعد اس پر دو مشہور اعتراض ہیں۔

اعتراض (۱)......:۔ بدعت صرف اس دینی کام کو کہیں گے کہ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ایجاد ہو۔ دنیاوی نئے کام بدعت نہیں۔ لہٰذا محفل میلاد وغیرہ تو بدعت ہیں اور تار ٹیلیفون ریل گاڑی کی سواری بدعت نہیں کیونکہ حدیث میں آیا ہے۔ **من احدث فی امرنا هذا ما لیس منه فهو رد** جو شخص ہمارے دین میں کوئی بات نکالے وہ مردود ہے امرنا سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیاوی ایجادات بدعت نہیں اور دینی بدعت کوئی بھی حسنہ نہیں سب حرام ہیں۔ کیونکہ حدیث میں ان سب کو کہا گیا کہ وہ مردود ہے۔

جواب:۔ دینی کام کی قید لگانا محض اپنی طرف سے ہے احادیث صحیحہ اور اقوال علماء اور محدثین کے خلاف ہے۔ حدیث میں ہے **کل محدث بدعة** (مشکوٰۃ باب الاعتصام الفصل الاول ص ۲۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) ہر نیا کام بدعت ہے اس میں دینی یا دنیاوی کی قید نہیں۔ نیز ہم اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارتیں نقل کر چکے ہیں اس میں دینی کام کی قید نہیں لگائی۔ نیز ہم پہلے باب میں مرقاۃ اور شامی کی عبارتیں دکھا چکے کہ انہوں نے عمدہ کھانے اچھے کپڑے بدعت جائزہ میں داخل کئے ہیں۔ یہ کام دنیاوی ہیں۔ مگر بدعت میں ان کو شمار کیا لہٰذا یہ قید لگانا غلط ہے۔ اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت میں دینی کام کی قید ہے تو دینی کام اسی کو تو کہتے ہیں جس پر ثواب ملے۔ مستحبات، نوافل، واجبات، فرائض سب دینی کام ہیں کہ اس کو آدمی ثواب کے لئے کرتا ہے اور دنیا کا کوئی بھی کام نیت خیر سے کیا جاوے اس پر ثواب ملتا ہے۔ حدیث میں آتا ہے کہ مسلمان سے خندہ پیشانی سے ملنا صدقہ کا ثواب رکھتا ہے۔ اپنے بچوں کو پالنا نیت خیر سے ہو تو ثواب ہے۔ **حتی اللقمة ترفعها الی فی امراء** تک یہاں تک کہ جو لقمہ اپنی زوجہ کے منہ میں دے وہ بھی ثواب۔ لہٰذا مسلمان کا ہر دنیاوی کام دینی ہے۔

اب بتاؤ کہ نیت خیر سے پلاؤ کھلانا بدعت ہے یا نہیں؟ نیز دینی کام کی قید لگانا آپ کے لئے کوئی مفید نہیں۔ کیونکہ دیوبند کا مدرسہ وہاں کا نصاب دورہ حدیث تنخواہ لے کر مدرسین کا پڑھانا امتحان اور تعطیلات کا ہونا آج قرآن پاک میں اعراب لگانا قرآن و بخاری چھاپنا مصیبت کے وقت ختم بخاری کرنا جیسا کہ دیوبند میں پندرہ روپیہ لے کر کرایا جاتا ہے بلکہ سارا فن حدیث بلکہ خود احادیث کو کتابی شکل میں جمع کرنا بلکہ خود قرآن کو کاغذ پر جمع کرنا۔ اس میں رکوع بنانا۔ اس کے تیس سیپارے کرنا وغیرہ وغیرہ سب ہی دینی کام ہیں اور بدعت ہیں۔ کیونکہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے زمانہ میں ان سے کوئی کام نہ ہوا تھا۔ بولو یہ حرام ہیں یا حلال؟ بچارے محفل میلاد شریف اور فاتحہ نے ہی کیا قصور کیا ہے جو صرف وہ تو اس لئے حرام ہوں کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ تھا اور اوپر ذکر کئے ہوئے سب کام حلال۔

ہم نے مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کو اپنے مناظرہ میں کہا تھا کہ آپ حضرات چار چیزوں کی صحیح تعریف کر دیں۔ جس پر کوئی اعتراض نہ ہو جامع مانع ہو۔ تو جس قدر چاہیں ہم سے انعام لیں، بدعت شرک دین عبادت اور اب بھی اپنے رب بھروسہ پر کہتے ہیں کہ دنیا کا کوئی دیوبندی کوئی غیر مقلد اور کوئی شرک و بدعت کی رٹ لگانے والا ان چار چیزوں کی تعریف ایسی نہیں کر سکتا جس سے اس کا مذہب بچ جاوے۔ آج بھی ہر دیوبندی اور ہر غیر مقلد کو اعلان عام ہے کہ ان کی ایسی صحیح تعریف کرو جس سے محفل میلاد حرام ہو۔ اور رسالہ قاسم اور پرچہ اہل حدیث حلال اور اولیاء اللہ سے مدد مانگنا شرک ہو اور پولیس وغیرہ سے استمد ادعین اسلام اور کہے دیتے ہیں کہ انشاء اللہ یہ تعریفیں نہ ہو سکیں گی۔ لہذا چاہیئے کہ اپنے اس بے اصولے مذہب سے توبہ کریں اور اہل سنت والجماعت میں داخل ہوں اللہ الموافق۔ وہ حدیث جو آپ نے پیش کی۔ اس کے متعلق ہم عرض کر چکے ہیں یا تو ما سے مراد عقائد ہیں کہ دین کا عام اطلاق عقائد پر ہوتا ہے اور اگر مراد اعمال بھی ہوں تو لیس منہ سے مراد وہ اعمال ہیں۔ جو خلاف سنت یا خلاف دین ہوں، ہم اس کے حوالہ بھی پیش کر چکے ہیں۔

یہ کہنا کہ ہر بدعت حرام ہوتی ہے بدعت حسنہ کوئی چیز ہی نہیں یہ اس حدیث کے خلاف ہے جو پیش کی جا چکی کہ اسلام میں جو نیک کام ایجاد کرے وہ ثواب کا مستحق ہے اور جو برا کام ایجاد کرے وہ عذاب کا۔ نیز شامی اشعۃ اللمعات اور مرقاۃ کی عبارات پیش کی جا چکی ہیں کہ بدعت پانچ قسم کی ہے جائز واجب مستحب مکروہ اور حرام۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ ہر بدعت حرام ہے تو مدارس وغیرہ کو ختم کر دو کہ یہ بھی حرام ہیں۔ نیز مسائل فقہیہ اور اشغال صوفیہ جو خیر القرون کے بعد ایجاد ہوئے تمام حرام ہو جائیں گے۔ شریعت کے چار سلسلے حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی اور طریقت کے چار سلسلے قادری، چشتی، نقشبندی، سہروردی یہ تمام ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام بلکہ صحابہ کرام کے بعد ایجاد ہوئے پھر ان کے مسائل اجتہادیہ اور اعمال و وظیفے مراقبے چلے وغیرہ سب بعد کی ایجاد ہیں اور سب لوگ ان کو دین کا کام سمجھ کر ہی کرتے ہیں چھ کلمہ، ایمان مجمل، و مفصل قرآن کے تیس پارے حدیث کی قسمیں اور ان کے احکام کہ یہ حدیث صحیح ہے یا ضعیف یہ حسن ہے یا معضل وغیرہ عربی مدارس کے نصاب جلسہ دستار بندی سند لینا پگڑی بندھوانا ان چیزوں کا کہیں قرآن و حدیث میں نام بھی نہیں۔ کوئی دیوبندی وہابی ان چیزوں کو تو کیا ان کے نام بھی کسی حدیث میں نہیں دکھا سکتا۔ پھر حدیث کی اسناد اور راویوں پر مروجہ جرح خیر القرون سے ثابت نہیں کر سکتا غرضکہ شریعت و طریقت کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں بدعت شامل نہ ہو۔

مولوی اسمٰعیل صاحب صراط مستقیم صفحے پر فرماتے ہیں۔ نیز اکابر طریقت نے اگرچہ اذکار و مراقبات و ریاضات و مجاہدات کی تعیین میں جو راہ ولایت کے مبادی ہیں کوشش کی ہے لیکن بحکم ہر سخن وقتی و ہر نکتہ مقامی دارد۔ ہر ہر وقت کے مناسب اشغال صوفیاء کی ایجاد ہے اور ہر زمانہ میں نئے نئے ہوتے رہتے ہیں جائز ہیں۔ بلکہ راہ سلوک ان ہی سے طے ہوتی ہے کہیئے کہ اب وہ قاعدہ کہاں گیا کہ ہر نئی چیز حرام ہے؟ ماننا پڑے گا کہ جو کام خلاف سنت ہو وہ برا ہے باقی عمدہ اور اچھا۔

اعتراض (۲)......:۔ مخالفین یہ بھی کہتے ہیں کہ جو کام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین کے زمانہ میں سے کسی زمانہ میں ایجاد ہو جاوے وہ بدعت نہیں۔ ان زمانوں کے بعد جو کام ایجاد ہوگا وہ بدعت ہے اور وہ کوئی بھی جائز نہیں۔ سب حرام ہیں۔ یعنی صحابہ کرام اور تابعین و تبع تابعین کی ایجادات سنت ہیں۔ اس لئے کہ مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۱) فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین تمسکوا بھا وعضوا علیھا بالنواجذ۔

ترجمہ: تم پر لازم ہے میری سنت اور ہدایت والے خلفائے راشدین کی سنت کہ اس کو دانت سے مضبوط پکڑلو۔

(سنن ابن ماجہ ج۱ ص۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد۲ ص۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج۴ ص۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج۱ ص۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج۶ ص۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)، (سنن الکبری بیہقی جلد۱۰ ص۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد۶ ص۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج۹ ص۲۴۰۵ تا ۲۴۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔۶۴۷۵۔۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج۶ ص۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج۱ ص۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (السنۃ محمد بن نصر المروزی ص۲۶۔۲۷ رقم الحدیث ۶۹ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان جلد۱ ص۱۷۸۔۱۷۹ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر امام ابن عساکر ج۲۱ جز ۴۲ ص۱۴۷۔۱۴۸ رقم الحدیث ۸۷۱۰۔۸۷۱۱۔۸۷۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (المسند المستخرج علی صحیح الامام مسلم امام ابونعیم جلد۱ ص۳۵ تا ۳۷ رقم الحدیث ۱ تا ۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء جلد۵ ص۲۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن دارمی جلد۱ ص۵۷ رقم الحدیث ۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مسند الشامیین امام طبرانی جلد۱ ص۲۵۴ رقم الحدیث ۴۳۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (المعجم الکبیر امام طبرانی جلد۱۸ ص۲۵۷ رقم الحدیث ۶۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (وابن ابی عاصم فی السنۃ جلد۱ ص۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۵۴ تا ۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سیر اعلام النبلاء ج۴ ص۵۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الواردۃ فی الفتن جلد۲ ص۳۷۵ رقم الحدیث ۱۲۴ مطبوعہ دار العاصمۃ الریاض)، (اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج۱ ص۲۲ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر للنبہانی ج۱ ص۲۵۷ رقم الحدیث ۲۷۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الموضوعات الکبری ص۲۱۰ برقم ۸۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس حدیث میں خلفائے راشدین کے کاموں کو سنت کہا گیا۔ اس کو پکڑنے کی تاکید فرمائی گئی جس سے معلوم ہوا کہ ان کی ایجادات بدعت نہیں۔

(۲) مشکوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

خیر امتی قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ثم ان بعد ذلک قوماً یشھدون ولا یستشھدون ویخونون ولا یوتمنون۔

ترجمہ: میری امت میں بہتر گروہ میرا گروہ ہے پھر وہ جو ان کے متصل میں پھر وہ جو ان کے متصل ہیں پھر اس کے بعد ایک قوم ہوگی جو بغیر گواہ بنائے ہوئے گواہی دیتی پھریگی اور جو خیانت کریں گے۔ امین نہ ہوں گے۔

(مشکوۃ المصابیح باب مناقب الصحابۃ الفصل الاول ص۵۵۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (سنن ابن ماجہ ج۲ ص۷۹۱ رقم الحدیث ۲۳۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (نیل الاوطار ج۹ ص۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن حبان ج۱۵ ص۱۲۳ رقم الحدیث ۶۷۲۹ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی القرن الثالث ج۴ ص۵۰۰ رقم الحدیث ۲۲۲۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (طبرانی کبیر ج۲۴ ص۲۵۸ رقم الحدیث ۲۵۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (الآحاد والمثانی للشیبانی ج۵ ص۳۷ رقم الحدیث ۳۱۶۹ مطبوعہ دار الرایہ سعودی عرب ریاض)، (الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ ج۷ ص۵۵۹ برقم ۱۰۹۷۴ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (مجمع الزوائد ومنبع الفوائد ج۱۰ ص۱۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (طبرانی الاوسط ج۳ ص۳۲۹ رقم الحدیث ۳۲۹ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (حلیۃ الاولیاء ج۴ ص۱۷۲ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج۸ ص۲۰۸۔۲۰۹ رقم الحدیث ۳۲۴۶۔۳۲۴۷ وص۲۳۰ رقم الحدیث ۳۲۸۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص۳۸۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج۴ ص۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (کنز العمال ج۱۱ ص۵۲۶۔۵۲۷ رقم الحدیث ۳۲۴۴۹۔۳۲۴۵۰۔۳۲۴۵۱۔۳۲۴۵۲۔۳۲۴۵۳۔۳۲۴۵۴۔۳۲۴۵۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (طبرانی صغیر باب من اسمہ احمد ج۱ ص۳۸ وباب من اسمہ ابراہیم ص۸۹ وباب الحاء من اسمہ الحسن ص۱۲۷۔۱۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الریاض النضرۃ فی مناقب العشرۃ ج۱ ص۱۸۹ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)، (الاحادیث المختارۃ وقال اسنادہ صحیح ج۱ ص۳۹۱۔۳۹۲ رقم الحدیث ۲۷۱۔۲۷۲ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثۃ مکہ مکرمۃ)، (مسند ابن جعد ص۱۹۶ رقم الحدیث ۱۲۸۹

مطبوعہ موسسۃ نادر بیروت)، (الآحاد والمثانی ومن ذکر جعد بن ھبیرہ ج ۲ص ۷۴ رقم الحدیث ۷۲۶ مطبوعہ دار الرایۃ الریاض)، (معجم الصحابۃ ج ۱ص ۱۵۴ برقم ۱۶۳ مطبوعہ مکتبۃ الغرباء الاثریۃ المدینۃ المنورۃ)، (صفوۃ الصفوۃ لابن جوزی ج ۲ص ۷۶ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ص ۲۲۶ رقم الحدیث ۴۰۳۶-۴۰۳۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر للسیوطی ج ۲۰ص ۲۷۴ رقم الحدیث ۷۸۵۱ امطبوعہ دار الفکر بیروت)، (المعجم الکبیر طبرانی ج ۲ص ۲۸۵ رقم الحدیث ۲۱۸۷-۲۱۸۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (حلیۃ الاولیاء وطبقات الاصفیاء ج ۲ص ۷۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن ابو داؤد کتاب السنۃ باب فی فضل اصحاب رسول اللہ ﷺ ج ۴ص ۲۱۴ رقم الحدیث ۴۶۵۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند الحارث زوائد الہیثمی کتاب المناقب باب ای القرون خیر ج ۲ص ۹۴۰ رقم الحدیث ۱۰۳۶ مطبوعہ مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ المدینۃ المنورۃ)، (مسند الرویانی ج ۱ص ۸۹ رقم الحدیث ۵۴ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱۲ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۱۲۴۶۳ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیۃ کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ تین زمانہ خیر ہیں صحابہ کرام کا تابعین کا تبع تابعین کا اور پھر شر اور خیر کا زمانہ میں جو پیدا ہو وہ خیر یعنی سنت ہے اور شر زمانہ میں جو پیدا ہو وہ شر یعنی بدعت ہے۔ نیز مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

(۳) تفترق امتی علی ثلث وسبعین ملۃ کلھم فی النار الا واحدۃ قالوا من ھی یارسول اللہ قال ما انا علیہ واصحابی۔

ترجمہ: میری امت کے تہتر فرقے ہوجائیں گے ایک کے سوا سب جہنمی ہیں۔ عرض کیا کہ یارسول اللہ وہ ایک کون ہے؟ فرمایا جس پر ہم اور ہمارے صحابہ ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (ص ۳۰)، (خصائص الکبری ج ۲ص ۲۲۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سبل الھدی والرشاد ج ۱۰ص ۱۶۰ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حجۃ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین ص ۳۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (نسیم الریاض فی شرح شفاء القاضی عیاض ج ۴ص ۱۵۴ امطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الشفا بعریف حقوق المصطفیٰ ج ۱ص ۲۰۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع الترمذی ص ۳۷۸-۳۷۹ مطبوعہ نور محمد تجارت کتب خانہ کراچی)، (سنن ابن ماجۃ ص ۲۸۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن الدارمی ج ۲ص ۱۵۸ مطبوعہ نشر السنۃ ملتان)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر ج ۱ص ۱۷۸ رقم الحدیث ۱۲۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی صغیر باب من اسمہ عیسی ج ۱ ص ۲۵۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تفسیر الطبری ج ۴ص ۲۲ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی جنت کا راستہ ہے اس لئے ان کے ایجادات کو بدعت نہیں کہہ سکتے۔ مشکوۃ باب فضائل الصحابہ میں ہے۔

(۴) اصحابی کالنجوم فبایھم اقتدیتم اھتدیتم۔

ترجمہ: میرے صحابہ تاروں کی طرح ہیں تم جس کے پیچھے ہولو ہدایت پالو گے۔

(مشکوۃ المصابیح باب مناقب الصحابۃ الفصل الثالث ص ۵۵۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۲ص ۳۷۷ برقم ۵۰۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند عبد بن حمید ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۷۸۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (الاعتقاد للبیہقی ص ۳۱۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)

اس سے بھی یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی پیروی باعث نجات ہے لہذا ان کے ایجاد کردہ کام بدعت نہیں۔ کیونکہ بدعت تو گمراہ کن ہے۔

جواب:۔ یہ سوال بھی محض دھوکا ہے اس لئے کہ ہم نے مرقاۃ اور اشعۃ اللمعات کے حوالہ سے ثابت کیا ہے کہ بدعت وہ کام ہے جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد پیدا ہو۔ اس میں صحابہ کرام وتابعین کا ذکر نہیں۔ نیز اس لئے کہ مشکوۃ باب قیام شہر رمضان میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں تراویح کی باقاعدہ جماعت کا حکم دیا پھر تراویح کی جماعت دیکھ کر فرمایا۔

نعمت البدعۃ ھذہ۔

ترجمہ: یہ تو بڑی اچھی بدعت ہے۔

(مؤطا امام مالک کتاب الصلاۃ باب ماجاء فی قیام رمضان ج ۱ص ۱۱۴ رقم الحدیث ۲۵۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (بخاری شریف کتاب صلاۃ التراویح باب فضل من قام رمضان ج ۲ص ۷۰۷ رقم الحدیث ۱۹۰۶ مطبوعہ)، (صحیح ابن خذیمہ ج ۲ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۱۱۵۵ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۵۸ رقم الحدیث ۷۷۲۳ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۴۳۷۸ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۳ص ۱۷۷ رقم الحدیث ۳۲۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

خود حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے مبارک فعل کو بدعت حسنہ فرمایا۔ اور ترمذی ابن ماجہ نسائی مشکوٰۃ شریف باب القلوب میں حضرت ابو مالک اشجعی سے روایت فرماتے ہیں میں نے اپنے والد سے نماز فجر میں قنوت نازلہ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا ای محدث۔ بیٹے یہ بدعت ہے دیکھو زمانہ صحابہ کی چیز کو آپ بدعت سیئہ کہہ رہے ہیں۔ اگر زمانہ صحابہ کی ایجادات بدعت نہیں ہوتیں تو تراویح بدعت حسنہ کیوں ہوتی اور قنوت نازلہ بدعت سیئہ کیوں ٹھہری۔ وہ زمانہ تو بدعت کا ہے ہی نہیں۔ تیسرے اس لئے کہ پہلے باب میں بحوالہ مرقات گزر چکا ہے کہ تراویح کی جماعت بدعت مستحبہ ہے یعنی تراویح سنت اور اس کی باقاعدہ پابندی سے۔ جماعت بدعت حسنہ انہوں نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے فعل کو بدعت میں داخل کیا۔ چوتھے اس لئے کہ بخاری جلد دوم کتاب فضائل القرآن باب جمع القرآن میں ہے کہ حضرت صدیق نے حضرت زید ابن ثابت رضی اللہ عنہما کو قرآن پاک جمع کرنے کا حکم دیا تو انہوں نے عرض کیا کہ:

کیف تفعلون شیئا لم یفعله رسول الله ﷺ قال هو خیر۔

(صحیح بخاری کتاب التفسیر باب قولہ لقد جاءکم رسول ج ۴ ص ۲۰۷ ارقم الحدیث ۴۴۰۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن الترمذی کتاب التفسیر باب من سورۃ التوبۃ ج ۵ ص ۲۸۳ رقم الحدیث ۳۱۰۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۷ رقم الحدیث ۲۲۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

آپ وہ کام کیوں کرتے ہیں۔ جو حضور علیہ السلام نے نہ کیا صدیق نے فرمایا کہ یہ کام اچھا ہے حضرت زید ابن ثابت نے بارگاہ صدیقی رضی اللہ عنہما میں یہ ہی عرض کیا کہ قرآن کا جمع کرنا بدعت ہے آپ بدعت کیوں ایجاد کر رہے ہیں۔ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ بدعت تو ہے مگر حسنہ ہے یعنی اچھی ہے جس سے پتہ لگا کہ فعل صحابہ کرام بدعت حسنہ ہے مخالفین کے دلائل کے جوابات حسب ذیل ہیں۔

(۵) فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین۔

ترجمہ: خلفاء راشدین کی اقوال وافعال کو لغوی معنی سی سنت فرمایا گیا۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ ارقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۴۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۴۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)، (سنن الکبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۵ ۲۳۰ تا ۲۴۰۷ رقم الحدیث ۶۲۷۴۔۶۲۷۵۔۶۲۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (السنۃ لمحمد بن نصر المروزی ص ۲۶۔۲۷ رقم الحدیث ۶۹ مطبوعہ موسسۃ الکتب الثقافیۃ بیروت)، (صحیح ابن حبان جلد ۱ ص ۱۷۸۔۱۷۹ ارقم الحدیث ۵ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر امام ابن عساکر ج ۲۱ جز ۴۲ ص ۱۴۷۔۱۴۸ ارقم الحدیث ۸۷۱۰۔۸۷۱۱۔۸۷۱۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (المستخرج علی صحیح الامام مسلم امام ابونعیم جلد ۱ ص ۳۵ تا ۳۷ رقم الحدیث ۱ تا ۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (حلیۃ الاولیاء جلد ۵ ص ۲۲۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن دارمی جلد ۱ ص ۵۷ رقم الحدیث ۹۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مسند الشامیین امام طبرانی جلد ۱ ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۴۳۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (المعجم الکبیر امام طبرانی جلد ۱۸ ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۶۴۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (وابن ابی عاصم فی السنۃ جلد ۱ ص ۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۵۴ تا ۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سیر اعلام النبلاء ج ۴ ص ۵۰۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (السنن الواردۃ فی الفتن جلد ۲ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۱۲۴ مطبوعہ دار العاصمۃ الریاض)، (اعتقاد اہل السنۃ والجماعۃ ج ۱ ص ۲۲ مطبوعہ دار طیبۃ الریاض)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر للنبہانی ج ۱ ص ۲۵۷ رقم الحدیث ۲۷۷۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الموضوعات الکبری ص ۲۱۰ برقم ۸۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یعنی اے مسلمانوں تم میرے اور میرے خلفاء کے طریقوں کو اختیار کرو جیسے کہ ہم پہلے باب میں حدیث نقل کر چکے ہیں۔

من سن فی الاسلام سنة حسنة فله اجرها اور من سن فی الاسلام سنة سیئة

اس حدیث میں سنت بمعنی طریقہ ہے قرآن کریم فرماتا ہے۔

سنة من قد ارسلنا قبلك من رسلنا ولاتجدلسنتنا تحويلا

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۷۷)

نیز فرماتا ہے

سنة الله التى قد خلت ان آیات اور حدیث میں سنت سے مراد سنت شرعیہ بدعت کے مقابل نہیں۔ بلکہ بمعنی طریقہ ہے سنت الہیہ اللہ کا طریقہ۔ سنت انبیاء نبیوں کا طریقہ وغیرہ۔

اسی حدیث فعليكم بسنتى کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے

وبحقیقت سنت خلفائے راشدین ہماں سنت پیغمبر است کہ درزبان آنحضرت علیہ السلام شہرت نیافتہ بود ودرزمان ایشاں مشہور ومضاف بہ ایشاں شدہ۔

خلفائے راشدین کی سنت حقیقۃ سنت نبوی ہے جوحضور علیہ السلام کے زمانہ میں مشہور نہ ہوئی۔ ان حضرات کے زمانہ میں مشہور ہوگئی اوران کی طرف منسوب ہوگئی اس سے معلوم ہوا کہ سنت خلفاء اس کو کہتے ہیں اصل میں سنت رسول اللہ ہو مگراس کو مسلمانوں میں رائج کرنے والے خلفاء راشدین ہوں پانچویں اس لئے کہ محدثین اور فقہاء فرماتے ہیں کہ خلفائے راشدین کے حکم سنت سے ملحق ہیں یعنی سنت تو نہیں۔ سنت سے الحاق کئے ہوئے ہیں اگران حضرات کے ایجادفرمودہ کام سنت ہی ہوتے تو الحاق کے کیا معنی۔ نورالانوار کے شروع میں ہے۔ وقول الصحبى فيما يعقل ملحق بالقياس وفيما لا يعقل فملحق بالسنة صحابی کا فرمان عقلی باتوں سے تو قیاس سے ملحق ہے اور غیر عقلی باتوں میں سنت سے ملحق ہے۔ اگر صحابی کا ہر قول وفعل سنت ہے تو قیاس اور سنت سے الحاق کے کیا معنی؟

اشعۃ اللمعات زیرحدیث فعليكم بسنتى ہے۔

پس ہرچہ خلفائے راشدین بداں حکم کردہ باشد۔ اگرچہ باجتہاد وقیاس ایشاں بود موافق سنت نبوی است اطلاق بدعت برآں نتواں کرد۔

جس چیز کا خلفائے راشدین نے حکم فرمایا ہو اگرچہ اپنے قیاس اوراجتہاد سے ہو سنت نبوی کے وافق ہے اس پرلفظ بدعت نہیں بول سکتے ان عبارات سے بالکل واضح ہوگیا کہ سنت خلفاء راشدین بمعنی لغوی سنت ہے۔ اور سنت شرعی سے ملحق ہے ان کو ادباً بدعت نہ کہا جاوے۔ کیونکہ بدعت اکثر بدعت سیۂ کو بولتے ہیں۔

(اشعۃ اللمعات باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ج اص ۱۵۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

(۲) خير امتى قرنى الخ سے تو معلوم ہوا کہ ان تین زمانوں تک خیرزیادہ ہوگی اوران کے بعد خیرکم شرزیادہ۔ یہ مطلب نہیں کہ ان تین زمانوں میں جوبھی کام ایجاد ہوا اور کوئی بھی ایجاد کرے وہ سنت ہوجائے یہاں سنت ہونے کا ذکر ہی کہاں ہے ورنہ مذہب جبریہ اور قدریہ زمانہ تابعین ہی میں ایجاد ہوا اور امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قتل اور حجاج کے مظالم ان ہی زمانوں میں ہوئے کیا معاذ اللہ ان کو بھی سنت کہا جاویگا۔

(۳،۴) ما انا عليه واصحابى اور اصحابى كالنجوم سے یہ معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کی غلامی ان کی پیروی کرنا باعث ہدایت ہے اوران کی مخالفت باعث گمراہی۔ یہ بالکل درست ہے اوراس پر ہر مسلمان کا ایمان ہے لیکن اس سے یہ کب لازم آیا کہ ان کا ہر فعل سنت شرعی ہو۔ بدعت حسنہ بھی واجب الاتباع ہوتی ہے۔ مشکوۃ باب الاعتصام میں ہے۔

اتبعوا السواد الاعظم فانه من شذشذ فی النار۔

ترجمہ: بڑی جماعت کی پیروی کرو جو جماعت سے علیحدہ رہا وہ جہنم میں علیحدہ کیا گیا۔

(مشکوۃ المصابیح باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ الفصل الثانی ص ۳۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (مستدرک للحاکم کتاب العلم ج ۱ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۳۹۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الفتن باب ماجاء فی لزوم الجماعۃ ج ۴ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۲۱۶۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن نسائی کتاب المحاربۃ باب قتل من فارق الجماعۃ ج ۷ ص ۹۳ رقم الحدیث ۴۰۲۰ مطبوعہ کتب المطبوعات الاسلامیہ حلب)

نیز وارد ہوا۔

ما راه المومنون حسنا فهو عندالله حسن۔

(طبرانی کبیر ج ۹ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۸۵۸۳ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مسند احمد ج ۱ ص ۳۷۹ رقم الحدیث ۳۶۰۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۸۳ رقم الحدیث ۴۴۶۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (المدخل السنن الکبری للبیہقی ج ۱ ص ۱۱۴ مطبوعہ دارالخلفاء للکتاب الاسلامی الکویت)، (مسند الطیالسی ج ۱ ص ۳۳ رقم الحدیث ۲۴۳۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

ومن فارق الجماعة شبرا فقد خلع ربقة الاسلام عن عنقه۔

ترجمہ: جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کی نزدیک بھی اچھا ہے۔

جو مسلمانوں کی جماعت سے بالشت بھر علیحدہ رہا اس نے اسلام کی رسی اپنے گلے سے اتار دی۔

قرآن کریم میں ہے۔

ويتبع غير سبيل المومنين نوله ما تولى ونصله جهنم۔

ترجمہ: اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ چلے ہم اس کو اس کے حال پر چھوڑ دیں گے اور دوزخ میں داخل کریں گے۔

(پارہ ۵ سورہ آیت نمبر ۱۱۵)

اس آیت وحدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو لازم ہے کہ عقائد واعمال میں جماعت مسلمین کے ساتھ رہے ان کی مخالفت جہنم کا راستہ ہے لیکن اس سے یہ تو لازم نہیں کہ جماعت مسلمین کا ایجاد کیا ہوا کوئی بھی کام بدعت نہ ہو سب سنت ہی ہو۔ بدعت ہی ہوگا مگر بدعت حسنہ۔ جس طرح کہ ایجادات صحابہ کرام کو سنت صحابہ کہتے ہیں۔ اسی طرح سلف الصالحین کے ایجادات کو بھی سنت سلف کہتے ہیں۔ بمعنی لغوی یعنی پسندیدہ دینی طریقہ۔

ھدایت ضروریہ:۔ جو حضرات ہر بدعت یعنی نئے کام کو حرام جانتے ہیں وہ اس قاعدہ کلیہ کے کیا معنی کریں گے کہ **الاصل فی الاشیاء الاباحة** تمام چیزوں کی اصل یہ ہے کہ وہ مباح ہے یعنی ہر چیز مباح اور حلال ہے ہاں اگر کسی چیز کو شریعت منع کردے تو وہ حرام یا منع ہے یعنی ممانعت سے حرمت ثابت ہوگی نہ کہ نئے ہونے سے۔ یہ قاعدہ قرآن پاک اور احادیث صحیحہ واقوال فقہاء سے ثابت ہے اور غالباً کوئی مقلد کہلانے والا تو اس کا انکار نہیں کرسکتا۔ قرآن کریم فرماتا ہے۔

یایها الذین امنو لاتسئلوا عن اشیآء ان تبدلکم تسوکم وان تسئلوا عنها حین ینزل القرآن تبدلکم عفاالله عنها۔

ترجمہ: اے ایمان والو ایسی باتیں نہ پوچھو کہ جو تم پر ظاہر کی جاویں تو تم کو بری لگیں اور اگر ان کو اس وقت پوچھو گے کہ قرآن اتر رہا ہے تو ظاہر کردی جاویں گی اللہ ان کو معاف کر چکا ہے۔

(پارہ ۷ سورہ ۵ آیت نمبر ۱۰۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کا کچھ بیان نہ ہوا ہو نہ حلال ہونے کا نہ حرام تو معافی میں ہے اسی لئے قرآن کریم نے حرام عورتوں کا ذکر فرما کر فرمایا واحل لکم ماوراء ذلکم (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۲۴) ان کے سوا باقی عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں نیز فرمایا وقد فصل لکم ما حرم علیکم (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۱۹) تم سے تفصیل وار بیان کردی گئیں وہ چیزیں جو تم پر حرام ہیں یعنی حلال چیزوں کی تفصیل ضرورت نہیں تمام چیزیں ہی حلال ہیں ہاں چند محرمات ہیں جن کی تفصیل بتادی ان کے سوا سب حلال۔ مشکوۃ کتاب الاطعمہ باب آداب الطعام فصل دوم میں ہے۔

الحلال ما احل اللہ فی کتبہ والحرام ما حرم اللہ فی کتابہ وما سکت عنہ فھو مما عفی عنہ۔

ترجمہ: حلال وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حلال کیا اور حرام وہ جس کو اللہ نے اپنی کتاب میں حرام کیا اور جس سے خاموشی فرمائی وہ معاف۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الاطعمہ الفصل الثانی ص ۳۶۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چیزیں تین طرح کی ہیں ایک وہ جن کا حلال ہونا صراحۃ قرآن میں مذکور ہے دوسری وہ جن کی حرمت صراحۃ آ گئی۔ تیسرے وہ جن سے خاموشی فرمائی یہ معاف ہے؟ شامی جلد اول کتاب الطہارۃ بحث تعریف سنت میں ہے۔ **المختار ان الاصل الاباحۃ عند الجمھور من الحنفیۃ والشافعیۃ** جمہور حنفی اور شافعی کے نزدیک یہ ہی مسئلہ ہے کہ اصل مباح ہوتا ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۸۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس طرح تفسیر خازن وروح البیان اور تفسیر خزائن العرفان وغیرہ نے بھی تصریح کی ہے کہ ہر چیز میں اصل یہ ہی ہے کہ وہ مباح ہے ممانعت سے ناجائز ہوگی۔ اب جو بعض لوگ اہل سنت سے پوچھتے ہیں کہ اچھا بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا جائز ہے یا حضور علیہ السلام یا صحابہ کرام یا تابعین یا تبع تابعین نے کب کیا تھا یہ محض دھوکا ہے۔ اہل سنت کو چاہئے کہ ان سے پوچھیں کہ بتاؤ کہاں لکھا ہے کہ میلاد شریف کرنا حرام ہے جب خدا حرام نہ کرے۔ رسول علیہ السلام منع نہ فرمائیں اور کسی دلیل سے ممانعت ثابت نہ ہو تو تم کس دلیل سے حرام کہتے ہو بلکہ میلاد شریف وغیرہ کا ثبوت نہ ہونا جائز ہونے کی علامت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا ان یکون میتۃ الآیۃ** (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۴۵) نیز فرماتا ہے۔ **قل ما حرم زینۃ اللہ التی اخرج لعبادہ والطیبات من الرزق الآیۃ** (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۳۲) ان آیات سے معلوم ہوا کہ حرمت کی دلیل نہ ملنا حلال ہونے کی دلیل ہے نہ کہ حرام ہونے کی یہ حضرات اس سے حرمت ثابت کرتے ہیں عجیب الٹی منطق ہے اچھا بتاؤ کہ ریلوے سفر مدارس کا قیام کہاں لکھا ہے؟ کہ حلال ہے یا کسی صحابی یا تابعی نے کیا۔ جیسے وہ حلال ایسے ہی یہ بھی جائز اور حلال ہے۔
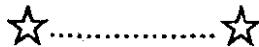
بحث محفل میلاد شریف کے بیان میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب تو میلاد شریف کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

میلاد شریف کے ثبوت میں

اولاً تو معلوم ہونا چاہیئے کہ میلاد شریف کی حقیقت کیا ہے؟ اور اس کا حکم کیا؟ پھر یہ جاننا ضروری ہے کہ اس کے دلائل کیا ہیں؟ میلاد شریف کی حقیقت ہے حضور ﷺ کی ولادت پاک کا واقعہ بیان کرنا۔ حمل شریف کے واقعات۔ نور محمدی کے کرامات، نسب نامہ یا شیر خوارگی اور حضرت حلیمہ رضی اللہ عنہا کے یہاں پرورش حاصل کرنے کے واقعات بیان کرنا اور حضور علیہ السلام کی نعت پاک نظم یا نثر میں پڑھنا سب اس کے تابع ہیں۔ اب واقعہ ولادت خواہ تنہائی میں پڑھو یا مجلس جمع کر کے اور نظم میں پڑھو یا نثر میں کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر جس طرح بھی ہو اس کو میلاد شریف کہا جاوے گا۔ محفل میلاد شریف منعقد کرنا اور ولادت پاک کی خوشی منانا۔ اس کے ذکر کے موقعہ پر خوشبو لگانا۔ گلاب چھڑکنا۔ شیرینی تقسیم کرنا غرضکہ خوشی کا اظہار جس جائز طریقہ سے ہو وہ مستحب اور بہت ہی باعث برکت اور رحمت الٰہی کے نزول کا سبب ہے۔

(۱) عیسیٰ علیہ السلام نے دعا کی تھی۔

ربنا انزل علینا مآئدۃ من السمآء تکون لنا عید الا ولنا و اخرنا۔

(سورہ المائدہ پارہ ۷ آیت نمبر ۱۱۴)

معلوم ہوا کہ مائدہ آنے کے دن کو حضرت مسیح نے عید کا دن بنایا۔ آج بھی اتوار کو عیسائی اسی لئے عید مناتے ہیں کہ اس دن دستر خوان اترا تھا اور حضور علیہ السلام کی تشریف آوری اس مائدہ سے کہیں بڑھ کر نعمت ہے لہذا ان کی ولادت کا دن بھی یوم العید ہے۔ ہاں اس مجلس پاک میں حرام کام کرنا سخت جرم اور گناہ ہے جیسے عورتوں کا اس قدر بلند آواز سے نعت شریف پڑھنا کہ اجنبی مرد سنیں سخت منع ہے عورت کی آواز اجنبی مرد کو سننا جائز نہیں۔ اگر کوئی مرد نماز کی حالت میں کسی کو سامنے نکلنے سے روکے تو آواز سے سبحان اللہ کہدے۔ لیکن اگر عورت کسی کو روکے تو سبحان اللہ نہ کہے بلکہ بائیں ہاتھ کی پشت پر داہنا ہاتھ مارے جس سے معلوم ہوا کہ عورت نماز میں ضرورت کے وقت بھی کسی کو اپنی آواز نہ سنائے اسی طرح میلاد شریف میں باجے کے ساتھ نعت خوانی کرنا بہت ہی گناہ ہے کہ باجہ کھیل کود اور لغویات میں سے ہے ویسے ہی باجہ سے کھیلنا حرام ہے اور خاص نعت خوانی جو کہ عبادت ہے۔ اس کو باجے پر استعمال کرنا اور بھی جرم ہے اگر کسی جگہ میلاد شریف میں یہ خرابیاں پیدا کر دی گئیں ہوں تو ان خرابیوں کو دور کی جاوے۔ لیکن اصل میلاد شریف کو بند نہ کیا جاوے اگر عورت بلند آواز سے قرآن کی تلاوت کرے یا لوگ قرآن کریم باجے سے پڑھنے لگیں تو ان بیہودگیوں کو مٹا دو۔ قرآن پڑھنا نہ روکو کیونکہ یہ عبادت ہے۔

میلاد شریف قرآن واحادیث واقوال علماء اور ملائکہ اور پیغمبروں کے فعل سے ثابت ہے قرآن کریم میں ارشاد ہوا۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے واذکروا نعمۃ علیکم اور حضور کی تشریف آوری اللہ کی بڑی نعمت ہے میلاد پاک میں اسی کا ذکر ہے لہذا محفل میلاد کرنا اس آیت پر عمل ہے۔

(۲) واما بنعمۃ ربک فحدث اپنے رب کی نعمتوں کا خوب چرچا کرو۔

(پارہ ۳۰ سورہ ضحیٰ آیت نمبر ۱۱)

اور حضور علیہ السلام کی دنیا میں تشریف آوری تمام نعمتوں سے بڑھ کر نعمت ہے کہ رب تعالیٰ نے اس پر احسان جتایا ہے اس کا چرچا کرنا اسی آیت پر عمل ہے۔ آج کسی کے فرزند پیدا ہو تو ہر سال تاریخ پیدائش پر سالگرہ کا جشن کرتا ہے۔ کسی کو سلطنت ملی تو ہر سال اس تاریخ پر جشن جلوس مناتا ہے تو جس تاریخ کو دنیا میں سب سے بڑی نعمت آئی اس پر خوشی منانا کیوں منع ہوگا؟ خود قرآن کریم نے حضور علیہ السلام کا میلاد جگہ جگہ ارشاد فرمایا فرماتا ہے۔ لقد جاء کم رسول الآیۃ اے مسلمانوں تمہارے پاس عظمت والے رسول تشریف لے آئے اس میں تو ولادت کا ذکر ہوا پھر فرمایا من انفسکم حضور علیہ السلام کا نسب نامہ بیان ہوا کہ وہ تم میں سے یا تمہاری بہترین جماعت میں سے ہیں۔ حریص علیکم سے آخر تک حضور علیہ السلام کی نعت بیان ہوئی آج میلاد شریف میں یہ ہی تین باتیں بیان ہوتی ہیں۔

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا۔

ترجمہ: اللہ نے مسلمانوں پر بڑا ہی احسان کیا کہ ان میں اپنے رسول علیہ السلام کو بھیج دیا۔

(پارہ ۴ سورہ ال عمران آیت نمبر ۱۶۴)

ھو الذی ارسل رسوله بالھدی ودین الحق۔

ترجمہ: رب العالمین وہ قدرت والا ہے جس نے اپنے پیغمبر علیہ السلام کو ہدایت اور سچے دین کے ساتھ بھیجا۔

(پارہ ۲۸ سورہ ۶۱ آیت نمبر ۹)

غرضکہ بہت سی آیات ہیں جن میں حضور علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر فرمایا گیا۔ معلوم ہوا کہ میلاد کا ذکر سنت الہیہ ہے۔ اب اگر جماعت کی نماز میں امام یہ ہی آیات ولادت پڑھے تو عین نماز میں میرے آقا کا میلاد ہوتا ہے۔ دیکھو امام صاحب کے پیچھے مجمع بھی ہے اور قیام بھی ہو رہا ہے۔ پھر ولادت پاک کا ذکر بھی ہے بلکہ خود کلمہ طیبہ میں میلاد شریف ہے کیونکہ اس میں محمد رسول اللہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ رسول کے معنی ہیں بھیجے ہوئے اور بھیجنے کے لئے آنا ضروری ہے حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کا ذکر ہو گیا۔ اصل میلاد پایا گیا۔ قرآن کریم نے تو انبیاء علیہم السلام کا بھی میلاد بیان فرمایا ہے۔ سورہ مریم میں حضرت مریم کا حاملہ ہونا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت پاک کا ذکر۔ حتی کا مریم کا دروازہ۔ اس تکلیف میں جو کلمات فرمائے کہ یلیتنی مت قبل ھذا (پارہ ۱۶ اسورہ ۱۹ آیت نمبر ۲۳) پھر ان کی ملائکہ کی طرف سے تسلی پانا۔ پھر یہ کہ حضرت مریم نے اس وقت کیا غذا کھائی۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قوم سے کلام فرمانا غرضکہ سب ہی بیان فرمایا۔ یہ ہی میلاد خواں بھی پڑھتا ہے کہ حضرت آمنہ خاتون نے ولادت پاک کے وقت فلاں فلاں معجزات دیکھے۔ پھر یہ فرمایا پھر اس طرح حوران بہشتی آپ کی امداد کو آئیں۔ پھر کعبہ معظمہ نے آمنہ خاتون کے گھر کو سجدہ کیا۔ وغیرہ وغیرہ وہی قرآنی سنت ہے اسی طرح قرآن نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش ان کی شیر خوارگی ان کی پرورش ان کا چلنا پھرنا مدین میں جانا حضرت شعیب کی خدمت میں جانا، وہاں رہنا اور ان کی بکریاں چرانا، ان کا نکاح ان کی نبوت ملنا سب کچھ بیان فرمایا۔ یہ ہی باتیں میلاد پاک میں ہوتی ہیں۔

مدارج النبوۃ وغیرہ نے فرمایا کہ سارے پیغمبروں نے اپنی اپنی امتوں کو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری کی خبریں دیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان تو قرآن نے بھی نقل فرمایا۔

ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمه احمد۔

ترجمہ: میں ایسے رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد تشریف لائیں گے ان کا نام پاک احمد ہے۔

(پارہ ۲۸ سورہ ۶۱ آیت نمبر ۶)

سبحان اللہ بچوں کے نام پیدائش کے ساتویں روز ماں رکھتے ہیں۔ مگر ولادت پاک سے ۵۷۰ سال پہلے مسیح علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ان کا نام احمد ہے۔ ہوگا نہ فرمایا۔ معلوم ہوا کہ ان کا نام پاک رب تعالیٰ نے رکھا۔ کب رکھا؟ یہ تو رکھنے والا جانے۔

یہ بھی میلاد شریف ہے۔صرف اتنا فرق ہوا کہ ان حضرات نے اپنی قوم کے مجمعوں میں فرمایا کہ وہ تشریف لائیں گے۔ہم اپنے مجمعوں میں کہتے ہیں کہ وہ تشریف لے آئے۔فرق ماضی و مستقبل کا ہے بات ایک ہی ہے۔ثابت ہوا کہ میلاد سنت انبیاء بھی ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **قل بفضل الله وبرحمته فبذلك فليفرحوا** یعنی اللہ کے فضل ورحمت پر خوب خوشیاں مناؤ۔
(پارہ ۱۱سورہ یونس آیت نمبر ۵۸)

معلوم ہوا کہ فضل الٰہی پر خوشی منانا اسی آیت پر عمل ہے اور چونکہ یہاں خوشی مطلق ہے۔

ہر جائز خوشی اس میں داخل۔لہذا محفل میلاد کرنا وہاں کی زیب وزینت سج دھج وغیرہ سب باعث ثواب ہیں۔

(۴) مواہب لدنیہ اور مدارج النبوۃ وغیرہ میں ذکر ولادت میں ہے کہ شب ولادت میں ملائکہ نے آمنہ خاتون رضی اللہ عنہا کے دروازہ پر کھڑے ہو کر صلوٰۃ وسلام عرض کیا۔ہاں ازلی راندہ ہوا شیطان رنج وغم میں بھاگا بھاگا پھرا۔اس سے معلوم ہوا کہ میلاد سنت ملائکہ بھی ہے۔اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بوقت پیدائش کھڑا ہونا ملائکہ کا کام ہے۔اور بھاگا بھاگا پھرنا شیطان کا فعل۔اب لوگوں کو اختیار ہے کہ چاہے تو میلاد پاک کے ذکر کے وقت ملائکہ کے کام پر عمل کریں یا شیطان کے۔

(۵) خود حضور علیہ السلام نے مجمع صحابہ کے سامنے منبر پر کھڑے ہو کر اپنی ولادت پاک اور اپنے اوصاف بیان فرمائے۔جس سے معلوم ہوا کہ میلاد پڑھنا سنت رسول اللہ ﷺ بھی ہے۔

چنانچہ مشکوۃ جلد دوم باب فضائل سید المرسلین فصل ثانی میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں ایک دن حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔شاید حضور علیہ السلام تک خبر پہنچی تھی کہ بعض لوگ ہمارے نسب پاک میں طعن کرتے ہیں۔**فقام النبی ﷺ علی المنبر فقال من انا** پس منبر پر قیام فرما کر پوچھا بتاؤ میں کون ہوں؟ سب نے عرض کیا کہ آپ رسول اللہ ہیں فرمایا میں محمد ابن عبداللہ ابن عبدالمطلب ہوں۔اللہ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو ہم کو بہتر مخلوق میں سے کیا۔پھر ان کے دو حصے کئے عرب وعجم۔ہم کو ان میں سے بہتر یعنی عرب میں سے کیا۔پھر عرب کے چند قبیلے فرمائے۔ہم ان کے بہتر یعنی قریش میں سے کیا۔
(مشکوۃ المصابیح الفصل الاول باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی مشکوۃ اسی فصل میں ہے کہ ہم خاتم النبیین ہیں اور ہم حضرت ابراہیم کی دعا حضرت عیسیٰ کی بشارت اور اپنی والدہ کا دیدار ہیں۔جو انہوں نے ہماری ولادت کے وقت دیکھا کہ ان سے ایک نور چمکا جس سے شام کی عمارتیں ان کو نظر آئیں۔
(مشکوۃ المصابیح الفصل الاول باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس مجمع میں حضور علیہ السلام نے اپنا نسب نامہ اپنی نعت شریف اپنی ولادت پاک کا واقعہ بیان فرمایا۔یہ ہی میلاد شریف میں ہوتا ہے۔ایسی صدہا احادیث پیش کی جاسکتی ہیں۔

(۶) صحابہ کرام ایک دوسرے کے پاس جا کر فرمائش کرتے تھے کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی نعت شریف سناؤ۔معلوم ہوا کہ میلاد سنت صحابہ بھی ہے۔چنانچہ مشکوۃ باب فضائل سید المرسلین فصل اول میں ہے کہ حضرت عطا ابن یسار فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ ابن عمرو ابن عاص رضی اللہ عنہ کے پاس گیا اور عرض کیا کہ مجھے حضور علیہ السلام کی وہ نعت سناؤ جو کہ توریت شریف میں ہے۔انہوں نے پڑھ کر سنائی۔

اسی طرح حضرت کعب احبار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور علیہ السلام کی نعت پاک توریت میں یوں پاتے ہیں محمد اللہ کے رسول ہیں۔میرے پسندیدہ بندے ہیں نہ کج خلق،نہ سخت طبیعت،ان کی ولادت مکہ مکرمہ میں اور ان کی ہجرت طیبہ میں۔ان کا ملک شام میں ہوگا۔ان کی امت خدا کی بہت حمد کرے گی کہ رنج وخوشی ہر حال میں خدا کی حمد کرے گی۔
(مشکوۃ المصابیح الفصل الاول باب فضائل سید المرسلین ص ۵۱۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۷) یہ تو مقبول بندوں کا ذکر تھا۔ کفار نے بھی ولادت پاک کی خوشی منائی۔ تو کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہی کر لیا۔ چنانچہ بخاری جلد دوم کتاب النکاح باب وامھاتکم التی ارضعنکم وما یحرم من الرضاعتہ میں ہے۔

فلما مات ابو لهب اريه بعض اهله بشر هيئة قال له ماذا بقيت قال ابو لهب لم الق بعدكم خيرا انى سقيت فى هذه بعتاقتى ثوبية۔

ترجمہ: جب ابولہب مر گیا تو اس کو اس کے بعض گھر والوں نے خواب میں برے حال میں دیکھا پوچھا کیا گزری ابولہب بولا کہ تم سے علیحدہ ہو کر مجھے کوئی خیر نصیب نہ ہوئی۔ ہاں مجھے اس کلمہ کی انگلی سے پانی ملتا ہے۔ کیونکہ میں نے ثوبیہ لونڈی کو آزاد کیا تھا۔

(صحیح بخاری کتاب النکاح باب وامھاتکم اللاتی ارضعنکم ج ۵ ص ۱۹۶۱ رقم الحدیث ۴۸۱۳ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۷ ص ۴۷۸ رقم الحدیث ۳۹۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۱۳۷۰۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۱ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۲۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات ابن سعد ج ۱ ص ۱۰۸ مطبوعہ دار صادر بیروت)

بات یہ تھی کہ ابولہب حضرت عبداللہ کا بھائی تھا۔ اس کی لونڈی ثوبیہ نے آ کر اس کو خبر دی کہ آج تیرے بھائی عبداللہ کے گھر فرزند (محمد رسول اللہ) پیدا ہوئے ﷺ۔ اس نے خوشی میں اس لونڈی کی برکت سے اللہ نے اس پر یہ کرم کیا کہ جب دوزخ میں وہ پیاسا ہوتا ہے تو اپنی اس انگلی کو چومتا ہے۔ پیاس بجھ جاتی ہے۔ حالانکہ وہ کافر تھا۔ ہم مومن۔ وہ دشمن تھا ہم ان کے بندے بے دام۔ اس نے بھتیجے کے پیدا ہونے کی خوشی کی تھی۔ نہ کہ رسول اللہ کی۔ ہم رسول اللہ کی ولادت کی خوشی کرتے ہیں ﷺ۔ تو وہ کریم ہیں ہم ان کے بھکاری وہ کیا کچھ نہ دیں گے۔

دوستاں را کجا کنی محروم
تو کہ بادشمناں نظر داری

حاشیہ......☆

حافظ شمس الدین محمد بن عبداللہ جزری متوفی ۶۶۰ھ لکھتے ہیں۔

فاذا كان ابو لهب الكافر الذى نزل القران بذمه جوزى فى النار بفرحه ليلة مولد النبى ﷺ به فما حال المسلم الموحد من امة النبى ﷺ يسر بمولده وبذل ما تصل اليه قدرته فى محبته ﷺ؟ لعمرى انما يكون جزاؤه من الله الكريم ان يدخله بفضله جنات النعيم۔

ترجمہ: حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت باسعادت کے موقع پر خوشی منانے کے اجر میں اس ابولہب کے عذاب میں بھی تخفیف کر دی جاتی ہے جس کی مذمت میں قرآن حکیم میں ایک مکمل سورت نازل ہوئی ہے۔ تو امت محمدیہ کے اس مسلمان کو ملنے والے اجر و ثواب کا کیا عالم ہوگا جو آپ ﷺ کے میلاد کی خوشی مناتا ہے اور آپ ﷺ کی محبت و عشق میں حسب استطاعت خرچ کرتا ہے؟ خدا کی قسم! میرے نزدیک اللہ تعالیٰ ایسے مسلمان کو اپنے حبیب مکرم ﷺ کی خوشی منانے کے طفیل اپنی نعمتوں بھری جنت عطا فرمائیں گے۔

(الحاوی للفتاوی ص ۲۰۶)، (سبل الھدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد ﷺ ج ۱ ص ۳۶۶۔۳۶۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

علامہ محمد بن یوسف متوفی ۹۴۲ھ لکھتے ہیں۔

كان اول من فعل بالموصل عمر بن محمد الملاء احد الصالحين المشهورين وبه اقتدى فى ذلك اربل وغيرهم رحمهم الله تعالى۔

ترجمہ: پہلا شخص جنہوں نے اہتمام اور شان و شوکت سے موصل میں محفل میلاد منائی وہ شیخ عمر بن محمد تھے جو مشہور صالحین میں سے تھے اور صاحب اربل ابو سعید مظفر اور ان کے علاوہ دوسروں نے اس عمل میں ان کی پیروی کی ہے۔

(سبل الھدیٰ والرشاد ج ۱ ص ۳۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مدارج النبوۃ جلد دوم حضور علیہ السلام کی رضاعت کے وصل میں اسی ابولہب کے واقعہ کو بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

دوریں جتستند است مراہل موالید را کہ درشب میلاد آں سرور سرور کنند وبذل نمایند یعنی ابولہب کہ کافر بود چوں بسرور میلاد آں حضرت جزا دادہ شد تا حال مسلماں کہ مملو است بمحبت وسرور و بذل مال دردے چہ باشد لیکن باید کہ ازبدعت ہا کہ عوام احداث کردہ انداز تغنی وآلات محرمہ ومنکرات خالی باشد۔

ترجمہ: اس واقعہ میں مولودوالوں کی بڑی دلیل ہے جو حضور علیہ السلام کی شب ولادت میں خوشیاں مناتے اور مال خرچ کرتے ہیں یعنی ابولہب جو کافر تھا جب حضور کی ولادت کی خوشی اور لونڈی کے دودھ پلانے کی وجہ سے انعام دیا گیا تو اس مسلمان کا کیا ہوگا جو محبت خوشی سے بھرا ہوا ہے اور مال خرچ کرتا ہے لیکن چاہیئے کہ محفل میلاد شریف عوام کی بدعتوں یعنی گانے اور حرام باجوں وغیرہ سے خالی ہو۔

(۸) ہر زمانہ اور ہر جگہ میں علماء واولیاء مشائخ اور عامۃ المسلمین اس میلاد شریف کو مستحب جان کر کرتے رہے اور کرتے ہیں۔ حرمین شریفین میں بھی نہایت اہتمام سے یہ مجلس پاک منعقد کی جاتی ہے۔ جس ملک میں بھی جاؤ۔ مسلمانوں میں یہ عمل پاؤ گے۔ اولیاء اللہ وعلماء امت نے اس کے بڑے بڑے فائدے اور برکات بیان فرمائی ہیں۔ ہم حدیث نقل کر چکے ہیں کہ جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے قرآن فرماتا ہے۔ لتکونوا شهداء (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۴۳) تاکہ تم اے مسلمانو گواہ ہو۔ حدیث پاک میں بھی ہے۔ انتم شهداء الله فی الارض تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔ لہٰذا محفل میلاد پاک مستحب ہے۔

آخر مجمع البحار صفحہ ۵۵۰ میں ہے کہ شیخ محمد طاہر محدث ربیع الاول کے متعلق فرماتے ہیں **فانه شهر امرنا باظهار الحبور فيه كل عام** معلوم ہوا کہ ربیع الاول میں ہر سال خوشی منانے کا حکم ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت محمد رسول اللہ ہے۔

ومن تعظيمه عمل المولد اذا لم يكن فيه منكر قال الامام السيوطى يستحب لنا اظهار الشكر لمولده عليه السلام۔

پھر فرماتے ہیں۔ **فقد قال ابن الحجر الهيتمى ان البدعة الحسنة متفق على ندبها و عمل المولد واجتماع الناس له كذلك بدعة حسنة قال السخاوى۔**

لم يفعله احد من القرون الثلثة وانما حدث بعد ثم لازال اهل الاسلام من سائر الاقطار والمدن الكبار يعملون المولد ويتصدقون بانواع الصدقت و يعتنون بقراءة مولده الكريم ويظهر من بركاته عليهم كل فضل عظيم قال ابن الجوزى من خواصه انه امان فى ذلك العام وبشرى عاجلة بنيل البغته والمرام واول من احدثه من الملوك صاحب اربل وصنف له ابن دحية كتابا فى المولد فاجازه بالف دينار وقد استخرج له الحفظ ابن حجر اصلاً من السنة و كذا الحافظ السيوطى ورد على انكارها فى قوله ان عمل المولد بدعة مذمومة۔

ترجمہ: میلاد شریف کرنا حضور علیہ السلام کی تعظیم ہے جبکہ وہ بری باتوں سے خالی ہو امام سیوطی فرماتے ہیں کہ ہم کو حضور علیہ السلام کی ولادت پر شکر کا اظہار کرنا مستحب ہے ابن حجر ہیتمی نے فرمایا کہ بدعت حسنہ کے مستحب ہونے پر سب کا اتفاق ہے اور میلاد شریف کرنا اور اس میں لوگوں کا جمع ہونا بھی اسی طرح بدعت حسنہ ہے امام سخاوی نے فرمایا کہ میلاد شریف تینوں زمانوں میں کسی نے کیا بعد میں ایجاد ہوا پھر ہر طرف کے اور ہر شہر کے مسلمان ہمیشہ مولود شریف کرتے رہے اور کرتے ہیں اور طرح طرح کے صدقہ وخیرات کرتے ہیں اور حضور علیہ السلام کے میلاد پڑھنے کا

بڑا اہتمام کرتے ہیں۔ اس مجلس پاک کی برکتوں سے ان پر اللہ کا بڑا ہی فضل ہوتا ہے امام ابن جوزی فرماتے ہیں کہ میلاد شریف کی تاثیر یہ ہے کہ سال بھر اس کی برکت سے امن رہتی ہے اور اس میں مرادیں پوری ہونے کی خوشخبری ہے۔ جس بادشہ نے پہلے اس کو ایجاد کیا وہ شاہ اربل ہے اور ابن دحیہ نے اس کے لئے میلاد شریف کی ایک کتاب لکھی جس پر بادشاہ نے اس کو ہزار اشرفیاں نذر کیں اور حافظ ابن حجر اور حافظ سیوطی نے اس کی اصل سنت سے ثابت کی ہے اور ان کا کیا ہے جو اس کو بدعت سیئہ کہہ کر منع کرتے ہیں۔

(تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

ملا علی قاری مورد الروی میں دیباچہ کے متصل فرماتے ہیں **لا زال اهل الاسلام يختلفون فى كل سنته جديدة ويعتنون بقراء مولده الكريم ويظهر عليهم من بر كاته كل فضل عظيم** اور اسی کتاب کے دیباچہ میں یہ اشعار فرماتے ہیں۔

لهذا الشهر فى الاسلام فضل ومنقبته تفوق على الشهور

ربيع فى ربيع فى ربيع ونور فوق نور فوق نور

ان عبارات سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ مشرق و مغرب کے مسلمان اس کو اچھا جان کر کرتے ہیں دوسرے یہ کہ بڑے بڑے علماء فقہاء محدثین مفسرین و صوفیاء نے اس کو اچھا جانا ہے جیسے امام سیوطی۔ علامہ ابن حجر ہیتمی امام سخاوی، ابن جوزی، حافظ ابن حجر وغیرہم۔ تیسرے یہ کہ میلاد پاک کی برکت سے سال بھر تک گھر میں امن۔ مراد پوری ہونا، مقاصد برآنا حاصل ہوتا ہے۔

(المورد الروی فی المولد النبوی اردو ص ۵ ناشر مکتبہ رضائے مصطفےٰ گوجرانوالہ)

(۹) عقل کا بھی تقاضا ہے کہ میلاد شریف بہت مفید محفل ہے۔ اس میں چند فائدے ہیں۔ مسلمانوں کے دل میں حضور علیہ السلام کے فضائل سن کر حضور علیہ السلام کی محبت بڑھتی ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی اور دیگر صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام کی محبت بڑھانے کے لئے زیادتی درود شریف اور حضور علیہ السلام کے احوال زندگی کا مطالعہ ضروری ہے پڑھے لکھے لوگ تو کتابوں میں حالات دیکھ سکتے ہیں۔ مگر ناخواندہ لوگ نہیں پڑھ سکتے۔ ان کو اس طرح سننے کا موقعہ مل جاتا ہے یہ مجلس پاک غیر مسلموں میں تبلیغ احکام کا ذریعہ ہے کہ وہ بھی اس میں شریک ہوں۔ حضور علیہ السلام کے حالات طیبہ سنیں۔ اسلام کی خوبیاں دیکھیں۔ خدا توفیق دے تو اسلام لے آویں۔ تیسرے یہ کہ اس مجلس کے ذریعہ سے مسلمانوں کو مسائل دینیہ بتانے کا موقعہ ملتا ہے۔ بعض دیہات کے لوگ جمعہ میں آتے نہیں اور اس طرح سے بلاؤ تو جمع نہیں ہوتے۔ ہاں محفل میلاد شریف کا نام لو تو فوراً بڑے شوق سے جمع ہو جاتے ہیں۔ خود میں نے بھی اس کا بہت تجربہ کیا۔ اب اسی مجلس میں مسائل دینیہ بتاؤ ان کو ہدایت کرو اچھا موقعہ ملتا ہے۔

چوتھے یہ کہ میلاد شریف میں ایسی نظمیں بنا کر پڑھی جاویں جس میں مسائل دینیہ ہوں اور مسلمانوں کو ہدایت کی جاوے کیونکہ بمقابلہ نثر کے نظم دل میں زیادہ اثر کرتی ہے۔ اور جلد یاد ہوتی ہے۔ پانچویں یہ کہ اس مجلس میں سنتے سنتے مسلمانوں کو حضور علیہ السلام کا نسب شریف اولاد پاک ازواج، مطہرات اور ولادت پاک و پرورش کے حالات یاد ہو جائیں گے۔ آج مرزائی۔ رافضی وغیرہم کو اپنے مذاہب کی پوری پوری معلومات ہوتی ہیں۔ رافضی کے بچوں کو بھی بارہ اماموں کے نام اور خلفائے راشدین کے اسماء تبرا کرنے کو یاد ہوں گے مگر اہل سنت کے بچے تو کیا بوڑھے بھی اس سے غافل ہیں۔ میں نے بہت سے بوڑھوں کو پوچھا کہ حضور علیہ السلام کی اولاد کتنی ہے؟ داماد کتنے ہیں! بے خبر پایا۔ اگر ان مجلسوں میں ان کا چرچا رہے تو بہت مفید ہو۔ بنی ہوئی چیز کہ نہ بگاڑو۔ بلکہ بگڑی ہوئی چیز کو بنانے کی کوشش کرو۔

(۱۰) مخالفین کے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب نے فیصلہ ہفت مسئلہ میں محفل میلاد شریف کو جائز اور باعث فرکت فرمایا چنانچہ وہ اس کے صفحہ ۸ پر فرماتے ہیں۔ کہ مشرب فقیر کا یہ ہے کہ محفل مولود شریف میں شریک ہوتا ہوں۔ بلکہ ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال منعقد

کرتا ہوں اور قیام میں لطف ولذت پاتا ہوں'' عجیب بات ہے کہ پیر صاحب تو مولود شریف کو ذریعہ برکات سمجھ کر ہر سال کریں اور مریدین مخلصین کا عقیدہ ہو (کہ شرک وکفر کی محفل ہے محفل میلاد) نہ معلوم ہوا کہ اب پیر صاحب پر کیا فتوے لگے گا؟

(۱۱) ہم عرس کی بحث میں عرض کریں گے کہ فقہاء کے نزدیک بغیر دلیل کراہت تنزیہی کا بھی ثبوت نہیں ہوسکتا۔ حرمت تو بہت بڑی چیز ہے اور استحباب کے لئے صرف اتنا کافی ہے کہ مسلمان اس کو اچھا جانیں تو جو کام شریعت میں منع نہیں اور مسلمان اس کو نیت خیر سے کرے یا کہ عام مسلمان اس کو اچھا جانتے ہوں وہ مستحب ہے اس کا ثبوت بدعت کی بحث میں بھی ہو چکا۔ تو محفل میلاد شریف کے متعلق کہا جاسکتا ہے کہ شرعاً یہ منع نہیں اور مسلمان اس کو کار ثواب سمجھتے ہیں نیت خیر سے کرتے ہیں لہذا یہ مستحب ہے مگر حرام کہنے والے پر اس کی حرمت پر کونسی قطعی الثبوت یا آیت لائیں گے صرف بدعت کہہ دینے سے کام نہیں چلتا۔

دوسرا باب

میلاد شریف پر اعتراضات وجوابات میں

مخالفین کے اس پر حسب ذیل اعتراضات ہیں اور ان کے حسب ذیل جوابات ہیں۔

اعتراض (۱)......: محفل میلاد بدعت ہے کہ نہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہوئی اور نہ صحابہ کرام وتابعین کے زمانہ میں۔ اور ہر بدعت حرام ہے لہذا مولود حرام۔

جواب:۔ میلاد شریف کو بدعت کہنا نادانی ہے۔ ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ اصل میلاد وسنت الٰہیہ سنت انبیاء۔ سنت ملائکہ سنت رسول اللہ ﷺ سنت صحابہ کرام سنت صالحین اور عام مسلمانوں کا معمول ہے۔ پھر بدعت کیسی؟ اور اگر بدعت ہو بھی۔ تو ہر بدعت حرام نہیں۔ ہم بدعت کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ بدعت واجب بھی ہوتی ہے اور مستحب بھی جائز بھی ہوتی ہے اور مکروہ حرام بھی۔ نیز پہلے باب میں تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بتا چکے کہ یہ محفل بدعت حسنہ مستحبہ ہے۔ حضور علیہ السلام کا ذکر کیونکر حرام ہوسکتا ہے۔

اعتراض (۲)......: اس مجلس میں بہت سی حرام باتیں ہوتی ہیں مثلاً عورتوں مردوں کو خلط ملط داڑھی منڈوں کا نعت خوانی کرنا۔ غلط روایات پڑھنا گویا کہ یہ مجلس حرام باتوں کا مجموعہ ہے۔ لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ اولاً یہ حرام چیزیں ہر مجلس میلاد میں ہوتی نہیں۔ بلکہ اکثر نہیں ہوتیں۔ عورتیں پردوں میں علیحدہ بیٹھتی ہیں۔ اور مرد علیحدہ۔ پڑھنے والے پابند شریعت ہوتے ہیں۔ روایات بھی صحیح بلکہ ہم نے تو یہ دیکھا ہے کہ پڑھنے والے سننے والے باوضو بیٹھتے ہیں۔ سب درود شریف پڑھتے رہتے ہیں۔ اور رقت طاری ہوتی ہے بسا اوقات آنسو جاری ہوتے ہیں اور محبوب علیہ السلام کا ذکر پاک ہوتا ہے۔

لذت بادہ عشقش زمن مست مپرس ذوق ایں مے نہ شناسی بخدا تا نہ چشتی
ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

اور اگر کسی جگہ یہ باتیں ہوتی بھی ہوں۔ تو یہ باتیں حرام ہوں گی اصل میلاد شریف یعنی ذکر ولادت مصطفیٰ علیہ السلام کیوں حرام ہوگا۔ بحث عرس میں ہم عرض کریں گے کہ حرام چیز کے شامل ہو جانے سے کوئی سنت یا جائز کام حرام نہیں ہوجاتا۔ ورنہ سب سے پہلے دینی مدرسے حرام ہونے چاہئیں۔ کیونکہ وہاں مرد بے داڑھی والے بچے جوانوں کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ ان کا آپس میں اختلاط بھی ہوتا

ہے بھی بھی اس کے برے نتیجے بھی برآمد ہوتے ہیں۔ اور ترمذی و بخاری ابن ماجہ وغیرہ کتب حدیث وتفسیر پڑھتے ہیں۔ ان میں تمام روایات صحیح نہیں ہوتیں۔ بعض ضعیف بلکہ موضوع بھی ہوتی ہیں۔ بعض طلباء بلکہ بعض مدرسین داڑھی منڈے بھی ہوتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے مدرسے بند کئے جائیں گے؟ نہیں بلکہ ان محرمات کو روکنے کی کوشش کی جاوے گی۔ بتاؤ اگر داڑھی منڈا قرآن پڑھے تو کیسا؟ قرآن پڑھنا بند کرو گے؟ ہرگز نہیں تو اگر داڑھی منڈا میلاد شریف پڑھے تو کیوں بند کرتے ہو؟

اعتراض (۳)......: محفل میلاد کی وجہ سے رات کو دیر میں سونا ہوتا ہے۔ جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوتی ہے اور جس سے فرض چھوٹے وہ حرام لہذا میلاد حرام۔

جواب:۔ اولاً تو میلاد شریف ہمیشہ رات کو نہیں ہوتا۔ بہت دفعہ دن میں بھی ہوتا ہے۔ جہاں رات کو ہو وہاں بہت دیر تک نہیں ہوتا۔ دس گیارہ بجے تک ختم ہو جاتا ہے اتنی دیر تک لوگ عموماً ویسے بھی جاگتے ہی ہیں۔ اگر دیر لگ بھی جاوے۔ تو نماز جماعت کے پابند لوگ صبح کو نماز کے وقت جاگ جاتے ہیں۔ جیسا کہ بارہا کا تجربہ ہے لہذا یہ اعتراض محض ذکر رسول علیہ السلام کو روکنے کا بہانہ ہے اور اگر کبھی میلاد شریف دیر میں ختم ہوا اور اس کی وجہ سے کسی کی نماز کے وقت آنکھ نہ کھلی تو اس سے میلاد شریف کیوں حرام ہو گیا؟ دینی مدارس کے سالانہ جلسے دیگر مذہبی و قومی جلسے رات کو دیر تک ہوتے ہیں۔ اور بعض جگہ نکاح کی مجلس آخر رات میں ہوتی ہے۔ رات کی ریل سے سفر کرنا ہوتا ہے تو بہت رات تک جاگنا ہوتا ہے۔ کہو کہ یہ جلسے، یہ نکاح۔ یہ ریل کا سفر حرام ہے یا حلال؟ جب یہ تمام چیزیں حلال ہیں تو محفل میلاد پاک کیوں حرام کیوں حرام ہوگی؟ ورنہ وجہ فرق بیان کرنا ضروری ہے۔

اعتراض (۴)......: علامہ شامی نے جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات میں کہا کہ میلاد شریف سب سے بدتر چیز ہے۔ اسی طرح تفسیرات احمدیہ شریف میں میلاد شریف کو حرام بتایا اور اس کے حلال جاننے والے کو کافر کہا۔ جس سے معلوم ہوا کہ محفل میلاد سخت بری چیز ہے۔

جواب:۔ شامی نے مجلس میلاد شریف کو حرام نہ کہا بلکہ جس محفل میں گانے باجے اور لغویات ہوں اور اس کو لوگ میلاد کہیں۔ کار ثواب سمجھیں اس کو منع فرمایا ہے چنانچہ وہ اسی بحث میں فرماتے ہیں۔

واقبح منه النذر بقراء المولد فی المنابر مع اشتماله علی الغناء واللعب وایهاب ثواب ذلك الی حضرت المصطفی۔

ترجمہ: اس سے بھی بری میناروں میں مولود پڑھنے کی نذر ماننا ہے۔ باوجودیکہ اس مولود میں گانے اور کھیل کود ہوتے ہیں اس کا ثواب حضور علیہ السلام کو ہدیہ کرنا۔

(رد المحتار علی در المختار مطلب فی النذر الذی یقع للاموات الخ ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی طرح تفسیرات احمدیہ نے گانے کی مجالس کو منع کیا کہ جن میں کھیل تماشے بلکہ شراب نوشی بھی ہو۔ اور لوگ اس کو سماع کہہ کر کار ثواب جانیں۔ تفسیرات احمدیہ نے ان لغویات کی تصریح بھی کر دی ہے دیکھو تفسیرات احمدیہ سورہ لقمان زیر آیت **ومن الناس من یشتری لهو الحدیث** (پارہ ۲۱ سورہ ۳۱ آیت نمبر ۶) ہم نے بھی پہلے عرض کیا کہ محفل میلاد میں لغویات نہ ہوں گے۔ میں نے خود کراچی میں دیکھا ہے کہ بعض جگہ باجے پر نعت پڑھتے ہیں اور اس کو میلاد شریف کہتے ہیں۔ ایک بار سہوان ضلع بدایوں کے قریب کسی گاؤں میں ایک شخص نے اپنے باپ کی فاتحہ کرائی۔ بجائے قرآن کی تلاوت کے گرافون ریکارڈ میں سورہ یاسین بجا کر اس کا ثواب باپ کی روح کو بخشا۔ ایسی بیہودہ اور حرام باتوں کو کون جائز کہتا ہے؟ اسی طرح ان حضرات کے زمانہ میں بھی ایسی لغو اور بیہودہ مجلسیں ہوتی ہوں گی۔ اگر یہ تو پتہ نہ

فرمار ہے ہیں۔اگر یہ مطلقاً میلاد شریف کو جائز ماننا کفر ہے تو حاجی امداداللہ صاحب پیرومرشد بھی اسی میں شامل ہوئے جاتے ہیں۔

اعتراض (۵)......:۔نعت خوانی حرام ہے کیونکہ یہ بھی ایک قسم کا گانا ہے اور گانے کی احادیث میں برائی آئی ہے۔اسی طرح تقسیم شیرینی کہ یہ اسراف ہے۔

جواب:۔ نعت کہنا اور نعت پڑھنا بہترین عبادت ہے سارا قرآن حضور علیہ السلام کی نعت ہے۔دیکھو اس کی تحقیق ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں۔گزشتہ انبیائے کرام نے حضور علیہ السلام کی نعت خوانی کی۔صحابہ کرام اور سارے مسلمان نعت شریف کو مستحب جانتے رہے خود حضور علیہ السلام نے اپنی نعت پاک سنی اور نعت خوانوں کو دعائیں دیں۔حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نعتیہ اشعار اور کفار کی مذمت منظوم کر کے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لاتے تھے تو حضور علیہ السلام ان کے لئے مسجد میں منبر بچھوا دیتے تھے۔حضرت حسان اس پر کھڑے ہو کر نعت شریف سنایا کرتے تھے اور حضور علیہ السلام دعائیں دیتے تھے کہ **اللھم ایدہ بروح القدس** اے اللہ حسان کی روح القدس سے امداد کر۔(دیکھو مشکوۃ شریف جلد دوم باب الشعر)

(صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب فضائل حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ ج ۴ ص ۱۹۳۲ رقم الحدیث ۲۴۸۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)،(سنن ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی الشعر ج ۴ ص ۳۰۳ رقم الحدیث ۵۰۱۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(سنن الکبریٰ للنسائی ج ۱ ص ۶۲ رقم الحدیث ۷۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث سے یہ معلوم ہوا کہ نعت گوئی اور نعت خوانی ایسی اعلیٰ عبادت ہے کہ اس کی وجہ سے حضرت حسان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مجلس مصطفیٰ علیہ السلام میں منبر دیا گیا۔ابوطالب نے نعت لکھی۔خرپوتی شرح قصیدہ بردہ میں ہے کہ صاحب قصیدہ بردہ کو فالج ہو گیا تھا۔کوئی علاج مفید نہ ہوتا تھا۔آخر کار قصیدہ بردہ شریف لکھا۔رات کو خواب میں حضور کو کھڑے ہو کر سنایا شفا بھی پائی اور انعام میں چادر مبارک بھی ملی۔نعت شریف سے دین ودنیا کی نعمتیں ملتی ہیں۔مولانا جامی،امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما،حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ غرضیکہ سارے اولیاء وعلماء نے نعتیں لکھیں اور پڑھی ہیں۔ان حضرات کے قصائد نعتیہ مشہور ہیں۔حدیث وفقہ میں گانے بجانے کی برائیاں ہیں نہ کہ نعت کی۔جن گیتوں میں مخرب اخلاق مضامین ہوں۔عورتوں یا شراب کی تعریفیں ہوں واقعی وہ گانے ناجائز ہیں۔اس کی پوری تحقیق کے لئے مرقاۃ شرح **مشکوۃ باب مایقال بعد التکبیر (کتاب الصلوٰۃ)** اور **باب الشعر** میں دیکھو۔

فقہاء فرماتے ہیں کہ فصیح وبلیغ اشعار کا سیکھنا فرض کفایہ ہے اگرچہ ان کے مضامین خراب ہوں۔مگر ان کے الفاظ سے علوم میں مدد ملتی ہے۔دیوان متنبی وغیرہ مدارس اسلامیہ میں داخل ہیں۔حالانکہ ان کے مضامین گندے ہیں۔تو نعتیہ اشعار سیکھنا یاد کرنا۔پڑھنا جن کے مضامین بھی اعلیٰ الفاظ بھی پاکیزہ کس طرح ناجائز ہو سکتے ہیں؟ شامی کے مقدمہ میں شعر کی بحث میں ہے۔

ومعرفۃ شعرھم روایۃ ودرایۃ عند فقھاء الاسلام فرض کفایۃ لانہ تثبت بہ قواعد العربیۃ وکلامھم وان فیہ الخطاء فی المعانی فلا یجوز فیہ الخطاء فی الالفاظ۔

ترجمہ: شعراء جاہلیت کے شعروں کو جاننا سمجھنا روایت کرنا فقہاء اسلام کے نزدیک فرض کفایہ ہے کیونکہ اس سے عربی قواعد ثابت کئے جاتے ہیں اور ان کے کلام میں اگرچہ معنوی خطا ممکن ہے مگر لفظی غلطی نہیں ہو سکتی۔

(ردالمحتار علی درالمختار مقدمہ ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

گانے کی پوری تحقیق بحث عرس میں قوالی کے ماتحت آوے گی۔ان شاء اللہ۔

تقسیم شیرینی بہت اچھا کام ہے خوشی کے موقعہ پر کھانا کھلانا مٹھائی تقسیم کرنا احادیث سے ثابت ہے۔عقیقہ ولیمہ وغیرہ میں کھانے کی دعوت سنت ہے کیوں؟ اس لئے کہ یہ خوشی کا موقعہ ہے خاص نکاح کے وقت خرمے تقسیم کرنا بلکہ اس کا لٹانا سنت ہے۔اظہار خوشی کے لئے مسلمان کا ذکر محبوب پاک پر خوشی ہوتی ہے۔دعوت کرتا ہے۔صدقہ وخیرات کرتا ہے۔شیرینی تقسیم کرتا ہے اسی طرح اساتذہ کرام کا طریقہ

ہے کہ دینی کتاب شروع ہونے اور ختم ہونے پڑھنے والے سے شیرینی تقسیم کراتے ہیں۔ میں نے مینڈو ضلع علی گڑھ میں کچھ عرصہ تعلیم پائی ہے وہاں دیوبندیوں کا مدرسہ تھا مگر کتاب شروع ہونے پر شیرینی تقسیم کی جاتی تھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ دینی اہم کام کرنے سے پہلے اور ختم کر کے تقسیم شیرینی سنت سلف صالحین ہے اور محفل میلاد بھی اہم دینی کام ہے اس سے پہلے اہل قرابت کو میلاد خوانوں اور مہمانوں کو کھانا کھلانا بعد میں حاضرین میں تقسیم شیرینی کرنا اسی میں داخل ہے اس تقسیم کی اصل قرآن وحدیث سے ملتی ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔

یایھا الذین امنوا اذا نا جیتم الرسول فقد موا بین یدی نجو کم صدقة ذلك خیرلکم و اطھر۔

ترجمہ: اے ایمان والوں جب تم رسول سے کچھ آہستہ عرض کرنا چاہو تو اس سے پہلے کچھ صدقہ دے لو یہ تمہارے لئے بہتر اور بہت ستھرا ہے۔
(پارہ ۲۸ سورہ ۵۸ آیت نمبر ۱۲)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ شروع اسلام میں مالداروں پر ضروری تھا کہ جب حضور علیہ السلام سے کوئی ضروری مشورہ کریں تو پہلے خیرات کریں۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دینار خیرات کر کے حضور علیہ السلام سے دس مسئلہ پوچھے بعد میں اس کا وجوب منسوخ ہو گیا (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وخازن ومدارک) اگر چہ وجوب منسوخ ہو گیا۔ مگر اباحت اصلیہ اور استحباب تو باقی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مزارات اولیاء اللہ پر کچھ شیرینی لے کر جانا۔ مرشدین اور صلحاء کے پاس کچھ لے کر حاضر ہونا مستحب ہے۔ اسی طرح احادیث وقرآن یا دینی کتب کے شروع کرتے وقت کچھ صدقہ کرنا بہتر ہے میلاد شریف پڑھنے سے پہلے کچھ خیرات کرنا کار ثواب ہے کہ ان میں بھی درحقیقت حضور ہی سے کلام کرتا ہے تفسیر فتح العزیز صفحہ ۸۶ میں شاہ عبدالعزیز صاحب نے ایک حدیث نقل کی۔ بیہقی در شعب الایمان از ابن عمر روایت کردہ کہ عمر ابن الخطاب سورہ بقر ابا حقائس آن در مدت دوازدہ سال خواندہ فارغ شد وروزے ختم شترے را کہ کشتہ طعام وافر پختہ یاران حضرت پیغمبر را خوارنید۔ بیہقی نے شعب الایمان میں حضرت ابن عمر سے روایت کیا کہ حضرت فاروق نے سورہ بقرہ سال کی مدت میں اس کے رموز اسرار کے ساتھ پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو ختم کے دن ایک اونٹ ذبح کر کے بہت سا کھانا پکا کر صحابہ کرام کو کھلایا۔ اہم کار خیر سے فارغ ہو کر تقسیم شیرینی وطعام ثابت ہوا۔ میلاد پاک بھی اہم کام ہے بزرگان دین تو فرماتے ہیں کہ کسی اہل قرابت کے یہاں جاؤ تو خالی نہ جاؤ کچھ لے کر جاؤ تھادوا تحبوا ایک دوسرے کو ہدیہ دو محبت بڑھے گی۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ جب دیار محبوب یعنی مدینہ پاک میں جاوے تو وہاں کے فقراء کو صدقہ دے کہ وہ اجیران رسول اللہ ﷺ ہیں۔ رب تعالیٰ کے یہاں بھی پہلا سوال یہ ہی ہوگا کہ کیا اعمال لائے؟۔

حق بفرماید چہ آوردی مرا! اندراں مہلت کہ من دادم ترا

یہ تقسیم اسراف نہیں۔ کسی نے سیدنا ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کہا کہ لا خیر فی السرف اسراف میں بھلائی نہیں۔ فوراً جواب دیا لا سرف فی الخیر بھلائی میں خرچ کرنا اسراف نہیں۔

اعتراض (۶)......: محفل میلاد کے لئے ایک دوسرے کو بلانا حرام ہے۔ دیکھو لوگوں کو بلا کر نفل کی جماعت بھی منع ہے تو کیا میلاد اس سے بڑھ کر ہے؟ (براہین)

جواب:۔ مجلس، وعظ، دعوت ولیمہ، مجالس امتحان ومحفل نکاح وعقیقہ وغیرہ میں لوگوں کو بلایا ہی جاتا ہے بولو یہ امور حرام ہو گئے یا حلال رہے؟ اگر کہو کہ نکاح ووعظ وغیرہ فرائض اسلامی ہیں لہذا ان کے لئے مجمع کرنا حلال۔ تو جناب تعظیم رسول اللہ ﷺ اہم فرائض سے ہے۔ لہذا اس کے لئے بھی مجمع کرنا حلال ہے۔ نماز پر دیگر حالات کو قیاس کرنا سخت جہالت ہے اگر کوئی کہے کہ نماز بے وضو منع ہے۔ لہذا تلاوت قرآن بھی بے وضو منع ہونی چاہیئے۔ وہ احمق ہے یہ قیاس مع الفارق ہے۔

اعتراض (۷)......:۔ کسی کی یادگار منانا اور دن تاریخ مقرر کرنا شرک ہے اور میلاد شریف میں یہ دونوں ہیں لہذا یہ بھی شرک ہے۔

جواب:۔ خوشی کو یادگار منانا بھی سنت ہے۔ اور دن و تاریخ مقرر کرنا مسنون۔ اس کو شرک کہنا انتہاء کی جہالت و بے دینی ہے۔ رب تعالٰی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا **و ذکر ھم بایام اللہ** (پارہ ۱۳ سورہ ۱۴ آیت نمبر ۵) یعنی بنی اسرائیل کو وہ دن بھی یاد دلاؤ جن میں اللہ تعالٰی نے بنی اسرائیل پر نعمتیں اتاریں۔ جیسے غرق فرعون من وسلویٰ کا نزول وغیرہ (خزائن العرفان) معلوم ہوا کہ جن دنوں میں رب تعالٰی اپنے بندوں کو نعمت دے۔ ان کی یادگار منانے کا حکم ہے۔ مشکوۃ کتاب الصوم باب صوم التطوع فصل اول میں ہے۔

سئل رسول اللہ ﷺ عن صوم یوم الاثنین فقال فیه ولدت فیه انزل علی وحی۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام سے دوشنبہ کے روزے کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ اسی دن ہم پیدا ہوئے اور اسی دن ہم پر وحی کی ابتدا ہوئی۔

(صحیح مسلم کتاب الصیام باب استحباب صیام ثلثۃ ایام من کل شھر ج ۲ ص ۸۱۹ رقم الحدیث ۱۱۶۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیھقی ج ۴ ص ۲۸۶ رقم الحدیث ۸۱۸۲ ۳ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۲ ص ۱۴۶ رقم الحدیث ۲۷۷۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۹۶ رقم الحدیث ۷۸۶۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

ثابت ہوا کہ دوشنبہ کا روزہ اس لئے سنت ہے کہ یہ دن حضور علیہ السلام کی ولادت کا ہے۔ اس سے تین باتیں معلوم ہوئیں۔ یادگار منانا سنت ہے اس کے لئے دن مقرر کرنا سنت ہے۔ حضور علیہ السلام کی ولادت کی خوشی میں عبادت کرنا سنت ہے۔ عبادت خواہ بدنی ہو جیسے روزہ اور نوافل یا مالی جیسے صدقہ اور خیرات تقسیم شیرینی وغیرہ۔ مشکوۃ یہ ہی باب فصل ثالث میں ہے کہ جب حضور علیہ السلام مدینہ پاک میں تشریف لائے تو وہاں یہودیوں کو دیکھا کہ عاشورہ کے دن روزے رکھتے ہیں سبب پوچھا۔ تو انہوں نے عرض کیا کہ اس دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رب نے فرعون سے نجات دی تھی۔ ہم اس کے شکریہ میں روزہ رکھتے ہیں تو حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ فنحن احق واولیٰ بموسیٰ منکم ہم موسیٰ علیہ السلام سے تم سے زیادہ قریب ہیں **فصامه وامر بصیامه** خود بھی اس دن روزہ رکھا اور لوگوں کو عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا۔ چنانچہ اول اسلام میں یہ روزہ فرض تھا۔ اب فرضیت تو منسوخ ہو چکی مگر استحباب باقی ہے۔ اسی مشکوۃ کے اسی باب میں ہے کہ عاشورہ کے روزے کے متعلق کسی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس میں یہود مشابہت اہل کتاب سے بچ گئے۔ ہم نے شان حبیب الرحمٰن میں حوالہ کتب سے بیان کیا کہ پنجگانہ نمازوں کی رکعتیں مختلف کیوں ہیں۔ فجر میں دو مغرب میں تین عصر میں چار وہاں جواب دیا ہے کہ یہ نمازیں گزشتہ انبیاء کی یادگاریں ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام نے دنیا میں آکر رات دیکھی تو پریشان ہوئے۔ صبح کے وقت دو رکعت شکریہ ادا کیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل کا فدیہ دنبہ پایا۔ لخت جگر کی جان بچی۔ قربانی منظور ہوئی۔ چار رکعت شکریہ ادا کیں۔ یہ ظہر ہوئی وغیرہ وغیرہ معلوم ہوا کہ نماز کی رکعات بھی دیگر انبیاء کی یادگار ہیں۔ حج تو از اول تا آخر ہاجرہ و اسمٰعیل و ابراہیم علیہ السلام کی یادگار ہے اب نہ تو وہاں پانی کی تلاش ہے اور نہ شیطان کا قربانی سے روکنا۔ مگر صفا و مروہ کے درمیان چلنا بھاگنا منیٰ میں شیطان کو کنکر مارنا بدستور ویسے ہی موجود ہے۔ محض یادگار کے لئے۔ اس کی نفیس بحث کا مطالعہ کرو۔ شان حبیب الرحمٰن میں۔

ماہ رمضان خصوصاً شب قدر اس لئے افضل ہوئے کہ ان میں قرآن کریم کا نزول ہے رب تعالٰی فرماتا ہے۔ **شھر رمضان الذی انزل فیه القران** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۸۵) اور فرماتا ہے **انا انزلنه فی لیلة القدر** (پارہ ۳۰ سورہ ۹۷ آیت نمبر ۱) جب قرآن کے نزول کی وجہ سے یہ مہینہ رات تا قیامت اعلیٰ ہو گئے تو صاحب قرآن ﷺ کی ولادت پاک سے تا قیامت ربیع الاول اور اس کی

بارھویں تاریخ اعلیٰ وافضل کیوں نہ ہو۔حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کے دن کوروز عید قرار دے دیا گیا۔معلوم ہوا کہ جس دن تاریخ میں کسی اللہ والے پر اللہ کی رحمت آئی ہو۔وہ دن تاریخ تا قیامت رحمت کا دن بن جاتا ہے دیکھو جمعہ کا دن اس لئے افضل ہے کہ اس دن میں گزشتہ انبیاء علیہم السلام پر ربانی انعام ہوئے کہ آدم علیہ السلام کی پیدائش انہیں سجدہ کرنا۔ان کا دنیا میں آنا نوح علیہ السلام کی کشتی پار لگنا یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا یعقوب علیہ السلام کا اپنے فرزند سے ملنا۔موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔پھر آئندہ قیامت کا آنا یہ سب جمعہ کے دن ہے لہذا جمعہ سید الایام ہو گیا۔

اسی طرح برعکس کا حال ہے کہ جن مقامات اور جن تاریخوں میں قوموں پر عذاب آیا ان سے ڈرو۔منگل کے دن فصد نہ لو یہ خون کا دن ہے۔اسی دن ہابیل قتل ہوا۔اسی دن حضرت حوا کو حیض شروع ہوا۔دیکھو ان دنوں میں یہ واقعات کبھی ایک بار ہو چکے۔مگر ان واقعات کی وجہ سے دن میں عظمت یا حقارت ہمیشہ کے لئے ہو گئی۔

معلوم ہوا کہ بزرگوں کی خوشی یا عبادت کی یادگاریں منانا عبادت ہے آج بھی یادگار اسمٰعیل شہید یادگار مولانا قاسم خود مخالفین مناتے ہیں۔اگر کسی چیز کا مقرر کرنا شرک ہو جاوے تو مدرسہ دیوبند کی تاریخ امتحان مقرر تعطیل کے لئے ماہ رمضان مقرر دستار بندی کے لئے دورہ حدیث مقرر مدرسین کی تنخواہ مقرر کھانے اور سونے کے لئے وقت مقرر جماعت کے لئے گھنٹہ اور منٹ مقرر نکاح ولیمہ اور عقیقہ کے لئے تاریخیں مقرر۔میلاد شریف کو شرک کرنے کے شوق میں اپنے گھر کو تو آگ نہ لگاؤ۔یہ تاریخیں محض عادت کے طور پر مقرر کی جاتی ہیں۔یہ کوئی بھی نہیں سمجھتا کہ اس تاریخ کے علاوہ اور تاریخ میں محفل میلاد جائز ہی نہیں۔اسی لئے ہمارے یوپی میں ہر مصیبت کے وقت کسی کے انتقال کے بعد میلاد شریف کرتے ہیں۔کاٹھیاواڑ میں خاص شادی کے دن، میت کے تیجہ، دسویں، چالیسویں کے دن میلاد شریف کرتے ہیں۔پھر ماہ ربیع الاول میں ہر جگہ پورے ماہ میلاد شریف ہوتے رہتے ہیں۔سوائے دیوبند کے ہر جگہ دستور ہے بلکہ سنا گیا ہے۔کہ وہاں عام باشندے میلاد شریف برابر کرتے ہیں۔

خیال رہے کہ دن یا جگہ مقرر کرنا چند وجہ سے منع ہے۔ایک یہ کہ وہ دن یا جگہ کسی بت سے نسبت رکھتی ہو۔جیسے ہولی، دیوالی کے دن اس کی تعظیم کے لئے دیگ پکائے۔یا مندر میں جا کر صدقہ کرے اسی لئے مشکوۃ باب النذر میں ہے کہ کسی نے بوانہ میں اونٹ ذبح کرنے کی منت مانی تو فرمایا۔کیا وہاں کوئی بت یا کفار کا میلہ تھا عرض کیا نہیں۔فرمایا جا اپنی نذر پوری کر۔یا اس تعین میں کفار سے مشابہت ہے۔یا اسے واجب جاننا منع ہے یا جمعہ عید کے دن ہے اسے روزے کا دن نہ بناؤ۔

ان اعتراضات سے معلوم ہوا کہ مانعین کے پاس کوئی دلیل حرمت موجود نہیں۔یوں ہی ایک چڑ پیدا ہو گئی ہے اس لئے محض قیاسات باطلہ سے حرام کہتے ہیں مگر یاد رہے۔

مٹ گئے مٹتے ہیں مٹ جائیں گے اعدا تیرے
نہ مٹا ہے نہ مٹے گا کبھی چرچا تیرا

بحث قیام میلاد کے بیان میں

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔ مقدمہ میں قیام کے متعلق ضروری باتیں ہیں۔

مقدمہ

نماز میں دو طرح کی عبادتیں ہیں۔ قولی اور فعلی۔ قولی تو قرآن کریم کی تلاوت۔ رکوع سجود کی تسبیح التحیات وغیرہ کا پڑھنا۔ اور فعلی عبادت چار ہیں۔ قیام رکوع سجدہ بیٹھنا قیام کے معنی ہیں اس طرح سیدھا ہونا کہ ہاتھ گھٹنوں تک نہ پہنچ سکیں۔ رکوع کے معنی ہیں اس قدر جھکنا کہ گھٹنوں تک ہاتھ پہنچ جاویں۔ اسی لئے زیادہ کبڑے کے پیچھے تندرست کی نماز جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قیام نہیں کرسکتا۔ ہر وقت رکوع میں ہی رہتا ہے۔ سجدہ کے معنی ہیں سات اعضا کا زمین پر لگنا۔ دونوں پاؤں کے نیچے دونوں گھٹنے دونوں ہتھیلیاں ناک پیشانی۔ اسلام سے پہلے دیگر انبیائے کرام کی امتوں میں کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا۔ رکوع کرنا سجدہ کرنا اور بیٹھنا ہر کام جائز تھا۔ مگر عبادت کی نیت سے نہیں بلکہ تحیتہ و تعظیم کے لئے خدائے پاک نے حضرت آدم علیہ السلام کو ملائکہ سے سجدہ تعظیمی کرایا۔ اور یعقوب علیہ السلام اور ان کے فرزندوں نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ تعظیمی کیا (قرآن کریم) مگر اسلام نے تعظیمی قیام اور تعظیماً بیٹھنے کو تو جائز رکھا۔ مگر تعظیمی رکوع اور تعظیمی سجدہ حرام کر دیا۔ معلوم ہوا کہ قرآن حدیث سے منسوخ ہوتا ہے کیونکہ غیر اللہ کے لئے سجدہ تعظیمی کا ثبوت تو قرآن سے ہے۔ اور اس کا نسخ حدیث پاک سے ہے۔ یہ بھی خیال رہے کہ کسی کے سامنے جھکنا یا زمین پر سر رکھنا جب حرام ہوگا جبکہ رکوع و سجدہ کی نیت سے یہ کام کرے۔ لیکن اگر کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنے یا ہاتھ پاؤں چومنے کے لئے جھکا تو اگرچہ جھکنا تو پایا گیا۔ مگر چونکہ اس میں رکوع کی نیت نہیں ہے لہذا یہ رکوع نہیں ہاں تا حد پر رکوع جھک کر سلام کرنا حرام ہے یعنی تعظیماً تا حد رکوع جھکنا حرام اور جھکنا کسی اور کام کے لئے تھا۔ اور کام تعظیم کے لئے تو جائز جیسے کہ کسی کے جوتے سیدھے کرنا وغیرہ۔ یہ فرق ضرور خیال میں رہے بہت ہی باریک ہے۔ شامی جلد پنجم کتاب الکراہتہ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

الایماء فی الاسلام الی قریب الرکوع کالسجود وفی المحیط انه یکره الانحناء للسلطن وغیره۔

ترجمہ: اسلام میں رکوع کے قریب جھک کر اشارہ کرنا سجدہ کی طرح ہے (حرام ہے) محیط میں ہے کہ بادشاہ کے سامنے جھکنا مکروہ تحریمی ہے۔
(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

پہلا باب

قیام میلاد کے ثبوت میں

قیام یعنی کھڑا ہونا چھ طرح کا ہے۔ قیام جائز قیام فرض قیام سنت قیام مستحب۔ قیام مکروہ قیام حرام۔ ہم ہر ایک کے پہچاننے کا قاعدہ عرض کئے دیتے ہیں۔ جس سے قیام میلاد کا حال خود بخود معلوم ہو جاوے گا کہ یہ قیام کیسا ہے۔

(۱) دنیاوی ضروریات کے لئے کھڑا ہونا جائز ہے۔ اس کی سینکڑوں مثالیں ہیں۔ کھڑے ہو کر عمارت بنانا اور دیگر دنیاوی کاروبار کرنا وغیرہ۔

فاذا قضیت الصلوٰۃ فانتشروا فی الارض۔

ترجمہ: جب نماز جمعہ ہو جاوے تو تم زمین میں پھیل جاؤ۔

(پارہ ۲۸ سورہ ۶۲ آیت نمبر ۱۰)

(۲) پنج وقتہ نماز اور واجب نماز میں قیام فرض ہے۔ **وقوموا للہ قنتین** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۳۸) اللہ کے سامنے اطاعت کرتے ہوئے کھڑے ہو یعنی اگر کوئی شخص قدرت رکھتے ہوئے بیٹھ کر ادا کرے تو یہ نماز نہ ہوگی۔

(۳) نوافل میں کھڑا ہونا مستحب ہے اور بیٹھ کر بھی جائز۔ یعنی کھڑے ہو کر پڑھنے میں ثواب زیادہ ہے۔

(۴) چند موقعوں پر کھڑا ہونا سنت ہے اولاً تو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا اسی لئے آپ زمزم اور وضو کے بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پینا مسنون ہے۔ حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر اللہ حاضری نصیب فرمادے تو نماز کی طرح ہاتھ باندھ کر کھڑا سنت ہے۔ عالمگیری جلد اول آخر کتاب الحج آداب زیارت قبر النبی علیہ السلام میں ہے۔

ویقف کما یقف فی الصلوۃ ویمثل صورتہ الکریمۃ کانہ نائم فی لحد عالم بہ یسمع کلامہ۔

ترجمہ: روضہ مطہرہ کے سامنے ایسے کھڑا ہو جیسے کہ نماز میں کھڑا ہوتا ہے اور اس جمال پاک کا نقشہ ذہن میں جمائے گویا کہ وہ سرکار اپنی قبر انور میں آرام فرما ہیں۔ اس کو جانتے ہیں اور اس کی بات سنتے ہیں۔

(فتاوی عالمگیری کتاب المناسک باب نذر بالحج خاتمہ فی زیارۃ قبر النبی ﷺ ج ۱ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی طرح مومنین کی قبروں پر فاتحہ پڑھے تو قبلہ کو پشت اور قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہونا سنت ہے عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارت القبور میں ہے۔

یخلع نعلیہ ثم یقف مستد بر القبلۃ مستقبلا لوجہ المیت۔

ترجمہ: اپنے جوتے اتار دے اور کعبہ کی طرف پشت اور میت کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو۔

روضہ پاک آب زمزم وضو کا پانی قبر مومن سب متبرک چیزیں ہیں۔ ان کی تعظیم قیام سے کرائی گئی۔ دوسرے جب کوئی دینی پیشوا آئے تو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا سنت ہے۔ اسی طرح جب دینی پیشوا سامنے کھڑا ہو تو اس کے لئے کھڑا رہنا سنت اور بیٹھنا رہنا بے ادبی ہے۔ مشکوۃ جلد اول کتاب الجہاد باب حکم الاسرا اور باب القیام میں ہے کہ جب اسعد ابن معاذ اللہ رضی اللہ عنہ مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو حضور علیہ السلام نے انصار کو حکم دیا۔ **قوموا الی سید کم** اپنے سردار کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

(صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرجع النبی ﷺ من الاحزاب ج ۴ ص ۱۵۱۱ رقم الحدیث ۳۸۹۵ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب الجہاد باب جواز قتال من نقض العہد ج ۳ ص ۱۳۸۸ رقم الحدیث ۱۷۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤ کتاب الادب ما جاء فی القیام ج ۴ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۵۲۱۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

یہ قیام تعظیمی تھا نہ یہ کہ ان کو محض مجبوری کی وجہ سے قیام کرایا گیا۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے ایک دو صاحب ہی کافی تھے۔ سب کو کیوں فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ۔ نیز گھوڑے سے اتارنے کے لئے تو حاضرین مجلس پاک میں سے کوئی بھی چلا جاتا۔ خاص انصار کو کیوں حکم فرمایا۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قیام تعظیمی ہی تھا۔ اور حضرت سعد انصار کے سردار تھے۔ ان سے تعظیم کرائی گئی۔ جن لوگوں نے الٰی سے دھوکا کھا کر کہا ہے کہ یہ قیام بیماری کے لئے تھا۔ وہ اس آیت میں کیا کہیں گے؟ **اذا قمتم الی الصلوۃ** کیا نماز بھی بیمار ہے کہ اس کی امداد کے لئے کھڑا ہوتا ہے۔ اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

حکمت در مراعات توقیر و اکرام سعد دریں مقام و امر تعظیم او ادریں ہا آں باشد کہ در ابرائے حکم کردن طلبیدہ بودند پس اعلان شان او دریں مقام اولیٰ و انسب باشد۔

فاذا قام قمنا قیاماً حتی فرء ینٰاہ قد دخل بعض بیوت ازواجہ۔

ترجمہ: اس موقعہ پر سعد کی تعظیم وتکریم کرانے میں یہ حکمت ہوگی کہ ان کو بنی قریظہ پر حکم فرمانے کے لئے بلایا تھا۔ اس جگہ ان کی شان کا اظہار بہتر اور مناسب تھا۔

(اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

مشکوۃ باب القیام میں بروایت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب حضور علیہ السلام مجلس سے اٹھتے تو ہم بھی کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ ہم دیکھ لیتے تھے کہ آپ اپنی کسی بیوی پاک کے گھر میں داخل ہوگئے۔

(مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثالث ص ۴۰۳۔۴۰۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام میں زیر آیت حدیث **قوموا الی سید کم** ہے

اجماع کردہ اند جماہیر علماء بایں حدیث بر اکرام اہل فضل از علم یا صلاح یا شرف ونووی گفتہ کہ ایں قیام مر اہل فضل را وقت قدوم آوردن نیست قیام جالس از برائے کسی کہ در آمدہ است بروئے بجہت تعظیم۔

(اشعۃ اللمعات کتاب الادب باب القیام الفصل الاول ج ۴ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

اس حدیث کی وجہ سے جمہور علماء نے علمائے صالحین کی تعظیم کرنے پر اتفاق کیا ہے نووی نے فرمایا کہ بزرگوں کی تشریف آوری کے وقت کھڑا ہونا مستحب ہے اس بارے میں احادیث آئی ہیں اور اس کی ممانعت میں صراحۃ کوئی حدیث نہیں آئی۔ قنیہ سے نقل کیا کہ بیٹھے ہوئے آدمی کا کسی آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

تجوز الخدمة بغیر اللّٰہ تعالی بالقیام واخذ الیدین والانحناء۔

ترجمہ: غیر خدا کی عظمت کرنا کھڑے ہو کر مصافحہ کر کے جھک کر ہر طرح جائز ہے۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الکراھیۃ باب ملاقاۃ الملوک التواضع لھم الباب الثامن والعشر ون ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس جگہ جھکنے سے مراد حد رکوع سے کم جھکنا ہے۔ تا حد رکوع جھکنا تو ناجائز ہے جیسا کہ ہم مقدمہ میں عرض کر چکے۔ درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیۃ باب الاستبراء کے آخر میں ہے۔

یجوز بل یندب القیام تعظیماً للقادم یجوز القیام ولو للقاری بین یدی العالم۔

ترجمہ: آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا جائز بلکہ مستحب ہے جیسے کہ قرآن پڑھنے والے کو عالم کے سامنے کھڑا ہو جانا جائز ہے۔

(رد المحتار علی در المختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ تلاوت قرآن کی حالت میں بھی کوئی عالم دین آ جاوے تو اس کے لئے کھڑا ہو جانا مستحب ہے اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

وقیام قاری القران لمن یجنی تعظیماً لایکرہ اذ کان ممن یستحق التعظیم۔

ترجمہ: قرآن پڑھنے والے کا آنے والے کی تعظیم کے لئے کھڑا ہو جانا مکروہ نہیں جبکہ وہ تعظیم کے لائق ہو۔

(رد المحتار علی در المختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج ۵ ص ۲۷۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی جلد اول باب الامامت میں ہے کہ اگر کوئی شخص مسجد میں صف اول میں جماعت کے انتظار میں بیٹھا ہے۔ اور کوئی عالم آدمی آ گیا اس کے لئے جگہ چھوڑ دینا خود پیچھے ہٹ جانا مستحب ہے بلکہ اس کے لئے پہلی صف میں نماز پڑھنے سے یہ افضل ہے۔ یہ تعظیم تو علماء امت کی ہے۔

(رد المحتار علی در المختار باب الامامۃ ج ۱ ص ۴۲۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

لیکن صدیق اکبر نے تو عین نماز پڑھاتے ہوئے جب حضور علیہ السلام کو تشریف لاتے دیکھا تو خود مقتدی بن گئے۔ اور بیچ نماز میں

حضور علیہ السلام امام ہوئے۔

(مسند احمد ج ۱ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۱۷۸۵ مطبوعہ موسسۃ قرطبہ مصر)

ان امور سے معلوم ہوا کہ بزرگان دین کی تعظیم عبادت کی حالت میں بھی کی جاوے۔ مسلم جلد دوم باب حدیث توبہ ابن مالک کتاب التوبہ میں ہے۔

فقام طلحة ابن عبيدالله يهرول حتى صافحني و هناء نى۔

ترجمہ: پس طلحہ ابن عبیداللہ کھڑے ہو گئے دوڑتے ہوئے آئے مجھ سے مصافحہ کیا اور مبارک باد دی۔

(صحیح مسلم کتاب التوبۃ حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس جگہ نووی میں ہے۔

فيه استحباب مصافحته القادم والقيام له اكرما والهرولته الى لقاء ه۔

(شرح صحیح مسلم للنووی کتاب التوبۃ حدیث توبہ کعب بن مالک رضی اللہ عنہ ج ۲ ص ۳۶۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس سے ثابت ہوا کہ آنے والے سے مصافحہ کرنا۔ اس کی تعظیم کو کھڑا ہونا۔ اس کے ملنے کے لئے دوڑنا مستحب ہے۔

تیسرے جبکہ کوئی اپنا پیارا آ جاوے تو اس کی خوشی میں کھڑا ہو جانا۔ ہاتھ پاؤں چومنا سنت ہے مشکوۃ کتاب الادب باب المصافحہ میں ہے کہ زید ابن حارثہ دروازہ پاک مصطفیٰ علیہ السلام پر حاضر ہوئے اور دروازہ کھٹکھٹایا۔

فقام اليه رسول الله ﷺ عريانا فاعتنقه وقبله۔

ترجمہ: ان کی طرف حضور علیہ السلام بغیر چادر شریف کے کھڑے ہو گئے پھر ان کو گلے سے لگا لیا اور بوسہ دیا۔

(سنن الترمذی کتاب الاستئذان والآداب باب ماجاء فی المعانقۃ والقبلۃ ج ۴ ص ۳۵۰ رقم الحدیث ۲۷۳۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (شرح معانی الآثار ج ۴ ص ۹۲ رقم الحدیث ۶۷۶۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۱۱ ص ۵۲ مطبوعہ)

مشکوۃ اسی باب میں ہے کہ جب حضرت خاتون جنت فاطمہ الزہراء رضی اللہ تعالیٰ عنہا حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوتیں۔

قام اليها فاخذ بيدها فقبلها و اجلسها يف مجلسه۔

ان کے لئے کھڑے ہو جاتے اور ان کا ہاتھ پکڑے ان کو چومتے اور اپنی جگہ ان کو بٹھاتے۔ اسی طرح جب حضور علیہ السلام فاطمہ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے۔ تو آپ بھی کھڑی ہو جاتیں اور ہاتھ مبارک دیتیں اور اپنی جگہ حضور علیہ السلام کو بٹھا لیتیں۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب باب فضل فاطمہ ج ۶ ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الادب باب ماجاء فی القیام ج ۴ ص ۳۵۵ رقم الحدیث ۵۲۱۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۵ ص ۹۶ رقم الحدیث ۸۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۰۳ رقم الحدیث ۶۹۵۳ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۱۷۴ رقم الحدیث ۴۷۵۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مرقات باب المشی بالجنازۃ فصل دوم میں ہے۔

فيه ايمآء الى ندب القيام لتعظيم الفضلآء والكبرآء۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

معلوم ہوا کہ فضلاء کے لئے قیام تعظیمی جائز ہے۔ چوتھے جبکہ کوئی پیارے کا ذکر سنے یا کوئی اور خوشی کی خبر سنے تو اسی وقت کھڑا ہو جانا مستحب اور سنت صحابہ و سنت سلف ہے۔ مشکوۃ کتاب الایمان فصل ثالث میں حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ مجھ کو صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے ایک خوشخبری سنائی۔

فقمت اليه وقلت بابى انت وامى انت احق بها۔

ترجمہ: تو میں کھڑا ہو گیا اور میں نے کہا کہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں آپ ہی اس لائق ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان الفصل الثالث ص ۱۶ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت ۲۹ محمد رسول اللہ ہے کہ امام تقی الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس مجمع علماء موجود تھا کہ ایک نعت خواں نے نعت کے دو شعر پڑھے۔

فعند ذلك قام الامام السبكي و جميع من في المجلس فحصل انس عظيم بذلك المجلس۔

ترجمہ: تو فوراً امام سبکی اور تمام حاضرین مجلس کھڑے ہو گئے اور اس مجلس میں بہت ہی لطف آیا۔

(تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

پانچویں کوئی کافر اپنی قوم کا پیشوا ہو۔ اور اس کے اسلام لانے کی امید ہو تو اس کے آنے پر اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سنت ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اسلام لانے کے لئے حاضر خدمت ہوئے تو حضور علیہ السلام نے کھڑے ہو کر ان کو اپنے سینہ پاک سے لگایا۔

(کتب تواریخ)

عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

اذا دخل ذمی علی مسلم فقام له طعام فی اسلامه فلا باس۔

ترجمہ: کوئی ذمی کافر مسلمان کے پاس آیا مسلمان اس کے اسلام کی امید پر اس کے لئے کھڑا ہو گیا تو جائز ہے۔

(فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ والاحکام التی تعود الیھم ج ۵ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

(۵) چند جگہ قیام مکروہ ہے۔ اولاً آب زمزم اور وضو کے سوا اور پانی کو پیتے وقت کھڑا ہونا بلا عذر مکروہ ہے۔ دوسرے دنیادار کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا دنیاوی لالچ سے بلا عذر مکروہ ہے۔ تیسرے کافر کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا سا کی مالداری کی وجہ سے مکروہ ہے۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب اہل الذمہ میں ہے۔

وان قام له من غير ان ينوی شيئا مما ذكرنا او قام طمعاً لغناه كره له ذلك۔

ترجمہ: اگر اس کے لئے سوائے مذکورہ صورتوں کے کھڑا ہو یا اس کی مالداری کے طمع میں کھڑا ہو تو مکروہ ہے۔

(فتاوی عالمگیری الباب الرابع عشر فی اھل الذمۃ والاحکام التی تعود الیھم ج ۵ ص ۳۴۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

چوتھے جو شخص اپنی تعظیم کرانا چاہتا ہو اس کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے۔ پانچویں اگر کوئی بڑا آدمی درمیان میں بیٹھا ہو اور لوگ اس کے آس پاس دست بستہ کھڑے ہوں تو اس طرح کھڑا ہونا سخت منع ہے۔ اپنے لئے قیام پسند کرنا بھی منع ہے اس کے حوالہ دوسرے باب میں آویں گے انشاء اللہ یہ تقسیم خیال میں رہے۔

جب یہ تحقیق ہو چکی تو اب پتہ لگ گیا کہ میلاد پاک میں ذکر ولادت کے وقت قیام کرنا سنت صحابہ اور سنت سلف صالحین سے ثابت ہے کیونکہ ہم قیام سنت میں چوتھا قیام وہ بتا چکے کہ جو خوشی کی خبر پا کر یا کسی پارے کے ذکر پر ہو۔ اور پہلا قیام وہ بتایا جو کسی دینی عظمت والی چیز کی تعظیم کے لئے ہو۔ لہٰذا قیام میلاد چند وجہ سے سنت میں داخل ہوا۔ ایک تو اس لئے کہ یہ ذکر ولادت کی تعظیم کے لئے ہے دوسرے اس لئے کہ ذکر ولادت سے بڑھ کر مسلمان کے نزدیک کون محبوب ہے وہ جان اولاد ماں باپ مال متاع سب سے زیادہ محبوب ہیں ﷺ ان کے ذکر پر کھڑا ہونا سنت سلف صالحین ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ولادت پاک کے وقت ملائکہ در دولت پر کھڑے ہوئے تھے۔ اس لئے ولادت کے ذکر پر کھڑا ہونا فعل ملائکہ سے مشابہ ہے۔ پانچویں اس لئے کہ ہم بحث میلاد میں حدیث سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے اپنے اوصاف اور اپنا نسب شریف منبر پر کھڑے ہو کر بیان فرمایا۔ تو اس قیام کی اصل مل گئی چھٹے اس لئے کہ شریعت نے اس کو منع نہ کیا۔ اور ہر ملک کے عام مسلمان اس کو ثواب سمجھ کر کرتے ہیں۔ اور جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔ ہم اس کی تحقیق بحث میلاد اور بحث بدعت میں کر چکے ہیں۔ نیز پہلے عرض کر چکے ہیں کہ مسلمان جس کام کو مستحب جانیں۔ وہ شریعت میں

مستحب ہے شامی جلد سوم کتاب الوقف ۔ وقف منقولات کی بحث میں فرماتے ہیں ۔ **لان التعامل یترك به القیاس لحدیث ماراہ المومنون حسناً فھو عنداللہ حسن** یعنی دیگچی و جنازہ وغیرہ کا وقف قیاساً نا جائز ہونا چاہیئے مگر چونکہ عام مسلمان اس کے عامل ہیں لہذا قیاس چھوڑ دیا گیا اور اسے جائز مانا گیا ۔ دیکھو عامۃ المسلمین جس کام کو اچھا سمجھنے لگیں ۔ اور اس کی حرمت کی نص نہ ہو تو قیاس کو چھوڑ نا لازم ہے ۔ درمختار جلد پنجم کتاب الاجارات باب اجارت الفاسدہ میں ہے ۔

وجاز اجارة الحمام لانه علیه السلام دخل حمام الجحفة وللعرف وقال النبی علیه السلام ما راہ المومنون حسنا فھو عند اللہ حسن۔

ترجمہ: حمام کا کرایہ جائز ہے کیونکہ حضور علیہ السلام مہر جحفہ کے حمام میں تشریف لے گئے اور اس لئے کہ عرف جاری ہو گیا ۔ اور حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ عنداللہ اچھا ہے ۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۵ ص ۳۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کے ماتحت شامی میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے جحفہ کے حمام میں داخل ہونے کی روایت سخت ضعیف ہے ۔ بعض نے کہا کہ موضوع ہے ۔ لہذا اب حمام کے جائز ہونے کی دلیل صرف ایک رہ گئی یعنی عرف عام تو ثابت ہوگا کہ جو کام مسلمان عام طور پر جائز سمجھ کر کریں وہ جائز ہے ۔ شامی میں اسی جگہ ہے ۔

لان الناس فی سائر الامصار یدفعون اجرت الحمام فدل اجماعھم علی جواز ذلك وان كان القیاس یاباہ۔

ترجمہ: کیونکہ تمام شہروں میں مسلمان لوگ حمام کی اجرت دیتے ہیں پس ان کے اجماع سے اس کا جائز ہونا معلوم ہوا اگر چہ یہ خلاف قیاس ہے ۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الاجارۃ باب الاجارۃ الفاسدۃ ج ۵ ص ۳۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ثابت ہوا کہ حمام کا کرایہ قیاساً جائز نہ ہونا چاہیئے ۔ کیونکہ خبر نہیں ہوتی کہ کتنا پانی خرچ ہوگا ۔ اور کرایہ میں نفع و اجرت معلوم ہونا ضروری ہے لیکن چونکہ مسلمان عام طور پر اس کو جائز سمجھتے ہیں ۔ لہذا یہ جائز ہے ۔ قیام میلاد کو بھی عام مسلمان مستحب سمجھتے ہیں ۔ لہذا مستحب ہے ۔ ساتویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

وتعزروہ وتوقروہ۔

ترجمہ: اے مسلمانو ہمارے نبی کی مدد کرو اور ان کی تعظیم کرو ۔

(پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۹)

تعظیم میں کوئی پابندی نہیں بلکہ جس زمانہ میں اور جس جگہ جو طریقہ بھی تعظیم کا ہو اس طرح کرو بشرطیکہ شریعت نے اس کو حرام نہ کیا ہو جیسے کہ تعظیمی سجدہ ورکوع ۔ اور ہمارے زمانہ میں شاہی احکام کھڑے ہو کر بھی پڑھے جاتے ہیں لہذا محبوب کا ذکر بھی کھڑے ہو کر ہونا چاہیئے ۔ دیکھو **کلوا واشربوا** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۶۰) میں مطلقاً کھانے پینے کی اجازت ہے کہ ہر حلال غذا کھاؤ پیؤ ۔ تو بریانی، زردہ، قورما، سب ہی حلال ہوا خواہ خیر القرون میں ہو یا نہ ہو ۔ ایسے ہی توقروہ کا امر مطلق ہے کہ ہر قسم کی جائز تعظیم کرو ۔ خیر القرون سے ثابت ہو یا نہ ہو ۔ آٹھویں اس لئے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے ۔

ومن یعظم شعائر اللہ فانھا من تقوی القلوب۔

ترجمہ: اور جو شخص اللہ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو یہ دل کے تقوے سے ہے ۔

(پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۳۲)

روح البیان نے زیر آیت وتعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدون (پارہ٦ سورہ۵ آیت نمبر۲) لکھا کہ جس چیز کو دینی عظمت حاصل ہو وہ شعائر اللہ ہیں۔ان کی تعظیم کرنا ضروری ہے جیسے کہ بعض مہینے بعض دن ومقامات۔بعض اوقات وغیرہ اسی لئے صفا ومروہ کعبہ معظمہ ماہ رمضان شب قدر کی تعظیم کی جاتی ہے۔اور ذکر ولادت بھی شعائر اللہ ہے لہذا اس کی تعظیم بھی بہتر ہے وہ قیام سے حاصل ہے۔

ہم نے آٹھ دلائل سے اس قیام کا مستحب ہونا ثابت کیا۔مگر مخالفین کے پاس خدا جا ہے۔تو ایک بھی دلیل حرمت نہیں۔محض اپنی رائے سے حرام کہتے ہیں۔

دوسرا باب

قیام میلاد پر اعتراض وجواب میں

اعتراض (۱)........۔چونکہ میلاد کا قیام اول تین زمانوں میں نہیں تھا۔لہذا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے۔حضور کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو کہ سنت سے ثابت ہو۔اپنی ایجادات کو اس میں داخل نہ ہو کیا ہم کو مقابلہ صحابہ کرام حضور سے زیادہ محبت نہیں ہے جب انہوں نے یہ قیام نہ کیا تو ہم کیوں کریں۔

جواب:۔ بدعت کا جواب تو بارہا دیا جا چکا ہے کہ ہر بدعت حرام نہیں۔رہا یہ کہنا کہ حضور علیہ السلام کی وہ ہی تعظیم کی جاوے جو سنت سے ثابت ہو کیا یہ قاعدہ صرف حضور علیہ السلام کی تعظیم کے لئے ہے یا دیگر علمائے دیوبند کے لئے بھی یعنی عالم کتاب مدرسہ تمام چیزوں کی وہ ہی تعظیم ہونی چاہیے جو سنت سے ثابت ہے تو علماء دیوبند کی آمد پر سٹیشن پر جانا۔ان کے گلوں میں ہار پھول ڈالنا۔ان کے لئے جلوس نکالنا جھنڈیوں سے راستہ اور جلسہ گاہ کو سجانا۔کرسیاں لگانا۔وعظ کے وقت زندہ باد کے نعرے لگانا۔مسند اور قالین بچھانا وغیرہ اس طرح کی تعظیم کا آپ کوئی ثبوت پیش کر سکتے ہیں کہ صحابہ کرام نے حضور علیہ السلام کی ایسی تعظیم کی ہو۔نہیں پیش کر سکتے۔تو فرمائیے کہ یہ تعظیم حرام ہے یا حلال۔لہذا آپ کا یہ قاعدہ ہی غلط ہے۔بلکہ رکوع وسجدہ محرمات کے علاوہ جس تعظیم کا جس ملک میں رواج ہو وہ جائز ہے اور جذبہ دل جس طرف راہبری کرے وہ عبادت ہے۔لکھنؤ میں مہتر بھنگی کو کہتے ہیں۔اور فارسی اور بعض جگہ اردو میں بھی مہتر بمعنی سردار بولا جاتا ہے جیسے کہ چترال کے نواب کو مہتر چترال کہتے ہیں۔لکھنؤ میں جو شخص یہ کلمہ مہتر کسی نبی کے لئے استعمال کرے کافر ہے۔اور چترال میں اور فارسی میں نہیں۔ہر ملکے ہر رسمے۔

ہندیاں را اصطلاح ہند مدح　　　سندھیاں را اصطلاح سندھ قدح

مرقاۃ واشعۃ اللمعات کے مقدمہ در احوال محدثین ص ۱۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور میں امام مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے احوال میں لکھتے ہیں کہ آپ مدینہ پاک کی زمین پاک میں کبھی گھوڑے پر سوار نہ ہوئے اور جب حدیث بیان فرماتے تو غسل کرتے عمدہ لباس پہنتے۔خوشبو لگاتے اور ہیبت ووقار سے بیٹھتے تھے۔کہئیے مدینہ پاک یا حدیث شریف کی یہ تعظیم کسی صحابی نے کی تھی؟نہیں۔مگر امام مالک کا جذبہ دل ہے عین ثواب ہے۔تفسیر روح البیان زیر آیت ما کان محمد ابا احد من رجالکم (پارہ۲۲ سورہ۳۳ آیت نمبر۴۰) ہے کہ ایاز کے فرزند کا نام محمد تھا۔سلطان اس کا نام لے کر پکارتے تھے۔ایک روز غسل خانہ میں جا کر فرمایا کہ اے ایاز کے بیٹے پانی لا۔ایاز نے عرض

کیا کہ حضور کیا قصور ہوا کہ غلام زادے کا نام نہ لیا۔ فرمایا کہ ہم اس وقت بے وضو تھے اس مبارک نام کو بے وضو نہیں لیا کرتے۔

ہزار بار بشویم دھن بمشک و گلاب ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبی است

کہیئے یہ تعظیم کہاں ثابت ہے؟ کہیئے کیا سلطان محمود اور امام مالک رحمہما اللہ کو صحابہ کرام سے زیادہ عشق رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام تھا۔

اعتراض (۲)......: اگر ذکر رسول علیہ السلام کی تعظیم منظور ہے تو ہر ذکر پر کھڑے ہو جایا کرو۔ اور میلاد شریف میں اول سے ہی کھڑے رہا کرو۔ یہ کیا کہ پہلے بیٹھے اور بعد کو بیٹھے درمیان میں کھڑے ہو گئے۔

جواب: یہ تو کوئی اعتراض نہیں ہے۔ اگر کسی کو اللہ توفیق دے اور ہر وقت کھڑے ہو۔ یا بعض وقت ہر طرح جائز ہے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کتب حدیث کھڑے ہو کر پڑھایا کرتے تھے دیکھنے والوں نے ہم کو بتایا کہ خود بھی کھڑے ہوتے پڑھنے والے بھی کھڑے ہوتے تھے ان کا یہ فعل بہت ہی مبارک تھا مگر چونکہ از اول تا آخر کھڑا ہونا عوام کو دشوار ہوگا۔ اس لئے صرف ولادت کے ذکر کے وقت کھڑے ہو جاتے ہیں۔ نیز بیٹھے بیٹھے بعض لوگ بھی اونگھ جاتے ہیں کھڑا کر کے صلوٰۃ وسلام پڑھ لو۔ تا کہ نیند جاتی رہے اسی لئے اس وقت عرق گلاب وغیرہ چھڑکتے ہیں۔ تا کہ پانی سے نیند اڑ جاوے کیوں صاحب! نماز میں بعض ذکر تو آپ کھڑے ہو کر کرتے ہو۔ اور بعض رکوع میں اور بعض سجدے میں اور بیٹھ کر۔ ہر ذکر کر کھڑے ہو کر ہی کیوں نہ کیا؟ نیز جب التحیات میں اشھد ان لاالہ الا اللہ پڑھتے ہیں تو حکم ہے کہ انگلی کا اشارہ کرے۔ اور ہزار ہا موقعوں پر آپ یہ ہی کلمہ پڑھتے ہو۔ انگلی کیوں نہیں ہلاتے؟ صوفیائے کرام بعض وظائف میں کچھ اشاروں کی قیدیں لگاتے ہیں۔ مثلاً جب مقدمہ میں حاکم کے سامنے جاوے تو کھیعص اس طرح پڑھے کہ اس کے ہر حرف پر ایک انگلی بند کردے کاف پر دہ پری پر وغیرہ۔ پھر حمعسق پڑھے ہر ایک پر ایک انگلی کھولے پھر حاکم کی طرف دم کر دے تو جب تلاوت قرآن کے دوران یہ کلمے آتے ہیں تو یہ اشارہ کیوں نہیں۔ اور یہ اشعارے صحابہ کرام سے کہاں ثابت ہیں۔ حزب البحر وغیرہ پڑھنے والے حضرات بعض مقامات پر خاص اشارے کرتے ہیں اور موقعوں پر کیوں نہیں کرتے۔ نیز طواف خانہ کعبہ میں پہلے طواف کے چار چکروں میں اضطباع بھی کرتے ہیں۔ اور رمل بھی بعد میں کیوں نہیں کرتے؟ اس قسم کے صد ہا سوالات کئے جا سکتے ہیں۔ امام بخاری نے بعض احادیث کو اسناداً بیان کیا۔ بعض کو تعلیقاً۔ سب کو یکساں کیوں نہ بیان کیا۔ بھلا ان جیسی باتوں سے حرمت ثابت ہو سکتی ہے۔

اعتراض (۳)......: لوگوں نے قیام میلاد کو ضروری سمجھ لیا ہے کہ نہ کرنے والوں پر طعن کرتے ہیں اور غیر ضروری کو ضروری سمجھنا ناجائز ہے لہٰذا قیام ناجائز ہے۔

جواب: یہ مسلمانوں پر محض بہتان ہے کہ وہ قیام میلاد کو واجب سمجھتے ہیں۔ نہ کسی عالم دین نے لکھا کہ قیام واجب ہے۔ اور نہ تقریروں میں کہا۔ عوام بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ قیام اور میلاد شریف کار ثواب ہے۔ پھر آپ ان پر واجب سمجھنے کا کس طرح الزام لگاتے ہیں! اگر کوئی واجب سمجھے بھی تو اس کا یہ سمجھنا برا ہوگا نہ کہ اصل قیام حرام ہو جاوے۔ نماز میں درود شریف پڑھنا امام شافعی صاحب ضروری سمجھتے ہیں احناف غیر واجب۔ تو ہمارے نزدیک ان کا یہ قول صحیح نہ ہوگا۔ نہ کہ یہ درود نماز ہی منع ہو جاوے اس کی تحقیق حاجی امداد اللہ صاحب نے (ہفت مسئلہ) میں خوب کی ہے رہا یہ کہ مسلمان اس کو پابندی سے کرتے ہیں اور نہ کرنے والے کو وہابی کہتے ہیں۔ یہ بالکل درست ہے۔

مشکوٰۃ باب القصد فی العمل میں ہے۔

احب الاعمال الی اللہ ادومها و ان قل۔

ترجمہ: اللہ کے نزدیک اچھا کام وہ ہے جو کہ ہمیشہ ہو۔ اگرچہ تھوڑا ہو۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب القصد فی العمل الفصل الاول ص ۱۱۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ہر کار خیر کو پابندی سے کرنا مستحب ہے مسلمان ہر عید کو اچھے کپڑے پہنتے ہیں۔ ہر جمعہ کو غسل کرتے ہیں۔ خوشبو لگاتے ہیں۔ مدارس میں ہر رمضان و جمعہ میں چھٹی کرتے ہیں۔ ہر سال امتحان لیتے ہیں۔ مسلمان ہر رات کو سوتے ہیں۔ ہر دو پہر کو کھانا کھاتے ہیں۔ تو کیا ان کو واجب سمجھتے ہیں یا پابندی وجوب کی علامت ہے رہا قیام نہ کرنے والوں کو وہابی سمجھنا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ فی زمانہ ہندوستان میں یہ وہابیوں کی علامت ہو گئی ہے اہل ایمان کے ہر زمانہ میں علامات مختلف رہی ہیں اور حسب زمانہ علامات کفار سے بچنا علامت اہل ایمان اختیار کرنا ضروری ہے۔ اول اسلام میں فرمایا گیا کہ جس نے لا الہ الا اللہ کہہ لیا جنتی ہو گیا۔

(مشکوۃ کتاب الایمان ص ۱۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

کیونکہ اس وقت کلمہ پڑھنا ہی اہل ایمان کی علامت تھی۔ پھر جب کلمہ گویوں میں منافق پیدا ہوئے تو قرآن پاک نے فرمایا کہ آپ کے سامنے منافق آکر کہتے ہیں کہ ہم گواہ ہیں کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ رسول اللہ ہیں۔ لیکن خدا گواہ ہے کہ منافق جھوٹے ہیں کہیئے بات تو سچی کہہ رہے ہیں۔ مگر ہیں جھوٹے پھر حدیث میں آیا کہ ایک قوم نہایت ہی عبادت گزار ہو گی۔ مگر دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسے تیر شکار سے۔ نیز حدیث میں آیا کہ خارجی کی پہچان سر منڈانا ہے۔

(دیکھو دونوں حدیثیں مشکوۃ کتاب القصاص باب قتل اہل الردہ)۔

(صحیح مسلم کتاب الزکوۃ باب ذکر الخوارج وصفاتھم ج ۲ ص ۷۴۵ رقم الحدیث ۱۰۶۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۳ ص ۵ رقم الحدیث ۱۱۰۳۱ مطبوعہ مکتب الاسلامی بیروت)، (السنۃ لابن عبداللہ بن احمد وقال اسنادہ صحیح ج ۲ ص ۶۲۲ رقم الحدیث ۱۴۸۲ مطبوعہ دار ابن القیم الدمام)

یہ تین امور تین زمانوں کے اعتبار سے ہیں شرح فقہ اکبر میں ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ کسی نے امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سنی کی علامت کیا ہے؟ فرمایا حب الختنین تفضیل الشیخین والمسح علی الخفین دو اماموں یعنی سیدنا علی وعثمان سے محبت رکھنا۔ شیخین صدیق و فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو تمام پر افضل جاننا اور چمڑے کے موزے پر مسح کرنا۔ تفسیرات احمدیہ میں سورہ انعام زیر آیت وان ھذا صراطی مستقیما ہے کہ سیدنا عبداللہ ابن عباس نے فرمایا کہ جس میں دس عادات ہوں وہ سنی ہے۔

تفضیل الشیخین توقیر الختنین تعظیم القبلتین الصلوۃ علی الجنازتین الصلوۃ خلف الامامین ترك الخروج علی الامامین المسح علی الخفین والقول بالتقدیرین والامساك عن الشھادتین واداء الفریضتین۔

(التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ ۴۰۸ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

مرقات شروع باب المسح علی الخفین میں ہے۔

سئل انس ابن ملك عن علامته اھل السنة والجماعته فقال ان تحب الشیخین ولا تطعن الختنین وتمسح علی الخفین۔

درمختار باب المیاہ میں ہے۔

والتوضو من الحوض افضل رغما للمعتزلة۔

ترجمہ: حوض سے وضو کرنا افضل ہے معتزلہ کو جلانے کے لئے

(رد المحتار علی در المختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ ج ۱ ص ۱۳۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی جگہ شامی میں ہے

لان المعتزلة لایحبزونه من الحیاض فنرغمھم بالوضوء منھا۔

ترجمہ: یعنی معتزلہ حوض سے وضو کرنے کو نا جائز کہتے ہیں۔لہذا ہم ان کو حوض سے وضو کر کے جلائیں گے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الطھارۃ باب المیاہ ج ۱ص ۱۳۷مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

دیکھو حوض سے وضو کرنا۔ چمڑے کے موزوں پر مسح کرنا وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔لیکن چونکہ اس زمانہ میں اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا ان کو سنی کی پہچان قرار دیا۔اسی طرح قیام میلاد فاتحہ وغیرہ واجبات میں سے نہیں۔مگر چونکہ اس کے منکر پیدا ہو گئے ہیں لہذا فی زمانہ یہ ہندوستان میں سنی ہونے کی علامت ہے۔اور مجلس میلاد میں اکیلا بیٹھا رہنا علامت دیو بندی کی ہے۔ **من تشبہ بقوم فھو منھم** لہذا اس سے بچنا چاہئیے۔نیز شامی سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی جائز یا مستحب کام سے بلا وجہ لوگ روکیں تو اس کو ضرور کرے۔آج ہندوستان میں ہندو قربانی گائے سے روکتے ہیں خاص گائے کی قربانی واجب نہیں۔مگر مسلمانوں نے اپنا خون بہا کر اس کو جاری رکھا۔اسی طرح محفل میلاد و قیام وغیرہ ہے۔فقہاء کے نزدیک زنار باندھنا اور ہندوؤں کی سی چوٹی سر پر رکھنا۔قرآن پاک نجاست میں ڈالنا کفر ہے کیونکہ یہ کفار کی مذہبی علامت ہے۔

ضروری نوٹ:۔ یہ سوال ۱۱۳کثر دیو بندی کیا کرتے ہیں کہ فاتحہ عرس و میلاد وغیرہ سب کو اس وجہ سے حرام بتاتے ہیں۔یہ بھی کہتے ہیں کہ تم نے خود سنی ہونیکی علامات ایجاد کر لی ہیں حدیث و قرآن میں یہ علامت نہیں ہیں سب کے لئے یہ ہی جواب دیا جاوے بہت مفید ہوگا انشاءاللہ۔

اعتراض (۴)......:۔ کسی کی تعظیم کے لئے کھڑا ہونا منع ہے مشکوۃ باب القیام میں ہے۔ **وکانوا اذا را ولم یقوموا لما یعلمون من کراھیۃ لذلک** صحابہ کرام جب حضور علیہ السلام کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے تھے کیونکہ جانتے تھے کہ حضور علیہ السلام کو یہ نا پسند ہے۔

(مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ اسی باب میں ہے۔

من سرہ ان یتمثل لہ الرجال قیاماً فلیتبوء مقعدہ من النار۔

ترجمہ: جس کو پسند ہو کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں وہ اپنی جگہ دوزخ میں ڈھونڈے۔

(مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ باب القیام میں ہے۔

لا تقوموا کما تقوم الاعاجم۔

ترجمہ: عجمی لوگوں کی طرح نہ کھڑے ہوا کرو۔

(مشکوۃ المصابیح باب القیام الفصل الثانی ص ۴۰۳مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ زندگی میں بھی اگر کوئی بڑا آدمی آوے تو اس کی تعظیم کے لئے نہ کھڑا ہو۔میلاد شریف میں تو حضور علیہ السلام آتے بھی نہیں پھر تعظیمی قیام کیونکہ جائز ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ ان احادیث میں مطلق قیام سے منع نہیں فرمایا گیا۔ورنہ پہلے باب میں ہم نے جو احادیث اور اقوال فقہاء نقل کئے اس کے خلاف ہوگا بلکہ حسب ذیل امور سے ممانعت ہے اپنے لئے قیام چاہنا لوگوں کا دست بستہ سامنے کھڑا رہنا اور پیشوا کا درمیان میں بیٹھا رہنا۔ہم نے بھی لکھا ہے کہ اس قسم کے دونوں قیام منع ہیں۔پہلی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

وحاصل آنکہ قیام وترک قیام بحسب زمان واحوال واشخاص مختلف گردد وازیں جا است کہ گاہے نہ کروند۔

خلاصہ یہ ہے کہ قیام تعظیمی کرنا اور نہ کرنا زمانہ اور حالات اور اشخاص کے لحاظ سے مختلف ہوتا ہے اسی طرح صحابہ کرام نے کبھی تو حضور کے لئے قیام کیا اور کبھی نہ کیا معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کبھی تو حضور علیہ السلام کی تشریف آوری پر کھڑے ہو جاتے تھے۔اور کبھی نہیں۔ نہیں کا تو ذکر یہاں کیا اور کھڑے ہونے کی نفی ہے مطلقاً کی۔دوسری اور تیسری حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات میں ہے۔

قیام مکروہ بعینہ نیست بلکہ مکروہ محبت قیام است اگر دے محبت قیام نہ دارد وقیام برائے دے کہ مکروہ نیست قاضی عیاض مالکی گفتہ کہ قیام منہی درحق کسی است کہ نشستہ باشد وایستادہ باشد پیش دے دودقیام تعظیم برائے اہل دنیا بجہت دنیائی ایشاں وعید دارد شدو مکروہ است۔

خود قیام مکروہ نہیں بلکہ قیام چاہنا مکروہ ہے اگر وہ قیام نہ چاہتا ہو تو اس کے لئے مکروہ نہیں ہے۔قاضی عیاض نے فرمایا کہ قیام اس کے لئے منع ہے جو کہ خود تو بیٹھا ہو۔اور لوگ کھڑے ہوں اور دنیاداروں کے لئے قیام تعظیمی میں وعید آئی ہے اور وہ مکروہ ہے۔اسی طرح حاشیہ مشکوۃ کتاب الجہاد۔باب حکم الاسرار زیر حدیث قوموا الی سیدکم میں ہے۔

قال النووی فیہ اکرام اھل الفضل وتلقیھم و القیام الیھم واحتج بہ الجمھور وقال القاضی عیاض لیس ھذا من القیام المنھی عنہ وانما ذلك فیمن یقومون علیہ وھو جالس و یمثلون لہ قیاما ما طول جلوسہ۔

ترجمہ: نووی نے فرمایا کہ اس سے بزرگوں کی تعظیم ان سے ملنا۔ان کے لئے کھڑا ہونا ثابت ہے۔جمہور علماء نے اس سے دلیل پکڑی ہے یہ قیام ممنوع قیاموں میں سے نہیں۔ممانعت جب ہے کہ لوگ اس کے سامنے کھڑے ہوں اور وہ بیٹھا ہو۔اور لوگ اس کے بیٹھے رہنے تک کھڑے رہیں۔

(حاشیہ مشکوۃ المصابیح کتاب الجہاد باب حکم الاسرار ص ۳۴۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ ان دونوں حدیثوں میں خاص خاص قیام سے ممانعت ہے اور محفل میلاد کا قیام ان میں سے نہیں۔نیز اگر تعظیمی قیام منع ہے تو علمائے دیوبند وغیرہ کے آنے پر لوگ سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں۔وہ کیوں جائز ہے؟

......☆......

بحث

فاتحہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کا بیان

اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ

بدنی اور مالی عبادات کا ثواب دوسرے مسلمان کو بخشنا جائز ہے اور پہنچتا ہے جس کا ثبوت قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء سے ہے۔
قرآن کریم نے مسلمانوں کو ایک دوسرے سے دعا کرنے کا حکم دیا۔ نماز جنازہ ادا کی جاتی ہے۔
مشکوۃ باب الفتن باب الملاحم فصل دوم میں ہے کہ ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کسی سے فرمایا کہ **من یضمن لی منکم ان یصلی فی مسجد العشار رکعتین ویقول هذه لابی هریرة**

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۲۴۴ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اس سے تین مسئلے معلوم ہوئے۔ ایک یہ کہ عبادت بدنی یعنی نماز بھی کسی کی ایصال ثواب کی نیت سے ادا کرنا جائز ہے دوسرے یہ کہ زبان سے ایصال ثواب کرنا کہ خدایا اس کا ثواب فلاں کو دے، بہت بہتر ہے تیسرے یہ کہ برکت کی نیت سے بزرگان دین کی مسجدوں میں نماز پڑھنا باعث ثواب ہے۔ رہی عبادت مالی یا مالی وبدنی کا مجموعہ جیسے زکوۃ اور حج اس میں اگر کوئی شخص کسی سے کہدے کہ تم میری طرف سے زکوۃ دے تو دے سکتا ہے۔ اور اگر صاحب مال میں حج کرنے کی قوت نہ رہے تو دوسرے سے حج بدل کرا سکتا ہے۔ لیکن ثواب ہر عبادت کا ضرور پہنچتا ہے اگر میں کسی کو اپنا مال دیدوں تو وہ مالک ہو جاوے گا اسی طرح یہ بھی۔ ہاں فرق یہ ہے کہ مال تو کسی کو دے دیا تو اپنے پاس نہ رہا اور اگر چند کو دیا تو تقسیم ہو کر ملا لیکن ثواب اگر سب کو بخش دیا تو سب کو پورا پورا ملا۔ اور خود بھی محروم نہ رہا۔ جیسے کسی کو قرآن پڑھایا تو سب کو پورا قرآن آگیا اور پڑھانے والے کا جاتا نہ رہا۔
دیکھو شامی جلد اول بحث دفن میت۔ اسی لئے نابالغ بچے سے ہدیہ لینا منع ہے مگر ثواب لینا جائز ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ثواب کسی کو نہیں پہنچتا۔ کیونکہ قرآن کریم میں ہے۔

لها ما کسبت وعلیها ما اکتسبت۔

ترجمہ: ہر نفس کے لئے وہ ہی مفید ومضر ہے جو اس نے خود کرلیا۔

(پارہ ۳ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۸۶)

نیز قرآن میں ہے۔

لیس للانسان الا ما سعی۔

ترجمہ: انسان کے لئے نہیں ہے مگر وہ جو خود کرے۔

(پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت نمبر ۳۹)

جس سے معلوم ہوا کہ غیر کا کام اپنے لئے مفید نہیں لیکن یہ غلط ہے کیونکہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان کے لئے قابل بھروسہ اور اپنی ملکیت اپنے ہی اعمال ہیں۔ نہ معلوم کہ کوئی اور ایصال ثواب کرے یا نہ کرے اس بھروسہ پر اپنے عمل سے غافل نہ رہے۔ (دیکھو تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) یا یہ حکم ابراہیم وموسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں کا تھا نہ کہ اسلام کا۔ یہاں اس کی نقل ہے۔ یا یہ آیت اس آیت سے

منسوخ ہے واتبعتھم ذریتھم بالایمان (پارہ ۲۷ سورہ ۵۲ آیت نمبر ۲۱) یہ ہی عبداللہ ابن عباس کا قول ہے اسی لئے مسلمانوں کے بچے ماں باپ کی طفیل جنت میں جاویں گے۔ بغیر عمل درجات پائینگے۔ دیکھو جمل وخازن یا یہ آیت بدنی اعمال میں نیابت کی نفی کرتی ہے۔ اسی لئے ان میں کسب وسعی کا ذکر ہے۔ نہ کہ ہبہ ثواب کا یا یہ ذکر عدل ہے اور وہ فضل غرضکہ اس کی بہت توجیہات ہیں۔

فاتحہ، تیجہ، دسواں، چالیسواں وغیرہ اسی ایصال ثواب کی شاخیں ہیں۔ فاتحہ میں صرف یہ ہوتا ہے کہ تلاوت قرآن جو کہ بدنی عبادت ہے۔ اور صدقہ یعنی مالی عبادت کا جمع کر کے ثواب پہنچایا جاتا ہے۔

پہلا باب

فاتحہ کے ثبوت میں

تفسیر روح البیان نے پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت وھذا کتاب انزلناہ مبارك (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۵۵) میں ہے۔

وعن حمید الاعرج قال من قرء القران وختمه ثم دعا امن علی دعائه اربعة الاف ملك ثم لایزالون یدعون له ویستغفرون ویصلون علیه الی السماء او الی الصباح۔

ترجمہ: حضرۃ اعرج سے مروی ہے کہ جو شخص قرآن ختم کرے پھر دعا مانگے تو اس کی دعا پر چار ہزار فرشتے آمین کہتے ہیں پھر اس کے لئے دعا کرتے رہتے ہیں اور مغفرت مانگتے رہتے ہیں۔ شام یا صبح تک۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۱۵۶۔۱۵۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

یہ ہی مضمون نووی کتاب الاذکار کتاب تلاوت القرآن میں بھی ہے۔

معلوم ہوا کہ ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے اور ایصال ثواب بھی دعا ہے لہذا اس وقت ختم پڑھنا بہتر ہے۔ اشعۃ اللمعات باب زیارت القبور میں ہے۔ وتصدق کردہ شود از میت بعد رفتن او از عالم تا ہفت روز۔ میت کے مرنے کے بعد سات روز تک صدقہ کیا جاوے۔ اسی اشعۃ اللمعات میں اسی باب میں ہے۔ وبعض روایات آمدہ است کہ روح میت مے آید خانہ خود را شب جمعہ پس نظر می کند کہ تصدق کنند از دے یا نہ۔ جمعہ کی رات کو میت کی روح اپنے گھر آتی ہے اور دیکھتی ہے کہ اس کی طرف سے لوگ صدقہ کرتے ہیں یا نہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ا ص ۷۱۶)

اس سے معلوم ہوا کہ بعض جگہ جو رواج ہے کہ بعد موت سات روز تک برابر روٹیاں خیرات کرتے ہیں اور ہمیشہ جمعرات کو فاتحہ کرتے ہیں۔ اس کی یہ اصل ہے۔ انوار ساطعہ صفحہ ۱۴۵ اور حاشیہ خزانۃ الروایات میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے امیر حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لئے تیسرے اور ساتویں اور چالیسویں دن اور چھٹے ماہ اور سال بھر بعد صدقہ دیا۔ یہ تیجہ ششماہی اور برسی کی اصل ہے۔

نووی نے کتاب الاذکار باب تلاوت القرآن میں فرمایا کہ انس بن مالک ختم قرآن کے وقت اپنے گھر والوں کو جمع کر کے دعا مانگتے۔ حکیم ابن عتبہ فرماتے ہیں کہ ایک مجمع کو مجاہد وعبدہ ابن ابی لبابہ نے بلایا اور فرمایا کہ ہم نے تمہیں اس لئے بلایا ہے کہ آج ہم قرآن پاک ختم کر رہے ہیں۔ اور ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے حضرت مجاہد سے بروایت صحیح منقول ہے کہ بزرگان دین ختم قرآن کے

وقت جمع کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اس وقت رحمت نازل ہوتی ہے☆

(نووی کتاب الاذکار)

لہذا تیجہ و چہلم کا اجتماع سنت سلف ہے۔ درمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن میں ہے **فی الحدیث من قرء الاخلاص احد عشر مرۃ ثم وھب اجرھا للاموات اعطی من الاجر بعدد الاموات** حدیث میں ہے کہ جو شخص گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے پھر اس کا ثواب مردوں کو بخشے تو اس کو تمام مردوں کے برابر ثواب ملے گا۔

(ردالمحتار علی درالمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن ج ۱ ص ۶۶۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی جگہ ہے۔ **ویقرء من القرآن ما تیسر لہ من الفاتحہ و اول۔**

ویقرء من القران ما تیسر لہ من الفاتحۃ و اول البقرۃ وایۃ الکرسی وامن الرسول وسورۃ یس وتبارك الملك وسورۃ التکاثر والاخلاص اثنی عشر مرۃ او احدی عشر او سبعا او ثلاثا ثم یقول اللھم او صل ثواب ما قرء نا الی فلان او الیھم۔

ترجمہ: جو ممکن ہو قرآن پڑھے سورہ فاتحہ بقر کی اول آیات اور آیۃ الکرسی اور امن الرسول اور سورہ یس اور ملک اور سورہ تکاثر اور سورہ اخلاص بارہ گیارہ یا سات یا تین دفعہ پھر کہے کہ یا اللہ جو کچھ میں نے پڑھا اس کا ثواب فلاں کو یا فلاں لوگوں کو پہنچا دے۔

(ردالمحتار علی درالمختار بحث قرأت للمیت باب الدفن ج ۱ ص ۶۶۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حاشیہ......☆

امام سعید بن منصور متوفی ۲۲۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا سعید قال نا جعفر بن سلیمان الضبعی عن ثابت البنان عن انس انہ کان اذا ختم القرآن جمع اھلہ فدعا۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم ختم کرتے اپنی اولاد کو جمع کرتے پھر دعا کرتے۔

(سنن سعید بن منصور فضائل القرآن ج ۱ ص ۱۴۰ رقم الحدیث ۲۷ مطبوعہ دار العصیمی الریاض)

امام عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی متوفی ۲۵۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عفان ثنا جعفر بن سلیمان حدثنا ثابت قال ثم کان انس اذا ختم القرآن جمع ولدہ واھل بیتہ فدعا لھم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم ختم کرتے اپنی اولاد اور اہل بیت کو جمع کرتے پھر ان کے لیئے دعا فرماتے۔

(سنن الدارمی ومن کتاب فضائل القرآن ج ۲ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۳۴۷۴ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن علی بن شعیب السمسار ثنا خالد بن خداش ثنا جعفر بن سلیمان عن ثابت ثم ان انس بن مالك كان اذا ختم القرآن جمع اھلہ وولدہ فدعا لھم۔

ترجمہ: حضرت بن مالک رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم ختم کرتے اپنے اہل وعیال کو جمع کرتے پھر ان کے لیے دعا فرماتے۔

(المعجم الکبیر للطبرانی ج ۱ ص ۲۴۲ رقم الحدیث ۶۷۴ مطبوعہ مکتبہ العلوم والحکم الموصل)

امام ابی الفرج عبدالرحمٰن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں۔

کان انس بن مالك اذا ختم القرآن جمع ولدہ واھل بیتہ فدعا لھم۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ جب قرآن کریم ختم کرتے اپنی اولاد اور اہل بیت کو جمع کرتے پھر ان کے لیئے دعا فرماتے۔

(صفوۃ الصفوۃ ج ۱ ص ۷۱۳ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

ان عبارات میں فاتحہ مروجہ کا پورا طریقہ بتایا گیا۔ یعنی مختلف جگہ سے قرآن پڑھنا۔ پھر ایصال ثواب کی دعا کرنا اور دعا میں ہاتھ اٹھانا سنت لہذا ہاتھ اٹھادے۔ غرضیکہ فاتحہ مروجہ پوری پوری ثابت ہوئی۔ فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۷۵ میں ہے

طعامیکہ ثواب آن نیاز حضرت امامین نمایند بر آں قل و فاتحہ و درود خواندن متبرك می شود و خوردن بسیار خوب است۔

جس کھانے پر حضرات حسنین کی نیاز کریں اس پر قل اور فاتحہ اور درود پڑھنا باعث برکت ہے اور اس کا کھانا بہت اچھا ہے اسی فتاویٰ عزیزیہ صفحہ ۴۱ میں ہے۔

اگر مالیدہ و شیر برائے فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پختہ بخوارند جائز است مضائقہ نیست۔

اگر دودھ مالیدہ کسی بزرگ کی فاتحہ کے لئے ایصال ثواب کی نیت سے پکا کر کھلادے تو جائز ہے کوئی مضائقہ نہیں۔

(فتاویٰ عزیزی ج ا ص ۷۱ مطبوعہ کوئٹہ)

مخالفین کے پیشوا ولی اللہ صاحب کا بھی تیجہ ہوا۔ چنانچہ اس کا تذکرہ عبدالعزیز صاحب نے اپنے ملفوظات صفحہ ۸۰ میں اس طرح فرمایا۔

روز سوم کثرت هجوم مردم آں قدر بود که بیروں از حساب است هشتادویك کلام اللہ به شمار آمده وزیاده هم شده باشد و کلمه را حصر نیست۔

تیسرے دن لوگوں کا اس قدر ہجوم تھا۔ کہ شمار سے باہر ہے اکیاسی ختم کلام اللہ شمار میں آئے اور زیادہ بھی ہوئے ہوں گے کلمہ طیبہ کا تو اندازہ نہیں۔

اس سے تیجہ کا ہونا اور اس میں ختم کلام اللہ کرانا ثابت ہوا۔ مولوی قاسم محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیوبند تحذیر الناس صفحہ ۲۴ پر فرماتے ہیں جنید کے کسی مرید کا رنگ یکا یک متغیر ہوگیا۔ آپ نے سبب پوچھا تو بروے مکاشفہ اس نے یہ کہا کہ اپنی ماں کو دوزخ میں دیکھتا ہوں حضرت جنید نے ایک لاکھ پانچ ہزار بار کلمہ پڑھا تھا یوں سمجھ کر بعض روایات میں اس قدر کلمہ کے ثواب پر وعدہ مغفرت ہے آپ نے جی ہی جی میں اس مرید کی ماں کو بخش دیا اور اس کی اطلاع نہ دی۔ بخشتے ہی کیا دیکھتے ہیں کہ وہ جوان ہشاش بشاش ہے۔ آپ نے سبب پوچھا۔ اس نے عرض کیا کہ اپنی ماں کو جنت میں دیکھتا ہوں۔ آپ نے اس پر یہ فرمایا کہ اس جوان کے مکاشفہ کی صحت تو مجھ کو حدیث سے معلوم ہوئی۔ اور حدیث کی تصحیح اس کے مکاشفہ سے ہوگئی۔ اس عبارت سے معلوم ہوا کہ کلمہ طیبہ ایک لاکھ پانچ ہزار بخشنے سے مردے کی بخشش کی امید ہے اور تیجہ میں چنوں پر یہ ہی پڑھا جاتا ہے۔

ان تمام عبارات سے فاتحہ اور تیجہ وغیرہ کے تمام مراسم کا جواز معلوم ہوا۔ فاتحہ میں پنج آیت پڑھنا پھر ایصال ثواب کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ تیجہ کے دن قرآن خوانی، کلمہ شریف کا ختم کھانا پکا کر نیاز کرنا سب معلوم ہوگیا صرف ایک بات باقی ہے کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا۔ اس کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاوار میں تو اولاً کھانا فقراء کو کھلا دیتے ہیں۔ پھر بعد میں ایصال ثواب کرتے ہیں اور یوپی و پنجاب اور عرب شریف میں کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب کراتے ہیں۔ پھر کھلاتے ہیں۔ دونوں طرح جائز ہے اور احادیث سے ثابت ہے۔ مشکوۃ میں بھی بہت سی روایات موجود ہیں کہ حضور علیہ السلام نے کھانا ملاحظہ فرما کر صاحب طعام کے لئے د۔

فرمائی۔ بلکہ حکم دیا کہ دعوت کھا کر میزبان کو دعا دو اسی طرح مشکوۃ باب آداب طعام میں ہے کہ حضور علیہ السلام جب کھانے سے فارغ ہوتے تو فرماتے۔ **الحمدللہ حمداً کثیراً طیباً مبارکاً فیه غیر مکفی ولا مودع ولا مستغناً عنه ربنا۔**

(مشکوۃ المصابیح کتاب الاطعمۃ الفصل الاول ص ۳۶۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (صحیح البخاری کتاب الاطعمۃ باب مایقول اذا فرغ من طعامہ ج ۲ ص ۸۲۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد دو چیزیں مسنون ہیں۔ حمد الٰہی کرنا اور صاحب طعام کے لئے دعا کرنا اور فاتحہ میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں۔ اور غالباً اس قدر کا انکار مخالفین بھی نہیں کرتے ہوں گے۔ رہا کھانا سامنے رکھ کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا۔ اس کی بہت سی احادیث آئی ہیں۔ مشکوۃ باب المعجزات فصل دوم میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں کچھ خرمے حضور علیہ السلام کی خدمت میں لایا اور عرض کیا کہ اس کے لئے دعائے برکت فرمادیں۔

فضمهن ثم دعا لی فیهن بالبرکة۔

ترجمہ: آپ نے ان کو ملایا اور دعائے برکت کی۔

(مشکوۃ المصابیح باب المعجزات الفصل الثانی ص ۵۴۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ باب المعجزات فصل اول ص ۵۳۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی میں ہے کہ غزوہ تبوک میں لشکر اسلام میں کھانے کی کمی ہوگئی حضور علیہ السلام نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ جو کچھ جس کے پاس ہو لاؤ۔ سب حضرات کچھ نہ کچھ لائے دسترخوان بچھایا گیا اس پر یہ سب دکھا گیا۔ **فدعاء رسول اللہ ﷺ علیه بالبرکته ثم قال خذوا فی اوعیتکم** پس اس پر دعا زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے نکاح کیا۔ حضرت ام سلیم نے کچھ کھانا بطور ولیمہ پکایا۔ لیکن بہت لوگوں کو بلایا گیا۔ **فرءیت النبی ﷺ وضع یده علی تلك الحیسة وتکلم بماشآء اللہ** اس کھانے پر دست مبارک رکھ کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کچھ پڑھا۔

(مشکوۃ باب المعجزات الفصل الثانی ص ۵۳۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی مشکوۃ اسی باب میں ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غزوہ خندق کے دن کچھ تھوڑا کھانا پکا کر حضور علیہ السلام کی دعوت کی۔ حضور علیہ السلام ان کے مکان میں تشریف لائے **فاخرجت له عجیناً فبصق فیه و بارك** آپ کے سامنے گندھا ہوا آٹا پیش کیا گیا۔ تو اس میں لعاب شریف ڈالا اور دعائے برکت کی۔ اس قسم کی بہت سے روایات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اتنے پر کفایت کرتا ہوں۔

(مشکوۃ باب المعجزات فصل اول ص ۵۳۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اب فاتحہ کے تمام اجزاء بخوبی ثابت ہوگئے۔ والحمدللہ۔ عقلاً بھی فاتحہ میں کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ جیسا پہلے مقدمہ میں عرض کیا جاچکا کہ فاتحہ دو عبارتوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ تلاوت قرآن اور صدقہ اور جب یہ دونوں کام علیحدہ علیحدہ جائز ہیں تو ان کو جمع کرنا کیوں حرام ہوگا۔ بریانی کھانا کہیں بھی ثابت نہیں مگر حلال ہے۔ کیوں اس لئے کہ بریانی چاول، گوشت، گھی وغیرہ کا مجموعہ ہے اور جب اس کے سارے اجزا حلال تو بریانی بھی حلال۔ ہاں جہاں چند حلال چیزوں کا جمع کرنا حرام ہو جیسے کہ دو ہمشیرہ ایک نکاح میں یا چند حلال چیزوں کے ملنے سے کوئی حرام چیز بن جائے۔ مثلاً مجموعہ میں نشہ پیدا ہو گیا۔ تو یہ مجموعہ اس عارضہ کی وجہ سے حرام ہوگا۔ یہاں قرآن کی تلاوت اور صدقہ جمع کرنا شریعت نے حرام نہ کیا اور ان کے اجتماع سے کوئی حرام چیز پیدا نہ ہوئی۔ پھر یہ کام حرام کیوں ہوگا۔ دیکھو بکری مرری ہے۔ اگر ویسے ہی مرجائے تو مردار ہے جہاں اللہ کا نام لے کر ذبح کیا حلال ہوگئی۔ قرآن کریم تو مسلمانوں کے لئے رحمت اور شفاء ہے۔ **شفاء ورحمة للمومنین** (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۸۲) پھر اگر اس کی تلاوت کردینے سے کھانا حرام ہوجاوے تو قرآن رحمت کہاں

رہا۔ زحمت ہوا۔ مگر ہاں مومنین کے لئے رحمت ہے کفار کے لئے زحمت۔ ولا یزید الظلمین الا خسارا (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۸۲) اس سے ظالم تو نقصان میں رہتے ہیں کہ اس کے پڑھے جانے سے کھانے سے محروم ہو گئے۔ نیز جس کے لئے دعا کرنا ہو اس کے سامنے رکھ کر دعا کرنا چاہیئے جنازے میں میت کو سامنے رکھ کر نماز جنازہ پڑھتے ہیں۔ کیونکہ اسی کے لئے دعا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر دعا پڑھتے ہیں۔ حضور علیہ السلام نے اپنی امت کی طرف سے قربانی فرما کر مذبوحہ جانور سامنے رکھ کر پڑھا۔

اللھم ھذا من امہ محمد۔

ترجمہ: اے اللہ یہ قربانی میری امت کی طرف سے ہے۔

(سنن ابوداؤد ج ۲ ص ۳۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حضرت خلیل نے کعبہ کی عمارت سامنے لے کر دعا کی ربنا تقبل منا (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۲۷) الایۃ اب بھی عقیقہ کا جانور سامنے رکھ کر ہی دعا پڑھی جاتی ہے۔ لہذا اگر فاتحہ میں بھی کھانا سامنے رکھ کر ایصال ثواب ہو تو کیا حرج ہے۔

بسم اللہ سے کھانا شروع کرتے ہیں۔ اور بسم اللہ قرآن شریف کی آیت ہے۔ اگر کھانا سامنے رکھ کر قرآن پڑھنا منع ہو تو بسم اللہ پڑھنا بھی منع ہونا چاہیئے۔

مانعین کے پیشوا بھی فاتحہ مروجہ کو جائز سمجھتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب اپنی کتاب الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ص ۱۱۴ میں فرماتے ہیں پس دہ ۱۰ مرتبہ درود خوانند ختم تمام کنند و برقدرے شیرینی فاتحہ بنام خواجگان چشت عموماً بخوانند حاجت از خدا سوال نمایند۔ پھر دس بار درود پڑھیں اور پورا ختم کریں اور تھوڑی شیرینی پر تمام خواجگان چشت کی فاتحہ دیں پھر خدا سے دعا کریں۔ شاہ ولی اللہ صاحب زبدۃ النصائح صفحہ ۱۳۲ پر ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں۔ وشیر برنج بر فاتحہ بزرگے بقصد ایصال ثواب بروح ایشاں پزند و بخورند مضائقہ نیست و اگر فاتحہ بنام بزرگے دادہ شود اغنیا را ہم خوردن جائز است۔ دودھ چاول پر کسی بزرگ کی فاتحہ دی ان کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت سے پکائیں اور کھائیں اور اگر کسی بزرگ کی فاتحہ دی جاوے تو مالداروں کو بھی کھانا جائز ہے۔ مولانا اشرف علی و رشید احمد صاحبان کے مرشد حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں فرماتے ہیں۔ نفس ایصال ثواب ارواح اموات میں کسی کو کلام نہیں۔ اس میں بھی تخصیص و تعیین کو موقوف علیہ ثواب کا سمجھے یا واجب وفرض اعتقاد کرے تو ممنوع ہے اور اگر یہ اعتقاد نہیں بلکہ کوئی مصلحت باعث تقلید ہیئت کذائیہ ہے تو کچھ حرج نہیں جیسا کہ بمصلحت نماز میں سورہ خاص معین کرنے کو فقہاء محققین نے جائز رکھا ہے۔ جو تہجد میں اکثر مشائخ کا معمول ہے۔ پھر فرماتے ہیں جیسے کہ نماز میں نیت ہر چند دل سے کافی ہے۔ مگر موافقت قلب وزبان کے لئے عوام کو زبان سے کہنا بھی مستحسن ہے اگر یہاں بھی زبان سے کہہ لیا جاوے کہ یا اللہ اس کھانے کا ثواب فلاں شخص کو پہنچ جاوے تو بہتر ہے پھر کسی کو خیال ہوا کہ لفظ اس کا مشار الیہ اگر روبرو موجود تو زیادہ استحضار قلب ہو کھانا روبرو لانے لگے۔ کسی کو یہ خیال ہوا کہ یہ ایک دعا ہے اس کے ساتھ اگر کچھ کلام الہی بھی پڑھا جاوے تو قبولیت دعا کی بھی امید ہے اور اس کلام کا ثواب بھی پہنچ جاوے گا۔ تو جمع بین العبادتین ہے پھر فرماتے ہیں۔ اور گیارہویں حضرت غوث پاک کی، دسویں بیسواں، چہلم، ششماہی سالیانہ وغیرہ اور توشہ حضرت شیخ عبدالحق اور برصینی حضرت شاہ بوعلی قلندر اور حلوا شب برات و دیگر طریق ایصال ثواب کے اسی قاعدے پر مبنی ہیں۔ پیر صاحب کے اس کلام نے بالکل فیصلہ فرما دیا۔ الحمد للہ کہ مسئلہ فاتحہ دلائل عقلیہ نقلیہ اور اقوال مخالفین سے بخوبی واضح ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ قبول کی توفیق دے۔ آمین۔

دوسرا باب

فاتحہ پر اعتراض و جوابات میں

اس مسئلہ فاتحہ پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات مشہور ہیں۔

اعتراض (۱)........ بہت سے فقہاء نے تیسرے اور ساتویں روز میت کے لئے کھانا پکانا منع کیا ہے۔ (دیکھو شامی عالمگیری) بلکہ بزازیہ نے تو لکھا ہے۔ وبعد الاسبوع یعنی ہفتہ کے بعد بھی پکانا منع ہے اس میں برسی ششماہی چہلم سب شامل ہیں۔ نیز قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد مردن من رسوم دنیاوی دہم وبستم وچہلم وششماہی وبرسینی ہیچ نہ کنند کہ رسول اللہ ﷺ زیادہ از سہ روز ماتم کردن جائز نہ داشتہ۔ نیز حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

جواب:۔ فقہاء نے میت کے ایصال ثواب سے منع نہ کیا بلکہ حکم دیا جیسا کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں۔ جس کو فقہاء منع کرتے ہیں وہ چیز ہی اور ہے وہ ہے میت کے نام پر برادری کی روٹی لینا۔ یعنی قوم کے طعنہ سے بچنے کے لئے جو میت کے تیجے، دسویں وغیرہ میں برادری کی دعوت عام کی جاتی ہے وہ ناجائز ہے اس لئے کہ یہ نام ونمود کے لئے ہے اور موت نام ونمود کا وقت نہیں ہے اگر فقراء کو بغرض ایصال ثواب فاتحہ کرکے کھانا کھلایا تو سب کے نزدیک جائز ہے۔ شامی جلد اول کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

ویکرہ اتخاذ الضیافة من اھل المیت لانہ شرع فی السرور لا فی السرور۔

ترجمہ: یعنی میت والوں سے دعوت لینا مکروہ ہے کیونکہ یہ تو خوشی کے موقعہ پر ہوتی ہے نہ غم پر۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز باب الدفن ج ۱ص ۶۶۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

دعوت لینے کے وہی معنی کہ برادری مجبور کرے کہ روٹی کر۔ پھر فرماتے ہیں۔

وھذہ الافعال کلھا للسمعة والریاء فیحترز عنھا لانھم لایریدون بھا وجہ اللہ۔

ترجمہ: یہ سارے کام محض دکھاوے کے ہوتے ہیں لہذا ان سے بچے کیونکہ اس سے اللہ کی رضا نہیں چاہتے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز باب الدفن ج ۱ص ۶۶۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صاف معلوم ہوا کہ فخریہ طور پر برادری کی دعوت منع ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

وان اتخذ طعاما للفقراء کان حسنا۔

ترجمہ: اگر اہل میت نے فقراء کے لئے کھانا پکایا تو اچھا ہے۔ یہ فاتحہ کا جواز ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز باب الدفن ج ۱ص ۶۶۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

قاضی ثناء اللہ پانی پتی کا اپنے تیجہ دسویں سے منع فرمایا بالکل درست ہے۔ وہ فرماتے ہیں۔ رسوم دنیا کیا ہے عورتوں کا تیجہ وغیرہ کو جمع ہوکر رونا پیٹنا نوحہ کرنا وہ واقعی حرام ہے۔ اسی لئے فرماتے ہیں کہ تین دن سے زیادہ تعزیت جائز نہیں۔ اس جگہ ایصال ثواب اور فاتحہ کا ذکر نہیں۔ جس کا مقصد یہ ہوا کہ تیجہ وغیرہ میں ماتم نہ کریں۔ تمہارا یہ کہنا کہ میت کا کھانا دل کو مردہ کرتا ہے ہم نے یہ حدیث کہیں نہ دیکھی۔ اگر یہ حدیث ہو تو ان احادیث کا یہ مطلب ہوگا جن میں مردوں کی طرف سے خیرات کرنے کی رغبت دی گئی ہے۔ نیز تم بھی کہتے ہو کہ بغیر تاریخ مقرر کئے ہوئے مردے کے نام پر خیرات جائز ہے۔ اس خیرات کو کون کھائے گا؟ جو آدمی کھالے اس کا دل مردہ ہو جائے گا تو کیا اس کو ملائکہ کھائیں گے۔

مسئلہ:۔ میت کے فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس پر مستقل رسالہ لکھا جلی الصوت النهی الدعوات عن الموت۔ بلکہ دیکھنے والے تو کہتے ہیں۔ کہ خود اعلیٰ حضرت قدس سرہ کسی اہل میت کے ہاں تعزیت کے لئے تشریف لے جاتے تو وہاں پان حقہ وغیرہ بھی نہ استعمال فرماتے تھے۔ اور خود وصایا شریف میں وصیت موجود ہے کہ ہماری فاتحہ کا کھانا صرف فقراء کو کھلایا جاوے۔ نیز اگر میت کی فاتحہ میت کے ترکہ سے کی ہے تو خیال رہے کہ غائب وارث یا نابالغ کے حصہ سے فاتحہ نہ کی جاوے یعنی اولاً مال میت تقسیم ہو جاوے پھر کوئی بالغ وارث اپنے حصہ سے یہ امور خیر کرے۔ ورنہ یہ کھانا کسی کو بھی جائز نہ ہوگا کہ بغیر مالک کی اجازت یا بچہ کا مال کھانا جائز نہیں۔ یہ ضرور خیال رہے۔

اعتراض (۲)......۔ فاتحہ کے لئے تاریخ مقرر کرنا ناجائز ہے۔ گیارھویں تاریخ یا تیسرا، دسواں، بیسواں، چہلم اور برسی وغیرہ یہ دن کی تعیین محض لغو ہے۔ قرآن فرماتا ہے۔ وهم عن اللغو معرضون (پارہ ۱۸ سورہ ۲۳ آیت نمبر ۳) مسلمان لغو کاموں سے بچتے ہیں بلکہ جس قدر جلد ممکن ہو ایصال ثواب کرو۔ تیسرے دن کا انتظار کیسا؟ نیز تیجہ کے لیے چنے مقرر کرنا وہ بھی بھنے ہوئے یہ محض لغو اور بیہودہ ہے اس لئے تیجہ وغیرہ کرنا منع ہے۔

جواب:۔ مقرر کرنے کا جواب تو ہم قیام میلاد کی بحث میں دے چکے ہیں۔ کسی جائز کام کے لئے دن تاریخ مقرر کرنے کا محض یہ مقصد ہوتا ہے کہ مقرر دن پر سب لوگ جمع ہو جائیں گے اور مل کر یہ کام کریں گے۔ اگر کوئی وقت مقرر ہی نہ ہو تو بخوبی یہ کام نہیں ہوتے۔ اسی لئے حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے وعظ کے لئے جمعرات کا دن مقرر فرمایا تھا۔ لوگوں نے عرض کیا کہ روزانہ وعظ فرمایا کیجئے۔ فرمایا تم کو تنگی میں ڈالنا مجھ کو پسند نہیں۔ (دیکھو مشکوۃ کتاب العلم)

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری نے تو باری مقرر کرنے کا باب باندھا۔ یہ محض آسانی کے لئے ہوتا ہے آج بھی مدارس کے امتحان جلسے، تعطیلات کے مہینہ اور تاریخیں مقرر ہوتی ہیں کہ لوگ ہر سال بغیر بلائے ان تاریخوں پر پہنچ جاویں۔ صرف یہ ہی مقصد ان کا بھی ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ یہ ہی تاریخیں مقرر کیوں کیں۔ تو سنئے! گیارھویں کے مقرر ہونے کی وجہ یہ ہوئی کہ سلاطین اسلامیہ کے تمام محکموں میں چاند کی دسویں تاریخ کو تنخواہ تقسیم ہوتی تھی اور ملازمین کا خیال ہی تھا کہ ہماری تنخواہ کا پہلا پیسہ حضور غوث پاک کی فاتحہ پر خرچ ہو۔ لہذا چودہ شام کو دفتر سے گھر آتے تو کچھ شیرینی لیتے آتے بعد مغرب فاتحہ دیتے یہ شب گیارھویں شریف ہوتی تھی۔ یہ رواج ایسا پڑا کہ مسلمانوں میں اس فاتحہ کا نام گیارھویں شریف ہو گیا۔ اب جس تاریخ کو بھی حضور غوث پاک کی فاتحہ کریں یا کچھ پیسہ ان کے نام پر خرچ کریں۔ اس کا نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔ یو۔ پی اور کاٹھیاواڑ میں ماہ ربیع الآخر میں سارے ماہ فاتحہ ہوتی ہے مگر نام گیارھویں ہی ہوتا ہے۔

نیز بزرگوں کے بڑے بڑے واقعات دسویں تاریخ کو ہوئے جس کے بعد گیارھویں رات آتی ہے۔ آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا ان کی توبہ قبول ہونا۔ نوح علیہ السلام کی کشتی کا پار لگنا اسمٰعیل علیہ السلام کا ذبح سے نجات پانا۔ یونس علیہ السلام کا مچھلی کے پیٹ سے باہر آنا۔ یعقوب علیہ السلام کا فرزند سے ملنا۔ موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے نجات پانا۔ ایوب علیہ السلام کا شفا پانا۔ امام حسین کا شہید ہونا اور سید الشہداء کا درجہ پانا سب دسویں تاریخ کو واقع ہوئے۔ اس کے بعد جو پہلی رات آئی۔ وہ گیارھویں تھی۔ لہذا یہ رات متبرک ہے۔ اسی لئے گیارھویں کی فاتحہ اکثر شب گیارھویں میں ہوتی ہے کیونکہ متبرک راتوں میں صدقہ خیرات وغیرہ کرنا چاہیئے۔

اور یہ بات تجربہ سے ثابت ہے بلکہ خود امیر بھی تجربہ ہے کہ اگر گیارھویں تاریخ کو کچھ مقرر پیسوں پر فاتحہ پابندی کی جاوے

تو گھر میں بہت برکت رہتی ہے۔ میں بحمدہ تعالیٰ اس کا بہت سختی سے پابند ہوں اور اس کی بہت برکت دیکھتا ہوں۔ کتاب یازدہ مجلس میں لکھا ہے کہ حضور غوث پاک رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی بارہویں یعنی بارہ تاریخ کے میلاد کے بہت پابند تھے۔ ایک بار خواب میں سرکار نے فرمایا کہ عبدالقادر تم نے بارہویں سے ہم کو یاد کیا۔ ہم تم کو گیارہویں دیتے ہیں۔ یعنی لوگ گیارہویں سے تم کو یاد کیا کریں گے۔ اسی لئے ربیع الاول میں عموماً میلاد مصطفیٰ علیہ السلام کی محفل ہوتی ہے۔ تو ربیع الثانی میں حضور غوث پاک کی گیارہویں چونکہ یہ سرکاری عطیہ تھا۔ اس لئے تمام دنیا میں پھیل گیا۔ لوگ تو شرک و بدعت کہہ کر گھٹانے کی کوشش کرتے رہے مگر اس کی ترقی ہوتی گئی۔

جب بڑھائے تجھے اللہ تعالیٰ تیرا   تو گھٹائے سے کسی کے نہ گھٹا ہے نہ گھٹے

تیجہ کے لئے تیسرا دن مقرر کرنے میں بھی مصلحت ہے۔ پہلے دن تو لوگ میت کی تجہیز و تکفین میں مشغول رہتے ہیں دوسرے دن آرام کرنے کے لئے خالی پر چھوڑا گیا۔ تیسرے دن عام طور پر جمع ہو کر فاتحہ قل وغیرہ پڑھتے ہیں۔ یہ تیسرا دن تعزیت کا آخری دن ہے کہ اس کے بعد تعزیت کرنا منع ہے الاللغائب عالمگیری کتاب الجنائز باب الدفن میں ہے۔

ووقتها من حين يموت الى ثلثة ايام ويكره بعدها الا ان يكون المعزی او المعزے اليه غائباً۔

ترجمہ: اور ماتم پرسی کا وقت مرنے کے وقت سے تین دن تک ہے اس کے بعد مکروہ ہے۔ مگر یہ کہ تعزیت دینے والا یا لینے والا غائب ہو۔

آج تک تو لوگ تعزیت کے لئے آتے رہے۔ اب نہ آئیں گے تو کچھ ایصال ثواب کر کے جاویں۔ نیز باہر کے پردیسی خویش واقربا بھی اس فاتحہ میں شرکت کر لیتے ہیں کہ تین دن میں مسافر بھی اپنے گھر پہنچ سکتا ہے۔

چہلم برسی وغیرہ کی وجہ یہ ہے کہ مسلمانوں کا منشاء ہے کہ سال بھر تک میت کو وقتاً فوقتاً ثواب پہنچاتے رہیں۔ کیونکہ بعد مرنے کے اول اول مردے کا دل اپنے دوست اور احباب سے لگا رہتا ہے پھر آہستہ آہستہ بالکل ادھر سے بے تعلق ہو جاتا ہے۔ لڑکی کا نکاح کر کے سسرال بھیجتے ہیں۔ تو اولاً جلد از جلد اس کو بلانا چلانا ہدیہ وغیرہ بھیجنا جاری رہتا ہے۔ پھر جس قدر زیادہ مدت گزری یہ کام بھی کم ہوتے گئے۔ کیونکہ شروع میں وہاں دلجمعی اس کو حاصل نہیں ہوتی۔ اس کی اصل حدیث سے بھی ملتی ہے بعد دفن کچھ دیر قبر پر کھڑا ہو کر ایصال ثواب اور تلقین سے میت کی مدد کرنی چاہیے۔

حضرت عمرو ابن عاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے وصیت فرمائی تھی کہ بعد دفن تھوڑی دیر میری قبر پر کھڑا رہنا تا کہ تمہاری وجہ سے میرا دل لگ جاوے اور نکیرین کو جواب دے لوں چنانچہ مشکوٰۃ باب الدفن میں ان کے یہ الفاظ منقول ہیں۔

ثم اقيموا احول قبری قدر ما ينحر جزورويقسم لحمها حتی استانس بكم واعلم ماذا اراجع رسل ربی۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الدفن المیت الفصل الثالث ص ۱۴۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی لئے جلد از جلد اس کو ایصال ثواب کیا جاتا ہے۔ شاہ عبدالعزیز صاحب تفسیر عزیزی پارہ عم والقمر اذا تسق کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

اول حالتے کہ بجرجدا شدن روح ازبدن خواهد شد فی الجمله اثر حیات سابقه والفت تعلق بدن ودیگر معروفاں ازبناء جنس خود باقی است واں وقت گویا برزخ است که چیزے ازاں طرف وچیزے ازیں طرف مدد زندگاں بمردگان دریں حالت زود ترمی رسد

ومردگان منتظر لحوق مدد ازیں طرف مے باشند صدقات وادعیہ و فاتحہ دریں وقت بسیار بکار ادمی آید وازیں است کہ طوائف بنی آدم تایك سال وعلی الخصوص یك چلہ بعد موت دریں نوع امداد کوشش تمام می نمایند۔

(تفسیر فتح العزیز فارسی ج ۳ پارہ عم ص ۱۱۲۔۱۱۳ مطبوعہ کابل افغانستان)

مردے کی پہلی حالت جو کہ فقط جسم سے روح نکلنے کا وقت ہے اس میں کچھ نہ کچھ پہلی زندگی کا اثر اور بدن اور اہل قرابت سے تعلق باقی ہوتا ہے۔ یہ وقت گویا برزخ ہے کچھ ادھر ادھر تعلق اور کچھ اس طرف اس حالت میں زندوں کی مدد مردوں کو بہت جلد پہنچتی ہے اور مردے اس مدد پہنچنے کے منتظر ہوتے ہیں اس زمانہ میں صدقہ دعائیں فاتحہ اس کے بہت ہی کام آتی ہیں۔ اس وجہ سے تمام لوگ ایک سال تک خاص کر موت کے بعد چالیس روز تک اس قسم کی مدد پہنچانے میں بہت کوشش کرتے ہیں۔ یہ ہی حال زندوں کا بھی ہوتا ہے کہ اول اول بہت غم پھر جس قدر وقت گزرتا گیا رنج کم ہوتا گیا۔ تو منشاء یہ ہوتا ہے کہ سال بھر تک ہر آدھے پر صدقہ کریں سال پر برسی اس کے نصف پر ششماہی اس کے نصف پر سہ ماہی کی فاتحہ اس کے بعد نصف یعنی ۴۵ دن فاتحہ ہونی چاہیے تھی۔ مگر چونکہ چالیس کا عدد روحانی اور جسمانی ترقی کا ہے اس لئے چہلم مقرر کیا گیا۔ پھر اس کا آدھا بیسواں پھر اس کا آدھا دسواں۔

چالیس میں کیا ترقی ہے ملاحظہ ہو۔ حضرت آدم علیہ السلام کا خمیر چالیس سال تک ایک حالت میں رہا۔ پھر چالیس سال میں وہ خشک ہوا۔ ماں کے پیٹ میں بچہ چالیس روز تک نطفہ پھر چالیس روز تک جما ہوا خون، پھر چالیس روز تک گوشت کا لوتھڑا رہتا ہے۔

(دیکھو مشکوۃ باب الایمان بالقدر ص ۲۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

پیدا ہونے کے بعد چالیس روز تک ماں کو نفاس آ سکتا ہے۔ پھر چالیس سال کی عمر میں پہنچ کر عقل پختہ ہوتی ہے۔ اسی لئے اکثر انبیائے کرام کو چالیس سال کی عمر میں تبلیغ نبوت دی گئی۔ صوفیائے کرام وظیفوں کے لئے چلے یعنی چالیس روز مشقیں کرتے ہیں تو ان کو روحانی ترقی ہوتی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کو بھی حکم ہوا کہ کوہ طور پر آ کر چالیس روز اعتکاف کرو سب تورات دی گئی۔ **واذ وعدنا موسی اربعین لیلۃ** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۵۱)

انوار ساطعہ نے بیہقی کی روایت سیدنا انس سے بیان کی۔ بحث چہلم کہ **ان الانبیآء لایتر کون فی قبورھم اربعین لیلۃ ولکن ھم یصلون بین یدی اللہ حتی ینفخ فی الصور۔**

(حیاۃ الانبیاء فی قبورھم ص ۳ رقم الحدیث ۴ مطبوعہ مکتبۃ الایمان جامعۃ الازہر مصر)، (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۲۲۲ رقم الحدیث ۸۵۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح الباری ج ۶ ص ۴۸۷ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (کنز العمال ج ۱۱ ص ۴۷۳۔۴۷۴ مطبوعہ بیروت)

اس حدیث کے معنی زرقانی شرح مواہب نے یوں بیان کئے کہ انبیاء کرام کی روح کا تعلق اس جسم مدفون سے چالیس روز تک بہت زیادہ رہتا ہے۔ بعد ازاں وہ روح قرب الٰہی میں عبادت کرتی ہے اور جسم کی شکل میں ہو کر جہاں چاہتی ہے جاتی ہے عوام میں تو یہ بھی مشہور ہے کہ چالیس دن تک میت کی روح کو گھر سے علاقہ رہتا ہے۔ ممکن ہے اس کی اصل کچھ ہو۔

(زرقانی علی المواہب ج ۵ ص ۳۳۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ چالیس کے عدد میں تغیر و تبدل ہے لہذا مناسب ہوا کہ چالیس دن پر فاتحہ کی جاوے اور اس کی ممانعت ہے نہیں۔

تیجہ کے متعلق مختلف رواج ہیں۔ کاٹھیاواڑ میں علی العموم تیسرے دن صرف قرآن پاک ہی پڑھتے ہیں۔ پنجاب میں عام طور پر تیسرے دن دودھ اور کچھ پھل پر فاتحہ کرتے ہیں۔ یوپی میں تیسرے دن قرآن خوانی بھی کرتے ہیں اور بھنے ہوئے چنوں پر کلمہ طیبہ پڑھ کر ایصال ثواب کرتے ہیں۔ ہم پہلے باب میں مولوی قاسم صاحب کے حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ میت کو ایک لاکھ کلمہ طیبہ پڑھوانے کے لئے ساڑھے بارہ سیر چنے منتخب کئے گئے ہیں کیونکہ اتنے چنے ایک لاکھ ہو جاتے ہیں یہ محض شمار کے لئے ہے اگر اتنی تسبیحیں یا اس قدر گٹھلیاں یا کنکریاں جمع کی جائیں تو اس میں کلمہ کا شمار بھی ہے اور بعد میں صدقہ بھی پھنے ہوئے اس لئے تجویز ہوئے کہ کچے چنے لوگ پھینک دیں گے یا گھوڑوں کا دانہ بنادیں گے۔ اس میں بے حرمتی ہے۔ بھنے ہوئے چنے صرف کھانے ہی کے کام آجاویں گے۔

اعتراض (۳)......:۔ فاتحہ وغیرہ میں ہنود سے مشابہت ہے کہ وہ بھی مردوں کی تیرھویں کرتے ہیں اور حدیث میں ہے کہ من تشبہ بقوم فھو منھم جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان میں سے ہے لہذا یہ فاتحہ منع ہے۔

جواب:۔ کفار سے ہر مشابہت منع نہیں بلکہ بری باتوں میں مشابہت منع ہے۔ پھر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کام ایسا ہو جو کہ کفار کی دینی یا قومی علامت بن چکا ہے جس کو دیکھ کر لوگ اس کو کافر قوم کا آدمی سمجھیں جیسے کہ دھوتی، چوٹی، زنار، ہیٹ وغیرہ ورنہ ہم بھی آب زمزم مکہ معظمہ سے لاتے ہیں ہندو بھی گنگا جل لاتے ہیں۔ ہم بھی منہ سے کھاتے ہیں اور پاؤں سے چلتے ہیں کفار بھی۔ حضور علیہ السلام نے عاشورہ کے روزہ کا حکم دیا تھا۔ حالانکہ اس میں مشابہت یہود تھی۔ پھر فرمایا کہ اچھا ہم دو روزے رکھیں گے۔ کچھ فرق کر دیا مگر اس کو بند نہ کیا۔ اسی طرح ہمارے یہاں کلمہ قرآن پڑھا جاتا ہے۔ مشرکین کے یہاں یہ نہیں ہوتا۔ پھر مشابہت کہاں رہتی؟ اس کی بحث شامی باب مکروہات الصلوٰۃ میں دیکھو وہاں جو کام مشابہت کفار کی نیت سے کئے جاویں وہ منع ہیں۔ فاتحہ کی پوری بحث انوار ساطعہ میں دیکھو۔

اعتراض (۴)......:۔ اگر فاتحہ میں بدنی و مالی عبادت کا اجتماع ہے تو چاہئے نجس چیز خیرات کرتے وقت بھی فاتحہ پڑھ لیا کرو لہذا اوپلہ (گوبر) وغیرہ پر بھی فاتحہ پڑھ کر کسی کو دیا کرو۔ جب چوہڑا پاخانہ اٹھائے تو تم فاتحہ پڑھ کر اسے گھر سے باہر جانے دو۔ (دیوبندی تہذیب)۔

جواب:۔ نجس چیز پر اور نجس جگہ تلاوت قرآن حرام ہے لہذا ان کی خیرات پر تلاوت نہیں کر سکتے ڈکار پر الحمد للہ پڑھتے ہیں۔ نہ کہ ریح نکلنے پر کہ وہ نجس و ناقض عضو ہے۔ اسی طرح چھینک پر الحمد للہ کہتے ہیں نہ کہ نکسیر پر۔

بحث دعا بعد نماز جنازہ کی تحقیق میں

اس بحث میں دو باب ہیں۔ پہلا باب اس دعا کے ثبوت میں اور دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

دعا بعد نماز جنازہ کے ثبوت میں

مسلمان کے مرنے کے بعد تین حالتیں ہیں۔ نماز جنازہ سے پہلے نماز جنازہ کے بعد دفن سے پہلے دفن کے بعد۔ ان تینوں حالتوں میں میت کے لئے دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا جائز بلکہ بہتر ہے۔ ہاں میت کے غسل سے پہلے اگر اس کے پاس بیٹھ کر قرآن پڑھنا ہو تو اس کو ڈھک دیں کیونکہ ابھی وہ ناپاک ہے۔ جب غسل دے دیا پھر ہر طرح قرآن وغیرہ پڑھیں۔ مخالفین نماز سے پہلے اور دفن کے بعد تو دعا وغیرہ کرنا جائز مانتے ہیں۔ مگر بعد نماز دفن سے پہلے دعا کو ناجائز، حرام، بدعت، مشرک نہ معلوم کیا کیا کہتے ہیں۔ اسی کی اس جگہ تحقیق ہے۔ اس کے ثبوت ملاحظہ ہوں۔ مشکوۃ باب صلوۃ الجنازۃ فصل ثانی میں ہے۔

اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعآء۔

ترجمہ: جب تم میت پر نماز پڑھ لو۔ تو اس کے لئے خالص دعا مانگو۔

(سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۱۰ رقم الحدیث ۳۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ف سے معلوم ہوتا ہے کہ نماز کے بعد فوراً دعا کی جاوے بلا تاخیر۔ جو لوگ اس کے معنے کرتے ہیں کہ نماز میں اس کے لئے دعا مانگو وہ ف کے معنی سے غفلت کرتے ہیں۔ صلیتم شرط ہے۔ اور فاخلصوا اس کی جزا۔ شرط اور جزا میں تغایر چاہئے نہ یہ کہ اس میں داخل ہو۔ پھر صلیتم ماضی ہے اور فاخلصوا امر۔ جس سے معلوم ہوا کہ دعا کا حکم نماز پڑھ چکنے کے بعد ہے۔ جیسے **فاذا طعمتم فانتشروا** میں کھا کر جانے کا حکم ہے نہ کہ کھانے کے درمیان۔ اور **اذا قمتم الى الصلوة فاغسلوا وجوهكم** میں نماز کے لئے اٹھنا مراد ہے نہ کہ نماز کا قیام جیسا کہ الیٰ سے معلوم ہوا۔ لہذا یہاں بھی وضو ارادہ نماز کے بعد ہی ہوا اور ف سے تاخیر ہی معلوم ہوئی۔ حقیقی معنی کو چھوڑ کر بلا قرینہ مجازی معنی مراد لینا جائز نہیں۔

حاشیہ......☆

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث بجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبدالعزيز بن يحيى الحرني حدثني محمد يعني ابن سلمة عن محمد بن اسحاق عن محمد بن ابراهيم عن ابي سلمة بن عبدالرحمن عن ابي هريرة قال سمعت رسول الله ﷺ يقول اذا صليتم على الميت فاخلصوا له الدعاء۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا کہ جب تم میت پر نماز جنازہ پڑھ لو تو اس کے لئے خالص دعا کرو۔

(سنن ابی داؤد ج ۳ ص ۲۱۰ رقم الحدیث ۳۱۹۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (ریاض الصالحین ص ۳۱۰۔۳۱۱ رقم الحدیث ۹۳۷ مطبوعہ مکتبۃ المعارف للنشر والتوزیع الریاض)، (سنن الکبری بیہقی ج ۴ ص ۴۰ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)، (تحفۃ الاشراف بمعرفۃ الاطراف ج ۱۰ ص ۳۸۰ رقم الحدیث ۱۴۹۹۳۔۱۴۹۹۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (کتاب الدعا امام طبرانی ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۱۲۰۵۔۱۲۰۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المغنی ج ۲ ص ۱۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (تحفۃ الاحوذی ج ۴ ص ۹۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (المجموع امام نووی ج ۵ ص ۱۹۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الفتح الربانی مع شرحہ بلوغ الامانی ج ۷ ص ۲۲۸ مطبوعہ مصر)، (عون الباری صدیق حسن بھوپالی ج ۳ ص ۳۰۰ مطبوعہ مصر)، (نیل الاوطار ج ۴ ص ۱۰۵ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (تحفۃ المحتاج ج ۱ ص ۵۹۴ رقم الحدیث ۷۸۶ مطبوعہ دار حراء مکۃ المکرمۃ)

حاشیہ......☆

اس حدیث مبارکہ سے نماز جنازہ کے بعد دعا مانگنا ثابت ہوا جو لوگ اس دعا سے نماز جنازہ میں عام طور پر پڑھی جانے والی دعا "اللھم اغفرلحینا ومیتنا وشاھدنا وغائبنا......الخ مراد لیتے ہیں ان کو اس حدیث کے اس جملہ (فاخلصوا له الدعاء) میں غور کرنا چاہیئے کیونکہ وہ دعاء جو نماز جنازہ کے اندر پڑھی جاتی ہے وہ خالصتاً میت کے لئے کہاں ہوتی ہے، وہ تو تمام زندوں، مردوں، غائب، حاضر، مردوں، عورتوں، سب کے لئے ہوتی ہے جبکہ حدیث کے الفاظ ہیں کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ لو تو میت کے لیئے خلوص سے دعا مانگو سو معلوم ہوا کہ اس دعا سے مراد جنازہ پڑھنے کے بعد کی دعا ہے کہ جب تم نماز جنازہ پڑھ لو تو اخلاص کے ساتھ میت کے لیئے دعاء مانگو۔

گھر کی گواہی

نواب قطب الدین خان دیوبندی اس حدیث مبارکہ کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے جس وقت کہ تم پڑھو نماز میت پر پس خالص کرو اس کے لیئے دعاء۔

(مظاہر حق ج ۲ ص ۱۱۸۔۱۱۹ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

نیز (اذا صلیتم علی المیت) شرط ہے اور (فاخلصوا له الدعاء) اس کی جزا ہے شرط اور جزاء میں تغیر ہوتا ہے۔

حدیث مبارکہ میں (صلیتم) [illegible] صیغہ ہے اور فاخلصوا امر کا صیغہ ہے اور یہاں (فا) برائے تعقیب مع الوصل ہے۔

ہدایۃ النحو میں ہے۔ نحو قام زید فعمرو واذا کان زید مقدماً وعمرو متاخراً بلا مهلة۔

ترجمہ: یعنی جیسے زید کھڑا ہوا پھر عمرو یہ اس وقت بولا جائے گا [illegible] ب زید کھڑا ہونے میں مقدم ہو اور عمرو بلا مہلت متاخر ہو۔

(ہدایۃ النحو القسم الثالث فی الحروف فصل الحروف العطف ص ۱۱۳۔۱۱۴ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام محمد بن محمد العمادی ابو سعود متوفی ۹۵۱ھ سورۃ "ص" آیت "قال فالحق والحق اقول" کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

الفاء للترتیب۔

ترجمہ: یعنی فاء ماقبل و مابعد میں بیان ترتیب کے لیے ہوتی ہے۔

(تفسیر ابو سعود ج ۷ ص ۲۳۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

فاذا قضیت الصلوة فانتشروا فی الارض۔

ترجمہ: یعنی جب نماز جمعہ پڑھ لی جائے تو زمین میں منتشر ہو جاؤ۔

(سورۃ الجمعہ آیت نمبر ۱۰)

یہاں منتشر ہونے کا حکم نماز ختم ہونے کے بعد ہے نہ کہ دوران نماز اسی طرح قرآن کریم میں ہے:

فاذا طعمتم فانتشروا۔

ترجمہ: جب تم کھانا کھا چکو تو چلے جاؤ۔

(سورۃ الاحزاب آیت نمبر ۵۳)

اسی مشکوۃ میں اسی جگہ ہے۔

قرء علی الجنازۃ بفاتحۃ الکتاب۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے جنازہ پر سورہ فاتحہ پڑھی۔

اس کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔ واحتمال دارد کہ بر جنازہ بعد از نماز یا پیش ازاں بقصد تبرک خواندہ باشد چنانکہ آلان متعارف است۔ ممکن ہے کہ حضور علیہ السلام نے سورہ فاتحہ نماز کے بعد یا نماز سے پہلے برکت کے لئے پڑھی ہو جیسا کہ آج کل رواج ہے۔

(اشعۃ اللمعات فارسی ج ا ص ۷۳۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

حاشیہ......☆

یہاں بھی چلے جانے اور منتشر ہو جانے کا حکم کھانا کھا لینے کے بعد ہے نہ کہ کھانے کی حالت میں۔ معلوم ہوا کہ اذا صلیتم علی المیت فاخلصوا له الدعاء سے نماز جنازہ کے اندر دعا مراد نہیں بلکہ نماز جنازہ کے فوراً بعد دعا مراد ہے اور اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ پڑھ لینے کے بعد فوراً دعا مانگنے کا حکم ہے۔

دیوبندی حضرات اعتراض کرتے ہیں کہ اس دعا سے نماز جنازہ کے اندر دعا کرنا مراد ہے جیسا کہ مفتی احمد ممتاز دیوبندی نے لکھا ہے کہ عبدالحئی لکھنوی نے اس دعا سے مراد نماز جنازہ کے اندر لیا ہے۔

(مروجہ حیلہ اسقاط اور دعا بعد نماز جنازہ ص ۳۱ مطبوعہ کتاب گھر کراچی)

عبدالحئی لکھنوی دیوبندی نہ کوئی مستند عالم ہے نہ ان کی بات کوئی حجت ہے اور نہ وہ ہمارے نزدیک معتبر ہے۔ مگر فقیر جن امام کی بات کو پیش کر رہے ہیں جنہوں نے اس دعا کو نماز جنازہ کے اندر مراد نہیں لیا وہ تمام دیوبندیوں کے نزدیک معتبر ہیں۔ وہ ہے امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ۔

امام حافظ ابوالقاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ نے اپنی کتاب الدعا میں نماز جنازہ کے اندر دعا کے لئے باب باندھا ہے باب: القول فی الصلاۃ علی الجنازۃ جس میں امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے 40 احادیث مبارکہ کو بیان کیا ہے لیکن اس حدیث مبارکہ (اذا صلیتم علی المیت الخ) کو ان احادیث مبارکہ میں شمار نہیں کیا بلکہ اس حدیث مبارکہ کے لئے الگ باب باندھا ہے: باب: الأمر باخلاص الدعاء للمیت جس میں امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث مبارکہ کو دو اسنادوں سے بیان کیا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ (کتاب الدعا ص ۳۶۲ رقم الحدیث ۱۲۰۵۔ ۱۲۰۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) معلوم ہوا کہ امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس دعا سے مراد نماز جنازہ کے اندر دعا کرنا مراد نہیں اگر اس دعا سے نماز جنازہ کے اندر مراد ہوتا تو امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ اس باب میں بیان کرتے اور امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ نے الگ باب باندھ کر یہ بھی بتا دیا کہ اس حدیث مبارکہ میں سرکار دو عالم ﷺ نے میت کے لئے اخلاص سے دعا کرنے کا حکم دیا ہے الحمد للہ اہلسنت والجماعت کا اسی پر معمول ہے کہ نماز جنازہ کے بعد صفیں توڑ کر میت کے لئے اخلاص سے دعا کرتے ہیں۔

اسی طرح امام محب الدین ابی جعفر احمد بن عبداللہ الطبری متوفی ۶۹۴ھ نے نماز جنازہ کے اندر پڑھی جانے والی دعا کے لئے باب باندھا ہے جن میں 10 احادیث مبارکہ کو بیان کیا ہے لیکن اس حدیث مبارکہ (اذا صلیتم علی المیت الخ) کو ان احادیث مبارکہ میں شمار نہیں کیا بلکہ اس حدیث مبارکہ کے لئے الگ باب باندھا ہے ذکر الاخلاص فی الدعاء للمیت۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام ج ۳ ص ۷۵۵ رقم الحدیث ۶۸۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ شیخ عبدالحق علیہ الرحمۃ کے زمانہ میں بھی رواج تھا کہ نماز جنازہ کے آگے اور بعد سورہ فاتحہ وغیرہ برکت کے لئے پڑھتے تھے اور حضرت شیخ نے اس کو منع نہ فرمایا بلکہ حدیث پر اس کو محمول کیا۔

حاشیہ.....☆

امام محمد بن عمر بن واقد متوفی ۲۰۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنی محمد بن صالح عن عاصم بن عمر بن قتادة وحدثنی عبدالجبار ابن عمارة بن عبدالله بن ابی بکر، زاد احدهما، علی صاحبه فی الحدیث قالا لما التقی الناس بموتة جلس رسول الله ﷺ علی المنبر و کشف له ما بینه و بین الشام فهو ینظر الی معرکتهم فقال رسول الله ﷺ اخذ الرایة زید بن حارثة فجاء ه الشیطان فحبب الیه الحیاة و کره الیه الموت وحبب الیه الدنیا فقال الآن حین استحکم الایمان فی قلوب المومنین تحبب الی الدنیا فمضی قدما حتی استشهدا فصلی علیه رسول الله ﷺ وقال استغفروا له فقد دخل الجنة وهو یسعی ثم اخذ الرایة جعفر بن ابی طالب فجاء ه الشیطان فمناه الحیاة و کره الیه الموت ومناه الدنیا فقال الآن حین استحکم الایمان فی قلوب المومنین تمنینی الدنیا ثم معنی قدما حتی استشهدا فصلی علیه رسول الله ﷺ ودعا له ثم قال "استغفروا لأخیکم فانه شهید دخل الجنة فهو یطیر فی الجنة بجناحین من یاقوت حیث یشاء من الجنة......

ترجمہ: واقدی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جب موتہ میں دونوں لشکر آمنے سامنے آئے تو نبی ﷺ مدینہ منورہ میں منبر پر جلوہ افروز ہوئے اور معرکہ جنگ کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے لگے حضور ﷺ نے فرمایا زید نے جھنڈا اٹھالیا۔ شیطان ان کے پاس آیا اور سمجھانے لگا کہ زندگی محبوب چیز ہے اور موت بری اس نے زید رضی اللہ عنہ کے دل میں دنیا کی محبت ڈالنے کی کوشش کی تو زید رضی اللہ عنہ نے کہا اب تو آیا ہے جب کہ مومنوں کے دل میں ایمان مستحکم ہو چکا ہے تو انہیں دنیا کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے اس کے بعد وہ لڑتے رہے اور شہید ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا اس کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہو گئے اور وہاں سیر کر رہے ہیں۔

پھر حضور ﷺ نے فرمایا اب جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نے جھنڈا اٹھالیا۔ ان کے پاس بھی شیطان آیا اور ان کے دل میں زندگی کی محبت اور موت سے کراہت ڈالنا چاہی تو انہوں نے کہا اس وقت جب کہ مومنوں کے دل میں ایمان مستحکم ہو چکا ہے تو انہیں دنیا کی طرف مائل کرنا چاہتا ہے اس کے بعد وہ لڑتے رہے اور شہید ہو گئے۔ پھر نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی پھر فرمایا اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو وہ جنت میں داخل ہو چکا اور وہاں اپنی خواہش سے جہاں چاہتا ہے اپنے دو یاقوتی پروں کے ساتھ اڑ رہا ہے۔

(کتاب المغازی ج ۲ ص ۲۱۰۔۲۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ بیہقی ج ۴ ص ۳۶۸۔۳۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (تاریخ دمشق الکبیر ج ۱۱ جز ۲۱ ص ۲۵۸۔۲۵۹ رقم الحدیث ۲۵۹۱۔۲۵۹۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

امام محمد بن سعد متوفی ۲۳۰ھ روایت کرتے ہیں۔

قال قال محمد بن عمر: اول سریة خرج فیها زید سریته الی القردة ثم سریته الی الجموم ثم سریته الی العیص ثم سریته الی الطرف ثم سریته الی حسمی ثم سریته الی ام قرضة ثم عقد له رسول الله ﷺ علی الناس فی غزوة موتة وقدمه علی الامراء فلما التقی المسلمون والمشرکون کان الامراء یقاتلون علی ارجلهم فاخذ زید بن حارثة اللواء فقاتل وقاتل الناس معه والمسلمون علی صفوفهم فقتل زید طعنا بالرماح شهیدا فصلی علیه رسول الله ﷺ وقال: استغفروا له وقد دخل الجنة وهو یسعی و کانت موتة فی جمادی الاولی سنة ثمان من الهجرة وقتل زید یومئذ وهو ابن خمس وخمسین سنة۔

(طبقات الکبریٰ ابن سعد ج ۳ ص ۴۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

فتح القدیر کتاب الجنائز فصل صلوۃ الجنازہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے منبر پر قیام فرما کر غزوہ موتہ کی خبر دی اور اسی اثناء میں جعفر ابن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کی خبر دی فصل علیہ رسول اللہ ﷺ ودعالہ وقال استغفروا لہ پس اس پر نماز جنازہ پڑھی اور ان کے لئے دعا فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ تم بھی ان کے لئے دعائے مغفرت کرو۔(فتح القدیر ج ۲ ص ۱۱۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت) دعا کے واؤ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دعا نماز کے علاوہ تھی۔ مواھب الدنیہ جلد دوم القسم الثانی فیما اخبر من الغیوب میں یہی واقعہ نقل فرما کر کہا ثم قال استغفروا لہ اسی طرح عبداللہ ابن رواحہ پر بعد نماز دعا فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ دعائے مغفرت جائز ہے۔

منتخب کنزالعمال کتاب الجنائز میں ابراہیم ہجیری کی روایت ہے۔☆

قال رءیت ابن ابی اوفی وکان من اصحب الشجرۃ ماتت ابنتہ الی ان قال ثم کبر علیھا اربعا ثم قام بعد ذلک قدر ما بین التکبیرتین وقال رءیت رسول اللہ ﷺ کان یصنع ھکذا۔

ترجمہ: میں نے ابن ابی اوفی کو دیکھا یہ بیعت الرضوان والے صحابی ہیں کہ ان کی دختر کا انتقال ہوا۔ پھر ان پر چار تکبیریں کہیں پھر اس کے بعد دو تکبیروں کے فاصلہ کی بقدر کھڑے ہو کر دعا کی اور فرمایا کہ میں نے حضور علیہ السلام کو ایسے ہی کرتے ہوئے دیکھا۔

حاشیہ.....☆

عبداللہ العمادی دیوبندی اس کے ترجمے میں لکھتے ہیں۔

غزوہ موتہ میں مسلمانوں اور مشرکوں کا مقابلہ

رسول اللہ ﷺ نے غزوہ موتہ میں انہیں لوگوں پر امیر بنایا اور دوسروں امیروں پر مقدم کیا، مسلمانوں اور مشرکوں میں اس طرح مقابلہ ہوا کہ امراء پیادہ لڑ رہے تھے زید بن حارثہؓ نے جھنڈا لے لیا اور قتال کیا لوگوں نے بھی ان کے ساتھ قتال کیا مسلمان اپنی صفوں ہی میں تھے۔ زیدؓ نیزہ مارے جانے کی وجہ سے شہید ہو گئے رسول اللہ ﷺ نے ان پر نماز پڑھی اور فرمایا کہ ان کے لئے دعائے مغفرت کرو، وہ اس جنت میں داخل ہو گئے جس کی وہ سعی کرتے تھے۔ غزوہ موتہ جمادی الاولیٰ ۸ھ میں ہوا جس روز زیدؓ مقتول ہوئے اس وقت ان کی عمر پچپن سال تھی۔

(طبقات ابن سعد اردو حصہ سوم ص ۲۰۹ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

امام ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی متوفی ۴۳۰ھ لکھتے ہیں۔

فصلی علیہ رسول اللہ ﷺ وقال استغفروا لہ ۔

ترجمہ: پھر نبی ﷺ نے ان کی نماز جنازہ پڑھی اور فرمایا اس کے لئے استغفار کرو۔

(دلائل النبوۃ ج ۲ ص ۱۹۲۔۱۹۳ مطبوعہ حیدرآباد دکن ہند)

☆امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا حسین بن محمد ثنا شعبۃ عن ابراھیم الھجری عن عبداللہ بن ابی اوفی وکان من اصحاب الشجرۃ فماتت ابنۃ لہ وکان یتبع جنازتھا علی بغلۃ خلفھا، فجعل النساء یبکین، فقال لا ترثین فان رسول اللہ ﷺ نھی عن المراثی، فتفیض احداکن من عبرتھا ماشاء ت، ثم کبر علیھا اربعا، ثم قام بعد الرابعۃ قدر ما بین التکبیرتین یدعو، ثم قال کان رسول اللہ ﷺ یصنع فی الجنازۃ ھکذا۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جو اصحاب شجرہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی، وہ اس کے

بیہقی میں ہے۔

وعن المستظل ابن حصین ان علیا صلی علی جنازۃ بعد ما صلی علیہ۔

ترجمہ: مستظل ابن حصین سے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک جنازے پر نماز کے بعد دعا مانگی۔

(السنن الکبریٰ بیہقی ج ۴ ص ۴۷ رقم الحدیث ۶۹۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

مدونۃ الکبریٰ میں ہے۔

یقول ھکذا کلما کبروا واذا کان التکبیر الا خر قال مثل ذلک ثم یقول اللھم صلی علی محمد۔

ترجمہ: ہر تکبیر اسی طرح کہے کہ جب آخری تکبیر ہو تو اسی طرح کہے پھر کہے **اللھم صل علی محمد۔**

اس سے معلوم ہوا کہ بعد نماز جنازہ درود شریف پڑھے۔ کشف الغطاء میں ہے۔ فاتحہ ودعا برائے میت پیش از دفن درست است وہمیں است روایت معمولہ کذافی خلاصۃ الفتح میت کے لئے فاتحہ اور دعا مانگنا دفن سے پہلے درست ہے اسی روایت پر عمل ہے۔

(کشف الغطاء فصل ششم نماز جنازہ ص ۴۰ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی)

حاشیہ......☆

جنازہ میں خچر پر سوار ہو کر جارہے تھے کہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مرثیہ مت پڑھو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تم میں سے کوئی عورت اپنی آنکھ سے جس قدر چاہے آنسو بہائے، پھر انہوں نے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں، پھر اتنا وقفہ کیا جتنا دو تکبیروں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفہ میں دعا کرتے رہے پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۳۸۳-۳۸۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (البحر الزخار، المعروف بمسند البزار ج ۸ ص ۲۸۷ رقم الحدیث ۳۳۵۵ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم المدینۃ المنورۃ)، (السنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۷۰ رقم الحدیث ۶۹۸۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جمع الجوامع ج ۱۴ ص ۴۹۳ رقم الحدیث ۱۱۵۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع الاحادیث الکبیر ج ۷ ا ص ۱۳۵-۱۳۶ رقم الحدیث ۹۵۰۹ وج ۲۰ ص ۲۲۷ رقم الحدیث ۶۸ ۱۶۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف النون ج ۲ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۹۳۸۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر ج ۳ ص ۲۶۶ رقم الحدیث ۱۲۸۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں۔

وحدثنا احمد بن جعفر القطیعی، ثنا عبد اللہ بن احمد بن حنبل، حدثنی ابی، ثنا محمد بن جعفر قالوا: ثنا شعبۃ، عن ابراھیم الھجری، عن عبد اللہ بن ابی اوفی قال: توفیت بنت لہ فتبعھا علی بغلۃ یمشی خلف الجنازۃ ونساء یرثینھا، فقال: یرثین ولا یرثین، فان رسول اللہ ﷺ نھی عن المراثی، ولتفیض احداکن من عبرتھا ماشاء ت، ثم صلی علیھا فکبر علیھا اربعا، ثم قام بعد الرابعۃ قدر ما بین التکبیرتین یستغفر لھا ویدعو وقال کان رسول اللہ ﷺ یصنع ھکذا۔

ترجمہ: حضرت عبد اللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہما جو اصحاب شجرہ میں سے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ ان کی بیٹی فوت ہو گئی، وہ اس کے جنازہ میں خچر پر سوار ہو کر جارہے تھے کہ عورتوں نے رونا شروع کر دیا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے کہا: تم مرثیہ مت پڑھو، کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے مرثیہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے، تم میں سے کوئی عورت اپنی آنکھ سے جس قدر چاہے آنسو بہائے، پھر انہوں نے جنازہ پر چار تکبیریں پڑھیں، پھر اتنا وقفہ کیا جتنا دو تکبیروں کے درمیان وقفہ ہوتا ہے اور اس وقفہ میں دعا کرتے رہے پھر کہا: رسول اللہ ﷺ نماز جنازہ میں اسی طرح کرتے تھے۔

(مستدرک ج ۱ ص ۵۱۲ رقم الحدیث ۱۳۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی طرح خلاصۃ الفتح میں ہے۔

مبسوط شمس الائمہ سرخسی جلد دوم صفحہ ٦٧ باب غسل المیت میں روایت ہے کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ ایک جنازے پر بعد نماز پہنچے اور فرمایا۔

ان سبقتمونی بالصلوۃ علیہ فلا تسبقونی بالدعاء۔

ترجمہ: اگر تم نے مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی تو دعا میں تو مجھ سے آگے نہ بڑھو یعنی آ ؤ میرے ساتھ مل کر دعا کرلو۔

(المبسوط سرخسی ج ١ جز ٢ ص ٦٧ مطبوعہ مکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ)

اسی مبسوط میں اسی جگہ یعنی باب غسل المیت میں ابن عمر و عبداللہ ابن عباس و عبداللہ ابن سلام رضی اللہ عنہم سے ثابت کیا کہ ان حضرات نے دعا بعد نماز جنازہ کی۔

(المبسوط سرخسی ج ١ جز ٢ ص ٦٧ مطبوعہ مکتبۃ الغفاریہ کوئٹہ)

حاشیہ......☆

امام محمد بن سعد متوفی ٢٣٠ھ روایت کرتے ہیں۔

قال اخبرنا محمد بن عبید الطنافسی قال اخبرنا سالم المرادی قال اخبرنا بعض اصحابنا قال جآء عبداللہ بن سلام وقد صلی علی عمر فقال واللہ لئن کنتم سبقتمونی بالصلوۃ علیہ لاتسبقونی بالثناء علیہ فقام عند سریرہ فقال نعم اخوالاسلام کنت یاعمر جوادا بالھق بکیلا بالباطل ترضی حین الرضی وتغضب حین الغضب عفیف الطرف طیب الظرف لم تکن صداحا ولا مغتابا ثم جلس۔

ترجمہ: حضرت سالم فرماتے ہیں کہ ہمیں ہمارے بعض اصحاب نے اطلاع دی کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس وقت آئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی جا چکی تھی تو فرمایا اللہ کی قسم اگر تم نے ان پر نماز میں مجھ سے پہل کر لی ہے تو ثنا کرنے میں مجھ سے پہل نہ کرو پھر ان کی چارپائی کے قریب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے عمر آپ اسلام کے سچے اور بہترین جانثار تھے حق کے لئے سخی اور باطل کے لئے بخیل آپ رضا خدا پر راضی ہوتے اور غضب پر ناراض پاک دامن صاف دل نہ خوشامد کرنے والے اور نہ عیب جو پھر بیٹھ گئے۔

(طبقات الکبریٰ ج ٣ ص ٣٦٩ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام ابوالقاسم علی بن الحسن ابن عساکر متوفی ٥٧١ھ لکھتے ہیں۔

جاء عبداللہ بن سلام وقد صلی علی عمر، فقال: واللہ لئن کنتم سبقتمونی بالصلاۃ لا تسبقونی بالثناء، فقام عند سریرہ فقال: نعم اخو الاسلام کنت یاعمر جوادا بالحق، بخیلا بالباطل، ترضی حین الرضاء، وتغضب حین الغضب، عفیف الطرف، طیّب الظرف، لم تکن مداحا ولا مغتابا، ثم جلس۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اس وقت آئے جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ پڑھی جا چکی تھی تو فرمایا اللہ کی قسم اگر تم نے ان پر نماز میں مجھ سے پہل کر لی ہے تو ثنا کرنے میں مجھ سے پہل نہ کرو پھر ان کی چارپائی کے قریب کھڑے ہوئے اور کہنے لگے اے عمر آپ اسلام کے سچے اور بہترین جانثار تھے حق کے لئے سخی اور باطل کے لئے بخیل آپ رضا خدا پر راضی ہوتے اور غضب پر ناراض پاک دامن صاف دل نہ خوشامد کرنے والے اور نہ عیب جو پھر بیٹھ گئے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ٢٤ جز ٤٧ ص ٢٣١ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

حاشیہ.....☆

یہی امام ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ دوسری سند سے روایت کرتے ہیں۔

اخبرنا ابوبکر اللفتوانی، انا ابو عمرو الاصبهانی، انا ابو محمد بن یوة، انا ابوالحسن اللنبانی، نا ابوبکر القرشی نا اسحاق بن اسماعیل، نا وکیع بن الجرّاح، نا سالم ابو العلاء المرادی، عن عبداللہ بن ساریة قال: جاء عبداللہ بن سلام بعد ما صلی علی عمر، فقال: ان کنتم سبقتمونی بالصلاۃ علیه، فلا تسبقونی بالثناء، ثم قام فقال: نعم اخو الاسلام کنت یاعمر، جوادا بالحق، بخیلا بالباطل، ترضی حین الرضاء، وتسخط حین السخط، لم تکن مداحا ولا مغتابا، طیب الظرف، عفیف الطرف،

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ساریہ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے جنازے پڑھنے کے بعد آئے تو فرمایا اگر تم مجھ سے نماز پڑھنے میں سبقت لے گئے ہو تو ان کے لئے دعا کرنے میں مجھ سے سبقت نہ لے جانا۔ پھر کھڑے ہو گئے اور فرمایا آپ اسلام کے اچھے بھائی تھے حق کے لئے سخی تھے باطل کے لئے بخیل تھے رضا کے وقت راضی غصے کے وقت غصے تھے نہ آپ مدح کرنے والے تھے اور نہ غیبت کرنے والے اچھے ظرف والے تھے پاک طبیعت والے تھے۔

(تاریخ دمشق الکبیر ج ۲۲ جز ۴۷ ص ۳۳۲ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوبکر بن مسعود کاسانی متوفی ۵۸۷ھ لکھتے ہیں۔

وروی عن عبداللہ بن سلام انه فاتته الصلاۃ علی جنازۃ عمر رضی اللہ عنه فلما قال ان سبقتمونی بالصلاۃ علیه فلاتسبقونی بالدعآء له۔

ترجمہ: اور روایت میں ہے عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے کہ بے شک ان سے حضرت عمر کی نماز جنازہ فوت ہو گئی پس جب آپ حاضر ہوئے تو فرمایا کہ اگر تم ان پر نماز میں مجھ سے سبقت لے گئے ہو تو ان کے لئے دعا کرنے میں مجھ سے سبقت نہیں لے سکتے۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۱۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

فتح اللہ المعین میں ہے۔

عن عبداللہ بن سلام لما فاتته الصلوۃ علی عمر رضی اللہ عنه ان سبقت بالصلاۃ فلم اسبق بالدعآء له۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جب ان سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا نماز جنازہ فوت ہو گیا تو فرمایا کہ اگر تم مجھ سے نماز پڑھنے میں سبقت لے گئے ہو تو ان کے لئے دعا کرنے میں مجھ سے سبقت نہیں لے سکتے۔

(فتح اللہ المعین ج ۱ ص ۳۵۳ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

استاذ الفقیہ ابوالوفاء افغانی کتاب الاثار امام محمد کے حاشیہ میں لکھتے ہیں۔

وعبداللہ بن سلام رضی اللہ عنه فاتته الصلاۃ علی جنازۃ عمر رضی اللہ عنه فلما حضر قال: ان سبقتمونی بالصلاۃ علیه فلاتسبقونی فی الدعآء له۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی نماز جنازہ میں شمولیت سے رہ گئے تو جب وہاں پہنچے تو فرمایا کہ اگر تم نے ان پر مجھ سے پہلے نماز پڑھ لی ہے تو دعا میں مجھ سے پہل نہ کرو اور میرے ساتھ ان کے لئے دعا کرو۔

(حاشیہ کتاب الاثار امام محمد ج ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس اثر مبارک سے معلوم ہوا کہ دعا بعد نماز جنازہ صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی سنت مبارکہ ہیں اور خصوصاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی سنت مبارکہ ہے جن کو سرکار علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنت کی بشارت دی تھی:

اور فلا تسبقوا سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دعا پر صحابہ کرام کا عمل تھا۔ مفتاح الصلوٰۃ صفحہ ۱۱۲ مصنفہ مولانا فتح محمد صاحب برہان پوری میں ہے۔ چوں از نماز فارغ شوند مستحب است کہ امام یا صالح دیگر فاتحہ بقرتا مفلحون طرف سر جنازہ خاتمہ بقرا من الرسول طرف پائیں بخواند کہ در حدیث وارد است و در بعض حدیث بعد از دفن واقعہ شدہ ہر وقت کہ میسر شود مجوز است۔ جب نماز جنازے فارغ ہوں تو مستحب ہے کہ امام یا کوئی اور صالح آدمی سورہ بقر کا شروع کا رکوع مفلحون تک جنازے کے سرہانے اور سورہ بقر کی آخری ایات امن الرسول میت کی بائیں طرف پڑھے کہ حدیث میں آیا ہے۔ بعض احادیث میں دفن کے بعد واقعہ ہوا میسر ہو تو دونوں وقت پڑھے جائز ہے۔ زادالآخرت میں نہر فائق شرح کنزالدقائق اور بحرذ خار سے نقل فرمایا۔

بعد از سلام بخواند۔ **اللهم لاتحرمنا اجره و لا تفتنا بعده اغفرلنا وله۔**

ترجمہ: سلام کے بعد پڑھے کہ اے اللہ ہم کو اس کے اجر سے محروم نہ کرو اور اس کے بعد فتنہ میں مبتلانہ کرو اور ہماری اور اس کی مغفرت فرما۔
(نہر الفائق شرح کنزالدقائق ج ۱ ص ۳۹۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

طحطاوی میں ہے۔

وان ابا حنيفة اما مات فختم عليه سبعون الفا قبل الدفن۔

ترجمہ: جب امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی وفات ہوئی تو ان پر دفن سے پہلے ستر ہزار ختم قرآن ہوئے۔

کشف الغمہ، فتاویٰ عالمگیری، شامی باب الدفن بحث تعزیت میں ہے۔ **وهي بعد الدفن اولىٰ منها قبله** تعزیت کرنا دفن کے بعد دفن سے پہلے تعزیت کرنے سے بہتر ہے اسی جگہ شامی اور عالمگیری نے یہ بھی فرمایا وھذا اذالم یر منھم جزع شدید والا قدمت یہ جب ہے جبکہ ان ورثا میں سخت گھبراہٹ نہ ہو ورنہ تعزیت دفن سے پہلے کی جاوے۔

حاشیہ.....☆

معلوم ہوا کہ دعا بعد نماز جنازہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کی سنت مبارکہ ہے اور تاریخ دمشق الکبیر کی روایت میں جاء عبداللہ بن سلام **بعد ما صلی علی عمر** اور **فقام عند سریرہ** سے منکرین دعا بعد نماز جنازہ کے تمام اعتراضات دفع ہوئے۔ جیسا کہ عزیز علی شاہ دیوبندی نے اعتراض کیا ہے۔ لکھا ہے ان کے اس قول میں تو یہ صراحت موجود نہیں کہ وہ کس وقت آئے تھے۔
(تحقیق الدعا بعد صلوٰۃ الجنازۃ ص ۹۳ مطبوعہ انجمن اسلامیہ لکھومنڈی)

لیجئے اس روایت میں وہ تمام صراحت موجود ہے کہ **بعد ما صلی** یعنی عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ جنازہ کے بعد آئے اسی طرح عبداللہ العمادی دیوبندی نے بھی طبقات ابن سعد کے اردو ترجمے میں لکھا ہے کہ: سالم مرادی سے مروی ہے کہ عمر رضی اللہ عنہ پر نماز پڑھ لینے کے بعد حضرت عبداللہ بن سلام آئے۔

(طبقات ابن سعد اردو ج ۲ حصہ سوم ص ۱۵۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اور **فقام عند سریرہ** نے یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ دعا دفن سے پہلے ہے اسی طرح عبداللہ العمادی دیوبندی نے طبقات ابن سعد کے اردو ترجمے میں لکھا ہے کہ: تخت کے پاس کھڑے ہو گئے۔

(طبقات ابن سعد اردو ج ۲ حصہ سوم ص ۱۵۲ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

اس کے بعد کسی دیوبندی کو دعا بعد نماز جنازہ پر اعتراض نہیں کرنا چاہئے بلکہ اس کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت مبارکہ سمجھ کر اس پر عمل کرنا چاہیئے اسی میں دنیا و آخرت کی کامیابی ہیں۔

حسن ظہریہ میں ہے۔

وهی بعد الدفن اولی منها قبله۔

ترجمہ: دفن کے بعد تعزیت کرنا دفن سے پہلے تعزیت افضل ہے۔

میزان کبریٰ مصنفہ امام شعرانی میں ہے۔

(عالمگیری ج ۱ص ۱۷۷)،(الجوہرۃ النیرۃ شرح قدوری ج ۱ص ۱۳۳)،(ردالمحتار علی الدر المختار ج ۱ص ۶۶۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام شعرانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قال ابو حنیفة والثوری ان التعزیة سنة قبل الدفن لا بعده لان شدة الحزن تکون قبل الدفن فیعزی ویدعوا له۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ اور امام ثوری رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ تعزیت کرنا دفن سے پہلے سنت ہے کہ بعد کیونکہ زیادتی رنج دفن سے پہلے ہوتی ہے پس تعزیت کرے اور اس کے لئے دعا کرے۔

(المیزان الکبریٰ ج ۱ص ۲۱۰)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ دفن سے پہلے خواہ نماز سے بھی پہلے ہو یا نماز کے بعد تعزیت کرنا جائز بلکہ مسنون ہے اور تعزیت میں میت و پسماندگان کے لئے دعائے اجر و صبر ہی تو ہوتی ہے۔ عقل کا بھی تقاضا ہے کہ بعد نماز جنازہ دعا جائز ہو۔ کیونکہ نماز جنازہ ایک حیثیت سے تو دعا ہے کہ میت کو سامنے رکھا گیا ہے اور اس میں رکوع سجدہ التحیات وغیرہ نہیں ہے اور ایک حیثیت سے نماز ہے۔ اسی لئے اس میں غسل وضو ستر عورت قبلہ کو منہ ہونا جگہ اور کپڑوں کا پاک ہونا شرط ہے اور جماعت مسنون۔ اگر یہ محض دعا ہوتی تو نماز کی طرح یہ شرائط اس میں کیوں ہوتیں اور دعاؤں کی طرح یہ بھی ہر طرح ادا ہو جایا کرتی۔ ماننا پڑے گا کہ ایک حیثیت سے یہ نماز بھی ہے اور ہر نماز کے بعد مسنون ہے اور زیادہ قابل قبول۔ چنانچہ مشکوٰۃ باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ہے۔

قیل یارسول الله ای الدعاء اسمع قال جوف اللیل لاخر ودبر الصلوات المکتوبات۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ کون سی دعا زیادہ قبول ہوتی ہے؟ فرمایا کہ آخر رات کے درمیانی حصہ میں اور فرض نمازوں کے پیچھے۔

(مشکوٰۃ المصابیح باب الذکر بعد الصلوٰۃ ص ۸۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اور نماز جنازہ بھی فرض نماز ہے پھر اس کے کیوں دعا نہ کی جاوے؟ نیز دعا مانگنے کی ہر وقت اجازت دی گئی ہے اور بہت تاکید فرمائی گئی۔ مشکوٰۃ کتاب الدعوات میں ہے کہ الدعاء ھو العبادۃ اسی جگہ یہ بھی ہے۔ الدعآء مع العبادۃ دعا عبادت بھی ہے یا دعا اصل عبادت ہے۔ دعا مانگنے کے لئے کوئی وقت وغیرہ کی پابندی نہیں تو اس کی کیا وجہ ہے کہ نماز جنازہ سے پہلے تو دعا جائز اور دفن کے بعد بھی جائز مگر نماز کے بعد اور دفن سے پہلے حرام؟ نماز جنازہ بھی کوئی جادو ہے کہ اس کے پڑھتے ہی دعا کرنا۔ ایصال ثواب کرنا سب حرام اور دفن میت اس جادو کا اتار ہے کہ دفن ہوا اور سب جائز ہو گیا۔ لہٰذا ہر وقت دعا اور ایصال ثواب جائز ہے کسی وقت کی پابندی نہیں۔

دوسرا باب

اس دعا پر اعتراضات وجوابات میں

اس پر صرف چار اعتراض ہیں تین عقلی اور ایک نقلی۔ اس کے سوا اور کوئی اعتراض نہیں۔

اعتراض (۱)......:۔ وہ ہی پرانا یاد کیا ہوا سبق کہ یہ دعا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ دعا کرنا حرام ہے شرک ہے بے دینی ہے۔

جواب:۔ یہ دعا بدعت نہیں اس کا ثبوت حضور علیہ السلام کے قول وفعل مبارک سے ہو چکا۔ نیز صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ فقہاء نے اس کی اجازت دی۔ جیسا کہ اس بحث کے پہلے باب میں گزر گیا۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے کہ بدعت ہے تو ہر بدعت حرام نہیں ہوتی۔ بلکہ بدعت کی پانچ قسمیں ہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی بحث۔

اعتراض (۲)......:۔ نماز جنازہ میں خود دعا ہے پھر دوبارہ دعا مانگنا جائز نہیں ہے پہلی دعا کافی ہو چکی۔

جواب:۔ یہ اعتراض بالکل لغو ہے نماز پنجگانہ میں دعا ہے۔ نماز استخارہ۔ نماز کسوف اور نماز استسقاء سب دعاء کے لئے ہیں مگر ان سب کے بعد دعا مانگنا جائز بلکہ سنت ہے حدیث پاک میں ہے اکثروالدعآء دعا زیادہ مانگو۔ دعا کے بعد دعا مانگنا زیادہ دعا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ یہ تو محض دعا ہے بعض صورتوں میں تو نماز جنازہ کے بعد نماز جنازہ دوبارہ ہوتی ہے اگر میت کے ولی نے نماز نہ پڑھی اوروں نے پڑھ لی تو دوبارہ پڑھ سکتا ہے۔ حضور سید عالم ﷺ کا وصال مبارک دوشنبہ کو ہوا اور دفن شریف چہارشنبہ کو (شامی کتاب الصلوۃ باب الامامۃ ج ا ص ۴۰۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) اور ان دو روز میں لوگ جماعت آتے رہے نماز جنازہ ادا کرتے رہے کیونکہ اب تک صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جو کہ ولی تھے نہ پڑھی تھی۔ پھر جب آخر دن حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھ لی۔ اب تا قیامت کسی کو جائز نہ رہا کہ حضور علیہ السلام پر نماز جنازہ پڑھے (دیکھو شامی باب صلوٰۃ الجنازہ بحث ومن احق بالامامۃ ج ا مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) اب کہو کہ یہ نماز تو دعا تھی۔ وہ ادا ہو گئی۔ یہ دوبارہ نمازیں کیسی ہو رہی ہیں؟ یہ سوال تو ایسا ہے کہ کوئی کہے کہ کھانے کے بعد پانی نہ پیو۔ کیونکہ کھانے میں پانی موجود ہے وہ پانی یہ سے پکا ہے۔

اعتراض (۳)......:۔ چونکہ دعا مانگنے کی وجہ سے دفن میں دیر ہوتی ہے اور یہ حرام ہے لہذا یہ دعا بھی حرام ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض بھی لغو ہے اولاً تو اس لئے کہ آپ تو اس دعا کو بہر حال منع کرتے ہیں اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دفن میں دیر ہو تو منع ورنہ نہیں۔ تو بتاؤ کہ اگر ابھی قبر تیار ہونے میں دیر ہے اور نماز جنازہ ہو گئی۔ اب دعا وغیرہ پڑھیں یا کہ نہیں کیونکہ یہاں تاخیر دفن سے دعا سے نہیں بلکہ تیاری قبر کی وجہ سے ہے دوسرے اس لئے کہ دعا میں زیادہ دیر نہیں لگتی۔ صرف دو یا تین منٹ۔ مشکل سے خرچ ہوتے ہیں۔ اس قدر غیر محسوس دیر کا اعتبار نہیں اتنی بلکہ اس سے زیادہ دیر تو راستہ میں آہستہ لے جانے اور غسل کا کام آہستہ آہستہ انجام دینے اور قبر کو اطمینان سے کھودنے میں بھی لگ جاتی ہے اگر اس قدر دیر بھی حرام ہو تو لازم ہوگا کہ غسل وکفن دینے والے نہایت بدحواسی سے بہت جلد یہ کام کریں اور قبر کھودنے والے مشین کی طرح جھٹ پٹ قبر کھودیں اور میت

کو لے جانے والے انجن کی رفتار بھاگتے ہوئے جاویں اور فوراً پھینک کر آجاویں۔ تیسرے اس لئے کہ ہم پہلے باب میں حوالے دے چکے ہیں کہ دفن سے پہلے اہل میت کی تعزیت کرنا۔ ان کو تسلی و تشفی دینا جائز بلکہ سنت ہے۔ خواہ بعد کرے یا قبل نماز تو تعزیت کے الفاظ کہنے اور تسلی دینے میں بھی دیر لگے گی یا کہ نہیں؟ ضرور لگے گی مگر چونکہ یہ ایک دینی کام کے لئے جائز ہے۔ چوتھے اس لئے کہ ہم ابھی عرض کر چکے کہ حضور علیہ السلام کی وفات شریف دوشنبہ کو اور دفن چہار شنبہ کو ہوا۔ علامہ شامی اسی کتاب الصلوٰۃ باب الامامت میں یہ واقعہ بیان فرما کر فرماتے ہیں۔

وھذہ السنة باقية الى الان لم يدفن خليفة حتى بولى غيره۔

ترجمہ: یہ سنت اب تک باقی ہے کہ خلیفہ اس وقت تک دفن نہیں کیا جاتا جب تک کہ دوسرا خلیفہ نہ بن جائے۔

(شامی کتاب الصلوٰۃ باب الامامۃ ج ا ص ۴۰۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ دفن میں وہ تاخیر مکروہ ہے جو کہ دنیاوی وجہ سے ہو دینی وجہ سے قدرے جائز ہے کہ خلیفہ بنانا دینی کام ہے۔ اس کی وجہ سے دفن میں دیر کر دی اور دعا مانگنا بھی دینی کام ہے۔ اگر کوئی نمازی آخر میں ملے تو وہ دعا پڑھ کر سلام پھیر سکتا ہے۔ لیکن اگر نماز کے بعد فوراً نعش اٹھالی جائے تو یہ شخص دعا پوری نہ کر سکے گا کہ اٹھائے ہوئے جنازے پر نماز نہیں ہوتی۔ لہذا دعا بعد جنازہ میں مسبوق نمازیوں کی بھی رعایت ہے۔ اگر اس کے لئے ایک غیر محسوس سی تاخیر ہو تو جائز ہے۔ پانچویں اس لئے کہ دفن میں مطلقاً تاخیر کرنا حرام کہاں لکھا ہے؟ فقہاء فرماتے ہیں کہ جمعہ کے دن میت کا انتقال ہو گیا تو نماز جمعہ کا انتظار نہ کرے بلکہ ممکن ہو قبل جمعہ ہی دفن کر لے یہ نہیں کہتے کہ یہ انتظار کرنا حرام ہے شرک ہے۔ کفر ہے معاذ اللہ۔

اعتراض (۴)......: نماز جنازے کے بعد دعا کو فقہاء منع فرماتے ہیں۔ چنانچہ جامع الرموز میں ہے۔

لا یقوم داعيا له۔

ترجمہ: نماز کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے۔

ذخیرہ کبریٰ اور محیط میں ہے۔

لا يقوم بالدعآء بعد صلوة الجنازة۔

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔

عالمگیری میں ہے۔

لايدعوا بعده فى ظاهر المذهب۔

ترجمہ: اس کے بعد دعا نہ کرے ظاہر مذہب میں۔

مرقاۃ شرح مشکوۃ میں ہے۔

ولا يدعوا للميت بعد صلوة الجنازة لانه يشبه الزيادة فى صلوة الجنازة۔

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد میت کے لئے دعا نہ کرے کیونکہ یہ نماز جنازہ میں زیادتی کرنے کے مشابہ ہے۔

کشف الغطاء میں ہے کہ قائم نہ شود بعد از نماز برائے دعا۔ نماز کے بعد دعا کے لئے کھڑا نہ رہے۔

جامع الرموز میں ہے۔

ولا يقوم بالدعآء بعد۔

صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ۔

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا رہے کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ابن حامد سے مروی ہے۔

ان الدعآء بعد صلوۃ الجنازۃ مکروہ۔

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا مکروہ ہے۔

جامع الرموز میں ہے۔

ولا یقوم بالدعآء بعد صلوۃ الجنازۃ لانہ یشبہ الزیادۃ۔

ترجمہ: نماز جنازہ کے بعد دعا کے لئے نہ کھڑا ہو کیونکہ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔

ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز جنازہ کے بعد دعا وغیرہ ناجائز ہے۔

جواب:۔ اس اعتراض کے دو جواب ہیں ایک اجمالی دوسرا تفصیلی اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اس دعا سے ممانعت کی تین وجہیں ہیں۔ اولاً یہ کہ یہ چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے ہو۔ دوم یہ کہ دعائیں زیادہ لمبی نہ ہوں۔ جس سے کہ دفن میں بہت تاخیر ہو۔ اسی لئے نماز جنازہ جمعہ کے انتظار میں دفن میں تاخیر کرنا منع ہے۔ تیسرے یہ کہ اسی طرح صف بستہ بحیثیت نماز دعا کی جاوے کہ دیکھنے والا سمجھے نماز ہو رہی ہے یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ لہذا اگر بعد سلام بیٹھ کر یا صفیں توڑ کر تھوڑی دیر دعا کی جاوے تو بلا کراہت جائز ہے یہ وجوہ اس لئے نکالے گئے کہ فقہاء کی عبارتیں آپس میں متعارض نہ ہوں اور یہ اقوال احادیث مذکورہ اور صحابہ کرام کے قول وعمل کے خلاف نہ ہوں۔

تفصیلی جواب یہ ہے کہ عبارات میں سے جامع الرموز، ذخیرہ، محیط، کشف الغطاء کی عبارتوں میں تو دعا سے ممانعت ہے ہی نہیں بلکہ کھڑے ہو کر دعا کرنے سے منع فرمایا ہے۔ وہ ہم بھی منع کرتے ہیں مرقات اور جامع الرموز میں یہ بھی ہے۔ لانہ یشبہ الزیادۃ یہ زیادتی کے مشابہ ہے۔ یعنی اس دعا سے دھوکا ہوتا ہے کہ نماز جنازہ زیادہ ہوگئی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح دعا مانگنا منع ہے جس میں زیادتی کا دھوکا ہو۔ وہ یہ ہی ہے کہ صف بستہ کھڑے کھڑے دعا کریں۔ اگر صف توڑ دی یا بیٹھ گئے تو حرج نہیں دیکھو۔ جماعت فرض کے بعد حکم ہے کہ لوگ صفوف توڑ کر سنتیں پڑھیں تاکہ کسی کو دھوکا نہ ہو کہ جماعت ہو رہی ہے (دیکھو شامی اور مشکوۃ شریف باب السنن) تو اس سے یہ لازم نہیں کہ فرض کے بعد سنتیں پڑھنا ہی منع ہیں بلکہ فرض سے ملا کر پڑھنا منع ہے۔ اسی طرح یہ بھی ہے۔ عالمگیری کی عبارت غلط نقل کی۔ اس کی اصل عبارت یہ ہے۔

ولیس بعد التکبیر الرابعۃ قبل السلام دعاء۔

ترجمہ: چوتھی تکبیر کے بعد سلام سے پہلے کوئی دعا نہیں۔

(جوہرہ نیرہ شرح قدوری ص ۱۳۸ مطبوعہ عامرہ ترکی)،

یعنی نماز جنازہ میں پہلے تین تکبیروں کے بعد کچھ نہ کچھ پڑھا جاتا ہے مگر اس چوتھی تکبیر کے بعد کچھ نہ پڑھا جاوے گا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے۔ چنانچہ بدائع، کفایہ عنایہ میں ہے۔ لیس بعد التکبیر الرابعتہ قبل السلام دعاء (بنایہ شراح ہدایہ ج ۳ ص ۲۵۳)

ابوبکر ابن حامد کی جو عبارت پیش کی گئی یہ قنیہ کی عبارت ہے مگر قنیہ غیر معتبر کتاب ہے۔ اس پر فتویٰ نہیں دیا جاتا۔

شامی بحث رسم المفتی میں ہے کہ صاحب قنیہ ضعیف روایات بھی لیتا ہے۔ اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں وہ فرماتے ہیں۔

اولنقل الاقوال الضعیفته فیها کالقنیته للزاهدی فلا یجوز الافتاء من هذه۔

(شامی مقدمہ بحث رسم المفتی ج اص ۵۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے بذل الجوائز میں فرمایا کہ قنیہ والا معتزلی بدمذہب ہے اور اگر قنیہ کی یہ عبارت صحیح مان بھی لی جائے تو خود مخالفین کے بھی خلاف ہے کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ نماز جنازہ کے بعد دعا کرنا منع ہے تو بعد دفن بھی دعا نا جائز ہونا چاہیے کیونکہ یہ وقت بھی تو نماز کے بعد ہی ہے غرضکہ کوئی بھی عبارت آپ کے موافق نہیں۔ دعا بعد نماز جنازہ جائز بلکہ سنت ہے۔

حاشیہ......☆

علامہ زاہدی نے قنیہ میں نقل کیا ہے جو فقہی بھی اس کو نقل کرتا ہے ساتھ میں یہ بھی لکھتا ہے و عن الفضلی لا بأس به اور وفی القنیة جس کو دیوبندی کھا جاتے ہیں۔ قنیہ جو کہ ضعیف وغیر معتبر کے ساتھ ساتھ اس کے مصنف معتزلی بھی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ سید محمد امین ابن عابدین الشامی متوفی ۱۲۵۲ھ لکھتے ہیں۔

لا یجوز الافتآء من الکتب المختصرة کالنهر و شرح الکنز للعینی والدر المختار شرح تنویر الابصار او لعدم الاطلاع علی حال مؤلفیها کشرح الکنز لملامسکین و شرح النقایة للقهستانی او لنقل الاقوال الضعیفة کالقنیة للزاهدی، الا اذا علم المنقول عنه واخذه منه۔

ترجمہ: مختصر کتب سے فتویٰ دینا جائز نہیں جس طرح کہ نہر اور شرح الکنز للعینی اور الدر المختار شرح تنویر الابصار وغیرہ۔ اسی طرح جن کتب کے مصنفین کے احوال کی خبر نہ ہو۔ جس طرح شرح الکنز لملا مسکین وشرح نقایہ للقهستانی یا جس میں ضعیف اقوال نقل کیے گئے ہوں جس طرح کہ زاہدی کی تصنیف قنیہ پس اس سے فتویٰ دینا جائز نہیں۔ مگر اس صورت میں جائز ہے جبکہ اس منقول قول اور اس کے لینے پر عالم ہو۔

(فتاویٰ شامی ج اص ۵۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)، (مقدمہ فتاویٰ عالمگیری مترجم ج اص ۱۳۳ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

عبدالحئی لکھنوی دیوبندی لکھتے ہیں۔

(ففی القنیة وغیرها) کا لمجتبی هو ایضا للعلامة مختار بن محمود الزاهدی صاحب القنیة و کتاب القنیة مشهور بضعف الراویة وقد نقل هذا الفرع من شرح الصباغی۔

ترجمہ: صاحب درمختار کا قول (نفی القنیة وغیرها) جس طرح کا مجتبی اور یہ بھی علامہ مختار بن محمود الزاہدی کی تصنیف ہے اور اس کی کتاب قنیہ ضعف میں مشہور ہے اور تحقیق یہ تفریع شرح صباغی سے نقل کی گئی ہے۔

(مقدمہ عمدۃ الرعایہ ج اص ۱۰۔ ۱۱ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

علامہ سید احمد طحطاوی حنفی متوفی ۱۲۳۱ھ لکھتے ہیں۔

القنیة لیست من کتب المعتمدة۔

ترجمہ: قنیہ کتب معتمدہ میں سے نہیں۔

(طحطاوی علی درالمختار ج اص ۴۲)

سید امیر علی دیوبندی مقدمہ عالمگیری (اردو) میں لکھتے ہیں۔

اور انہیں غیر معتبرات میں سے جملہ تالیفات نجم الدین مختار بن محمود بن محمد زاہدی معتزلی ہیں۔ یہ شخص اعتقاد میں معتزلی تھا اور فروع میں حنفی تھا جس نے ۶۵۶ھ میں انتقال کیا پس اس کی تالیفات میں سے قنیہ وحاوی زاہدی ومجتبے شرح قدوری وزاد الائمہ وغیرہ ہیں اور یہ

حاشیہ.....☆

سب غیر معتبرات ہیں چنانچہ ابن عابدین نے تنقیح الفتاوی الحامدیہ میں کہا ہے کہ مذہب حنفیہ میں معتبر کتابوں میں جو منقول ہے اس کے خلاف زاہدی کی نقل معارض نہیں ہوسکتی ہے چنانچہ ابن وہبان نے فرمایا کہ قنیہ کا مؤلف جو کچھ نقل کرتا ہے اگر وہ فقہاء حنفیہ کی نقل سے مخالف ہو تو قنیہ کی نقل پر التفات نہ کیا جائے گا جب تک کہ اس کی موافقت میں کسی کتاب معتمد سے نقل موجود نہ ہو۔ اور ایسا ہی نہر الفائق میں بھی مذکور ہے۔

(مقدمہ فتاوی عالمگیری مترجم ج اص ۳۸ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)، (مقدمہ عمدۃ الرعایہ ج اص ۱۲ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

ثابت ہوا کہ علامہ زاہدی کی کتاب قنیہ ضعیف کتاب ہے اور ضعیف قول پر فتوی دینا جائز نہیں۔

چنانچہ علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقال العلامة قاسم فی فتاواه وليس للقاضی المقلدان يحكم بالضعيف لانه ليس من اهل الترجيح الا لقصد غير جميل ولو حكم لا ينفذ لان الحق هو الصحيح وما وقع من ان القول الضعيف يتقوی بالقضاء المراد به قضاء المجتهد كما بين في موضعه۔

ترجمہ: علامہ قاسم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ کسی بھی قاضی مقلد کے لئے یہ صحیح نہیں ہے کہ وہ کسی ضعیف قول پہ فیصلہ کرے۔ کیونکہ یہ قاضی اھل ترجیح میں سے نہیں ہے۔ مگر کسی غیر جمیل کے لئے اور اگر ضعیف قول پہ فیصلہ کر بھی لیا جائے تو اس فیصلے کو نافذ نہ کیا جائے گا۔ کیونکہ یہ ایسا فیصلہ ہے کہ ناحق ہے۔ کیونکہ حق یہ ہے کہ فیصلہ صحیح قول پہ ہو۔ اور جو یہ واقع ہوا ہے کہ فیصلے کے ساتھ ضعیف قول کو تقویت مل جاتی ہے اس سے مراد مجتہد کی قضاء ہے۔ یعنی مجتہد اگر قول ضعیف پر فیصلہ کرے تو قول ضعیف کو تقویت ملے گی۔

نیز لکھتے ہیں۔

وقال ابن غرس واما المقلد المحض فلا يقضی الا بما عليه العمل و الفتوی۔

ترجمہ: اور ابن غرس نے کہا ہے کہ مقلد محض فیصلہ نہیں کریگا مگر اس قول پر کہ جس پر عمل و فتوی ہو۔

وقال صاحب البحر فی بعض رسائله اما القاضی المقلد فليس له الحكم الا بالصحيح المفتی به فی مذهبه ولا ينفذ قضاء ه بالقول الضعيف۔

ترجمہ: صاحب بحر نے اپنے بعض رسائل میں کہا ہے کہ قاضی مقلد فیصلہ نہ کریگا مگر قول صحیح پر۔ جو اس کے مذہب میں مفتی بہ ہو اور قاضی مقلد کی قضاء قول ضعیف کے ساتھ نافذ نہ کی جائے گی۔

(فتاوی شامی ج ۴ ص ۲۷۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

دیوبندیوں کو چاہیئے کہ علامہ زاہدی کے ضعیف قول کو جوڑ کر امام محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کے صحیح قول پر عمل کرے اور اہل سنت و جماعت کے ساتھ جھگڑا نہ کرے جو کوئی بھی نماز جنازہ کے بعد اللہ تعالیٰ سے دعا مانگے ان سے جھگڑا نہ کرے اسی میں ان کا بھلا ہے اللہ تعالیٰ حق کو قبول کرنے کی توفیق عطاء فرمائیں۔ آمین۔

☆..........☆

بحث مزارات اولیاء اللہ پر گنبد بنانا

مسلمان دوطرح کے ہیں ایک تو عام مومنین ۔ دوسرے علماء مشائخ اولیاء اللہ جن کی تعظیم وتوقیر درحقیقت اسلام کی تعظیم ہے ۔ عامۃ المسلمین کی قبروں کو پختہ بنانا یا ان پر قبہ وغیرہ بنانا چونکہ بے فائدہ ہے اس لئے منع ہے ہاں اس پر مٹی وغیرہ ڈالتے رہنا تا کہ اس کا نشان نہ مٹ جائے فاتحہ وغیرہ پڑھی جا سکے جائز ہے ۔ اور علماء مشائخ عظام اولیاء اللہ جن کے مزارات پر خلقت کا ہجوم رہتا ہے لوگ وہاں بیٹھ کر قرآن خوانی وفاتحہ وغیرہ پڑھتے ہیں ان کے آسائش اور صاحب قبر کی اظہار عظمت کے لئے اس کے آس پاس سایہ کے لئے قبہ وغیرہ بنانا شرعاً جائز بلکہ سنت صحابہ سے ثابت ہے اور جن عوام مومنین کی قبریں پختہ بنانا یا ان پر قبہ بنانا منع ہے اگر ان کی قبریں پختہ بن گئی ہوں تو ان کو گرانا حرام ہے پہلے مسئلہ میں سب کا اتفاق ہے آخر کے دومسئلوں میں اختلاف اس لئے ہم اس بحث کے دو باب کرتے ہیں ۔ پہلے باب میں تو اس کا ثبوت ۔ دوسرے باب میں مخالفین کے اعتراضات اور ان کے جوابات ۔

پہلا باب

مزارات اولیاء اللہ پر عمارت کا ثبوت

اس جگہ تین امور ہیں ایک تو خود قبر کو پختہ کرنا دوسرے قبر ولی کو قدر سنت یعنی ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا ۔ تیسرے قبر کے آس پاس عمارت بنا دینا ۔ پھر قبر کو پختہ کرنے کی دوصورتیں ہیں ایک تو قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت سے ملا ہوا ہے اس کو پختہ بنانا دوسرے قبر کا بیرونی حصہ جو کہ اوپر نظر آتا ہے اس کو پختہ کرنا ۔

قبر کے اندرونی حصہ کو پختہ اینٹ سے پختہ کرنا ۔ وہاں لکڑی لگانا منع ہے ہاں اگر وہاں پتھر یا سیمنٹ لگایا جاوے تو جائز ہے کیونکہ لکڑی اور اینٹ میں آگ کا اثر ہے ۔ قبر کا بیرونی حصہ پختہ بنانا عامۃ المسلمین کے لئے منع ہے اور خاص علماء ومشائخ کے لئے جائز ہے ۔

قبر کا تعویذ ایک ہاتھ سے زیادہ اونچا کرنا منع ہے اور اگر آس پاس چبوترہ اونچا کر کے اس پر تعویذ بقدر ایک ہاتھ کیا تو جائز ہے ۔

قبر کے آس پاس یا قبر کے قریب کوئی عمارت بنانا عامۃ المسلمین کی قبروں پر تو منع ہے ۔ اور فقہاء وعلماء کی قبروں پر جائز ۔ دلائل حسب ذیل ہیں ۔

(۱) مشکوۃ کتاب الجنائز باب الدفن میں بروایت ابوداؤد ہے کہ جب حضور علیہ السلام نے حضرت عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کو دفن فرمایا تو ان کی قبر کے سرہانے ایک پتھر نصب فرمایا ۔ اور فرمایا کہ **اعلم بها قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی** ہم اس سے اپنے بھائی کی قبر کا نشان لگائیں گے اور اسی جگہ اپنے اہل بیت کے مردوں کو دفن کریں گے ۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب دفن المیت الفصل الثانی ص ۱۴۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۲) بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں تعلیقاً ہے حضرت خارجہ فرماتے ہیں ۔ ہم زمانہ عثمان میں تھے ۔

ان اشدنا وثبة الذی یثب قبر عثمان ابن مظعون حتی یجاوزہ ۔

ترجمہ: ہم میں بڑا کودنے والا وہ تھا جو عثمان ابن مظعون کی قبر کو پھلانگ جاتا ۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۲۵۷ مطبوعہ ابن کثیر بیروت وفی نسخہ ج ۱ ص ۱۸۱ ۔ ۱۸۲ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مشکوٰۃ کی روایت سے معلوم ہوا کہ عثمان ابن مظعون کی قبر کے سرہانے پتھر تھا اور بخاری کی اس روایت سے معلوم ہوا کہ خود قبر عثمان کا تعویذ اس پتھر کا تھا اور دونوں روایات اس طرح جمع ہو سکتی ہیں کہ مشکوٰۃ میں جو آیا کہ قبر کے سرہانے پر پتھر لگایا اس کے معنی یہ نہیں کہ قبر سے علیحدہ سر کے قریب کھڑا کر دیا بلکہ یہ ہے کہ خود قبر میں ہی سر کی طرف اس کو لگایا یا مطلب یہ کہ قبر ساری اس پتھر کی تھی مگر سرہانے کا ذکر کیا۔ ان دونوں احادیث سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کسی خاص قبر کا نشان قائم رکھنے کے لئے قبر کچھ اونچی کر دی جاوے یا پتھر وغیرہ سے پختہ کر دی جائے تو جائز ہے تا کہ معلوم ہو کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے۔ اس سے پہلے دو مسئلے حل ہو گئے نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی زمین نرم ہو اور لوہے یا لکڑی کے صندوق میں میت رکھ کر دفن کرنا پڑے تو اس کے اندرونی حصہ میں چاروں طرف مٹی سے کہگل کر دو۔ (دیکھو شامی اور عالمگیری وغیرہ باب دفن المیت) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قبر کو اندر سے کچا ہونا چاہیئے دو مسائل ثابت ہوئے۔

(۳) مشائخ کرام اولیاء عظام علماء کرام کی مزارات کے اردگرد یا اس کے قریب میں کوئی عمارت بنانا جائز ہے۔ اس کا ثبوت قرآن کریم اور صحابہ کرام و عامۃ المسلمین کے عمل اور علماء کے اقوال سے ہے۔ قرآن کریم نے اصحاب کہف کا قصہ بیان فرماتے ہوئے کہا۔ قال الذین غلبوا علی امرھم لنتخذن علیھم مسجدا وہ بولے جو اس کام میں غالب رہے کہ ہم تو ان اصحاب کہف پر مسجد بنائیں گے۔ (پارہ ۱۵ سورہ کہف آیت نمبر ۲۱) روح البیان میں اس آیت میں بنیانا کی تفسیر میں فرمایا۔ دیوارے کہ از چشم مردم پوشیدہ شوند یعنی لایعلم احد تربتھم وتکون محفوظتہ من تطرق الناس کما حفظت تربت رسول اللہ بالحظیرۃ (تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۲۷۴۔۲۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) یعنی انہوں نے کہا کہ اصحاب کہف پر ایسی دیوار بناؤ جو ان کی قبر کو گھیرے اور ان کے مزارات لوگوں کے جانے سے محفوظ ہو جاویں۔ جیسے کہ حضور علیہ السلام کی قبر شریف چار دیواری سے گھیر دی گئی ہے۔ مگر یہ بات نامنظور ہوئی تب مسجد بنائی گئی۔ مسجدا کی تفسیر روح البیان میں ہے کہ صلی فیہ المسلمون ویتبرکون بمکانھم لوگ اس میں نماز پڑھیں اور ان سے برکت لیں۔ قرآن کریم نے ان لوگوں کی باتوں کا ذکر فرمایا ایک تو اصحاب کہف کے گرد قبہ اور مقبرہ بنانے کا مشورہ کرنا دوسرے ان کے قریب مسجد بنانا اور کسی بات کا انکار نہ فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ دونوں فعل جب بھی جائز تھے اور اب بھی جائز ہیں جیسا کہ کتب اصول سے ثابت ہے کہ شرائع قبلنا یلزمنا۔ حضور سید عالم ﷺ کو حضرت صدیقہ کے حجرے میں دفن کیا گیا۔ اگر یہ ناجائز تھا تو پہلے صحابہ کرام اس کو گرا دیتے۔ پھر دفن کرتے۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں اس کے گرد کچی اینٹوں کی گول دیوار کھچادی۔ پھر ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں سیدنا عبداللہ ابن زبیر نے تمام صحابہ کرام کی موجودگی میں اس عمارت کو نہایت مضبوط بنایا اور اس میں پتھر لگوائے چنانچہ خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی مصنفہ سید سمہودی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرہ المنیفتہ ۱۹۶ میں ہے۔

عن عمرو ابن دینار وعبیداللہ ابن ابی زید قالا لم یکن علی عھد النبی ﷺ حائط فکان اول من بنی علیہ جداراً عمر ابن الخطاب۔ قال عبیداللہ ابن ابی زید کان جدار قصیرا ثم بناہ عبداللہ ابن الزبیر الخ وقال الحسن البصری کنت ادخل بیوت رسول اللہ ﷺ وانا غلام مراھق اذا نال السقف بیدی وکان لکل بیت حجرۃ وکانت حجرہ من العکستہ من سعیر مربوطتہ فی حشب عرعرۃ۔

ترجمہ وہ ہی جو اوپر بیان ہو چکا۔

(خلاصۃ الوفا باخبار دار المصطفی دسویں فصل فیما یتعلق بالحجرہ المنیفتہ ص ۱۹۶)

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب ماجآء فی قبر النبی وابی بکر وعمر میں ہے کہ حضرت عروہ رضی اللہ عنہ

فرماتے ہیں کہ ولید ابن عبدالملک کے زمانہ میں روضہ رسول اللہ ﷺ کی ایک دیوار گر گئی تو اخذوا فی بنائه صحابہ کرام اس کے بنانے میں مشغول ہوئے۔

فبدت لهم قدم ففزعوا وظنوا انها قدم النبی علیه السلام حتی قال لهم عروة لا والله ما هی قدم النبی علیه السلام ما هی الا قدم عمر۔

ترجمہ: ایک قدم ظاہر ہوگیا تو لوگ گھبرا گئے اور سمجھے کہ یہ حضور علیہ السلام کا قدم پاک ہے۔ حضرت عروہ نے کہا اللہ کی قسم یہ حضور علیہ السلام کی قدم نہیں ہے یہ حضرت فاروق کا قدم ہے۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب ماجآء فی قبر النبی وابی بکر وعمر ج اص ۱۸۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جذب القلوب الی دیار المحبوب میں شیخ عبدالحق فرماتے ہیں کہ ۵۵۰ھ میں جمال الدین اصفہانی نے علماء کرام کی موجودگی میں صندل کی لکڑی کی جالی اس دیوار کے آس پاس بنائی اور ۵۵۷ھ میں بعض عیسائی عابدوں کی شکل میں مدینہ منورہ آئے اور سرنگ لگا کر نعش مبارک کو زمین سے نکالنا چاہا۔ حضور علیہ السلام نے تین بار بادشاہ کو خواب میں فرمایا۔ لہذا بادشاہ نے ان کو قتل کرایا اور روضہ کے آس پاس پانی تک بنیاد کھود کر سیسہ لگا کر اس کو بھر دیا پھر ۶۷۸ھ میں سلطان قلاؤں صالحی نے یہ گنبد سبز جو اب تک موجود ہے بنوایا۔

ان عبارات سے یہ معلوم ہوا کہ روزہ مطرہ صحابہ کرام نے بنوایا تھا اگر کوئی کہے کہ یہ تو حضور علیہ السلام کی خصوصیت ہے تو کہا جاوے گا کہ اس روضہ میں حضرت صدیق رضی اللہ عنہ وفاروق رضی اللہ عنہ بھی دفن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دفن ہوں گے لہذا یہ خصوصیت نہ رہی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز اور مشکوۃ باب البکا علی المیت میں ہے کہ حضرت امام حسن ابن حسن ابن علی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوگیا۔

ضربت امراته القبة علی قبره سنة۔

ترجمہ: تو ان کی بیوی نے ان کی قبر پر ایک سال تک قبہ ڈالے رکھا۔

(صحیح بخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج اص ۴۳۶ مطبوعہ ابن کثیر بیروت وفی نسخہ ج اص ۱۷۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ بھی صحابہ کرام کے زمانہ میں سب کی موجودگی میں ہوا۔ کسی نے انکار نہ کیا۔ نیز ان کی بیوی ایک سال تک وہاں رہیں۔ پھر گھر واپس آئیں۔ جیسا کہ اسی حدیث میں ہے۔ اس سے بزرگوں کی قبروں پر مجاوروں کا بیٹھنا بھی ثابت ہوا۔

یہاں تک تو قرآن وحدیث سے ثابت ہوا۔ اب فقہاء محدثین اور مفسرین کے اقوال ملاحظہ ہوں۔

روح البیان جلد ۳ پارہ ازیر آیت (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸) انما یعمر مسجد الله من امن بالله میں ہے۔

فبناء قباب علی قبور العلمآء والاولیاء و الصلحآء امر جائز اذا کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العآمة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر۔

ترجمہ: علماء اور اولیاء صالحین کی قبروں پر عمارات بنانا جائز کام ہے جبکہ اس سے مقصود ہو لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا تا کہ لوگ اس قبر والے کو حقیر نہ جانیں۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

مرقات شرح مشکوۃ کتاب الجنائز باب دفن المیت میں ہے۔

قد اباح السلف البناء علی قبور المشائخ و العلمآء المشهورین لیرورهم الناس و یستر یحوا بالجلوس۔

ترجمہ: پہلے علماء نے مشائخ اور علماء کی قبروں پر عمارات بنانا جائز فرمایا ہے تا کہ ان کی لوگ زیارت کریں۔ اور وہاں بیٹھ کر آرام پائیں۔
(مرقات شرح مشکوۃ باب دفن المیت ج ۴ ص ۶۰)

شیخ عبد الحق محدث دہلوی شرح سفر السعادت میں فرماتے ہیں۔
در آخر زمان بجہت اقتصار نظر عوام بر ظاہر مصلحت در تعمیر و ترویج مشاہد و مقابر مشائخ وعظماء دیدہ چیز ہا افزودند تا آنجا ہیبت و شوکت اہل اسلام واہل صلاح پیدا آید خصوصاً در دیار ہند کہ اعدائے دین از ہنود و کفار بسیار اند۔ و ترویج و اعلاء شان ایں مقامات باعث رعب و انقیاد ایشاں است و بسیار اعمال و افعال و اوضاع کہ در زمان سلف از مکروہات بودہ اند در آخر زمان از مستحسنات گشتہ۔

ترجمہ: آخر زمان میں چونکہ عام لوگ محض ظاہر بین رہ گئے۔ لہٰذا مشائخ اور صلحاء کی قبروں پر عمارت بنانے میں مصلحت دیکھ کر زیادتی کر دی تا کہ مسلمانوں اور اولیاء اللہ کی ہیبت ظاہر ہو خاصکر ہندوستان میں کہ یہاں ہندو اور کفار بہت سے دشمنان دین ہیں ان مقامات کی اعلان شان کفار کے رعب اور اطاعت کا ذریعہ ہے اور بہت سے کام پہلے مکروہ تھے اور آخر زمانہ میں مستحب ہو گئے۔
(سفر السعادات باب زیارۃ القبور ص ۲۷۲ مطبوعہ نوریہ رضویہ)

شامی جلد اول باب الدفن میں ہے۔
وقیل لایکرہ البناء اذا کان المیتمن المشائخ والعلماء والسادات۔

ترجمہ: کہ اگر میت مشائخ اور علماء اور سادات کرام میں سے ہو تو اس کی قبر پر عمارت بنانا مکروہ نہیں ہے۔
(رد المحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار میں اسی باب الدفن میں ہے۔ **لایرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ وھو المختار** قبر پر عمارت نہ بنائی جائے اور کہا گیا ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں اور یہی قول پسندیدہ ہے۔

(رد المحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ شامی اور درمختار نے عمارت کے جواز کو قیل سے بیان کیا۔ اس لئے یہ قول ضعیف ہے لیکن یہ صحیح نہیں فقہ میں قیل علامت ضعف نہیں۔ اور بعض جگہ ایک مسئلہ میں دو قول بیان کرتے ہیں اور دونوں قیل سے۔ ہاں منطق میں قیل علامت ضعف ہے۔ قیل کی مکمل بحث اذان قبر کے بیان میں دیکھو۔

طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵ میں ہے۔
وقد اعتاد اھل المصر وضع الاحجار حفظا للقبور عن الاندراس والنبش ولاباس بہ وفی الدرر ولا یجصص ولا یطین ولا یرفع علیہ بناء وقیل لاباس بہ ھو المختار۔

ترجمہ: مصر کے لوگ قبروں پر پتھر رکھنے کے عادی ہیں۔ تا کہ وہ مٹنے اکھڑنے سے محفوظ رہیں اور قبر کو گچ نہ کی جاوے نہ کھگل کی جاوے نہ اس پر عمارت بنائی جاوے اگر کہا گیا کہ جائز ہے اور یہی مختار ہے۔

(طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ ۳۳۵)

میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز میں امام شعرانی فرماتے ہیں۔
ومن ذلک قول الائمۃ ان القبر لایبنی ولا یجصص مع قول ابی حنیفۃ یجوز ذلک قال الاول مشدد والثانی مخفف۔

ترجمہ: اسی سے ہے دیگر اماموں کا یہ کہنا کہ قبر پر نہ عمارت بنائی جاوے اور نہ اس کو گچ کی جاوے باوجود یکہ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول ہے کہ یہ سب جائز ہے پس پہلے قول میں سختی ہے اور دوسرے میں آسانی۔

(میزان کبریٰ آخر جلد اول کتاب الجنائز ج ا ص ۱۵۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اب تو رجسٹری ہوگئی کہ خود امام مذہب امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا فرمان مل گیا کہ قبر پر قبہ وغیرہ بنانا جائز ہے۔

الحمد للہ کہ قرآن وحدیث اور فقہی عبارات بلکہ خود امام ابوحنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان پاک سے ثابت ہو گیا کہ اولیاء علماء کی قبور پر گنبد وغیرہ بنانا جائز ہے۔ عقل بھی یہی چاہتی ہے کہ یہ جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو یہ دیکھا گیا ہے کہ عام کچی قبروں کا عوام کی نگاہ میں نہ ادب ہوتا ہے نہ احترام اور نہ زیادہ فاتحہ خوانی نہ کچھ اہتمام بلکہ لوگ پیروں سے اس کو روندتے ہیں۔ اور اگر کسی قبر کو پختہ دیکھتے ہیں غلاف وغیرہ پڑا ہوا پاتے ہیں سمجھتے ہیں کہ یہ کسی بزرگ کی قبر ہے اس سے بچ کر نکلتے ہیں اور خود بخود فاتحہ کو ہاتھ اٹھ جاتا ہے اور مشکوٰۃ باب الدفن میں اور مرقات میں ہے کہ مسلمان کا زندگی اور بعد موت یکساں ادب چاہیے۔ اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر سے اتنی دور بیٹھے جتنی دور کہ صاحب قبر کی زندگی میں اس سے بیٹھتا تھا اس سے معلوم ہوا کہ میت کا احترام بقدر زندگی کے احترام کے ہے اور اولیاء اللہ تو زندگی میں واجب التعظیم تھے۔ لہذا بعد موت بھی اور قبر کی عمارت اس تعظیم کا ذریعہ ہے لہذا کم از کم مستحب ہے۔ دوسرے اس لئے کہ جس طرح تمام عمارات میں سرکاری عمارتیں یا کہ مساجد ممتاز رہتی ہیں کہ ان کو پہچان کر لوگ اس سے فائدہ اٹھائیں۔ علماء کو چاہیے کہ اپنی وضع قطع لباس صورت اہل علم کا سا رکھیں تا کہ لوگ ان کو پہچان کو مسائل دریافت کریں۔ اسی طرح چاہیے کہ علماء ومشائخ کے قبور عام قبروں سے ممتاز رہیں تا کہ لوگ پہچان کر ان سے فیض لیں۔ تیسرے اس لئے کہ مقابر اولیاء اللہ شعائر اللہ ہیں جیسا کہ ہم اس سے پہلے تفسیر روح البیان کے حوالہ سے بیان کر چکے ہیں اور شعائر اللہ کا ادب ضروری ہے قرآن سے ثابت ہے لہذا قبروں کا ادب چاہیے۔ ادب کے ہر ملک اور ہر زمانہ میں علیحدہ طریقے ہوتے ہیں۔ جو طریقہ بھی ادب کا خلاف اسلام نہ ہو وہ جائز ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں قرآن پاک ہڈیوں اور چمڑے پر لکھا تھا۔ مسجد نبوی کچی تھی اور چھت میں کھجور کے پتے تھے جو بارش میں ٹپکتی تھی۔ مگر بعد کے زمانہ میں مسجد نبوی نہایت شاندار اور روضہ رسول اللہ ﷺ بہت اہتمام سے بنائے گئے اور قرآن کو اچھے کاغذ پر چھاپہ گیا۔

درمختار کتاب الکراہیت فصل فی البیع میں ہے۔ **وجاز تجلیته المصحف لما فیه من تعظیمه کما فی نقش المسجد۔**

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۳ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کے ماتحت شامی میں ہے ای **بالذهب والفضة** یعنی قرآن کریم کو چاندی سونے سے آراستہ کرنا جائز ہے کیونکہ اس میں ان کی تعظیم ہے۔ جیسا کہ مسجد کو نقشین کرنا۔ اسی طرح صحابہ کرام کے زمانہ میں حکم تھا کہ قرآن کو آیات اور رکوع اور اعراب سے خالی رکھو۔ لیکن اس زمانہ کے بعد چونکہ ضرورت درپیش ہوئی۔ یہ تمام کام جائز بلکہ ضروری ہو گئے۔ شامی میں اسی جگہ ہے۔

وما روی عن ابن مسعود جرد والقرآن کان فی زمنهم وکم من شیئ یختلف باختلاف الزمان والمکان۔

ترجمہ: ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ قرآن کو اعراب وغیرہ سے خالی رکھو یہ اس زمانہ میں تھا۔ اور بہت سی چیزیں زمانہ اور جگہ بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۳ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی مقام پر شامی (ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۲ کتاب الحظر والاباحۃ فصل فی البیع مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) میں ہے کہ قرآن کو چھوٹا کر کے نہ چھاپو یعنی حمائل نہ بناؤ بلکہ اس کا قلم موٹا ہو۔ حرف کشادہ ہوں تقطیع بڑی ہو یہ سارے احکام کیوں ہیں؟ صرف قرآن کی عظمت کے لئے اسی طرح یہ بھی ہے اول زمانہ میں تعظیم قرآن واذان واقامت پر اجرت لینا حرام تھا حدیث وفقہ میں موجود ہے مگر بعد کو ضرورتاً جائز کیا گیا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں خود زندہ لوگوں کو پختہ مکان بنانے کی ممانعت تھی۔ ایک صحابی نے پختہ مکان بنایا تو حضور علیہ السلام ناراض ہوئے یہاں تک کہ ان کے سلام کا جواب نہ دیا جب اس کو گرادیا۔ تب جواب سلام دیا (دیکھو مشکوۃ کتاب الرقاق فصل الثانی ص ۴۴۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) اسی مشکوۃ کتاب الرقاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔ اذا لم یبارك للعبد فی مالہ جعلہ فی المآء والطین جب بندے کے مال میں بے برکتی ہوتی ہے تو اس کو اینٹ گارے میں خرچ کرتا ہے (مشکوۃ المصابیح کتاب الرقاق الفصل الثالث ص ۴۴۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) لیکن ان احکام کے باوجود عام مسلمانوں نے بعد میں پختہ مکان بھی بنائے اور مسجدیں بھی۔ تعجب ہے کہ جو حضرات اولیاء اللہ کی قبروں کے پختہ کرنے یا ان پر قبہ بنانے کو حرام کہتے ہیں وہ اپنے مکان کیوں عمدہ اور پختہ بناتے ہیں۔ اتومنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۸۵) کیا بعض حدیثوں پر ایمان ہے اور بعض کا انکار۔ اللہ سمجھ دے۔ چوتھے اس لئے کہ اولیاء اللہ کی مقابر کا پختہ ہونا۔ ان پر عمارات قائم ہونا۔ تبلیغ اسلام کا ذریعہ ہے۔ اجمیر شریف وغیرہ میں دیکھا گیا ہے کہ مسلمانوں سے زیادہ وہاں ہندو اور دیگر کفار زیارت کو جاتے ہیں بہت سے ہندوؤں اور رافضیوں کو میں نے دیکھا کہ خواجہ صاحب کی دھوم دھام دیکھ کر مسلمان ہو گئے۔

ہندوستان میں اب کفار مسلمانوں کے ان اوقاف پر قبضہ کر رہے ہیں جن میں کوئی علامت نہ ہو۔ بہت سی مسجدیں، خانقاہیں، قبرستان بے نشان ہو کر ان کے قبضے میں پہنچ گئے اگر قبرستان کی ساری قبریں کچی ہوں تو وہ کچھ دن میں گر گر کر برابر ہو جاتی ہیں اور سادہ زمین پر کفار قبضہ جما لیتے ہیں لہذا اب سخت ضرورت ہے کہ ہر قبرستان میں کچھ قبریں پختہ ہوں تا کہ ان سے اس زمین کا قبرستان ہونا بلکہ اس کے حدود معلوم رہیں۔

میں نے اپنے وطن میں خود دیکھا کہ مسلمانوں کے دو قبرستان بھر چکے تھے ایک میں بجز دو تین قبروں کے ساری قبریں کچی تھیں۔ دوسرے قبرستان کے کچھ حصہ میں پختہ قبریں بھی تھیں۔ مسلمان فقیروں نے یہ دونوں قبرستان خفیہ طور پر فروخت کر دیئے جس پر مقدمہ چلا۔ پہلا قبرستان تو سوائے پختہ قبروں کے مکمل طور پر مسلمانوں کے قبضہ سے نکل گیا۔ کیونکہ حکام نے اسے سفید زمین مانا۔ دوسرے قبرستان کا آدھا حصہ جہاں تک پختہ قبریں تھیں مسلمانوں کو ملا۔ باقی وہ حصہ جس میں ساری قبریں کچی تھیں اور مٹ چکی تھیں کفار کے پاس پہنچ گئے۔ کیونکہ اس قبرستان کے حدود پختہ قبروں کی حد سے قائم کئے گئے باقی کا بیعنامہ درست مانا گیا۔ اس سے مجھے پتہ لگا کہ اب ہندوستان میں کچھ قبریں پختہ ضرور بنوانی چاہئیں کیونکہ یہ بقاء وقف کا ذریعہ ہیں جیسے مسجد کے لئے مینارے۔

ماہ جولائی ۱۹۶۰ء کے اخبارات میں مسلسل یہ خبر شائع ہو رہی ہے کہ مولوی اسمٰعیل صاحب کے پیر سید احمد صاحب بریلوی کی قبر جو بالاکوٹ میں واقع ہے شکستہ حالت میں ہے اس کی مرمت کی جاوے گی اور اس پر گنبد وغیرہ تعمیر کیا جاویگا۔ سبحان اللہ سید احمد صاحب جنہوں نے عمر بھر مسلمانوں کی قبریں ڈھائیں اب خود ان کی قبر پر گنبد بنے لاکھ مسلمان شریک تھے اس عمارت پر ۵۰۷ لاکھ روپیہ خرچ ہو گا اس تقریب میں دیوبندیوں کے پیشوا مولوی احتشام الحق نے بھی شرکت کی۔ ان کی تقریر راولپنڈی کے جنگ ۱۲ اگست ۱۹۶۰ء میں شائع ہوئی آپ نے بہت خوشی کا اظہار فرماتے ہوئے فرمایا کہ مبارک ہو کہ بانی انقلاب آج بانی پاکستان کی قبر پر سنگ بنیاد رکھ رہا ہے اب تک

پاکستان کی حکومتوں نے اس مبارک کام میں بہت سستی کی تھی۔ مسلمانو! یہ ہیں وہ دیوبندی جواب تک مسلمانوں کی قبریں اکھڑواتے تھے جنہوں نے نجدی حکومت کو مبارک باد کے تار دیئے تھے کہ اس نے صحابہ واہل بیت کی قبریں اکھیڑ دیں آج قائداعظم کی قبر پر گنبد وغیرہ تعمیر ہونے پر مبارک باد دے رہے ہیں۔ ان کا کتابی مذہب اور ہے۔ زبانی مذہب اور عملی مذہب کچھ اور چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی۔ بہرحال مزار پر گنبد کے دیوبندی بھی قائل ہو گئے۔

دوسرا باب

عمارت قبور پر اعتراضات کے جوابات میں

مخالفین کے اس مسئلہ پر صرف دو ہی اعتراض ہیں اول تو یہ کہ مشکوۃ باب الدفن میں بروایت مسلم ہے۔

اعتراض (۱)......:۔ نهى رسول الله ﷺ ان يجصص القبور وان يبنى عليه وان يقعد عليه۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے منع فرمایا اس سے کہ قبروں پر گچ کی جاوے اور اس سے کہ اس پر عمارت بنائی جاوے اور اس سے کہ اس پر بیٹھا جاوے۔

(مشکوۃ المصابیح باب الدفن علی المیت الفصل الاول ص ۱۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

نیز عام فقہاء فرماتے ہیں کہ يكره البناء على القبور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ تین کام حرام ہیں قبر کو پختہ بنانا۔ قبر پر عمارت بنانا اور قبر پر مجاور بن کر بیٹھنا۔

جواب:۔ قبر کو پختہ کرنے سے منع ہونے کی تین صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ قبر کا اندرونی حصہ جو کہ میت کی طرف ہے اس کو پختہ کیا جاوے۔ اسی لئے حدیث میں فرمایا گیا۔ ان يجصص القبور یہ نہ فرمایا گیا على القبور دوسرے یہ کہ عامۃ المسلمین کی قبور پختہ کی جاویں کیونکہ یہ بے فائدہ ہے تو معنی یہ ہوئے کہ ہر قبر کو پختہ بنانے سے منع فرمایا۔ تیسرے یہ کہ قبر کو سجاوٹ تکلیف یا فخر کے لئے پختہ کیا۔ یہ تینوں صورتیں منع ہیں اور اگر نشان باقی رکھنے کے لئے کسی ولی اللہ کی قبر پختہ کی جاوے تو جائز ہے۔ کیونکہ حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون رضی اللہ عنہ کی قبر پختہ پتھر کی بنائی۔ جیسا کہ پہلے باب میں عرض کیا گیا۔ لمعات میں اسی ان يجصص القبور کے ماتحت ہے لما فيه من الزينة والتكليف کیونکہ اس میں محض سجاوٹ اور تکلیف ہے۔ جس سے معلوم ہوا کہ اگر اس لئے نہ ہو تو جائز ہے ان يبنى عليه یعنی قبر پر عمارت بنانا منع فرمایا۔ اس کے بھی چند معنی اولاً تو یہ کہ خود قبر پر عمارت بنائی جاوے اس طرح کہ قبر دیوار میں شامل ہو جاوے۔ چنانچہ شامی باب الدفن میں ہے۔

وتكره الزيادة عليه لما فی المسلم۔ نهى رسول الله عليه السلام ان يجصص القبر وان يبنى عليه۔

ترجمہ: قبر کو ایک ہاتھ سے اونچا کرنا منع ہے کیونکہ مسلم میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے قبر کو پختہ کرنے اور اس پر کچھ بنانے سے منع فرمایا۔

(ردالمحتار کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ا ص ۶۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار اسی باب میں ہے وتكره الزيادة عليه من التراب لانه بمنزلة البناء قبر پر مٹی زیادہ کرنا منع ہے کیونکہ یہ عمارت بنانے کے درجہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبر پر بنانا یہ ہے کہ قبر دیوار میں آ جاوے اور گنبد بنانا یہ حول القبر یعنی قبر کے ارد گرد بنانا ہے یہ ممنوع نہیں۔ دوسرے یہ کہ یہ حکم عامۃ المسلمین کے لئے قبروں کے لئے ہے۔ تیسرے یہ کہ اس بنانے کی تفسیر خود دوسری حدیث نے کر دی جو کہ

مشکوۃ باب المساجد میں ہے۔

اللھم لاتجعل قبری وثنا یعبد اشتد غضب اللہ علی قوم ن اتخذوا قبور انبیآء ھم مسجد۔

ترجمہ: اے اللہ میری قبر کو بت نہ بنانا جس کی پوجا کی جاوے اس قوم پر خدا کا سخت غضب ہے جس نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو مسجد بنالیا۔

(مشکوۃ المصابیح الفصل الاول ص ۷۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی قبر کو مسجد بنانا اس پر عمارت بنا کر اس طرف نماز پڑھنا حرام ہے یہ ہی اس حدیث سے مراد ہے۔ قبروں پر کیا نہ بناؤ مسجد۔ قبر کو مسجد بنانے کے یہ معنی ہیں کہ اس کی عبادت کی جاوے۔ یا کم از کم اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف سجدہ کیا جاوے۔ علامہ ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح بخاری میں فرماتے ہیں۔

قال البیضاوی لما کانت الیھود والنصری یسجدون لقبور الانبیآء تعظیما لشانھم و یجعلونھا قبلۃ یتوجھون فی الصلوۃ نحوھا و اتخذوھا اوثانا لعنھم ومنع المسلمون عن مثل ذلک۔

ترجمہ: بیضاوی نے فرمایا کہ جبکہ یہود و نصاریٰ پیغمبروں کی قبروں کو تعظیماً سجدہ کرتے تھے اور اس کو قبلہ بنا کر اس کی طرف نماز پڑھتے تھے اور ان قبور کو انہوں نے بت بنا کر رکھا تھا لہذا اس پر حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی اور مسلمانوں کو اس سے منع فرمایا گیا۔

یہ حدیث معترض کی پیش کردہ حدیث کی تفسیر ہوگئی۔ معلوم ہوگیا کہ قبہ بنانے سے منع نہیں فرمایا بلکہ قبر کو سجدہ گاہ بنانے سے منع فرمایا۔ چوتھے یہ کہ یہ ممانعت حکم شرعی نہیں ہے۔ بلکہ زہد و تقویٰ کی تعلیم ہے جیسے کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ رہنے کے مکانات کو پختہ کرنے سے بھی روکا گیا۔ بلکہ گرادیئے گئے پانچواں یہ کہ جب بنانے والے کا یہ اعتقاد ہو کہ اس عمارت سے میت کو راحت یا فائدہ پہنچتا ہے تو منع ہے کہ غلط خیال ہے اور اگر زائرین کی آسائش کے لئے عمارت بنائی جاوے تو جائز ہے۔

ہم نے یہ توجیہیں اس لئے کیں کہ بہت سے صحابہ کرام نے خاص خاص قبروں پر عمارات بنائی ہیں یہ فعل سنت صحابہ ہے چنانچہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور علیہ السلام کی قبر انور کے گرد عمارت بنائی۔ سیدنا ابن زبیر رضی اللہ عنہ نے اس پر خوبصورت عمارت بنائی۔ حسن مثنیٰ کی بیوی نے اپنے شوہر کی قبر پر قبہ ڈالا جس کو ہم بحوالہ مشکوۃ باب البکاء سے نقل کر چکے۔ زوجہ حسن مثنیٰ کے اس فعل کے ماتحت ملا علی قاری مرقات شرح مشکوۃ باب البکاء میں فرماتے ہیں۔

الظاھر انہ لاجتماع الاحباب للذکر والقراءۃ وحضور الاصاحب للدعا بالمغفرۃ والرحمۃ اما حمل فعلھا علی العبث المکروہ فغیر لائق لصنیع اھل البیت۔

ترجمہ: ظاہر یہ ہے کہ یہ قبور دوستوں اور صحابہ کے جمع ہونے کے لئے تھا تا کہ ذکر اللہ اور تلاوت قرآن کریں اور دعائے مغفرت کریں لیکن ان بی بی کے اس کام کو محض بے فائدہ بنانا جو کہ مکروہ ہے یہ اہل بیت کی شان کے خلاف ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح کتاب الجنائز البکاء علی المیت الفصل الثالث تحت رقم الحدیث ۱۷۴۹ ص ۲۲۷ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

صاف معلوم ہوا کہ فلا فائدہ عمارت بنانا منع اور زائرین کے آرام کے لئے جائز ہے۔ نیز حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی قبر پر قبہ بنایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر اور حضرت محمد ابن حنیفہ نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی قبر پر قبہ بنایا۔ منتقیٰ شرح مؤطا امام مالک میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔

وضربہ عمر علی قبر زینب بنت جحش و ضربتہ عائشۃ علی قبر اخیھا عبدالرحمن و ضربہ محمد ابن الحنفیۃ علی قبر ابن عباس و انما کرھہ لمن ضربہ علی وجہ السمعۃ و المباھات۔

ترجمہ: حضرت عمر نے زینب جحش کی قبر پر قبہ بنایا حضرت عائشہ نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ بنایا محمد ابن حنیفہ (ابن علی رضی اللہ عنہما) نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنایا رضی اللہ عنہم اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا جو کہ اس کو فخر دریا کے لئے بنائے۔

بدائع الصنائع جلد اول صفحہ ۳۲۰ میں ہے۔

روي ان ابن عباس لمامات بالطائف صلى عليه محمد ابن حنفية وجعل قبره مسنما و ضرب عليه فسطاطا۔

ترجمہ: جبکہ وطائف میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا تو ان پر محمد ابن حنیفہ نے نماز پڑھی اور ان کی قبر ڈھلوان بنائی اور قبر پر قبہ بنایا۔

(بدائع الصنائع ج ۱ ص ۳۲۰ مطبوعہ مصر)

عینی شرح بخاری میں ہے **ضربه محمد ابن حنيفة على قبر ابن عباس** ان صحابہ کرام نے یہ فعل کئے اور ساری امت روضہ رسول علیہ السلام پر جاتی رہی۔ کسی محدث کسی فقیہ کسی عالم نے اس روضہ پر اعتراض نہ کیا لہذا اس حدیث کی وہ ہی توجیہیں کی جاویں جو کہ ہم نے کیں۔ قبر پر بیٹھنے کے معنے ہیں قبر پر چڑھ کر یہ منع ہے نہ کہ وہاں مجاور بننا۔ مجاور بننا تو جائز ہے۔ مجاور اسی کو تو کہتے ہیں جو قبر کا انتظام رکھے کھولنے بند کرنے کی چابی اپنے پاس رکھے وغیرہ وغیرہ یہ صحابہ کرام سے ثابت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا مسلمانوں کی والدہ حضور علیہ السلام کی قبر انور کی منتظمہ اور چابی والی تھیں۔ جب صحابہ کرام کو زیارت کرنی ہوتی تو ان سے ہی کھلوا کر زیارت کرتے۔ دیکھو مشکوۃ باب الدفن۔ آج تک روضہ مصطفیٰ علیہ الصلوۃ والسلام پر مجاور رہتے ہیں کسی نے ان کو ناجائز نہ کہا۔

اعتراض (۲)......: مشکوۃ باب الدفن میں ہے۔

وعن ابى هياج ن الاسدى قال لى على الا ابعثك على ما بعثنى رسول الله عليه السلام ان لاتدع تمثالا الا طمسته ولا قبرا مشرفا الا سويته۔

ترجمہ: ابو ہیاج اسدی سے مروی ہے کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ کیا میں تم کو اس کام پر نہ بھیجوں جس پر مجھ کو حضور علیہ السلام نے بھیجا تھا وہ یہ کہ تم کوئی تصویر نہ چھوڑ دمگر مٹا دو اور نہ کوئی اونچی قبر مگر اس کو برابر کردو۔

(مشکوۃ المصابیح باب الدفن علی المیت الفصل الاول ص ۱۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر میں ہے۔

ورای ابن عمر فسطاطا على قبر عبدالرحمن فقال انزعه يا غلام فانما يظله عمله۔

ترجمہ: ابن عمر رضی اللہ عنہما نے عبدالرحمٰن کی قبر پر قبہ خیمہ دیکھا پس آپ نے فرمایا کہ اے لڑکے اس کو علیحدہ کردو کیونکہ ان پر ان کے عمل سایہ کررہے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الجنائز باب الجرید علی القبر ج ۱ ص ۱۸۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

ان دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا کہ اگر کسی قبر پر عمارت بنی ہو یا قبر اونچی ہو تو اس کو گرا دینا چاہیے۔

نوٹ ضروری: اس حدیث کو آڑ بنا کر نجدی وہابیوں نے صحابہ کرام اور اہل بیت کے مزارات کو گرا کر زمین کے ہموار کردیا۔

جواب:۔ جن قبروں کو گرادینے کا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حکم دیا ہے وہ کفار کی قبریں تھیں۔ نہ کہ مسلمین کی۔ اس کی چند وجہ ہیں۔
اولاً تو یہ کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں تم کو اس کام کے لئے بھیجتا ہوں۔ جس کے لئے مجھے حضور علیہ السلام نے بھیجا۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں جن قبروں کو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے گرایا وہ مسلمانوں کی قبریں نہیں ہوسکتیں۔
کیونکہ ہر صحابی کے دفن میں حضور علیہ السلام شرکت فرماتے تھے۔ نیز صحابہ کرام کوئی کام بھی حضور علیہ السلام کے بغیر مشورہ کے نہ کرتے تھے لہٰذا اس وقت جس قدر قبور مسلمین بنیں۔ وہ یا تو حضور کی موجودگی کی یا آپ کی اجازت سے تو وہ کون سے مسلمانوں کی قبریں تھیں جو کہ ناجائز بن گئیں اور ان کو مٹانا پڑا۔ عیسائیوں کی قبور اونچی ہوتی تھیں۔ بخاری شریف صفحہ ۶۱ مسجد نبوی کی تعمیر کے بیان میں ہے۔

امر النبی علیه السلام بقبور المشرکین فبشت۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے مشرکین کی قبروں کا حکم دیا پس اکھیڑ دی گئیں۔

(صحیح البخاری باب ھل تنبش قبور مشرکی الجاہلیۃ ویتخذ مکانھا مساجد؟ ج ۱ ص ۶۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری شریف جلد اول صفحہ ۶۱ میں ایک باب باندھا باب **هل ینبش قبور مشرکی الجاهلیة** کیا مشرکین زمانہ جاہلیت کی قبریں اکھیڑ دی جاویں اسی کی شرح میں حافظ ابن حجر فتح الباری شرح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶ میں فرماتے ہیں۔

ای دون غیرها من قبور الانبیآء و اتباعهم لما فی ذلك اهانة لهم۔

ترجمہ: یعنی ماسوا انبیاء اور ان کے متبعین کے کیونکہ ان کی قبریں ڈھانے میں ان کی اہانت ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۲۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

دوسری جگہ فرماتے ہیں۔

وفی الحدیث جواز تصرف فی المقبرة المملوکة وجواز نبش قبور الدارسة اذا لم یکن محرمة۔

ترجمہ: اس حدیث میں اس پر دلیل ہے کہ جو قبرستان ملک میں آ گیا اس میں تصرف کرنا جائز ہے اور پرانی قبریں اکھاڑ دی جاویں بشرطیکہ محترمہ نہ ہوں۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱ ص ۵۲۴ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

اس حدیث اور اس کی شرح نے مخالف کی پیش کردہ حدیث علی رضی اللہ عنہ کی تفسیر کردی کہ مشرک کی قبریں گرائی جاویں۔ دوسرے اس لئے کہ اس میں قبر کے ساتھ فوٹو کا کیوں ذکر ہے۔ مسلمان کی قبر پر فوٹو کہاں ہوتا ہے؟ معلوم ہوا کہ کفار کی قبریں ہی مراد ہیں۔ کیونکہ ان کی قبروں پر میت کا فوٹو بھی ہوتا ہے۔ تیسرے اس لئے کہ فرماتے ہیں کہ اونچی قبر کو زمین کے برابر کردو اور مسلمان کی قبر کے لئے سنت ہے کہ زمین سے ایک ہاتھ اونچی رہے۔ اس کو بالکل پیوند زمین کرنا خلاف سنت ہے۔ ماننا پڑے گا کہ یہ قبور کفار تھیں ورنہ تعجب ہے کہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ تو اونچی قبریں اکھڑوائیں اور ان کے فرزند محمد ابن حنیفہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی قبر پر قبہ بنائیں۔ اگر کسی مسلمان کی قبر اونچی بن بھی گئی۔ تب بھی اس کو نہیں اکھیڑ سکتے کیونکہ اس میں مسلمان کی توہین ہے۔ اولاً اونچی نہ بناؤ۔ مگر جب بن جائے۔ تو نہ مٹاؤ۔ قرآن پاک چھوٹا سائز چھاپنا منع ہے دیکھو شامی کتاب الکراہیت۔ مگر جب چھپ گیا تو اس کو پھینکو نہ جلاؤ۔ کیونکہ اس میں قرآن کی بے ادبی ہے احادیث میں وارد ہے کہ مسلمان کی قبر پر بیٹھنا وہاں پاخانہ کرنا۔ وہاں جوتہ سے چلنا ویسے بھی اس پر چلنا پھرنا منع ہے مگر افسوس کہ نجدی نے صحابہ کرام کے مزارات گرائے اور معلوم ہوا ہے کہ اب جدہ میں انگریز عیسائیوں کی اونچی اونچی قبریں برابر بن رہی ہیں

صدق رسول اللہ ﷺ یقتلون اھل الاسلام ویترکون اھل الاصنام ہرایک کو اپنی جنس سے محبت ہوتی ہے۔

حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث سے سندلانا محض بے جا ہے وہ تو خود فرما رہے ہیں کہ میت پر اعمال کا سایہ کافی ہے جس سے معلوم ہوا کہ اگر میت پر سایہ کرنے کے لئے قبہ بنایا تو جائز ہے۔ عینی شرح بخاری اسی حدیث ابن عمر کے ماتحت فرماتے ہیں۔

وھی اشارۃ الی ان ضرب القسطاط لغرض صحیح کالتستر من الشمس مثلا للاحیآء لا لاضلال المیت جاز۔

ترجمہ: ادھر اشارہ ہے کہ قبر پر صحیح غرض کے لئے خیمہ لگانا جیسے کہ زندوں کو دھوپ سے بچانے کے لئے نہ کہ میت کو سایہ کرنے کے لئے جائز ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری باب الجرید علی القبر ج ۸ ص ۱۸۳)

اس کا تجربہ خود مجھ کو اس طرح ہوا کہ میں ایک دفعہ دوپہر کے وقت ایک گھنٹہ کے لئے سیالکوٹ گیا۔ بہت شوق تھا کہ ملا عبدالحکیم فاضل سیالکوٹی علیہ الرحمۃ کے مزار پر فاتحہ پڑھوں۔ کیونکہ ان کے حواشی دیکھنے کا اکثر مشغلہ رہا وہاں پہنچا۔ قبر پر کوئی سائبان نہ تھا۔ زمین گرم تھی دھوپ تیز تھی بمشکل تمام چند آیات پڑھ کر فوراً وہاں سے ہٹنا پڑا۔ جذبہ دل دل ہی میں رہ گیا۔ اس دن معلوم ہوا کہ مزارات پر عمارات بہت فائدہ مند ہیں۔ تفسیر روح البیان پارہ ۲۶ سورہ فتح زیر آیت **اذیبا یعونك تحت الشجرۃ** (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۱۸) ہے کہ بعض مغرور لوگ کہتے ہیں کہ چونکہ آج کل لوگ انبیاء اللہ کی قبروں کی تعظیم کرتے ہیں لہذا ہم ان قبروں کو گرائیں گے تا کہ یہ لوگ دیکھ لیں کہ اولیاء اللہ میں کوئی قدرت نہیں ہے ورنہ وہ اپنی قبروں کو گرنے سے بچا لیتے۔

فاعلم ان ھذا الصنیع کفر صراح ماخوذ من قول فرعون ذرونی اقتل موسی ولیدع ربہ انی اخاف ان یبدل دینکم او ان یظھر فی الارض الفساد۔

ترجمہ: تو جان لو کہ یہ کام خالص کفر ہے فرعون کے اس قول سے ماخوذ ہے کہ چھوڑ دو مجھ کو میں موسیٰ کو قتل کر دوں وہ اپنے خدا کو بلا لے میں خوف کرتا ہوں کہ تمہارا دین بدل دے گا یا زمین میں فساد پھیلا دے گا۔

(تفسیر روح البیان ج ۹ ص ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مجھ سے ایک بار کسی نے کہا کہ اگر اولیاء اللہ یا صحابہ کرام میں کچھ طاقت تھی تو نجدی وہابیوں سے اپنی قبروں کو کیوں نہ بچایا؟ معلوم ہوا کہ یہ محض مردے ہیں پھر ان کی تعظیم وتوقیر کیسی؟ میں نے کہا کہ حضور علیہ السلام سے پہلے کعبہ معظمہ میں تین سو ساٹھ ۳۶۰ بت تھے اور احادیث میں ہے کہ قریب قیامت ایک شخص کعبہ کو گرادے گا۔ آج لاہور میں مسجد شہید گنج سکھوں کا گوردوارہ بن گئی۔ بہت سی مساجد ہیں جو کہ برباد کر دی گئیں تو اگر ہندو کہیں کہ اگر خدا میں طاقت تھی تو اس نے اپنا گھر ہمارے ہاتھوں سے کیوں نہ بچالیا۔ اولیاء اللہ یا ان کی مقابر کی تعظیم ان کی محبوبیت کی وجہ سے کی ہے۔ نہ کہ محض قدرت سے جیسے کہ مساجد اور کعبہ معظمہ کی تعظیم ابن سعود نے بہت سی مسجدیں بھی گرادیں جیسے کہ مسجد سیدنا بلال کوہ صفا پر وغیرہ وغیرہ۔

بحث مزارات پر پھول ڈالنا چادریں چڑھانا چراغاں کرنا

اس بحث میں تین مسائل ہیں قبروں پر پھول ڈالنا۔ چادریں چڑھانا چراغاں کرنا علمائے اہل سنت کا فرمان ہے کہ پھول ڈالنا تو ہر مومن کی قبر پر جائز ہے خواہ ولی اللہ ہو یا گنہگار اور چادریں ڈالنا اولیاء علماء صلحاء کی قبور پر جائز عوام مسلمین کی قبور پر نا جائز کیونکہ یہ بے فائدہ ہے قبر پر چراغ جلانا اس میں تفصیل ہے عام مسلمانوں کی قبر پر تو بلا ضرورت نا جائز ہے اور ضرورتاً جائز اور اولیاء اللہ کی قبور پر صاحب مزار کی عظمت شان کے اظہار کے لئے بھی جائز ہے ضرورتیں تین ہیں یا تو رات میں مردے کو دفن کرنا ہے روشنی کی ضرورت ہے جائز ہے۔ قبر راستہ کے کنارے پر ہے تو اس پر اس لئے چراغ جلا دینا کہ کسی کو ٹھوکر نہ لگے یا کوئی خبر پا کر فاتحہ پڑھے تو جائز ہے یا کوئی شخص شب میں کسی مسلمان کی قبر پر گیا وہاں کچھ قرآن وغیرہ دیکھ کر پڑھنا چاہتا ہے روشنی کرے جائز ہے اگر ان میں سے کوئی بات بھی نہیں تو چراغ جلانا فضول خرچی اور اسراف ہے لہذا منع۔ مزارات اولیاء اللہ پر اگر ان میں سے کوئی ضرورت بھی نہ ہو تب بھی تعظیم ولی کے لئے جائز ہے خواہ ایک چراغ جلائے یا چند ان تینوں باتوں کا مخالفین انکار کرتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں ان کا ثبوت اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

ان کے ثبوت میں

ہم اس سے پہلی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ اولیاء اللہ اور ان کے مزارات شعائر اللہ ہیں اور شعائر اللہ یعنی اللہ کے دین کی نشانیوں کی تعظیم کرنے کا قرآنی حکم ہے **ومن یعظم شعائر اللہ فانها من تقوی القلوب** (پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۳۲) اس تعظیم میں کوئی قید نہیں ہر ملکے ہر رسے جس ملک میں اور جس زمانہ میں جو بھی جائز تعظیم مروج ہے وہ کرنا جائز ہے ان کی قبروں پر پھول ڈالنا، چادریں چڑھانا۔ چراغاں کرنا سب میں ان کی تعظیم ہے لہذا جائز ہے۔ تر پھول میں چونکہ زندگی ہے اس لئے وہ تسبیح وتہلیل کرتا ہے جس سے میت کو ثواب ہوتا ہے یا اس کے عذاب میں کمی ہوتی ہے۔ زائرین کو خوشبو حاصل ہوتی ہے لہذا یہ ہر مسلمان کی قبر پر ڈالنا جائز ہے اگر مردے کو عذاب ہو رہا ہے تو اس کی تسبیح کی برکت سے کم ہوگا اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوۃ باب آداب الخلاء۔ فصل اول میں ہے کہ ایک بار حضور علیہ السلام کا دو قبروں پر گزر ہوا فرمایا کہ دونوں میتوں کو عذاب ہو رہا ہے ان میں ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلی کیا کرتا تھا۔

ثم اخذ جریدة رطبة فشقها نصفین ثم غرز فی کل قبر واحدة قالوا یارسول اللہ لما صنعت هذا فقال لعله ان یخفف عنهما مالم ییبسا۔

ترجمہ: لوگوں نے عرض کیا کہ آپ نے یہ کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تب تک ان کے عذاب میں کمی رہے۔

(صحیح البخاری ج ۱ ص ۶۱۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم ج ۱ ص ۱۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن ابی داؤد باب الاستبراء من البول ج ۱ ص ۶ رقم الحدیث ۲۰۔۲۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن النسائی باب التنزہ عن البول ج ۱ ص ۲۸۔۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۳۱ مطبوعہ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن الکبری امام بیہقی باب التوقی عن البول ج ۱ ص ۱۰۴ رقم الحدیث ۵۱۰ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ ص ۳۲۔۳۳ رقم الحدیث ۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ فی التوقی من البول ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۱۳۰۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند ابی یعلی ج ۴ ص ۴۳ رقم الحدیث ۲۰۵۰ مطبوعہ

دار المامون للتراث دمشق)، (مسند اسحاق بن راھویۃ ج ۱ ص ۲۳۶ رقم الحدیث ۲۰۷ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)، (مسند احمد ج ۱ ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۹۸۰ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (طبرانی الاوسط عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ج ۴ ص ۱۱۳ رقم الحدیث ۳۷۴۷ مطبوعہ دار الحرمین القاھرۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۱۵۴ رقم الحدیث ۴۰۴ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۲ ص ۴۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۲ ص ۲۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۸۸ رقم الحدیث ۶۷۵۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (خصائص الکبری باب ما وقع فی غزوۃ ذات الرقاع من الآیات والمعجزات ج ۱ ص ۳۷۱-۳۷۲ ج ۲ ص ۱۴۸-۱۴۹ باب فیما اطلع علیہ من احوال البرزخ والجنۃ والنار غیر ما تقدم مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (المنتقی لابن الجارود باب التنزہ فی الابدان والثیاب عن النجاسات ج ۱ ص ۴۲ رقم الحدیث ۱۳۰ مطبوعہ مؤسسۃ الکتاب الثقافیۃ بیروت)، (معجم الصحابۃ ج ۳ ص ۱۴۲-۱۴۳ برقم ۱۱۱۷ مطبوعہ مکتبۃ الغرباء الاثریۃ المدینۃ المنورۃ)، (سنن الدارمی باب الاتقاء من البول ج ۱ ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۷۳۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ باب التشدید فی البول ج ۱ ص ۱۲۵ رقم الحدیث ۳۴۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

وقیل انھما یسبحن مادام رطبتین واستحب العلمآء قرءۃ القرآن عند القبر لھذا الحدیث اذ تلاوت القرآن اولٰی بالتخفیف من تسبیح الجرید۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ اس لئے عذاب کم ہوگا کہ جب تک تر رہیں گی تسبیح پڑھیں کی اس حدیث سے علماء نے قبر کے پاس قرآن پڑھنے کو مستحب فرمایا۔ کیونکہ تلاوت قرآن شاخ کی تسبیح سے زیادہ اس کی حقدار ہے کہ اس سے عذاب کم ہو۔

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے

تمسک کنند جماعت بہ اس حدیث در انداختن سبزہ و گل ریحان برقبور۔

اس حدیث سے ایک جماعت دلیل پکڑتی ہے قبروں پر سبزی پھول اور خوشبو ڈالنے کے جواز میں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۲۱۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مرقات میں اسی حدیث کی شرح میں ہے۔

ومن ثم افتی بعض الائمۃ من تماخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنتہ لھذا الحدیث وقد ذکر البخاری ان یرید الخضیب الصحابی اوصی ان یجعل فی قبرہ جرید تان۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۱ ص ۹ ۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

معلوم ہوا کہ مزاروں پر تر پھول ڈالنا سنت ہے۔ طحطاوی علی مراقی الفلاح صفحہ نمبر ۳۶۴ میں ہے۔

قد افتی بعض الائمۃ من متاخری اصحابنا بان ما اعتید من وضع الریحان والجرید سنۃ بھذا الحدیث۔

ترجمہ: ہمارے بعض متاخرین اصحاب نے اس حدیث کی وجہ سے فتویٰ دیا کہ خوشبو اور پھول چڑھانے کی جو عادت ہے وہ سنت ہے۔

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح ص ۳۷۸ مطبوعہ مصطفی البابی مصر)

ان عبارتوں میں جو فرمایا کہ بعض نے فتویٰ دیا اس کا مطلب یہ نہیں کہ بعض علماء اس کو جائز کہتے ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ بعض نے سنت مانا ہے جائز تو سب ہی کہتے ہیں سنت ہونے میں اختلاف ہے عالمگیری **کتاب الکراہت جلد پنجم باب زیارت القبور** میں ہے۔

وضع ورود والریا حین علی القبور حسن قبروں پر پھول اور خوشبو رکھنا اچھا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۵۱ مطبوعہ مصر)

شامی جلد اول بحث زیارت القبور میں ہے۔

ویوخذ من ذلک ومن الحدیث ندب وضع ذلک للاتباع ویقاس علیہ ما اعتید فی زماننا من وضع اغصان الاس ونحوہ۔

ترجمہ: اس سے بھی اور حدیث سے بھی ان چیزوں کے قبروں پر رکھنے کا استحباب معلوم ہوتا ہے اور اسی وجہ سے قبروں پر آس کی

شاخیں وغیرہ چڑھانے کو بھی قیاس کیا جاوے گا جس کا ہمارے زمانہ میں رواج ہے۔

(ردالمختار ج۱ص ۸۴۷۔۸۴۷مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وتعلیه بالتخفیف عنهما مالم ییبسا ای یخفف عنهما بیر کة تسبیحها اذ هو اکمل من تسبیح الیا بس لما فی الاخضر نوع حیاة۔

ترجمہ: یہ کمی عذاب کی علت ہے ان کا خشک نہ ہونا یعنی ان کی تسبیح کی برکت سے عذاب قبر میں کمی ہوگی کیونکہ ہری شاخ کی تسبیح خشک کی تسبیح سے زیادہ کامل ہے کیونکہ اس میں ایک قسم کی زندگی ہے۔

(ردالمختار ج۱ص ۸۴۷۔۸۴۷مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ استنبول)

اس حدیث اور محدثین وفقہاء کی عبارات سے دو باتیں معلوم ہوئیں ایک تو یہ کہ ہر سبز چیز کا رکھنا ہر مسلمان کی قبر پر جائز ہے۔حضور علیہ السلام نے ان قبروں پر شاخیں رکھیں جن کو عذاب ہو رہا تھا اور دوسرے یہ کہ عذاب کی کمی سبزے کی تسبیح کی برکت سے ہے نہ کہ محض حضور علیہ السلام کی دعا سے اگر محض دعا سے کمی ہوتی۔تو حدیث میں شک نہ ہونے کی کیوں قید لگائی جاتی؟ لہذا اگر ہم بھی آج پھول وغیرہ رکھیں تو بھی انشاءاللہ میت کو فائدہ ہوگا۔بلکہ عام مسلمانوں کی قبروں کو کچا رکھنے میں یہی مصلحت ہے۔کہ بارش میں اس پر سبز گھاس جمے اور اس کی تسبیح سے میت کے عذاب میں کمی ہو۔ثابت ہوا کہ پھول وغیرہ تو ہر چیز قبر مومن پر جائز ہے۔مولوی اشرف علی صاحب نے اصلاح الرسوم میں لکھا کہ پھول وغیرہ فاسقوں فاجروں کی قبروں پر ڈالنا چاہیئے۔نہ کہ قبور اولیاء پر ان کے مزارات میں عذاب ہے ہی نہیں۔جس کی پھول وغیرہ سے تخفیف کی جائے۔مگر خیال رہے کہ جو اعمال گنہگار کے لئے دفع مصیبت کرتے ہیں وہ صالحین کے لئے بلندی درجات کا فائدہ دیتے ہیں دیکھو مسجد کی طرف چلنا ہمارے گناہ معاف کراتا ہے مگر صالحین کے درجات بڑھاتا ہے۔ایسے ہی بعض دعائیں مجرموں کے گناہوں کو مٹاتی ہیں اور صالحین کے مراتب بڑھاتی ہیں۔اس قاعدہ سے لازم آتا ہے کہ صالحین نہ مسجد میں آئیں نہ استغفار پڑھیں کہ وہ گناہوں سے پاک ہیں۔جناب ان پھولوں کی تسبیح سے ان قبروں میں رحمت الٰہی اور بھی زیادہ ہوگی جیسے وہاں تلاوت قرآن سے۔

(۲) اولیاء اللہ کی قبروں پر چادریں ڈالنا جائز ہے۔کیونکہ اس کی وجہ سے عام زائرین کی نگاہ میں صاحب قبر کی عظمت ظاہر ہوتی ہے۔شامی جلد۵ کتاب الکراہیت باب اللبس میں ہے۔

قال فی فتاوی الحجة وتکره الستور علی القبور ولکن نحن نقول الان اذا قصدبه التعظیم فی عیون العامة لایحتقروا صاحب القبر بل جلب الخشوع والادب للغفلین والزائرین فهو جائز لان الاعمال بالنیات۔

ترجمہ: یعنی فتاویٰ حجہ میں ہے کہ قبروں پر غلاف پردے مکروہ ہیں لیکن ہم کہتے ہیں کہ آج کل اگر اس سے عوام کی نگاہ میں تعظیم مقصود ہوتا کہ وہ صاحب قبر کی حقارت نہ کریں بلکہ غافلوں کو اس سے ادب اور خشوع حاصل ہو تو جائز ہے کیونکہ عمل نیت سے ہیں۔

(ردالمختار ج۵ص۳۱۹مطبوعہ استنبول)

شامی اس کی عبارت نے فیصلہ کر دیا کہ جو جائز کام اولیاء اللہ کی عظمت ظاہر کرنے کے لئے ہو۔وہ جائز ہے۔اور چادر کی اصل یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک میں بھی کعبہ معظمہ پر غلاف تھا۔اس کو منع نہ فرمایا۔صدیوں سے حضور علیہ السلام کے روضہ پاک پر غلاف سبز ریشمی چڑھا ہوا ہے۔جو نہایت قیمتی ہے۔آج تک کسی نے اس کو منع نہ کیا مقام ابراہیم یعنی وہ پتھر جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل نے کعبہ معظمہ بنایا اس پر بھی خلاف چڑھا ہوا ہے اور عمارت بنی ہوئی ہے۔اللہ کی شان کہ نجدی وہابیوں نے بھی ان کو اسی طرح قائم رکھا۔ان پر غلاف کیوں چڑھائے؟ ان چیزوں کی عظمت کے لئے احترام اولیاء کے لئے ان قبور پر بھی خلاف وغیرہ ڈالنا مستحب ہے۔

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت انما یعمر مسجداللہ من امن باللہ (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸) ہے۔

فبناء القباب علی قبور العلماء والاولیاء و الصلحاء ووضع الستور والعمائم والثیاب علی قبورهم امر جائز اذا کان القصد بذا التعظیم فی اعین العامة حتی لا یحتقروا صاحب هذا القبر۔

ترجمہ: علماء اولیاء اور صالحین کی قبروں پر عمارت بنانا اور ان پر غلاف اور عمامہ اور کپڑے چڑھانا جائز کام ہیں جبکہ اس سے مقصود ہو کہ عوام کی نگاہ میں ان کی عزت ہو اور لوگ ان کو حقیر نہ جانیں۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

(۳) عام مسلمانوں کی قبر پر ضرورۃ اولیاء اللہ کی مزارات پر اظہار عظمت کے لئے چراغ روشن کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ مصری جلد دوم صفحہ ۴۲۹ میں ہے۔

اخراج الشموع الی القبور بدعة واتلاف مال کذا فی البزازیة وهذا کله اذا خلا عن فائدة و اما اذا کان موضع القبور مسجدا او علی طریق او کان هناك احد جالسا او کان قبر ولی من الاولیاء او عالم من المحققین تعظیما لروحه اعلاما للناس انه ولی لیتبرکوا به ویدعو الله تعالی عنده فیستجاب لهم فهو امر جائز۔

ترجمہ: قبروں پر چراغ لے جانا بدعت اور مال کا ضائع کرنا ہے اسی طرح بزازیہ میں ہے یہ تمام حکم جب ہے جبکہ بے فائدہ ہو لیکن اگر کسی قبر کی جگہ مسجد ہو یا قبر راستہ پر ہو یا وہاں کوئی بیٹھا ہو یا کسی ولی یا کسی محقق عالم کی قبر ہو تو ان کی روح کی تعظیم کرنے اور لوگوں کو بتانے کے لئے کہ یہ ولی کی قبر ہے تا کہ لوگ اس سے برکت حاصل کر لیں اور وہاں اللہ سے دعائیں کر لیں تو چراغ جلانا جائز ہے۔

(حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مطبوعہ مصر)

تفسیر روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت انما یعمر مسجداللہ میں ہے۔

وکذا ایقاد القنادیل والشمع عند قبور الاولیاء والصلحاء والاجلال للاولیاء فالمقصد فیها مقصد حسن ونذر الزیت والشمع للاولیاء یوقد عند قبورهم تعظیما لهم ومحبة فیهم جائز لاینبغی النهی عنه۔

ترجمہ: اسی طرح اولیاء صالحین کی قبروں کے پاس قندیل اور موم بتیاں جلانا ان کی عظمت کے لئے چونکہ اس کا مقصد صحیح ہے لہذا جائز ہے اور اولیاء کے لئے تیل اور موم بتی کی نذر ماننا تا کہ ان کی عزت کے لئے ان کی قبور کے پاس جلائی جاویں جائز ہے۔ اس سے منع نہ کرنا چاہیے۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ نابلسی علیہ الرحمۃ نے اپنے رسالہ کشف النور عن اصحاب القبور میں بھی بالکل یہ ہی مضمون تحریر فرمایا اور عقل کا بھی تقاضا ہے کہ یہ امور جائز ہوں جیسا کہ ہم گنبد کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ ان مزارات اولیاء اللہ کی رونق سے اسلام کی رونق ہے عالم واعظ کو چاہیے کہ اچھا لباس پہنے عید کے دن سنت ہے کہ ہر مسلمان عمدہ لباس پہنے اور خوشبو وغیرہ لگائے کیوں؟ اس لئے کہ اس سے لوگ ملنا گوارا کریں معلوم ہوا کہ جس کا تعلق عام مسلمانوں سے ہو اس کو اچھی طرح رہنا چاہیے۔ اور مزارات اولیاء تو زیارت گاہ خلائق ہیں ان پر اہتمام وغیرہ کرنا بھی ضروری ہے۔ میں نجدی وہابیوں کی حکومت میں حج کو گیا وہاں جا کر دیکھا کہ کعبہ معظمہ کے گرد گول دائرہ کی شکل میں بہت سے برقی قمقمے جلتے تھے اور حطیم شریف کی دیوار پر بھی روشنی تھی۔ خاص دروازہ کعبہ پر شمع کافوری چار چار جلائی تھیں۔ جب مدینہ منورہ حاضری نصیب ہوئی تو یہاں روضہ رسول علیہ السلام پر کعبہ بیعت اللہ ہے اور حضور علیہ السلام نور اللہ اور ظاہر ہے کہ گھر میں روشنی نور ہی کی ہوتی ہے۔ معلوم ہوا کہ زمانہ ترکی میں اس سے کہیں زیادہ روشنی ہوتی تھی۔ یہ تمام اہتمام کیوں ہیں؟ لوگوں کی نگاہ میں عظمت پیدا کرنے کے لئے تو مقابر اولیاء پر بھی تو وہاں ہی کی تجلی ہے۔ پھر اگر یہاں روشنی کا اہتمام ہو تو کیا برائی ہے؟ کہ ہم اپنے گھر میں شادی بیاہ کے موقعہ پر چراغاں کرتے ہیں یا بجائے چراغ یا لالٹین کے گیس جلاتے ہیں جس میں تیل بہت خرچ ہوتا ہے۔ مدارس کے جلسوں میں بیسیوں روپیہ روشنی پر خرچ ہو جاتا ہے ابھی چند سال گزرے کہ مراد آباد میں

دیوبندیوں نے جمعیۃ العلماء کا جلسہ کیا۔ جس میں برقی روشنی آنکھوں کو خیرہ کرتی تھی۔ میرے خیال میں تین شب میں کم از کم ڈیڑھ سو روپیہ محض روشنی پر خرچ ہوا ہوگا۔ یہ محض مجمع کو خوش کرنے کے لئے تھا اسی طرح دینی جلسوں میں جھنڈیاں لگائی جاتی ہیں۔ واعظین کے گلوں میں پھولوں کے ہار ڈالے جاتے ہیں نہ یہ اسراف ہے اور نہ حرام۔ یہ مجالس عرس دینی جلسے ہیں ان میں بھی یہ امور جائز ہیں۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

ان تین مسائل پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں جن کو وہ مختلف طرح بیان کرتے ہیں۔

اعتراض (۱)......۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ان اللہ لم یامرنا ان نکسو الحجارۃ والطین رب نے ہمیں حکم نہ دیا کہ پتھروں اور مٹی کو کپڑے پہنائیں (مشکوۃ باب التصاویر الفصل الاول ۳۸۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) اس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر چادر یا غلاف ڈالنا حرام ہے کہ وہاں بھی پتھر مٹی ہی ہے۔

جواب:۔ اس سے مکانات کی دیواروں بلاضرورت تکلفاً پردے ڈالنا مراد ہیں اور یہ بھی تقویٰ اور زہد کا ہے یعنی مکانات کی زینت خلاف زہد ہے اسی طرح حدیث میں ہے کہ عائشہ صدیقہ نے دیوار پر غلاف ڈالا تھا۔ اسے پھاڑ کر یہ فرمایا۔ قبور اولیاء کی چادر کو اس سے کوئی تعلق نہیں کعبہ معظمہ پر قیمتی سیاہ غلاف ہے اور روضہ رسول اللہ علیہ السلام پر سبز اور غلاف کعبہ زمانہ نبوی میں تھا۔ بتاؤ وہ جائز ہے تو قبور کی چادر بھی جائز ہے۔

اعتراض (۲)......۔ قبروں پر پھول یا چادر ڈالنا وہاں روشنی کرنا اسراف اور فضول خرچ ہے لہذا منع ہے اولیاء اللہ کی قبروں پر بہت سے پھول اور چراغ ہوتے ہیں۔ ضرورت پوری کرنے کے لئے ایک پھول یا ایک چراغ بھی کافی ہے۔

جواب:۔ اسراف کے معنی ہیں بے فائدہ مال خرچ کرنا۔ چونکہ ان پھولوں اور چراغوں اور چادروں میں وہ فوائد ہیں جو کہ ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں لہذا یہ اسراف نہیں رہا۔ رہا کام چلنے کا عذر۔ اس کے متعلق یہ عرض ہے کہ ہم کرتہ اس پر واسکٹ اس پر اچکن پہنتے ہیں۔ پھر وہ بھی قیمتی کپڑے کی حالانکہ کام تو صرف ایک کرتے میں بھی چل سکتا ہے اور معمولی کپڑا کفایت کر سکتا ہے۔ بتاؤ یہ اسراف ہوا یا نہیں۔ اسی طرح عمارت اور لذیذ خوراک سواریاں اور دیگر دنیاوی آرائشی سامان کہ ان سب میں خوب وسعت کرتے ہیں۔ حالانکہ ان سے کم اور ان سے ادنیٰ چیزوں سے بھی کام چل سکتا ہے۔ لیکن اسراف نہیں جس کو شریعت نے حلال کیا وہ مطلقاً ہی حلال ہے۔ قل من حرم زینتہ اللہ التی اخرج لعبادہ للناس۔ (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۳۲)

اعتراض (۳)......۔ مشکوۃ باب المساجد میں ہے۔

لعن رسول اللہ ﷺ زائرات القبور والمتخذین علیھا المسجد والسرج۔

ترجمہ: یعنی حضور علیہ السلام نے لعنت فرمائی۔ قبروں کی زیارت کرنے والیوں پر اور قبور پر مسجدیں بنانے والوں اور چراغ جلانے والوں پر۔
(مشکوۃ المصابیح باب المساجد الفصل الثانی ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ قبور پر چراغ جلانا لعنت کا سبب ہے۔ فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔ اخراج الشموع الی المقابر بدعتہ لا اصل لہ۔ اسی طرح فتاویٰ بزازیہ میں بھی ہے۔ یعنی قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔ اس کی کوئی اصل نہیں۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم میں ہے۔

اما لو نذر زینا لایقاد قندیل فوق ضریح الشیخ اوفی المنارة کما تفعل النسآء من نذر الزیت لسیدی عبدالقادر ویو قد فی المنارة جهة الشرق فهو باطل۔

ترجمہ: لیکن اگر شیخ کی قبر پر یا مینارہ میں چراغ جلانے کے لئے تیل کی نذر مانی جیسی کہ عورتیں حضور غوث پاک کے لئے تیل کی نذر مانتی ہیں اور اس کو مشرقی مینارہ میں جلاتی ہیں یہ سب باطل ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی نے ارشاد الطالبین میں لکھا۔ کہ چراغاں کردن بدعت است پیغمبر خدا بر شمع افروزاں نزد قبر وسجدہ کنندگان لعنت گفتہ۔ چراغاں کرنا بدعت ہے حضور علیہ السلام نے قبر کے پاس چراغاں کرنے اور سجدہ کرنے والوں پر لعنت فرمائی شاہ عبدالعزیز صاحب کے فتاوی میں صفحہ ۴۱ پر ہے۔ واما ارتکاب محرمات از روشن کردن چراغہا وملبوس ساختن بدعت شنیعہ اند۔ لیکن عرسوں میں حرام کام کرنا جیسے کہ چراغاں کرنا ان قبروں کو غلاف پہنانا یہ سب بدعت سیئہ ہیں۔

ان عبارات سے صاف معلوم ہوم ہوا کہ چراغاں بر مزارات محض حرام ہے۔ رہا یہ کہ حرمین شریفین میں چراغاں ہوتا ہے تو یہ فعل کوئی حجت نہیں کیونکہ خیر القرون کے بعد ایجاد ہوا جس کا اعتبار نہیں ترکی سلطنت نے ایجاد کیا ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض حقیقت میں چھ اعتراضوں کا مجموعہ ہے۔ اور ان ہی کے بل بوتے پر مخالفین بہت شور مچاتے ہیں۔ جوابات ملاحظہ ہوں۔ ہم اس بحث کے پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ کسی قبر پر بے فائدہ چراغ جلانا منع ہے یہ فضول خرچی ہے اور اگر کسی فائدے سے ہو تو جائز ہے۔ فوائد کل چار بیان کئے۔ تین تو عام مومنین کی قبروں کے لئے اور چوتھا یعنی تعظیم روح لی مشائخ وعلماء کی قبور کے لئے۔ اس حدیث میں جو قبر پر چراغ جلانے کی ممانعت ہے وہ اسی کی ہے جو کہ بے فائدہ ہو۔ چنانچہ حاشیہ مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

والنهی عن اتخاذ السرج لما فیه من تضییع المال۔

ترجمہ: قبروں پر چراغ جلانے سے اس لئے ممانعت ہے کہ اس میں مال برباد کرنا ہے۔

(حاشیہ مشکوۃ المصابیح باب المساجد الفصل الثانی ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی طرح مرقاۃ شرح مشکوۃ وغیرہ نے تصریح فرمائی۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مصری میں اسی حدیث کو ذکر کر کے فرماتے ہیں۔

ای الذین یوقدون السرج علی القبور عبثاً من غیر فائدة۔

ترجمہ: ان لوگوں پر لعنت فرمائی جو کہ قبروں پر بے فائدہ عبث چراغ جلاتے ہیں۔

(حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مطبوعہ مصر)

مشکوۃ باب الدفن میں ہے۔

ان النبی ﷺ دخل لیلا فاسرج له بسراج۔

ترجمہ: نبی کریم ایک شب دفن میت کے لئے قبرستان میں تشریف لے گئے تو آپ کے لئے چراغ جلایا گیا۔

(مشکوۃ المصابیح باب الدفن علی المیت ص ۱۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

دوم یہ کہ حدیث میں ہے۔

والمتخذین علیها المسجد والسرج۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے ان پر لعنت فرمائی جو قبروں پر مسجدیں بنائیں اور چراغ جلائیں۔

(مشکوۃ المصابیح باب المساجد الفصل الثانی ص ۷۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ملاعلی قاری اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی ودیگر شارحین اسی حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ خود قبر پر مسجد بنانا کہ قبر کی طرف سجدہ ہو یا قبر فرض مسجد میں آجائے یہ منع ہے لیکن اگر قبر کے پاس مسجد ہو برکت کے لئے تو جائز ہے یعنی اس جگہ انہوں نے اعلیٰ کو اپنے حقیقی معنی پر رکھا۔ جس سے لازم آیا کہ خود تعویذ قبر پر چراغ جلانا منع ہے۔ لیکن اگر قبر کے اردگرد ہو تو وہ قبر پر نہیں۔ لہذا جائز ہے جیسے کہ ہم گنبد کی بحث میں لکھ چکے ہیں۔ نیز حدیقہ ندیہ میں علامہ نابلسی اسی حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں۔ المتخذین علیها ای علی القبور یعنی فوقها (حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ جلد دوم صفحہ ۴۲۹ مطبوعہ مصر) یعنی خاص قبروں کے اوپر اور وجہ اس کی یہ ہے کہ چراغ آگ ہے اور آگ کا قبر پر رکھنا برا ہے اسی لئے خاص قبر میں لکڑی کے تختے لگانے کو فقہاء منع فرماتے ہیں کہ اس میں آگ کا اثر ہے لیکن اگر لکڑی قبر کے پاس پڑی ہو وہ منع نہیں تو چراغ کی ممانعت ہونے کی وجہ سے ہے نہ کہ تعظیم قبر کے لئے نیز یہاں ایک ہی علیٰ اور ذکر ہے مسجد کا اور چراغ کا۔ مسجد کے لئے تو آپ علیٰ کے حقیقی معنی مراد لیں یعنی خاص قبر کے اوپر اور چراغ کے لئے مجازی یعنی قبر کے قریب۔ تو حقیقت اور مجاز کا اجتماع لازم ہوگا اور یہ منع ہے لہذا دونوں جگہ علی کے حقیقی معنی ہی مراد ہیں۔ مرقات میں ملاعلی قاری اسی حدیث کے ماتحت فرماتے ہیں۔

لاتمنعوا اماء الله مساجد الله۔

ترجمہ: اوپر کی قید لگائی۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبر کے برابر مسجد بنانے میں حرج نہیں۔

لفظ علیٰ سے ثابت کیا کہ قبر کے برابر مسجد جائز۔ اسی طرح لفظ علیٰ سے یہ بھی نکلا کہ قبر کے برابر چراغ جائز تیسرے یہ کہ ہم گنبد کی بحث میں شامی اور دیگر کتب کے حوالہ سے لکھ چکے ہیں کہ بہت سی باتیں زمانہ صحابہ کرام میں منع تھیں مگر اب مستحب۔ روح البیان پارہ ۱۰ سورہ توبہ زیر آیت انما یعمر مسجد من امن باللہ (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸) ہے۔

وفی الاحیاء اکثر مصروفات هذه الاثار منکرات فی عصر الصحابة۔

ترجمہ: یعنی احیاء العلوم میں امام غزالی نے فرمایا کہ اس زمانہ کے بہت سے مستحبات صحابہ کرام کے زمانہ میں ناجائز تھے۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مشکوۃ کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے حکم دیا تھا کہ کوئی مسلمان حاکم خچر پر سوار نہ ہوا اور چپاتی روٹی نہ کھائے اور باریک کپڑا نہ پہنے اور اپنے دروازہ کو اہل حاجت سے بند نہ کرے اور فرماتے ہیں۔

فان فعلتم شیئا من ذلك فقد حلت بکم العقوبة۔

ترجمہ: اگر تم نے ان میں کچھ بھی کیا تو تم کو سزا دی جاوے گی۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الامارۃ باب ماعلی الولاۃ الفصل الثالث ص ۳۲۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی مشکوۃ باب المساجد میں ہے ما امرت بتشبید المسجد۔ مجھ کو مسجدیں اونچی بنانے کا حکم نہ دیا گیا۔

(مشکوۃ المصابیح باب المساجد ص ۶۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس کے حاشیہ میں ہے۔ ای باعلاء بنآء ها وتزیینها یعنی مسجدیں اونچی بنانے اور ان کو آراستہ کرنے کا حکم نہیں۔

(حاشیہ مشکوۃ المصابیح باب المساجد ص ۶۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اسی مشکوۃ میں ہے۔

لاتمنعوا اماء الله مساجد الله۔

ترجمہ: عورتوں کو مسجدوں سے نہ روکو۔

(سنن ابوداؤد باب ما جاء فی خروج النساء الی المسجد ج ۱ ص ۱۵۵ رقم الحدیث ۵۶۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

قرآن میں زکوۃ کے مصرف آٹھ ہیں یعنی مولفۃ القلوب بھی زکوۃ کا مصرف ہے لیکن عہد فاروقی سے صرف سات مصرف رہ گئے۔ مولفۃ القلوب کو علیحدہ کردیا گیا۔ (دیکھو ہدایہ وغیرہ) کہیئے اب بھی ان پر عمل ہے؟ اب احکام اگر معمولی حالت میں رہیں۔ ان کا رعایا پر رعب نہیں ہوسکتا اگر کفار کے مکانات اوران کے مندر تو اونچے ہوں مگر اللہ کا گھر مسجد نیچی اور کچی اور معمولی ہوتو اس میں اسلام کی توہین ہے اگر عورتیں مسجد میں جاویں تو صدہا خطرات ہیں کسی کافر کو زکوۃ دینا جائز نہیں۔ یہ احکام کیوں بدلے؟ اس لئے کہ ان کی علتیں بدل گئیں۔ اس وقت بغیر ظاہری زیب وزینت کے مسلمانوں کے دلوں میں اولیاء اللہ اور مقابر کی عزت وحرمت تھی۔ لہذا زندگی موت ہر کام میں سادگی تھی اب دنیا کی آنکھیں ظاہری ٹیپ ٹاپ دیکھتی ہیں لہذا اس کو جائز قرار دیا گیا۔ چنانچہ پہلے حکم تھا کہ مزارات پر روشنی نہ کرو۔ اب جائز قرار پایا۔ تفسیر روح البیان میں زیر آیت انما یعمر مسجد اللہ (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸) ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کے مینارہ پر ایسی روشنی کی تھی کہ بارہ میل مروع می عورتیں اس کی روشنی میں چرغہ کاتتی تھیں اور بہت ہی سونے چاندی سے اس کو آہستہ کیا تھا۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

عالمگیری کی عبارت غلط کی اصل عبارت یہ ہے۔

اخراج الشموع الی راس القبور فی اللیالی الاول بدعۃ۔

ترجمہ: شروع راتوں میں قبرستان میں چراغ لے جانا بدعت ہے۔

اس دو کلمے قابل غور ہیں ایک تو خراج دوسرے فی اللیالی الاول۔ ان سے صاف معلوم ہورہا ہے کہ اس زمانہ میں لوگ اپنے نئے مردوں کی قبروں پر چراغ لے جاکر جلا آتے تھے۔ یہ سمجھ کر کہ اس سے مردہ قبر میں نہ گھبرائے گا۔ جیسا کہ آج کل بعض عورتیں چالیس روز تک لحد میں مرد لیے کی جگہ چراغ جلاتی ہیں۔ یہ سمجھتی ہیں کہ روزانہ مردے کی روح آتی ہے اور اندھیرا پاکر لوٹ جاتی ہے لہذا روشنی کردو یہ حرام ہے کیونکہ تیل کا بلاضرورت خرچ ہے اور بدعقیدگی بھی ہے اسی کو یہ منع فرمارہے ہیں۔ عرس کے چراغات نہ تو اس نیت سے ہوتے ہیں اور نہ شروع راتوں میں اگر یہ مطلب نہ ہوتو شروع راتوں کی قید کیوں ہے؟ شامی کی عبارت تو بالکل صاف ہے وہ بھی عرس کے چراغوں کو منع نہیں کررہے ہیں وہ فرمارہے ہیں کہ چراغ جلانے کی نذر ماننا جس میں اولیاء اللہ سے قرب حاصل کرنا منظور ہو وہ حرام ہے کیونکہ شامی کی عبارت اور درمختار کی اس عبارت کے ماتحت ہے۔

واعلم ان النذر الذی یقع للاموات من اکثر العوام وما یوخذ من الدراھم والشمع والزیت ونحوھا الی ضرائح الاولیآء تقربا الیھم بالاجماع باطل۔

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ عوام جو مردوں کی نذریں مانتے ہیں اوران سے جو پیسہ یا موم یا تیل وغیرہ قبروں پر جلانے کے لئے لیا جاتا ہے اور اولیاء سے قرب حاصل کرنے کے لئے وہ بالاجماع باطل ہے۔

(ردالمختار علی درالمختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اور خود شامی کی عبارت بھی ہے۔ لونذر اگر اس کی منت مانی۔ پھر شامی کی عبارت میں ہے **فوق ضریح الشیخ** شیخ کی قبر کے اوپر چراغ جلانا ضریح کہتے ہیں

(ردالمختار علی درالمختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

خالص تعویذ قبر کو منتخب اللغات میں ہے۔ ضریح گوریا مغاکے کہ درمیان گور سازند اور ہم بھی عرض کر چکے ہیں کہ خود قبر کے تعویذ پر

چراغ جلانا منع ہے۔اسی طرح اگر قبر تو نہ ہو یوں ہی کسی بزرگ کے نام پر چراغ کسی جگہ رکھ کر جلا دے جیسے کہ بعض جہلاء بعض درختوں یا بعض طاق میں کسی کے نام کے چراغ جلاتے ہیں۔ یہ بھی حرام ہے اس کو فرما رہے ہیں کہ حضور غوث پاک کے نام کے چراغ کسی مشرقی مینارہ میں جلانا باطل ہے۔غوث پاک کی قبر شریف تو بغداد میں ہے۔اوران کے چراغ جلے شام کے مینارہ میں یہ بھی منع ہے۔خلاصہ یہ ہوا کہ شامی نے تین چیزوں کو منع فرمایا۔ چراغ جلانے کی منت ماننا وہ بھی ولی اللہ کی قربت حاصل کرنے کی نیت سے۔خاص قبر پر چراغ جلانا بغیر قبر کسی کے نام کے چراغ جلانا۔عرس کے چراغوں میں یہ تینوں باتیں نہیں۔

مسئلہ:۔ بعض جہلاء کسی درخت یا کسی جگہ کی یہ سمجھ کر زیارت کرتے اور وہاں چراغاں کرتے ہیں کہ وہاں فلاں بزرگ کا چلہ ہے یعنی وہاں وہ آیا کرتے ہیں یہ محض باطل ہے ہاں اگر کسی جگہ کوئی بزرگ کبھی بیٹھے ہوں یا وہاں انہوں نے عبادت کی ہو تو وہاں یہ سمجھ کر عبادت کرنا کہ یہ جگہ متبرک ہے جائز بلکہ سنت ہے۔ بخاری جلد اول کتاب الصلوٰۃ بحث المساجد میں ایک باب مقرر کیا باب المسجد التی طریق المدینۃ اس میں بیان فرمایا کہ عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما راستہ میں ہر اس جگہ نماز ادا کرتے ہیں جہاں کہ حضور علیہ السلام نے کبھی نماز پڑھی تھی حتیٰ کہ بعض جگہ مسجدیں بنادی گئیں تھیں۔مگر وہ غلطی سے کچھ علیحدہ بن گئیں تو سیدا ابن عمر رضی اللہ عنہما اس مسجد میں نماز نہ پڑھتے تھے بلکہ وہاں ہی پڑھتے تھے جہاں حضور علیہ السلام نے نماز پڑھی تھی۔فلم یکن عبداللہ ابن عمر یصلی فی ذلک المسجد کان یترکہ عن یسارہ۔

(صحیح البخاری کتاب الصلوٰۃ باب المسجد التی طریق المدینہ ج ۱ ص ۷۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

یہ کیا تھا محض برکت حاصل کرنا آج بھی بعض حاجی غار حرا میں جہاں حضور علیہ السلام نے چھ ماہ عبادت فرمائی نمازیں پڑھتے ہیں۔ لہٰذا خواجہ اجمیری وغیرہ رحمہم اللہ کی عبادت گاہوں میں نمازیں ادا کرنی ان کی زیارت کرنی۔ان کو متبرک سمجھنا سنت صحابہ سے ثابت ہے۔

مسئلہ:۔ اولیاء اللہ کے نام کی جو نذر مانی جاتی ہے یہ نذر شرعی نہیں۔نذر لغوی ہے۔جس کے معنی ہیں نذرانہ جیسے کہ میں اپنے استاد سے کہوں کہ یہ آپ کی نذر ہے یہ بالکل جائز ہے اور فقہاء اس کو حرام کہتے ہیں جو کہ اولیاء کے نام کی نذر شرعی مانی جائے اسی لئے فرماتے ہیں تقربا الیھم نذر شرعی عبادت ہے وہ غیر اللہ کے لئے ماننا یقیناً کفر ہے کوئی کہتا ہے کہ یا حضور غوث پاک آپ دعا کریں اگر میرا مریض اچھا ہو گیا تو آپ کی نام کی دیگ پکاؤں گا۔اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ میں پلاؤ کا صدقہ کرونگا۔اللہ کے لئے اس پر جو ثواب ملے گا۔آپ کو بخشوں گا جیسے کوئی شخص کسی طبیب سے کہے کہ اگر بیمار اچھا ہو گیا۔تو پچاس روپیہ آپ کی نذر کروں گا اس میں کیا گناہ ہے؟ اس کو شامی نے کتاب الصوم بحث اموات میں اس طرح بیان فرمایا۔

بان تکون صیغۃ النذر للہ تعالیٰ للتقرب الیہ ویکون ذکر الشیخ مراداً بہ فقراء ہ۔

ترجمہ: صیغہ نذر کا اللہ کی عبادت کے لئے ہو اور شیخ کی قبر پر رہنے والے فقراء اس کا مصرف ہوں۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الصوم ج ۲ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یہ محض جائز ہے تو یوں سمجھو کہ یہ صدقہ اللہ کے لئے اس کے ثواب کا ہدیہ روح شیخ کے لئے اس صدقہ کا مصرف مزار بزرگ کے خدام فقراء جیسے کہ حضرت مریم علیہ السلام کی والدہ نے مانی تھی کہ اپنے پیٹ کا بچہ خدایا تیرے لئے نذر کرتی ہوں جو بیت المقدس کی خدمت کے لئے وقف ہوگا۔نذر اللہ کی اور مصرف بیت المقدس کا انی نذرت لک ما فی بطنی محرراً (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۳۵) دیکھو غیر اللہ کی قسم کھانا شرعاً منع ہے اور خود قرآن کریم اور نبی ﷺ نے غیر اللہ کی قسمیں کھائیں۔والتین والزیتون وطور سینین (پارہ ۳۰ سورہ ۹۵ آیت نمبر ۱۔۲) وغیرہ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا وافلح وابیہ اس کے باپ کی قسم وہ کامیاب ہو گیا۔

مطلب یہ ہی ہے کہ شرعی قسم جس پر احکام قسم کفارہ وغیرہ جاری ہو وہ خدا کے سوا کسی کی نہ کھائی جاوے۔مگر لغوی قسم جو محض تاکید کلام کے لئے ہو وہ جائز یہ ہی نذر کا حال ہے ایک شخص نے نذر مانی تھی کہ بیت المقدس میں چراغ کے لئے تیل بھیجوں گا۔حضور علیہ السلام نے

فرمایا کہ اس نذر کو پورا کرو۔ مشکوۃ باب النذ ور میں ہے کہ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بوانہ مقام میں اونٹ ذبح کروں گا۔ تو فرمایا گیا کہ اگر کوئی وہاں بت غیرہ نہ ہو تو نذر پوری کرو۔ کسی نے نذر مانی تھی کہ میں بیت المقدس میں نماز پڑھوں گا تو فرمایا کہ مسجد حرام میں نماز پڑھ لو۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ صدقہ وخیرات کی نذر میں کسی جگہ یا کسی خاص جماعت فقراء کی قید لگا دینا جائز ہے

اسی طرح یہ بھی ہے فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والا باحت صفحہ ۵۴ میں ہے اور جو اموات اولیاء اللہ کی نذر ہے تو اس کے اگر یہ معنی ہیں کہ اس کا ثواب ان کی روح کو پہنچے تو صدقہ ہے درست ہے جو نذر بمعنی تقریب ان کے نام پر ہے تو حرام ہے۔ (رشید احمد)

فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والا باحت صفحہ ۵۴

مشکوۃ باب مناقب عمر میں ہے کہ بعض بیویوں نے نذر مانی تھی کہ اگر حضور علیہ السلام جنگ احد سے بخیریت واپس آئے تو میں آپ کے سامنے دف بجاؤں گی۔

(سنن الترمذی کتاب المناقب باب فی مناقب عمر ج ۵ ص ۶۲۰ رقم الحدیث ۳۶۹۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (نوادر الاصول فی احادیث الرسول ج ۱ ص ۲۳۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)، (فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۱۱ ص ۵۸۸ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

یہ نذر بھی عرفی تھی نہ کہ شرعی یعنی حضور علیہ السلام کی خدمت میں خوشی کا نذرانہ۔ جیسے طواف کے دو معنی ہیں لغوی بمعنی آس پاس گھومنا اور شرعی رب تعالی فرماتا ہے۔ ولیطوفوا بالبیت العتیق (پارہ ۱۷ سورہ ۲۲ آیت نمبر ۲۹) پرانے گھر کا طواف کریں۔ یہاں طواف شرعی معنی میں ہے اور فرماتا ہے یطوفون بینھا وبین حمیم ان (پارہ ۲۷ سورہ ۵۵ آیت نمبر ۴۴) یہاں طواف بمعنی لغوی ہے آنا جانا گھومنا۔ (۴) حضرت شاہ عبد العزیز صاحب وقاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی رحمۃ اللہ علیہما بے شک بزرگ ہستیاں ہیں۔ لیکن یہ حضرات مجتہد نہیں تا کہ کراہت تحریمی وحرمت فقط ان کے قول سے ثابت ہو۔ اس کے لئے مستقل دلیل شرعی کی ضرورت ہے ایک عالم کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے۔ مستحب اس کو بھی کہتے ہیں جس کو علماء مستحب جانیں۔ مگر کراہت وحرمت میں خاص دلیل کی ضرورت ہے۔ نیز شاہ عبد العزیز صاحب وقاضی صاحبان علیہما الرحمۃ والرضوان کے قول پر لازم ہے کہ حرمین شریفین خصوصاً روضہ مطہرہ سرور عالم ﷺ بدعتوں اور حرام کاموں کا مرکز ہے۔ کیونکہ وہاں غلاف بھی چڑھتے ہیں اور چراغاں بھی ہے اور آج تک کسی عالم یا فقیہ نے اس پر انکار نہ کیا تو وہ تمام حضرات بدعتی یا گمراہ ہوئے۔ ان دو صاحبوں کا وہ فتویٰ کس طرح مانا جائے۔ جس میں یہ سخت قباحت لازم آوے۔ شاہ رفیع الدین صاحب رسالہ نذور میں فرماتے ہیں کہ نذریکہ ایں جامستعمل میشود بر معنی شرعی است چہ عرف آنست کہ آنچہ پیش بزرگان می برند ونذر ونیاز گویند۔

(۵) حرمین شریفین کے علماء کا کسی شئی کو اچھا سمجھنا بے شک اس کے استحباب کی دلیل ہے۔ یہ زمین پاک وہ ہے کہ جہاں کبھی بھی شرک نہیں ہو سکتا۔ حدیث پاک میں ہے کہ شیطان مایوس ہو چکا کہ اہل عرب اس کی پرستش کریں اور مدینہ پاک کی زمین اسلام کی جائے پناہ اور کفار ومشرکین سے محفوظ رہنے والی ہے۔ مشکوۃ باب حرم المدینہ میں ہے کہ مدینہ پاک برے لوگوں کو اس طرح نکال پھینکتا ہے۔ جیسے لوہار کی بھٹی لوہے کے میل کو خواہ فوراً نکالے یا کچھ عرصہ بعد یا کہ بعد موت۔ جذب القلوب میں حضرت شیخ عبد الحق فرماتے ہیں

مراد نفی وابعاد اہل شر وفساد است از ساحت عزت ایں بلدہ طیبہ وخاصیت مذکورہ در در جمیع ازمان ہویدا است۔

اس سے مراد یہ ہے کہ مدینہ پاک کی زمین پاک تمام شریر ومفسدین کو نکال دیتی ہے اور یہ خاصیت اس میں ہمیشہ باقی ہے۔ لہذا علمائے مدینہ کی عبادات کو بے دھڑک شرک وبدعت کہہ دینا سخت غلطی ہے یہ کہنا بھی غلط ہے کہ یہ چراغاں سلطنت ترکیہ کی ایجاد ہے۔ امام اجل سید نور الدین سمہودی اور جلال الدین سیوطی علیہما الرحمۃ کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی اور امام نور الدین سمہودی نے کتاب خلاصۃ الوفا شریف ۸۹۴ھ میں تصنیف فرمائی وہ اس کتاب کے چوتھے باب کی سولہویں فصل میں مدینہ پاک کے چراغاں کا ذکر فرماتے ہیں اور کہتے ہیں۔

واما معالیق الحجرۃ الشریفۃ التی تعلق حولہا من قنادیل الذھب والفضۃ ونحوھما فلم اقف علی ابتدآء حدوثھما۔

ترجمہ: لیکن جو سونے چاندی کی قندیلیں روضہ مطہرہ کے ارد گرد لٹکی ہوئی ہیں۔ مجھے خبر نہیں کہ کب سے شروع ہوئیں۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۸۴ مطبوعہ دار النفائس الریاض)

اسی مقام پر فرماتے ہیں۔

وقد الف السبکی تالیفا سماہ تنزل السکینۃ علی قنادیل المدینۃ و ذھب فیہ الی جوازھا وصحۃ وقفھا وعدم جواز صرف شیئی منھا لعمارۃ المسجد۔

ترجمہ: امام سبکی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک کتاب لکھی جس کا نام رکھا تنزل السکینہ علی قنادیل المدینہ وہ فرماتے ہیں کہ روضہ مطہرہ کی یہ قندیلیں جائز ہیں ان کا وقف درست ہے ان میں سے کوئی چیز مسجد پر خرچ نہیں ہو سکتی۔

(وفاء الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ج ۲ ص ۵۸۴ مطبوعہ دار النفائس الریاض)

الحمد للہ کہ مخالفین کے تمام سوالات کا مکمل جواب ہو گیا۔

بحث خاتمہ پنجاب اور یوپی و کاٹھیاواڑ میں عام رواج ہے کہ رمضان میں ختم قرآن تراویح کی شب میں مساجد میں چراغاں کیا جاتا ہے۔ بعض دیوبندی اس کو بھی شرک و حرام کہتے ہیں۔ یہ محض ان کی بے دینی ہے مساجد کی زینت ایمان کی علامت ہے تفسیر روح البیان میں زیر آیت انما یعمر مسجد اللہ ہے (پارہ ۱۰ سورہ ۹ آیت نمبر ۱۸)۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ۱۷ سو قندیلیں بیت المقدس میں روشن کرنے کا حکم دیا۔ اور مسجد نبوی شریف میں اولاً کھجور کی لکڑیاں وغیرہ جلا کر روشنی کی جاتی تھی۔ پھر تمیم داری کچھ قندیلیں اور رسیاں اور تیل لائے اور ان کو مسجد نبوی شریف کے ستونوں میں لٹکا کر جلایا تو حضور علیہ السلام نے فرمایا نورت مسجدنا نور اللہ علیك تم نے ہماری مسجد کو روشن کر دیا اللہ تعالیٰ تم کو نورانی رکھے اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے چراغاں کیا اور قندیلیں لٹکائیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

نورت مسجدنا نور اللہ قبرك یا ابن الخطاب۔

ترجمہ: اے عمر رضی اللہ عنہ تم نے ہماری مسجد کو روشن کیا۔ اللہ تمہاری قبر کو روشن کرے۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر کبیر میں آیت انما یعمر مسجد اللہ من امن باللہ کی تفسیر میں ہے۔

عن النبی ﷺ من اسرج فی مسجد سراجا لم تنزل الملئکۃ وحملۃ العرش الا یستغفرون لہ مادام فی المسجد ضوءہ۔

ترجمہ: (یعنی) جو کوئی مسجد میں چراغ جلائے تو جب تک مسجد میں اس کی روشنی رہے فرشتے اور حاملین عرش اس کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

فتاویٰ رشیدیہ جلد دوم کتاب الحظر والاباحت صفحہ ۱۱۲ میں یہ مانا ہے کہ عہد فاروقی میں بعض صحابہ بیت المقدس سے وہاں کی روشنی دیکھ کر آئے اور مسجد نبوی میں متعدد چراغ جلائے گئے پھر مامون رشید بادشاہ نے عام حکم دیا تھا کہ مسجدوں میں بکثرت چراغ جلائے جاویں۔ غرضکہ مسجد کی روشنی سنت انبیاء و سنت صحابہ اور سنت عامۃ المسلمین ہے۔

☆............☆

بحث قبر اذان دینے کی تحقیق

مسلمان میت کو قبر میں دفن کر کے اذان دینا اہل سنت کے نزدیک جائز ہے۔ جس کے بہت سے دلائل ہیں۔ مگر وہابی دیوبندی اس کو بدعت حرام، شرک اور نہ معلوم کیا کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جواب بعون اللہ تعالیٰ وکرمہ۔

پہلا باب

اذان قبر کے ثبوت میں

قبر پر بعد دفن اذان دینا جائز ہے احادیث اور فقہی عبارات سے اس کا ثبوت ہے مشکوٰۃ شریف کتاب الجنائز مایقال عند من حضرت الموت میں ہے۔ لقنوا اموتکم لا الہ الا اللّٰہ اپنے مردوں کو سکھاؤ لا الہ الا اللہ۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجنائز مایقال عند من حضرت الموت الفصل الاول ص ۱۴۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)، (سنن ابوداؤد باب فی التلقین ج ۲ ص ۸۸)

دنیاوی زندگی ختم ہونے پر انسان کے لئے دو بڑے خطرناک وقت ہیں ایک تو جان کنی کا۔ دوسرا سوالات قبر بعد دفن کا اگر جان کنی کے وقت خاتمہ بالخیر نصیب نہ ہوا تو عمر بھر کا ادھر اسب برباد گیا۔ اور اگر قبر کے امتحان میں ناکامی ہوئی تو آئندہ کی زندگی برباد ہوئی۔ دنیا میں تو اگر ایک سال امتحان میں فیل ہو گئے تو سال آئندہ دے لو۔ مگر وہاں یہ بھی نہیں۔ اس لئے زندوں کو چاہئے کہ ان دونوں وقتوں میں مرنے والے کی امداد کریں کہ مرتے وقت کلمہ پڑھ پڑھ کر سنائیں اور بعد دفن اس تک کلمہ کی آواز پہنچائیں کہ اس وقت تو وہ کلمہ پڑھ کر دنیا سے جائے اور اب اس امتحان میں کامیاب ہو۔ لہٰذا اس حدیث کے دو معنی ہو سکتے ہیں۔ ایک تو یہ ہے کہ جو مر رہا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ۔ دوسرے یہ کہ جو مر چکا ہو اس کو کلمہ سکھاؤ پہلے معنی مجازی ہیں اور دوسرے حقیقی اور بلا ضرورت معنی مجازی لینا ٹھیک نہیں لہٰذا حدیث کا یہ ہی ترجمہ ہوا کہ اپنے مردوں کو کلمہ سکھاؤ۔ اور یہ وقت دفن کے بعد کا ہے۔ چنانچہ شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت میں ہے۔

اما عند اهل السنة فالحديث لقنوا موتاكم محمول على حقيقته وقد روى عنه عليه السلام انه امر بالتلقين بعد الدفن فيقول يا فلان ابن فلان اذكر دينك الذى كنت عليها۔

ترجمہ: اہل سنت کے نزدیک یہ حدیث لقنوا اموتکم اپنے حقیقی معنی پر محمول ہے اور حضور علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے دفن کے بعد تلقین کرنے کا حکم دیا پس قبر پر کہے کہ اے فلاں کے بیٹے فلاں تو اس دین کو یاد کر جس پر تھا۔

(فتاوی شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت ص ۶۲۸۔۶۲۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی جگہ ہے۔

وانما لاينهى عن التلقين بعد الدفن لانه لاضر رفيه بل فيه نفع فان الميت يستانس بالذكر على ما ورد فى الاثار۔

ترجمہ: دفن کے بعد تلقین کرنے سے منع نہیں کرنا چاہئے کیونکہ اس میں کوئی نقصان تو ہے نہیں بلکہ اس میں نفع ہی نفع ہے کیونکہ میت ذکر الٰہی سے انس حاصل کرتی ہے۔

(فتاوی شامی جلد اول باب الدفن بحث تلقین بعد الموت ص ۶۲۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جیسا کہ احادیث میں آیا ہے اس حدیث اوران عبارات سے معلوم ہوا کہ دفن میت کے بعداس کوکلمہ طیبہ کی تلقین مستحب ہے تا کہ مردہ نکرین کے سوالات میں کامیاب ہو۔ چونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔اس لئے اذان بھی تلقین میت ہےاور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ اذان میں کلمہ بھی ہے۔اس لئے اذان بھی تلقین میت ہےاور مستحب ہے بلکہ اذان میں پوری تلقین ہے کیونکہ نکرین میت سے تین سوال کرتے ہیں اول تو یہ کہ تیرا رب کون ہے؟ پھر یہ کہ تیرادن کیا ہے؟ پھر یہ کہ اس سنہری جالی والے سبز گنبد والے آقا کوتو کیا کہتا ہے؟ پہلے سوال کا جواب ہوا اشھد ان لا الــه الا الله دوسرے کا جواب ہوا حی علی الصلوۃ یعنی میرا دین وہ ہے جس میں پانچ نمازیں فرض ہیں (سوائے اسلام کے کسی دین میں پانچ نمازیں نہ تھیں) تیسرے کا جواب ہوا اشھد ان محمد رسول الله درمختار جلد اول باب الاذان میں ہے کہ دس جگہ اذان کہنا سنت ہے جس کواشعار میں یوں فرمایا۔

فرض الصلوۃ وفی اذن الصغیر وفی — وقت الحریق والحرب الذی وقعا
خلف المسافر والغیلان ان ظهرت — فاحفظ لست من الذی قد شرعا
و زید اربع دومر وذو غضب — مسافر ضل فی ففر ومن صرعا

نماز پنجگانہ کے لئے بچہ کے کان میں۔آگ لگنے کے وقت جبکہ جنگ واقع ہو۔مسافر کے پیچھے اور جنات کے ظاہر ہونے پر۔غصہ والے۔جومسافر کہ راستہ بھول جاوے اور مرگی والے کے لئے۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب الاذان ج ا ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی کے تحت ہے۔

قد يسن الاذان بغير الصلوة كما فی اذان المولود والمهموم والمصروع والغضبان ومن ساء خلقه من انسان اوبهيمة وعند مزدهم الجيش وعند الحريق وقيل عند انزال الميت القبر قياسا على اول خروجه للدنيا لكن رده ابن حجر فی شرح العباب وعند تقول الغيلان ای تمرد الجن۔

ترجمہ: نماز کے سواء چند جگہ اذان دینا سنت ہے بچہ کے کان میں غمزدہ کے،مرگی والے کے،غصہ والے کے کان میں،جس جانور یا آدمی کی عادت خراب ہواس کے سامنے لشکروں کے جنگ کے وقت آگ لگ جانے کے وقت،میت کوقبر میں اتارتے وقت اس کے پیدا ہونے پر قیاس کرتے ہوئے لیکن اس میں اذان کے سنت ہونے کا ابن حجر علیہ الرحمۃ نے انکار کیا ہے جنات کی سرکشی کے وقت۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب الاذان ج ا ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

علامہ ابن حجر کے انکار کا جواب دوسرے باب میں دیا جاوے گا۔ان شاءاللہ۔

مشکوۃ باب فضل الاذان میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم بلال کی اذان سے رمضان کی سحری ختم نہ کردو۔وہ تو لوگوں کو جگانے کے لئے اذان دیتے ہیں۔

(صحیح البخاری کتاب الاذان باب الاذان قبل الفجر ج ا ص ۲۲۴ رقم الحدیث ۵۹۶ مطبوعہ دارابن کثیر بیروت)،(سنن ابوداؤد باب وقت السحور ج ۲ ص ۳۰۳ رقم الحدیث ۲۳۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)،(سنن ابن ماجہ ج ا ص ۵۴۱ رقم الحدیث ۱۶۹۶ مطبوعہ دارالفکر بیروت)،(السنن الکبری للنسائی ج ۲ ص ۸۱ رقم الحدیث ۲۴۸۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)،(صحیح ابن حبان ج ۸ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۳۴۷۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)،(مسند ابوداؤد الطیالسی ص ۲۶۴ رقم الحدیث ۱۹۳۵ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)،(صحیح ابن خزیمہ باب ذکر العلۃ التی کان لھا بلال یوذن بلیل ج ا ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۴۰۲ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)،(سنن الکبری للبیہقی باب ذکر المعانی التی یوذن لھا بلال بلیل ج ا ص ۳۸۱ رقم الحدیث ۱۶۶۴ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)،(مسند احمد ج ا ص ۳۸۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

معلوم ہوا کہ زمانہ نبوی میں سحری کے وقت بجائے نوبت یا گولے کے اذان دی جاتی تھی لہذا سوتے کو جگانے کے لئے اذان دینا سنت سے ثابت ہے۔

اذان کے سات فائدے ہیں جن کا پتہ احادیث اور فقہاء کے اقوال سے چلتا ہے ہم وہ فائدے عرض کئے دیتے ہیں۔خود معلوم

ہو جائے گا کہ میت کو ان میں سے کون کون سے فائدے حاصل ہونگے۔ اولاً تو یہ کہ میت کو تلقین جوابات سے ہے جیسا کہ بیان کیا جاچکا۔ دوسرے اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ مشکوۃ باب الاذان میں ہے۔

اذا نودی للصلوۃ ادبر الشطن له صراط حتی لا یسمع التاذین۔

ترجمہ: جب نماز کی اذان ہوتی ہے تو شیطان گوز لگاتا ہوا بھاگتا ہے یہاں تک کہ اذان نہیں سنتا۔

(صحیح مسلم ج ا ص ۲۹۱ رقم الحدیث ۳۸۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اور جس طرح کہ بوقت موت شیطان مرنے والے کو ورغلاتا ہے تاکہ ایمان چھین لے اسی طرح قبر میں بھی پہنچتا ہے اور بہکاتا ہے کہ تو مجھے خدا کہہ دے تاکہ میت اس آخری امتحان میں فیل ہو جاوے۔ **اللهم احفظنا منه** چنانچہ نوادرالوصول میں امام محمد ابن علی ترمذی فرماتے ہیں۔

اذا سئل الميت من ربك ترای له الشيطان فی صورة يشير الی نفسه ای انا ربك فلهذا ورد سوال التثبیت له حین یسئل۔

ترجمہ: یعنی جبکہ میت سے سوال ہوتا ہے کہ تیرا رب کون ہے تو شیطان اپنی طرف اشارہ کر کے کہتا ہے کہ میں تیرا رب ہوں۔ اسی لئے ثابت ہے کہ حضور علیہ السلام نے میت کے سوالات کے وقت اس کے لئے ثابت قدم رہنے کی دعا فرمائی۔

(نوادر الاصول فی معرفۃ احادیث الرسول ج ا ص ۳۲۳ مطبوعہ دار صادر بیروت)

اب اذان کی برکت سے شیطان دفع ہو گیا میت کو امن مل گئی اور بہکانے والا گیا۔

تیسرے یہ کہ اذان دل کی وحشت کو دور کرتی ہے ابونعیم اور ابن عسا کر نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت فرمائی۔ **نزل ادم بالهند واستوحش فنزل جبريل فنادی بالاذان** حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں اترے اور ان کو سخت وحشت ہوئی پھر جبریل آئے اور اذان دی۔ اسی طرح مدارج النبوت جلد اول صفحہ ۶۲ باب سوم درمیاں آیات شرف دے میں ہے۔ اور میت بھی اس وقت عزیز و اقارب سے چھوٹ کر تیرہ و تاریک مکان میں اکیلا پہنچتا ہے سخت وحشت ہے اور وحشت میں حواس باختہ ہو کر امتحان میں ناکامی کا خطرہ ہے۔ اذان سے دل کو اطمینان ہوگا۔ جوابات درست دے گا۔ چوتھے یہ کہ اذان کی برکت سے غم دور ہوتا ہے۔ اور دل کو سرور حاصل ہوتا ہے۔ مسند الفردوس میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

رانی النبی ﷺ حزينا فقال يا ابن ابی طالب انی اراك حزينا فمر بعض اهلك يوذن فی اذنك فانه درء الهم۔

ترجمہ: مجھ کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے رنجیدہ دیکھا تو فرمایا کہ کیا وجہ ہے کہ تم کو رنجیدہ پاتا ہوں تم کسی کو حکم دو کہ تمہارے کان میں اذان کہہ دے کیونکہ اذان غم کو دور کرنے والی ہے۔

(جامع الرضوی بصحیح البھاری کتاب الجنائز باب الاذان علی القبر لدفع الحزن ج ۲ ص ۹۱۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء)

بزرگان دین حتیٰ کہ ابن الحجر علیہ الرحمۃ بھی فرماتے ہیں کہ **جربته فوجدته كذلك فی المرقات۔** (جامع الرضوی بصحیح البھاری کتاب الجنائز باب الاذان علی القبر لدفع الحزن ج ۲ ص ۹۱۳ طبع سنہ ۱۹۹۲ء) مرقاۃ شروع باب الاذان میں ہے یعنی میں نے اس کو آزمایا مفید پایا۔ اب مردے کے دل پر اس وقت جو صدمہ ہے۔ اذان کی برکت سے دور ہوگا اور سرور حاصل ہوگا۔

پانچویں یہ کہ اذان کی برکت سے لگی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ ابو یعلی نے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا۔

يطفئوا الحريق بالتكبير واذا رء يتم الحريق فكبروا فانه يطفئی النار۔

ترجمہ: لگی ہوئی آگ کو تکبیر سے بجھاؤ اور جبکہ تم آگ لگی ہوئی دیکھو تو تکبیر کہو کیونکہ یہ آگ کو بجھاتی ہے۔

اور اذان میں تکبیر تو ہے اللہ اکبر لہذا اگر قبر میت میں آگ لگی ہو تو امید ہے کہ خدائے پاک اس کی برکت سے بجھادے۔

چھٹے یہ کہ اذان ذکر اللہ ہے اور ذکر اللہ کی برکت سے عذاب قبر دور ہوتا ہے اور قبر فراخ ہوتی ہے تنگی قبر سے نجات ملتی ہے۔ امام احمد و طبرانی و بیہقی نے جابر رضی اللہ عنہ سے سعد ابن معاذ رضی اللہ عنہ کے دفن کا واقعہ نقل کر کے روایت کی۔

سبح النبی ﷺ ثم کبروا کبر الناس قالوا یارسول اللہ لم سبحت قال لقد تضائق علی هذا الرجل الصلح قبره حتی فرج اللہ تعالی عنه بعد دفن۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے سبحان اللہ فرمایا۔ پھر اللہ اکبر حضور ﷺ نے فرمایا اور دیگر حضرات نے بھی۔ لوگوں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ تسبیح و تکبیر کیوں پڑھی ارشاد فرمایا کہ اس صالح بندے پر قبر تنگ ہوگئی تھی اللہ نے قبر کو کشادہ فرمایا۔☆

(مسند احمد بن حنبل ج ۳ ص ۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

اس کی شرح میں علامہ طیبی فرماتے ہیں۔

ای ما زلت مکبرا وتکبرون واسبح و تسبحون حتی فرجه اللہ۔

ترجمہ: یعنی ہم اور تم لوگ تسبیح و تکبیر کہتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ نے قبر کو کشادہ فرمادیا۔

(مرقات المفاتیح شرح مشکوۃ المصابیح الفصل الثالث من اثبات عذاب القبر ج ۱ ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

ساتویں یہ کہ اذان میں حضور علیہ السلام کا ذکر ہے اور صالحین کے ذکر کے وقت نزول رحمت ہوتا ہے۔ امام سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں۔ ذکر الصالحین تنزیل الرحمۃ (تاریخ بغداد ج ۳ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت) اور میت کو اس وقت رحمت کی سخت ضرورت ہے۔ غرضکہ ہماری تھوڑی سی جنبش زبان سے اگر میت کو اتنے بڑے بڑے سات فائدے پہنچ جاویں تو کیا حرج ہے؟

ان الفرق بین العادة والعبادة هو النیة المتضمنة للاخلاص۔

ترجمہ: عادت اور عبادت میں فرق نیت اخلاص سے ہے یعنی جو کام بھی اخلاص سے کیا جاوے وہ عبادت ہے۔

اور جو کام بغیر اخلاص کے ہو وہ عادت۔ درمختار بحث مستحبات الوضو میں ہے۔

ومستحبه هو ما فعله النبی علیه السلام کرة وترکه اخری وماحبه السلف۔

ترجمہ: مستحب وہ کام ہے جس کو حضور علیہ السلام نے کبھی کیا اور کبھی نہ کیا۔ اور وہ بھی ہے جس کو گذشتہ مسلمان اچھا جانتے ہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار بحث مستحبات الوضوء ج ۱ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی بحث دفن زیر عبارات ولا تجصص ہے۔ **وقال علیه السلام ما راه المومنون حسنا فهو عند اللہ حسن** جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۱ ص ۶۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ان عبارات سے ثابت ہوا کہ چونکہ اذان قبر شریعت میں منع نہیں لہذا جائز ہے اور چونکہ اس کو بہ نیت اخلاص مسلمان بھائی کے نفع کے لئے کیا جاتا ہے۔ لہذا یہ مستحب ہے۔ اور چونکہ مسلمان اس کو اچھا سمجھتے ہیں لہذا یہ عند اللہ اچھی ہے۔ خود دیوبندیوں کے پیشوا

حاشیہ......☆

محدث کبیر امام ابونعیم متوفی ۴۳۰ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو حامد احمد بن محمد بن الحسین ثنا الحسین بن محمد الجعینی ثنا محمد بن حسان قال سمعت ابن عیینة یقول ذکر الصالحین تنزل الرحمة۔

ترجمہ: محمد بن حسان بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ کو بیان کرتے ہوئے سنا کہ صالحین کے ذکر کے وقت رحمت نازل ہوتی ہے۔

(حلیۃ الاولیاء ج ۷ ص ۲۸۵ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (صفوۃ الصفوۃ للجوزی ج ۱ ص ۴۵ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)۔

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاوٰی رشیدیہ جلد اول کتاب العقائد صفحہ ۱۴ میں فرماتے ہیں۔ کسی نے سوال کیا ہے کہ تلقین کے بعد دفن ثابت ہے یا نہیں تو جواب دیا یہ مسئلہ عہد صحابہ سے مختلف فیہا ہے اس کا فیصلہ کوئی نہیں کرسکتا۔ تلقین کرنا بعد دفن اس پر مبنی ہے جس پر عمل کرلے درست ہے۔ رشید احمد۔

دوسرا باب

اذان قبر پر اعتراضات وجوابات میں

اس مسئلہ میں مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے علاوہ اور نہ ملیں گے۔

اعتراض (۱)......۔ قبر پر اذان دینا بدعت ہے اور ہر بدعت حرام ہے لہذا یہ بھی حرام حضور علیہ السلام سے ثابت نہیں وہ ہی پرانا سبق۔

جواب:۔ ہم پہلے باب میں ثابت کرچکے ہیں کہ بعد دفن ذکر اللہ تسبیح وتکبیر حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور جس کی اصل ثابت ہو وہ سنت ہے اس پر زیادتی کرنا منع نہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ حج میں تلبیہ کے جو الفاظ احادیث سے منقول ہیں ان میں کمی نہ کرے اگر کچھ بڑھائے تو جائز ہے۔ (ہدایہ وغیرہ) اذان میں تکبیر بھی ہے اور کچھ زیادہ بھی لہذا یہ سنت ہے ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو تو حسنہ ہے جیسے کہ ہم بحث بدعات میں عرض کرچکے ہیں۔ فتاوٰی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۸۹ پر ہے کہ کسی نے دیوبندیوں کے سردار رشید احمد صاحب سے پوچھا کہ کسی مصیبت کے وقت بخاری شریف کا ختم کرانا قرون ثلثہ سے ثابت ہے یا نہیں اور بدعت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ قرون ثلثہ میں بخاری تالیف نہیں ہوئی تھی۔ مگر اس کا ختم درست ہے کہ ذکر خیر کے بعد دعا قبول ہوتی ہے اس کی اصل شرع سے ثابت ہے۔ بدعت نہیں۔ رشید احمد عفی۔

اسی کتاب میں صفحہ ۸۸ پر ہے کہ کھانا تاریخ معین پر کھلانا بدعت ہے اگرچہ ثواب پہنچے گا۔ رشید احمد۔

کہیئے جناب یہ ختم بخاری اور برسی کی فاتحہ پر ثواب کیوں ہورہا ہے؟ یہ تو بدعت ہے۔ اور ہر بدعت حرام ہے۔ حرام پر ثواب کیسا۔

نوٹ ضروری:۔ مدرسہ دیوبند میں مصیبت کے وقت ختم بخاری وہاں کے طلبا سے کرایا جاتا ہے اہل حاجت طلباء کو شیرینی دیتے ہیں اور روپیہ نفع میں رہا۔ کم از کم پندرہ روپیہ وصول کئے جاتے ہیں شاید یہ بدعت اس لئے جائز ہو کہ مدرسہ کو روپیہ کی ضرورت ہے اور یہ حصول زر کا ذریعہ۔ لیکن اب قبر مومن پر اذان کیوں حرام؟

اعتراض (۲)......۔ شامی نے باب الاذان میں جہاں اذان کے موقعہ شمار کئے ہیں وہاں اذان قبر کا بھی ذکر فرمایا مگر ساتھ ہی فرمایا لکن ردہ ابن حجر فی شرح العباب اس اذان کی ابن حجر نے شرح عباب میں تردید کردی معلوم ہوا کہ اذان قبر مردود ہے۔

جواب:۔ اولاً تو ابن حجر شافعی مذہب میں بہت سے علماء جن میں بعض احناف بھی شامل ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اذان قبر سنت ہے اور امام ابن حجر شافعی اس کی تردید کرتے ہیں تو بتاؤ کہ حنفیوں کو مسئلہ جمہور پر عمل کرنا ہوگا کہ قول شافعی پر؟ دوم ابن حجر نے بھی اذان قبر کو منع نہ کیا بلکہ اس کے سنت ہونے کا انکار کیا۔ یعنی سنت نہیں۔ اگر میں کہوں کہ بخاری چھاپنا سنت نہیں بالکل درست ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں نہ بخاری تھی نہ پریس۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز بھی نہیں۔ شامی نے اس موقعہ پر فرمایا وقد یسن الاذان ان موقعوں پر اذان سنت ہے آگے فرمایا ردہ اس کی ابن حجر نے تردید کی تو کسی چیز کی تردید ہوئی؟ سنت کی۔ شامی سمجھنے کے لئے عقل وایمان کی

ضرورت ہے تیسرے یہ کہ اگر مان بھی لو کہ علامہ ابن حجر علیہ الرحمۃ نے خود اذان کی تردید کی تو کیا کسی عالم کے تردید کرنے سے کراہت تنزیہی بھی ثابت نہیں ہوتی۔ شامی بحث مستحباب الوضو میں ہے۔

ولا یلزم من ترك المستحب ثبوت الكراهة اذلا بدله من دليل خاص۔

ترجمہ: مستحب کے ترک سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مکروہ ہو جائے بغیر خاص ممانعت کے کیونکہ کراہت حکم شرعی ہے اس کے لئے خاص دلیل کی ضرورت ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار بحث مستحبات الوضوج اص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

آپ تو اذان قبر کو حرام فرماتے ہیں فقہاء بغیر خاص ممانعت کے کسی شئی کو مکروہ تنزیہی بھی نہیں مانتے۔

اگر کہا جاوے کہ شامی نے اذان قبر کو قیل سے بیان کیا اور قیل ضعف کی علامت ہے تو جواب یہ ہے کہ فقہ میں قیل ضعف کے لئے لازم نہیں شامی کتاب الصوم فصل کفارہ میں ہے۔ **فتعبير المصنف بقيل ليس يلزم الضعف** اسی (ردالمحتار علی درالمختار کتاب الصوم فصل کفارہ ج ۲ ص ۱۲۰ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) طرح شامی بحث دفن میت میں ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا **قيل تحريما وقيل تنزيها** (ردالمحتار علی درالمختار جباب صلوۃ الجنائز ج اص ۵۹۸ مطبوعہ ادارۃ الطبعۃ المصر یہ مصر) دیکھو یہاں دو قول تھے اور دونوں قیل سے نقل کئے۔ عالمگیری کتاب الوقف بحث مسجد میں ہے **وقيل هو مسجد ابدا وهوا الاصح** یہاں صحیح قول قیل سے بیان کیا معلوم ہوا کہ قیل دلیل ضعف نہیں۔ اور اگر مان بھی لیا جاوے تو بھی اس اذان کو سنت کہنا ضعیف ہوگا نہ کہ جائز کہنا کیونکہ یہ سنت ہی کا قول ہے ہم بھی اذان قبر سنت نہیں کہتے صرف جائز و مستحب کہتے ہیں۔

اعتراض (۳)......۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ قبر پر جا کر فاتحہ کے علاوہ کچھ نہ کرے اور اذان قبر فاتحہ کے علاوہ ہے لہذا حرام ہے چنانچہ بحرالرائق میں ہے۔ **ويكره عند القبر كل مالم يعهد من السنته والمهود منها ليس الا زيارتها والدعاء عندها قائما۔**

شامی کتاب الجنائز میں ہے۔

لايسن الاذان عند ادخال الميت فى قبره كما هو المعتاد الان وقد صرح ابن حجر بانه بدعة وقال من ظن انه سنة فلم يصب۔

ترجمہ: یعنی میت کو قبر میں اتارتے وقت اذان دینا سنت نہیں ہے۔ جیسا کہ آجکل مروج ہے اور ابن حجر نے تصریح فرمادی کہ یہ بدعت ہے اور جو کوئی اس کو سنت جانے وہ درست نہیں کہتا۔

درالبحار میں ہے۔

من البدع التى شاعت فى بلاد الهند الاذان على القبر بعد الدفن۔

ترجمہ: جو بدعتیں کہ ہندوستان میں شائع ہو گئیں۔ ان میں سے دفن کے بعد قبر پر اذان دینا ہے۔

توشیح شرح تنقیح میں محمود بلخی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں **الاذان على القبر ليس بشئى** قبر پر اذان دینا کچھ نہیں۔ مولوی اسحاق صاحب مائۃ مسائل میں فرماتے ہیں کہ قبر پر اذان دینا مکروہ ہے کیونکہ یہ ثابت نہیں اور جو سنت سے ثابت نہ ہو وہ مکروہ ہوتا ہے۔

جواب:۔ بحرالرائق کا یہ فرمانا کہ قبر پر جا کر بجز زیارت و دعا اور کچھ کرنا مکروہ ہے بالکل درست ہے وہ زیارت قبور کے وقت فرماتے ہیں۔ یعنی جب وہاں زیارت کی نیت سے جاوے تو قبر کو چومنا یا سجدہ کرنا وغیرہ ناجائز کام نہ کرے اور یہاں گفتگو ہے دفن کے وقت یہ زیارت کا وقت نہیں ہے اگر وقت دفن بھی اس میں شامل ہے تو پھر لازم ہوگا کہ میت کو قبر میں اتارنا، تختہ دینا، مٹی ڈالنا اور بعد دفن تلقین کرنا

جس کو فتاوٰی رشیدیہ میں بھی جائز کہا ہے سب منع ہے۔ بس مردے کو جنگل میں رکھ کر فاتحہ پڑھ کر بھاگ آنا چاہیے اور زیارت قبر کے وقت بھی ممنوع کام کرنا منع ہیں۔ وہ ہی عبارت بحرالرائق کا مقصود ہے ورنہ مردوں کو سلام کرنا یا ان کے قبور پر سبزہ یا پھول ڈالنا بالاتفاق جائز ہے۔ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے اور بحرالرائق میں فرمارہے ہیں کہ وہاں بجز زیارت اور کھڑے ہو کر دعا کرنے کے کچھ بھی نہ کرے، مولوی اشرف علی صاحب کی حفظ الایمان میں ایک سوال ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب کشف قبور کا طریقہ بیان فرماتے ہیں ۔و بعدہ

ہفت کرہ طواف کند ودراں تکبیر بخواند واغاز از راست کند وبعدہ طرف پایاں رخسار نهد۔

یعنی اس کے بعد قبر کا سات چکر طواف کرے اس میں تکبیر کہے اور داہنی طرف سے شروع کرے اور قبر کے پاؤں کی طرف اپنا رخسارہ رکھے تو کیا قبر کا طواف اور سجدہ جائز ہے؟ اس کا جواب حفظ الایمان صفحہ ۶ پر دیتے ہیں یہ طواف اصطلاحی نہیں ہے جو کہ تعظیم وتقرب کے لئے کیا جاتا ہے۔ اور جس کی ممانعت نصوص شرعیہ سے ثابت ہے بلکہ طواف لغوی ہے یعنی محض اس کے اردگرد پھرنا واسطے پیدا کرنے مناسبت وحی کے صاحب قبر کے ساتھ اور لینے فیوض کے اس کے نظیر حضرت جابر کے قصے میں وارد ہوتی ہے۔ جبکہ ان کے والد مقروض ہو کر وفات پا گئے۔ اور قرض خواہوں نے حضرت جابر کو تنگ کیا۔ انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ باغ میں تشریف لا کر رعایت کرا دیجئے حضور علیہ السلام باغ میں رونق افروز ہوئے اور چھوہاروں کے انبار لگوا کر بڑے انبار کے گرد تین بار پھرے۔ طاف احول اعظم ھا بیدارا۔ یہ حضور کا یہ پھرنا کوئی طواف نہ تھا۔ بلکہ اس میں اثر پہنچانے کے لئے اس کی چاروں طرف پھر گئے۔ اسی طرح کشف القبور کے عمل میں ہے۔ کہیئے اگر اذان قبر اس لئے منع ہے کہ قبر پر بجز زیارت ودعا کوئی کام جائز نہیں تو یہ قبر کا طواف اور اس سے فیض لینا کیوں جائز ہے؟ لہذا بحرالرائق کی ظاہری عبارت آپ کے بھی موافق نہیں پر لطف بات یہ ہے کہ حفظ الایمان کی اس عبارت سے معلوم ہوا کہ قبروں سے فیض ملتا ہے اور فیض لینے کے لئے وہاں جانا اور طواف کرنا، قبر پر رخسارہ رکھنا جائز ہے اسی کو تقویۃ الایمان میں شرک کہا ہے۔ شامی وتوشیح وغیرہ کی عبارتوں کا جواب سوال نمبرا کے ماتحت گزر گیا کہ اس میں سنیت کا انکار ہے نہ کہ جواز کا توشیح کا فرمانا لیس بشئی اس کے معنی یہ نہیں کہ حرام ہے مراد یہ ہے کہ نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت محض جائز اور مستحب ہے اور اس کو سنت یا واجب سمجھنا محض غلط ہے جو فقہاء کہ اس کو بدعت فرماتے ہیں وہ بدعت جائزہ یا کہ بدعت مستحبہ فرماتے ہیں نہ کہ بدعت مکروہہ کیونکہ بلادلیل کراہت ثابت نہیں ہوتی۔ مولوی اسحاق صاحب دیوبندیوں کے پیشوا ہیں ان کا قول حجت نہیں۔ اور یہ قاعدہ صحیح ہے کہ جو سنت سے ثابت نہیں۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین مطلب فی تکبیر التشریق میں ہے۔

ووقوف الناس یوم عرفته فی غیرھا تشبیھا بالواقفین لیس بشئی۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج اص ۶۱۸ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔

وھو نکرۃ فی موضع النفی فتعم انواع العبادۃ من فرض وواجب و مستحب فبقیت الاباحته قیل یستحب۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج اص ۶۱۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

ہدایہ کے حاشیہ میں لیس بشئی کے ماتحت فرماتے ہیں۔

ای لیس بشئی یتعلق به الثواب وھو یصدق علی الاباحته۔

(حاشیہ ہدایہ اولین ص ۱۷۵)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ لیس بشئی مباح کو بھی کہا جاتا ہے۔

اعتراض (۴)......:۔اذان تو نماز کی اطلاع کے لئے ہے دفن کے وقت کونسی نماز ہو رہی ہے۔جس کی اطلاع دینا منظور ہے چونکہ یہ اذان لغو ہے پس ناجائز ہے۔

جواب:۔ یہ خیال غلط ہے کہ اذان فقط نماز کی اطلاع کے لئے ہے ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ اذان کتنی جگہ کہنی چاہئے آخر بچہ کے کان میں اذان دی جاتی ہے وہاں کونسی نماز کا وقت ہے حضور علیہ السلام کے زمانہ میں رمضان کی شب دو اذانیں ہوتی تھیں ایک تو سحری کے لئے بیدار کرنے کو دوسری نماز فجر کے لئے۔

لطیفہ:۔کاٹھیاواڑ میں رواج ہے کہ بعد نماز فجر مصافحہ کرتے ہیں اور یوپی میں رواج ہے کہ بعد نماز عید معانقہ (گلے ملنا) کرتے ہیں۔ایک صاحب نے ہم سے دریافت کیا کہ معانقہ یا مصافحہ اول ملاقات کے وقت چاہئے نماز کے بعد تو لوگ رخصت ہو رہے ہیں پھر اس وقت یہ کیوں ہوتا ہے۔یہ مصافحہ اور معانقہ بدعت ہے لہذا حرام ہے ہم نے عرض کیا کہ معانقہ حضور علیہ السلام سے ثابت ہے۔

مشکوۃ کتاب الادب میں ایک باب ہی اس کا باندھا باب المصافحۃ والمعانقۃ اور وہاں لکھا کہ حضور علیہ السلام نے زید ابن حارثہ رضی اللہ عنہ سے معانقہ فرمایا۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الادب باب المصافحۃ والمعانقۃ الفصل الثانی ص ۴۰۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

حدیث کی روش بتاتی ہے کہ معانقہ خوشی کا تھا اور عید کا دن بھی خوشی کا دن ہے اس لئے اظہار خوشی میں معانقہ کرتے ہیں۔نیز درمختار جلد پنجم باب الکراہیۃ باب الاستبراء میں ہے۔

حاشیہ.....☆ ••

غنیہ حاشیہ غرر و درر باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

المستحب الخروج ماشيا والرجوع من طريق اخر والتهنئة بتقبل الله مناومنكم لا تنكر كما فى البحر وكذا المصافحة بل هى سنة عقب الصلوات كلها عند كل لقى ولنا فيها رسالة سميتها سعادة اهل الاسلام بالمصافحة عقب الصلاة والسلام۔

ترجمہ: عید کے دن عید گاہ کو پیدل جانا اور دوسرے راستے سے واپس آنا یہی مستحب ہے۔اور "اللہ عزوجل ہمارے اور تمہارے عمل قبول فرمائے" کے الفاظ سے مبارکباد پیش کرنے میں کوئی برائی نہیں جیسا کہ "بحر الرائق" میں ہے اسی طرح مصافحہ بھی، بلکہ وہ تمام نمازوں کے بعد ہر ملاقات کے وقت سنت ہے اور اس بارے میں "نماز کے بعد مصافحہ وسلام میں اہل سلام کی خوش بختی" نامی ہمارا ایک رسالہ ہے۔
(غنیۃ ذوی الاحکام علی حاشیۃ غرر الاحکام کتاب الصلاۃ باب صلاۃ العیدین ج ۱ ص ۱۴۲ مطبوعہ میر محمد کتب خانہ کراچی)

علامہ سید احمد طحطاوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

كذا تطلب المصافحة فهى سنة عقب الصلوات كلها۔

ترجمہ: اسی طرح مصافحہ بھی مطلوب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد سنت ہے۔
(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح کتاب الصلاۃ باب العیدین ص ۵۳۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

حاشیہ درمختار میں لکھتے ہیں۔

تستحب المصافحة بل هى سنة عقب الصلوات كلها وعند كل لقى ابو السعود عن الشرنبلالية۔

ترجمہ: مصافحہ مستحب ہے بلکہ یہ تو تمام نمازوں کے بعد اور ہر ملاقات کے وقت سنت ہے ابوالسعود نے شرنبلالی سے نقل کیا۔
(حاشیۃ الطحطاوی علی الدر المختار کتاب الصلاۃ باب العیدین ج ۱ ص ۳۵۳ مطبوعہ المکتبۃ العربیۃ کوئٹہ)

ای کما تجوز المصافحة ولو بعد العصر و قولهم انه بدعة ای مباحة حسنة کما افاده النووی فی اذکاره۔

ترجمہ: مصافحہ جائز ہے اگر چہ نماز عصر کے بعد ہو اور فقہاء کا فرمانا کے مصافحہ نماز عصر بدعت ہے یعنی بدعت مباحہ حسنہ ہے جیسا کہ نووی نے اپنے اذکار میں فرمایا۔

(الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج۹ص ۶۲۹۶۲۸ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اسی کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء و اماما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوة الصبح فلا اصل له فی الشرع علی هذا الوجه ولكن لاباس به وتقييده بما بعد الصبح و العصر علی عادة كانت فی زمنه والا فعقب الصلوات كلها كذالك۔

ترجمہ: ہر ملاقات کے وقت مصافحہ کرنا مستحب ہے اور فجر کے بعد مصافحہ کا جو رواج ہے اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں۔ لیکن اس میں حرج بھی نہیں اور صبح یا عصر کی قید فقط لوگوں کی عادت کی بناء پر ہے ورنہ ہر نماز کے بعد مصافحہ کا یہ ہی حکم ہے۔

(الدرالمختار کتاب الحظر والاباحۃ باب الاستبراء وغیرہ ج۹ص ۶۲۹۶۲۸ مطبوعہ دارالمعرفہ بیروت)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مصافحہ بہر حال جائز ہے لیکن اس کی تسلی نہ ہوئی یہ ہی کہتا رہا کہ مصافحہ معانقہ ملاقات کے وقت چاہیے ہم نے کہا اچھا بتاؤ۔ اول ملاقات کسے کہتے ہیں؟ بولا غائب ہونے کے بعد جب ملیں۔ تو یہ اول ملاقات ہے ہم نے کہا۔ غائب ہون کی دو صورتیں ہیں ایک تو یہ کہ جسماً غائب ہوں۔ دوسرے یہ کہ دلی طور پر غائب ہوں نماز کی حالت میں اگر چہ بظاہر تمام مقتدی اور امام ایک جگہ ہی رہے مگر حکمی لحاظ سے سب ایک دوسرے سے غائب تھے کہ نہ کسی سے کلام کر سکیں نہ ایک دوسرے کی مدد۔ بلکہ یہ تمام لوگ دنیا ہی سے غائب ہیں کہ کھانا، پینا، چلنا پھرنا، تمام دنیاوی کام حرام ہیں اور الصلوٰۃ معراج المومنین کا نقشہ نظر آرہا ہے دنیا سے تعلق منقطع ہے اور واصل الی اللہ ہیں جب سلام پھیرا۔ اب دنیا میں آگئے تمام دنیاوی کام حلال ہوگئے۔ یہ وقت غائب ہونے کے بعد ملنے کا ہے۔ لہذا مصافحہ سنت ہے وہ کہنے لگا کہ یہ منطق ہے سمجھا دیا اس کو شریعت نے تو ملاقات کا وقت نہیں مانا۔ ہم نے کہا مانا ہے اس وقت سلام کس کو کرتے ہیں اور کیوں کرتے ہیں؟ امام کو چاہیے کو سلام میں مقتدیوں اور ملائکہ کو سلام کرنے کی کرے اور مقتدی لوگ امام کو اور ملائکہ کو اور تنہا نمازی صرف ملائکہ کی نیت کرے اور سلام یا تو ملاقات کے وقت ہوتا ہے یا رخصت کے وقت۔ بتاؤ یہ سلام کیسا کیا یہ لوگ کہیں سے آرہے ہیں یا جا رہے ہیں؟ جا تو نہیں رہے ہیں کہ ابھی دعا مانگیں کے وظیفہ پڑھیں گے بعض لوگ اشراق پڑھ کر اٹھیں گے۔ معلوم ہوا کہ عالم بالا کی سیر کر کے آرہے ہیں اور سلام کر رہے ہیں لہذا مصافحہ بھی کریں تو کیا حرج ہے؟ کہنے لگا کہ پھر تو ہر نماز کے بعد چاہیے۔ ہم نے کہا ہاں اگر ہر نماز کے بعد کرے تب بھی منع نہیں۔ الحمد للہ کہ اس کی تسکین ہوگئی۔ اسی طرح یہ مسئلہ اذان ہے۔

☆..........☆

بحث عرس بزرگان

اس بحث کے دو باب ہیں۔ پہلا باب عرس کے ثبوت میں، دوسرا باب مسئلہ عرس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

ثبوت عرس میں

عرس کے لغوی معنی ہیں شادی۔ اسی لئے اور دلہن کو عروس کہتے ہیں بزرگان دین کی تاریخ وفات کو اس لئے عرس کہتے ہیں کہ مشکوۃ باب اثبات عذاب القبر میں ہے کہ جب نکیرین میت کا امتحان لیتے ہیں اور وہ کامیاب ہوتا ہے تو کہتے ہیں **نم کنومة العروس التی لایو قظه الا احب اهله الیه۔**

(مشکوۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر الفصل الثانی ص ۲۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

تو اس دلہن کی طرح سو جا جس کو سوائے اس کے پیارے کے کوئی نہیں اٹھا سکتا تو چونکہ اس دن نکیرین نے ان کو عروس کہا۔ اس لئے وہ دن روز عرس کہلایا۔ یا اس لئے کہ وہ جمال مصطفیٰ علیہ السلام کے دیکھنے کا دن ہے کہ نکیرین دکھا کر پوچھتے ہیں کہ تو ان کو کیا کہتا تھا اور وہ تو خلقت کے دولہا ہیں۔ تمام عالم ان ہی کے دم کی بہار ہے اور وصال محبوب کا دن عرس کا دن ہے لہذا یہ دن عرس کہلایا عرس کی حقیقت صرف اس قدر ہے کہ ہر سال تاریخ وفات پر قبر کی زیارت کرنا اور قرآن خوانی و صدقات کا ثواب پہنچانا اس اصل عرس کا ثبوت حدیث پاک اور اقوال فقہاء سے ہے۔ شامی جلد اول باب زیارت القبور میں ہے۔

روی ابن ابی شیبة ان النبی ﷺ کان یاتی قبور الشهدآء باحد علی راس کل حول۔

ترجمہ: ابن ابی شیبہ نے روایت کیا کہ حضور علیہ السلام ہر سال شہداء احد کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۵۷۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (عمدۃ القاری ج ۸ ص ۷۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع البیان فی تفسیر القرآن ج ۱۳ ص ۱۴۲)، (تفسیر القرآن العظیم لابن کثیر ج ۲ ص ۵۱۲ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

تفسیر کبیر اور تفسیر در منثور میں ہے۔

عن رسول اللہ علیه السلام انه کان یاتی قبور الشهدآء علی راس کل حول فیقول سلام علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار والخلفآء الاربعة هکذا کانوا یفعلون۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام سے ثابت ہے کہ آپ ہر سال شہداء کی قبروں پر تشریف لے جاتے تھے اور ان کو سلام فرماتے تھے اور چاروں خلفاء بھی ایسا ہی کرتے تھے۔

(الدر المنثور فی التفسیر بالماثور ج ۴ ص ۶۴۱ مطبوعہ دار المعرفہ بیروت)

شاہ عبدالعزیز صاحب فتاوی عزیزیہ صفحہ ۴۵ میں فرماتے ہیں۔

دوم آنکہ بہیئت اجتماعیہ مردمان کثیر جمع شوند و ختم کلام اللہ فاتحہ بر شیرینی و طعام نمودہ تقسیم درمیان حاضراں کنند ایں قسم معموم در زمانہ پیغمبر خدا و خلفائے راشدین نہ بود اگر کسے ایں طور کنند پاک نیست بلکہ فائدہ احیاء اموات را حاصل میشود۔ دوسرے یہ کہ بہت سے لوگ جمع ہوں اور ختم قرآن اور کھانے شیرینی پر فاتحہ کر کے حاضرین میں تقسیم کریں یہ قسم حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے زمانہ میں

مروج نہ تھی۔ لیکن اگر کوئی کرے تو حرج نہیں بلکہ زندوں کو مردوں سے فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ زبدۃ النصائح فی مسائل الذبائح میں شاہ عبدالعزیز صاحب مولوی عبدالحکیم صاحب سیالکوٹی علیہا الرحمۃ والرضوان کو جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں۔

ایں طعن مبنی است بر جہل بہ احوال مطعون علیہ زیرا کہ غیر از فرائض شرعیہ مقررہ راہیچ کس فرض نمی داند آرے تبرک بقبور و امداد ایشاں بایصال ثواب و تلاوت قرآن و دعائے خیر و تقسیم طعام و شیرینی امر مستحسن و خوب است باجماع علماء و تعیین روز عرس برائے آں است کہ آں روز ذکر انتقال ایشاں می باشد از دار العمل بدار الثواب والا ہر روز کہ ایں عمل واقع شود موجب فلاح و نجات است۔

یہ طعن لوگوں کے حالات سے خبردار نہ ہونے کی وجہ سے ہے کوئی شخص بھی شریعت کے مقرر کردہ فرائض کے سواء کو فرض نہیں جانتا ہاں صالحین کی قبروں سے برکت لینا اور ایصال ثواب اور تلاوت قرآن اور تقسیم شیرینی وطعام سے ان کی مدد کرنا اجماع علماء سے اچھا ہے عرس کا دن اس لئے مقرر ہے کہ وہ دن ان کی وفات کو یاد دلاتا ہے۔ ورنہ جس دن بھی یہ کام کیا جاوے اچھا ہے۔ حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی مکتوب ۱۸۲ میں مولانا جلال الدین کو لکھتے ہیں۔ ''اعراس پیراں بسماع وصفائی جاری دارند'' پیروں کا عرس پیروں کے طریقہ سے قوالی اور صفائی کے ساتھ جاری رکھیں۔ مولوی رشید احمد واشرف علی صاحبان کے پیر وحاجی امداد اللہ صاحب اپنے فیصلہ ہفت مسئلہ میں عرس کے جواز پر بہت زور دیتے ہیں خود اپنا عمل یوں بیان فرماتے ہیں ''فقیر کا مشرب اس امر میں یہ ہے کہ ہر سال اپنے پیر ومرشد کی روح مبارک پر ایصال ثواب کرتا ہوں اول قرآن خوانی ہوتی ہے اور گاہ گاہ اگر وقت میں وسعت ہو تو مولود پڑھا جاتا ہے پھر ماحضر کھانا کھلایا جاتا ہے اور اس کا ثواب بخش دیا جاتا ہے۔

مولوی رشید احمد صاحب بھی اصل عرس کو جائز مانتے ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۹۲ میں فرماتے ہیں۔ بہت سے اشیاء ہیں کہ اول مباح تھیں پھر کسی وقت منع ہو گئیں۔ مجلس عرس ومولود بھی ایسا ہی ہے اہل عرب سے معلوم ہوا کہ عرب شریف کے لوگ حضرت سید احمد بدوی رحمۃ اللہ علیہ کا عرس بہت دھوم دھام سے کرتے ہیں خاص کر علماء مدینہ منورہ حضرت امیر حمزہ رضی اللہ عنہ کا عرس کرتے رہے۔ جن کا مزار مقدس احد پہاڑ پر ہے۔ غرضکہ دنیا بھر کے مسلمان علماء وصالحین خصوصاً اہل مدینہ عرس پر کاربند ہیں اور جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ عند اللہ بھی اچھا ہے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ عرس بزرگان عمدہ چیز ہو اولاً تو اس لئے کہ عرس زیارت قبور اور صدقہ خیرات کا مجموعہ ہے زیارت قبور بھی سنت، صدقہ بھی سنت تو دو سنتوں کا مجموعہ حرام کیونکر ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ باب زیارۃ القبور میں ہے کہ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں۔ ہم نے تم کو زیارت قبور سے منع فرمایا تھا۔ الا فزوروھا اب ضرور زیارت کیا کرو۔ اس سے ہر طرح زیارت قبور کا جواز معلوم ہو خواہ روزانہ ہو یا سال کے بعد اور خواہ تنہا زیارت کی جاوے یا کہ جمع ہو کر اب اپنی طرف سے اس میں قیود لگانا کہ مجمع کے ساتھ زیارت کرنا منع ہے سال کے بعد مقرر کر کے زیارۃ کرنا منع ہے محض لغو ہے معین کر کے ہو یا بغیر معین کئے ہر طرح جائز ہے۔ دوم اس لئے کہ عرس کی تاریخ مقرر ہونے سے لوگوں کو جمع ہونے میں آسانی ہوتی ہے اور لوگ جمع ہو کر قرآن خوانی کلمہ طیبہ درود پاک وغیرہ پڑھتے ہیں بہت سی برکات جمع ہوتی ہیں۔ تیسرے اس لئے کہ ایک پیر کے مریدین اس تاریخ میں اپنے پیر بھائیوں سے بلا تکلف مل لیتے ہیں جس سے ایک دوسرے کے حالات سے واقفیت ہوتی ہے اور وآپس میں محبت بڑھتی ہے۔ چوتھے اس لئے کہ طالبان کو پیر تلاش کرنے میں آسانی ہے اگر کسی عرس میں پہنچے تو وہاں مختلف جگہ کے بزرگان دین جمع ہوتے ہیں علماء وصوفیاء کا مجمع ہوتا ہے سب کو دیکھ کر جس سے عقیدت ہو اس سے بیعت کر لے۔ آخر حج اور زیارت مدینہ منورہ بھی تاریخ مقررہ میں ہی ہوتے ہیں اس میں بھی گزشتہ فوائد ملحوظ ہیں۔ ہم نے دیوبندی اکابر کی قبریں دیکھی ہیں نہ وہاں رونق، نہ کوئی فاتحہ خواں، نہ ان کو ایصال ثواب، نہ کسی کو ان سے اور نہ کسی سے ان کو فیوض، امور خیر بند کرنے کی یہ برکات ہیں۔

دوسرا باب

مسئلہ عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض (۱)......:۔ جس کو تم بعد موت ولی سمجھتے ہو اس کا عرس کرتے ہو تم کو کیا معلوم کہ یہ ولی ہے کسی کے خاتمہ پر یقین نہیں کیا جاسکتا کہ وہ مسلمان مرا یا بے دین۔ پھر کسی مردے کی ولایت کیونکر معلوم ہوسکتی ہے؟ بڑے بڑے صالح کافر ہو کر مرتے ہیں۔

جواب:۔ زندگی کے ظاہری احکام بعد موت جاری ہوتے ہیں اور زندگی میں مسلمان تھا بعد موت بھی اس کو مسلمان سمجھ کر اس کی نماز جنازہ، کفن دفن، میراث کی تقسیم وغیرہ کی جاوے گی اور جو زندگی میں کافر تھا بعد موت نہ اس کی نماز جنازہ ہوگی، نہ گور کفن، نہ تقسیم میراث، شریعت کا حکم ظاہر پر ہوتا ہے فقط احتمال معتبر نہیں۔ اسی طرح جو زندگی میں ولی ہو وہ بعد وفات بھی ولی ہے اگر محض احتمال پر احکام جاری ہوں تو کفار کی نماز جنازہ پڑھ لیا کرو شاید مسلمان ہو کر مرا ہو۔ اور مسلمان کو بے جنازہ پڑھے آگ میں جلا دیا کرو کہ شاید کافر ہو کر مرا ہو۔ نیز مشکوۃ کتاب الجنائز باب المشی بالجنازہ میں بروایت مسلم و بخاری ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے تعریف کی فرمایا وجبت واجب ہوگئی۔ دوسرا جنازہ گزرا جس کی لوگوں نے برائی کی فرمایا وجبت واجب ہوگئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ کیا واجب ہوئی؟ فرمایا پہلے کے لئے جنت اور دوسرے کے لئے دوزخ پھر فرمایا انتم شهدآء الله فی الارض تم زمین میں اللہ کے گواہ ہو۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ الفصل الاول ص ۱۴۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

جس سے معلوم ہوا کہ عامۃ المسلمین جس کو ولی سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی ولی ہے مسلمانوں کے منہ سے وہ ہی بات نکلتی ہے جو اللہ کے یہاں ہوتی ہے اسی طرح جس کو مسلمان ثواب جانیں حلال جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی باعث ثواب اور حلال ہے کیونکہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں اسی کی حدیث نے تصریح فرمائی۔ ماراہ المومنون حسنا فهو عندالله حسن قرآن فرماتا ہے۔

و کذلك جعلناکم امة وسطا لتکونوا شهدآء علی الناس۔

ترجمہ: ہم نے تم کو امت عادلہ بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ رہو۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۴۳)

مسلمان قیامت میں بھی گواہ اور دنیا میں بھی۔ رب تعالیٰ نے قرآن کریم کی حقانیت اور رسول اللہ ﷺ کی صداقت کے ثبوت میں حضرت عبداللہ ابن سلام و دیگر بزرگوں کی گواہی پیش فرمائی۔ کہ فرمایا وشهد شاهد من بنی اسرائیل علی مثله (پارہ ۲۶ سورہ ۴۶ آیت نمبر ۱۰) اور بنی اسرائیل کا ایک گواہ اس پر گواہی دے چکا۔ جب صالح مومنین کی گواہی سے نبوت ثابت کی جاسکتی ہے تو ولایت بدرجہ اولی ثابت ہوسکتی ہے اور جب اس گواہی سے سارے قرآن پاک کا ثبوت ہوسکتا ہے تو کسی شرعی مسئلہ کا ثبوت بدرجہ اولیٰ ہوگا؟

نوٹ ضروری:۔ یہ سوال مکہ مکرمہ میں حرم شریف کے نجدی امام نے کیا تھا۔ ایک مجمع کے سامنے اس کا میں نے یہ ہی جواب دیا تھا۔ جس پر اس نے کہا کہ یہ صحابہ کرام کے لئے تھا کہ وہ جس کے متعلق جو گواہی دیں ویسا ہی ہوجائے کیونکہ وہاں فرمایا ہے۔ انتم ہم اس خطاب میں داخل نہیں۔ کیونکہ ہم اس وقت موجود نہ تھے۔ میں نے کہا اسی مشکوۃ میں اسی جگہ ہے وفی روایته المومنون شهدآء الله فی الارض (مشکوۃ المصابیح کتاب الجنائز باب المشی بالجنازۃ الفصل الاول ص ۱۴۵ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) ایک روایت میں ہے کہ مسلمان اللہ کے گواہ ہیں زمین میں۔ اس میں انتم نہیں۔ و نیز قرآن میں سارے احکام خطاب کے صیغہ سے آئے اقیموا الصلوۃ واتو الزکوۃ وغیرہ اور

ہم قرآن کے نزول کے وقت نہ تھے لہذا ہم ان احکام سے بری ہیں۔ یہ سب امور صرف صحابہ کرام کے لئے تھے قرآن وحدیث کے خطابات قیامت تک کے مسلمانوں کو شامل ہوتے ہیں۔ الحمدللہ کہ امام صاحب کو اس جواب پر غصہ تو آ گیا مگر جواب نہ آیا۔

اعتراض (۲)......:۔ حدیث شریف میں ہے۔ لاتخذوا قبری عیداً میری قبر کو عید نہ بناؤ۔ جس سے معلوم ہوا کہ قبروں پر لوگوں کا اجتماع کرنا۔ میلہ لگانا منع ہے کیونکہ عید سے مراد میلا ہے اور عرس میں اجتماع ہوتا ہے میلہ لگتا ہے لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ عید سے مراد ہے لوگوں کا جمع ہونا۔ اور حدیث کے معنی ہیں کہ میری قبر پر جمع نہ ہوتہا آیا کرو۔ عید کے دن خوشیاں منائی جاتی ہیں۔ مکانات کی زینت وآرائش ہوتی ہے۔ کھیل کود بھی ہوتے ہیں۔ یہ ہی اس جگہ مراد ہے یعنی ہماری قبر انور پر حاضر ہو تو باادب آؤ۔ یہاں آ کر شور نہ مچاؤ۔ کھیل کود نہ کرو۔ اگر قبر پر جمع ہونا منع ہے تو آج مدینہ منورہ کی طرف قافلے بھی جاتے ہیں اللھم ارزقنا بعد نماز پنج گانہ لوگ جمع ہو کر سلام عرض کرتے ہیں۔ حاجی امداداللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس میں فرماتے ہیں۔ لاتخذوا قبری عیداً اس کے صحیح معنے یہ ہیں کہ قبر پر میلہ لگانا اور خوشیاں اور زینت وآرائش دھوم دھام کا اہتمام یہ ممنوع ہے اور یہ معنی نہیں کہ کسی قبر پر جمع ہونا منع ہے ورنہ مدینہ طیبہ قافلوں کا جانا واسطے زیارت روضہ اقدس کے بھی منع ہوتا وھذا باطل پس حق یہ ہے کہ زیارت مقابر انفراداً واجتماعاً دونوں طرح جائز ہے یا حدیث کا مطلب یہ ہے کہ تم ہماری قبر پر جلد جلد آیا کرو مثل عید کے سال بھر کے بعد ہی نہ آیا کرو۔

اعتراض (۳)......:۔ عام عرسوں میں عورتوں، مردوں کا اختلاط ہوتا ہے ناچ رنگ ہوتے ہیں، قوالی گائی ہے غرضکہ عرس بزرگان صدہا محرمات کا مجموعہ ہے اس لئے یہ حرام ہے۔

جواب:۔ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ کسی مسنون یا جائز کام میں حرام چیزوں کے مل جانے سے اصل حلال کام حرام نہیں ہو جاتا بلکہ حرام تو حرام رہتا ہے اور حلال حلال۔ شامی بحث زیارت قبور کتاب الجنائز میں ہے۔

ولا تترك لما يحصل عندها من منكرات و مفاسد كاختلاط الرجال بالنسآء و غيرها لان القربات لاتترك لمثل ذلك بل على الانسان فعلها و انكار البدع قلت ويوبده مامر من عدم ترك اتباع الجنازة وان كان معها نسآء نائحات۔

ترجمہ: زیارت قبور اس لئے نہ چھوڑ دے کہ وہاں ناجائز کام ہوتے ہیں جیسے کہ عورت مرد کا خلط کیونکہ ان جیسی ناجائز باتوں سے مستحبات نہیں چھوڑے جاتے بلکہ انسان پر ضروری ہے کہ زیارات قبور کرے اور بدعت کو روکے اس کی تائید وہ گذشتہ مسئلہ کرتا ہے کہ جنازے کے ساتھ جانا نہ چھوڑے اگر چہ اس کے ساتھ نوحہ کرنے والیاں ہوں۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز باب زیارۃ القبور ج المطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

فتح مکہ سے پہلے خانہ کعبہ میں بت تھے اور کوہ صفا و مروہ پر بھی بت تھے مگر بتوں کی وجہ سے مسلمانوں نے نہ تو طواف چھوڑا اور نہ عمرہ، ہاں جب اللہ نے قدرت دی تو بتوں کو مٹا دیا آج بازاروں میں ریل کے سفروں اور دنیاوی جلسوں میں عورتوں مردوں کا اختلاط ہوتا ہے خود حاجیوں کے جہازوں میں بعض وقت طواف منی مزدلفہ میں اختلاط مرد و زن ہو جاتا ہے مگر ان کی وجہ سے اصل شئی کو کوئی منع نہیں کرتا دینی مدارس میں بھی اکثر اوقات بے احتیاطیاں ہو جاتی ہیں مگر ان کی وجہ سے نفس مدرسہ حرام نہیں۔ اسی طرح عرس ہے کہ عورتوں کا وہاں جانا حرام ہے ناچ رنگ حرام ہیں۔ لیکن ان کی وجہ سے اصل عرس کیوں حرام ہو۔ بلکہ وہاں جا کر ان جیسی ناجائز رسموں کو روکو، لوگوں کو سمجھاؤ۔ دیکھو جب ابن قیس منافق نے عرض کیا تھا کہ مجھے غزوہ تبوک میں شریک نہ فرمایئے کہ روم و شام کی عورتیں خوبصورت ہیں اور میں عورتوں کا شیدائی ہوں۔ مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے مگر قرآن کریم نے اس عذر کی تردید یوں فرمائی کہ **الا فی الفتنة سقطوا وان جهنم**

لمحیطة بالکفرین (پارہ۱۰سورہ۹ آیت نمبر۴۹) اس عذر کو رب نے کفر اور ذریعہ جہنم بتایا۔ دیکھو تفسیر کبیر و روح البیان۔ یہ ہی عذر آج دیوبندی محض روکنے کے لئے کرتے ہیں۔

آج بیاہ شادی میں صدہا حرام رسمیں ہوتی ہیں جس سے مسلمان تباہ بھی ہوتے ہیں اور گنہگار بھی لیکن ان رسوم کی وجہ سے کوئی نکاح کو حرام کہہ کر بند نہیں کرتا۔

قوالی جو آج کل عام طور پر مروج ہے۔ جس میں گندے مضامین کے اشعار گائے جاتے ہیں اور فاسق اور امردوں کا اجتماع ہوتا ہے اور محض آواز پر رقص ہوتا ہے۔ یہ واقعی حرام ہے لیکن اگر کسی جگہ تمام شرائط سے قوالی ہو گانے والے اور سننے والے اہل ہوں تو اس کو حرام نہیں کہہ سکتے۔ بڑے بڑے صوفیائے کرام نے خاص قوالی کو اہل کے لئے جائز فرمایا اور نااہل کو حرام۔ اس کی اصل وہ حدیث ہے جو مشکوۃ کتاب المناقب عمر میں ہے کہ حضور علیہ السلام کے سامنے ایک لونڈی دف بجا رہی تھی۔ صدیق اکبر آئے تو وہ بجاتی رہی۔ عثمان غنی آئے بجاتی رہی مگر جب فاروق اعظم آئے رضی اللہ عنہم اجمعین تو دف کو اپنے نیچے ڈال کر بیٹھ گئی۔ حضور نے ارشاد فرمایا کہ اے عمر رضی اللہ عنہ! تم سے شیطان خوف کرتا ہے سوال یہ ہے کہ یہ دف بجانا شیطانی کام تھا یا کہ نہیں۔ اگر تھا تو کیا حضور علیہ السلام اور صدیق اکبر و عثمان غنی رضی اللہ عنہما سے شیطان نے خوف نہ کیا اور اس میں خود حضور علیہ السلام کے اس فرمان کے کیا معنی ہیں؟ جواب وہ ہی ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ کے آنے سے قبل یہ ہی کام شیطانی نہ تھا ہوتا رہا۔ اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے آتے ہی شیطانی بن گیا بند ہو گیا۔ اسی لئے صوفیا کرام نے اس پر چھ شرطیں لگائی ہیں ان میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ مجلس میں کوئی غیر اہل نہ ہو۔ ورنہ شیطان کی اس میں شرکت ہو گی۔ جیسے کہ مجلس طعام میں اگر کوئی شخص بغیر بسم اللہ کے کھانا شروع کر دے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے اس سے لازم یہ نہیں کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا درجہ کچھ کم ہے بلکہ صحابہ کرام کے مشرب علیحدہ علیحدہ ہیں بعض پر اتباع غالب بعض پر جذبہ محبت غالب اس لئے اثرات مختلف تھے اگر کوئی غوث یا قطب بغیر بسم اللہ کھانے میں شرکت کریں تو ان میں شیطان کی شرکت ہو جاتی ہے اس سے اس غوث کی توہین نہیں ہوتی۔

شامی جلد پنجم کتاب الکراہیت فصل فی اللبس سے کچھ قبل ہے۔

الہ اللہو لیست بحرمتہ لعینھا بل بقصد اللھو منھا الا تری ان ضرب تلك الالته بعینھا احل تارة وحرم اخری وفیہ دلیل لساداتنا الصوفیة الذین یقصدون بسماعھا امور اھم اعلم بھا فلا یبادر المعترض بالانکار کی لایحرم برکتھم فانھم السادة الاخیار۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

تفسیرات احمدیہ پارہ۲۱ سورہ لقمان زیر آیت۶ **ومن الناس من یشتری لھو الحدیث** (پارہ۲۱ سورہ۳۱ آیت نمبر۶) میں اس قوالی کی بہت تحقیق فرمائی۔ آخر فیصلہ یہ فرمایا کہ قوالی اہل کے لئے حلال ہے اور نااہل کو حرام۔ پھر فرماتے ہیں۔

وبہ ناخذ لانا شھدنا انہ شآء من قوم کانوا عارفین ومحبین لرسول اللّٰہ وکانوا معدورین لغلبتہ الحال ویستکثرون السماع للغناء وکانوا یحسبون ذلك عبادة اعظم وجھاداً اکبر فیحل لھم خاصتہ انتھی ملخصاً۔

(التفسیرات الاحمدیہ ص۶۰۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

حاجی امداد اللہ صاحب فیصلہ ہفت مسئلہ میں بحث عرس قوالی کے متعلق فرماتے ہیں محققین کا قول یہ ہے اگر شرائط جواز جمع ہوں اور عوارض مانع مرتفع ہو جاویں تو جائز ہے ورنہ ناجائز۔ مولوی رشید احمد صاحب فتاوی رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ۶۱ پر فرماتے ہیں۔ بلا مزامیر راگ کا سننا جائز ہے۔ اگر گانے والا محل فساد نہ ہو اور مضمون کا خلاف شرع نہ ہو اور موافق موسیقی کے ہونا کچھ حرج نہیں۔ خلاصہ

کلام یہ ہوا کہ قوالی اہل کے لئے شرائط کے ساتھ جائز ہے اور بلا شرائط اور نا اہل کے لئے حرام ہے۔قوالی کی شرائط علامہ شامی نے اسی کتاب الکراہیۃ میں چھ بیان فرمائے ہیں مجلس میں کوئی امرد، بے داڑھی کا لڑکا نہ ہو۔اور ساری جماعت اہل کی ہو اس میں کوئی نا اہل نہ ہو قوال کی نیت خالص ہو اجرت لینے کی نہ ہو۔لوگ بھی کھانے اور لذت لینے کی نیت سے جمع نہ ہوں۔بغیر غلبہ کے وجد میں کھڑے نہ ہوں۔اشعار خلاف شرع نہ ہوں۔اور قوالی کا اہل وہ ہے کہ اس کو وجد کی حالت میں اگر کوئی تلوا مارے تو خبر نہ ہو۔بعض صوفیا فرماتے ہیں کہ اہل وہ ہے کہ اگر سات روز تک اس کو کھانا نہ دیا جاوے۔پھر ایک طرف کھانا ہو اور دوسری طرف گانا تو کھانا چھوڑ کر گانا اختیار کرے۔ ہماری اس گفتگو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آج کی عام قوالیاں حلال ہیں یا عام لوگ قوالی سنیں بلکہ ہم نے بہت سے مخالفین کو سنا کہ وہ اکابر صوفیائے عظام کو محض قوالی کی بنا پر گالیاں دیتے ہیں اور قوالی کو مثل زنا کے حرام کہتے ہیں اس لئے عرض کرنا پڑا کہ خود قوالی نہ سنو مگر اولیاء اللہ جن سے سماع ثابت ہے ان کو برا نہ کہو۔قوالی ایک درد کی دوا ہے جس کو درد ہو وہ پیئے جس کو نہ ہو وہ بچے حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔کہ نہ ایں کار می کنم و نہ انکار می کنم۔میں نے لوگوں کو یہ کہتے ہوئے خود سنا کہ حدیث میں چونکہ گانے کی برائیاں آگئیں۔لہذا اس کے مقابل خواجہ اجمیری و امام غزالی کے قول کا اعتبار نہیں یہ سب فاسق تھے۔معاذ اللہ ان کلمات سے دکھ پہنچا۔مختصر یہ مسئلہ لکھ دیا۔

اعتراض (۴)......:۔اگر یہ قاعدہ صحیح ہے کہ حلال کام میں حرام مل جانے سے حلال حرام نہیں بن جاتا تو تعزیہ داری بت پرستوں کے میلے، کھیل تماشے، سینما تھیٹر وغیرہ سب جائز ہوئے کہ ان میں کوئی نہ کوئی کام جائز بھی ہوتا ہی ہے وہاں بھی یہ ہی کہو کہ یہ مجمع حرام نہیں بلکہ ان میں جو برے کام ہیں وہ حرام ہیں جو جائز ہیں وہ حلال نیز فقہاء فرماتے ہیں کہ جس ولیمہ میں ناچ رنگ دستر خوان پر ہو وہاں جانا منع ہے حالانکہ قبول دعوت سنت مگر حرام کام ملنے سے حرام ہوگئی۔اسی طرح عرس بھی ہے مخالفین یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب:۔ ایک تو ہے حرام کا فعل حلال میں شامل ہونا۔ایک ہے اس میں داخل ہونا جہاں فعل حرام اس کا جز بن جاوے کہ اس کے بغیر وہ کام ہوتا ہی نہ ہو اور اگر ہوتا ہو تو اس کا یہ نام نہ ہو۔اس صورت میں حرام کام حلال کو بھی حرام کردے گا۔اگر فعل حرام اس طرح ہو کر جز میں داخل نہ ہو گیا ہو بلکہ کبھی اس میں ہوتا ہو اور کبھی نہیں جس کو خلط کہتے ہیں۔تو یہ حرام اصل حلال کو حرام نہ کردے گا جیسے کہ پیشاب کپڑے میں لگ گیا اور پانی میں پڑ گیا۔کپڑے کا جز نہ بنا۔پانی کا جز بن گیا۔تو احکام میں بہت فرق پڑ گیا، نکاح سفر، بازار وغیرہ میں محرمات شامل ہوجاتا ہیں مگر ان کا جز نہیں سمجھے جاتے کہ ان کے بغیر اس کو نکاح ہی نہ کہا جاوے اور تعزیہ داری میں اسراف باجے ناجائز میلے اس طرح جز بن کر داخل ہوئے کہ کوئی تعزیہ داری وغیرہ اس سے خالی نہیں ہوتی اور اگر خالی ہو تو اس کو تعزیہ داری نہیں کہتے اگر کوئی شخص کربلا معلی کا نقشہ بنا کر گھر میں رکھ لے نہ تو زمین میں دفن کرے نہ یہ محرمات ہوں تو جائز ہے کیونکہ غیر جاندار کی تصویر بنانا مباح ہے۔الحمد للہ کہ عرس میں ناچ گانا وغیرہ داخل نہیں ہوا بہت سے عرس ان محرمات سے خالی ہوتے ہیں اور ان کو عرس ہی کہا جاتا۔سرہند شریف میں مجدد الف ثانی صاحب رضی اللہ عنہ کا عرس بالکل محرمات سے خالی ہوتا ہے عام طور پر لوگ حضرت آمنہ خاتون، سیدنا عبداللہ، امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہم کا عرس کرتے ہیں۔صرف مجلس وعظ اور تقسیم طعام شیرینی ہوتی ہے۔نیز ہر دعوت قبول کرنا سنت نہیں، نابالغ بچہ کی دعوت۔اہل میت کی مروجہ دعوت اغنیاء کو جس کے یہاں صرف حرام کا ہی مال ہو اس کی دعوت قبول کرنا ناجائز ہے۔اسی طرح جس ولیمہ میں ناچ ورنگ خاص دستر خوان پر ہو اس کا قبول کرنا منع ہے۔بخلاف زیارت قبور کے وہ بہر حال سنت ہے لہذا حرام کام کے اختلاط سے دعوت تو سنت ہی نہ بنی اور زیارت قبور چونکہ مطلقاً سنت تھی وہ حرام نہ ہوئی۔جیسے کہ شرکت دفن بہر حال سنت ہے تو اگر وہاں محرمات ہوں تو اس سے یہ سنت حرام نہ ہوگی بہت باریک فرق ہے خیال رکھنا چاہیے۔

بحث زیارت قبور کے لئے سفر کرنا

عرس بزرگان اور زیارت قبور کے لئے سفر کرنا بھی جائز اور باعث ثواب ہے دیوبندی وغیرہ اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ اس لئے اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

سفر عرس کے بارے میں

سفر کا حکم اس کے مقصد کی طرح ہے یعنی حرام کام کے لئے سفر کرنا حرام۔ جائز کے لئے جائز اور سنت کے لئے سنت۔ فرض کے لئے فرض۔ حج فرض کے لئے سفر بھی فرض۔ کبھی جہاد وتجارت کے لئے سفر سنت ہے۔ کیونکہ یہ کام خود سنت ہیں۔ روضہ مصطفٰی علیہ السلام کی زیارت کے لئے سفر واجب ہے کیونکہ یہ زیارت واجب دوستوں کی ملاقات۔ شادی ختنہ میں اہل قرابت کی شرکت۔ اطباء سے علاج کرانے کے لئے سفر کرنا جائز کیونکہ یہ چیزیں خود جائز ہیں چوری ڈکیتی کے لئے سفر حرام۔ کیونکہ یہ کام خود حرام ہیں۔ غرضکہ سفر کا حکم معلوم کرنا ہو تو اس کے مقصد کا حکم دیکھ لو۔ عرس خاص زیارت قبر کا نام ہے اور زیارت قبر تو سنت ہے لہذا اس کے لئے سفر بھی سنت ہی میں شمار ہوگا۔ قرآن کریم میں بہت سفر ثابت ہیں۔

ومن یخرج من بیته مهاجراً الی الله ورسوله ثم یدرکه الموت فقد وقع اجره علی الله۔

ترجمہ: جو شخص اپنے گھر سے ہجرت کے لئے اللہ اور رسول کی طرف نکل گیا پھر اس کو موت آ گئی تو اس کا اجر عند اللہ ثابت ہو گیا۔

(پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۱۰۰)

سفر ہجرت ثابت ہوا **لایلف قریش ایلافهم رحلة الشتآء والصیف** (پارہ ۳۰ سورہ ۱۰۶ آیت نمبر ۲) اس لئے کہ قریش کو میل دلایا ان کے جاڑے اور گرمی کے دونوں سفروں میں۔ سفر تجارت ثابت ہوا۔

واذ قال موسیٰ لفتٰه لا ابرح حتی ابلغ مجمع البحرین او امضی حقبا۔

ترجمہ: اور یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنے خادم سے کہا کہ میں باز نہ رہوں گا جب تک کہ وہاں نہ پہنچوں جہاں دو سمندر ملتے ہیں۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۶۰)

حضرت موسیٰ علیہ السلام حضرت خضر علیہ السلام سے ملنے کے لئے گئے۔ مشائخ کی ملاقات کے لئے سفر کرنا ثابت ہوا۔

یبنی اذهبوا فتحسسوا من یوسف واخیه ولا تینسوا من روح الله۔

ترجمہ: اے میرے بیٹو جاؤ یوسف اور ان کے بھائی کا سراغ لگاؤ اور اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۸۷)

یعقوب علیہ السلام نے فرزندوں کو تلاش یوسف کے لئے حکم دیا۔ تلاش محبوب کے لئے سفر ثابت ہوا۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا۔

اذهبوا بقمیصی هذا فالقوه علی وجه ابی یات بصیراً۔

ترجمہ: میرا یہ کرتہ لے جاؤ۔ میرے باپ کے منہ پر ڈال دو ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۹۳)

علاج کے لئے سفر ثابت ہوا۔

ولما دخلوا علی یوسف اوی الیہ۔

ترجمہ: پھر جب وہ سب یوسف علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انہوں نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۶۹)

ملاقات فرزند کے لئے سفر ثابت ہوا۔ فرزندان یعقوب علیہ السلام نے والد ماجد سے عرض کیا۔

فارسل معنا اخانا نکتل وانا لہ لحفظون۔

ترجمہ: ہمارے بھائی کو ہمارے ساتھ بھیج دیجئے ہم غلہ لائیں گے اور ان کی ضرور حفاظت کریں گے۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۶۳)

روزی حاصل کرنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔ موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا۔

اذھب الی فرعون انہ طغی۔

ترجمہ: فرعون کی طرف جاؤ کیونکہ وہ سرکش ہو گیا ہے۔

(پارہ ۳۰ سورہ ۷۹ آیت نمبر ۱۷)

تبلیغ کے لئے سفر ثابت ہوا۔ مشکوۃ کتاب العلم میں ہے۔

من خرج فی طلب العلم فھو فی سبیل اللہ۔

ترجمہ: جو شخص تلاش علم میں نکلا وہ اللہ کی راہ میں ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب العلم الفصل الاول ص ۳۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

حدیث میں ہے۔

اطلبوا العلم ولو کان بالصین۔

ترجمہ: علم طلب کرو اگرچہ چین میں ہو۔

(جامع الصغیر ج ۱ ص ۷۲ رقم الحدیث ۱۱۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

کریما میں ہے۔

طلب کردن علم شد بر تو فرض — دگر واجب است از پیش قطع ارض

علم کا طلب کرنا تجھ پر فرض ہے اس کے لئے سفر بھی ضروری ہے طلب علم کے لئے سفر ثابت ہوا۔ گلستان میں ہے۔

بر د اندر جہاں تفرج کن! — پیش ازاں روز کز جہاں بردی

جاؤ دنیا کی سیر کرو مرنے سے پہلے۔ سیر کے لئے سفر ثابت ہوا۔ قرآن مجید میں ہے۔

قل سیروا فی الارض ثم انظروا کیف کان عاقبۃ المکذبین۔

ترجمہ: کفار سے فرما دو کہ زمین میں سیر کرو اور دیکھو کہ کفار کا کیا انجام ہوا۔

(پارہ ۷ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۱)

جن ملکوں پر عذاب الٰہی آیا ان کو دیکھ کر عبرت پکڑنے کے لئے سفر ثابت ہوا۔

جب اس قدر سفر ثابت ہوئے تو مزارات اولیاء کی زیارت کے لئے سفر کرنا بدرجہ اولیٰ ثابت ہوا یہ حضرات طبیب روحانی ہیں اور ان کے فیوض مختلف۔ ان کے مزارات پر پہنچنے سے شان الٰہی نظر آتی ہے کہ اللہ والے بعد وفات بھی دنیا پر راج کرتے ہیں اس سے ذوق عبادت پیدا ہوتا ہے ان کے مزارات پر دعا جلد قبول ہوتی ہے۔ شامی جلد اول بحث زیارت قبور میں ہے۔

وھل تندب الرحلۃ لھا کما اعتید من الرحلۃ الی زیارۃ خلیل الرحمن وزیارۃ السید البدوی لم ار

من صرح به من ائمتنا ومنع منه بعض الائمة الشافعية قياسا على منع الرحلة بغير المسجد الثلث ورده الغزالي بوضوح الفرق۔

ترجمہ: اورآیازیارت قبور کے لئے سفر کرنا مستحب ہے جیسے کہ آج کل خلیل الرحمٰن اور سید بدوی علیہ الرحمۃ کی زیارت کے لئے سفر کرنے کا رواج ہے میں نے اپنے آئمہ میں سے کسی کی تصریح نہیں دیکھی بعض شافعی علماء نے منع کیا ہے مسجدوں کے سفر پر قیاس کر کے لیکن امام غزالی نے اس منع کی تردید کردی فرق واضح فرمادیا۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور ج ۱ص ۶۶۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی جگہ ہے۔

واما الاولیآء فانهم متفاوتون في القرب الى الله و نفع الزائرين بحسب معارفهم واسرارهم۔

ترجمہ: لیکن اولیاء اللہ تقرب الی اللہ وزائرین کو نفع پہنچانے میں مختلف ہیں بقدر اپنے معروف واسرار کے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور ج ۱ص ۶۶۵ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

مقدور شامی میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کے مناقب میں امام شافعی رضی اللہ عنہ سے نقل فرماتے ہیں۔

اني لاتبرك بابي حنيفة واجيء الى قبره فاذا عرضت لي حاجة صليت ركعتين وسالت الله عند قبره فنقضي سريعا۔

ترجمہ: میں امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے برکت حاصل کرتا ہوں اوران کی قبر پر آتا ہوں اگر مجھے کوئی حاجت درپیش ہوتی ہے تو دو رکعتیں پڑھتا ہوں اوران کی قبر کے پاس جاکر اللہ سے دعا کرتا ہوں تو جلد حاجت پوری ہوتی ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار مقدمہ ج ۱ص ۱۴۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے چند امور ثابت ہوئے زیارت قبور کے لئے سفر کرنا۔ کیونکہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن فلسطین سے بغداد آتے تھے۔ امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ کی قبر کی زیارت کے لئے رضی اللہ عنہ صاحب قبر سے برکت لینا ان کی قبروں کے پاس جاکر دعا کرنا۔ صاحب قبر کو ذریعہ حاجت روائی جاننا۔ نیز زیارات روضہ رسول اللہ ﷺ کے لئے سفر کرنا ضروری ہے۔ فتاویٰ رشیدیہ جلد اول کتاب الحظر والاباحۃ صفحہ ۵۹ میں ہے۔ زیارت بزرگان کے لئے سفر کر کے جانا علماء اہل سنت میں مختلف ہے بعض درست کہتے ہیں اور بعض ناجائز دونوں اہل سنت کے علماء ہیں۔ مسئلہ مختلفہ ہے اس میں تکرار درست نہیں اور فیصلہ بھی ہم مقلدوں سے محال ہے۔ رشید احمد عفی عنہ۔

اب کسی دیوبندی کو حق نہیں کہ سفر عرس سے کسی کو منع کرے کیونکہ مولوی رشید احمد صاحب تکرار کو منع فرماتے ہیں اوراس کا فیصلہ نہیں فرماسکتے۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ سفر زیارت جائز ہو۔ اس لئے کہ ہم عرض کر چکے سفر کی حلت وحرمت اس کے مقصد سے معلوم ہوتی ہے اور سفر کا مقصد تو ہے زیارت قبر۔ اور یہ منع نہیں۔ کیونکہ زیارت قبر کی اجازت مطلقاً ہے۔ الا فزوروھا تو سفر کیوں حرام ہوگا۔ نیز دینی ودنیاوی کاروبار کے لئے سفر کیا ہی جاتا ہے۔ یہ بھی ایک دینی کام کے لئے سفر ہے یہ کیوں حرام ہو؟

دوسرا باب

سفر عرس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض (۱) ......: مشکوٰۃ باب المساجد میں ہے۔

لاتشد الرجال الا الى ثلث مسجد مسجد الحرام والمسجد الاقضى ومسجدي هذا۔

ترجمہ: تین مسجدوں کے سواء اور کسی طرف کا سفر نہ کیا جاوے۔ مسجد بیت اللہ۔ مسجد بیت المقدس اور میری یہ مسجد۔
(صحیح البخاری کتاب الجمعۃ باب فضل الصلاۃ فی مسجد مکۃ المدینۃ ج ۱ ص ۳۹۸ رقم الحدیث ۱۱۳۲ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (صحیح مسلم کتاب الحج باب لاتشد الرحال الا الی ثلاثۃ مساجد ج ۲ ص ۱۰۱۴ رقم الحدیث ۱۳۹۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ سوائے ان تین مسجدوں کے اور کسی طرف سفر جائز نہیں اور زیارت قبور بھی ان تینوں کے سواء ہے۔

جواب:۔ اس حدیث کا یہ مطلب ہے کہ ان تین مسجدوں میں نماز کا ثواب زیادہ ملتا ہے چنانچہ مسجد بیت الحرام میں ایک نیکی کا ثواب ایک لاکھ کے برابر۔ بیت المقدس اور مدینہ پاک کی مسجد میں ایک نیکی کا ثواب پچاس ہزار کے برابر۔ لہذا ان مساجد میں یہ نیت کر کے دور سے آنا چونکہ فائدہ مند ہے جائز ہے لیکن کسی اور مسجد کی طرف سفر کرنا یہ سمجھ کر کہ وہاں ثواب زیادہ ملتا ہے محض لغو ہے اور ناجائز کیونکہ ہر جگہ کی مسجد میں ثواب یکساں ہے جیسے بعض لوگ دہلی کی جامع مسجد میں جمعۃ الوداع پڑھنے کے لئے سفر کر کے جاتے ہیں۔ یہ سمجھ کر وہاں ثواب زیادہ ہوتا ہے یہ ناجائز ہے تو سفر کرنا کسی مسجد کی طرف اور پھر زیادتی ثواب کی نیت سے منع ہوا۔ اگر حدیث کی یہ توجیہ نہ کی جاوے تو ہم پہلے باب میں بہت سے سفر قرآن سے ثابت کر چکے ہیں وہ سب حرام ہونگے۔ آج تجارت کے لئے علم دین کے لئے دنیاوی کاموں کے لئے صدہا قسم کے سفر کرتے ہیں۔ وہ سب حرام ٹھہریں گے۔ چنانچہ اس حدیث کی شرح میں اشعۃ اللمعات میں ہے۔

وبعضے از علماء گفتہ اند کہ سخن در مساجد است یعنی در مسجدے دیگر جز ایں مساجد سفر جائز نہ باشد واما مواضع دیگر جز مساجد خارج از مفہوم ایں کلام است۔

بعض علماء نے فرمایا ہے کہ یہاں کلام مسجدوں کے بارے میں ہے یعنی ان تین مسجدوں کے سوا کسی اور مسجد کی طرف سفر جائز نہیں مسجد کے علاوہ اور مقامات وہ اس کلام کے مفہوم سے خارج ہیں۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۳۲۴ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

مرقات شرح مشکوۃ میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فی الشرح المسلم للنووی قال ابو محمد یحرم شد الرحال الی غیر الثلثة وهو غلط وفی الاحیاء ذهب بعض العلمآء الی الاستدلال علی المنع من الرحلة لزیارة المشاهد وقبور العلمآء و الصلحین وما تبین الی ان الامر لیس کذالك بل الزیادة مامور بها الخبر الا فزوروها انما وردنهیا عن الشد بغیر الثلثة من المسجد لتما ثلها واما المشاهد فلا تساوی بل برکة زیارتها علی قدر درجاتهم عندالله هل یمنع ذلك القائل عن شد الرجال بقبور الانبیآء کا براهیم وموسی ویحیی والمنع من ذلك فی غایة الاحالة والاولیآء فی معناهم فلا یبعد ان یکون ذلك من اغراض الرحلة کما ان زیارة العلمآء فی الحیوة۔

ترجمہ: نووی کی شرح مسلم میں ہے کہ ابو محمد نے فرمایا کہ سواء ان تین مساجد کے اور طرف سفر کرنا حرام ہے مگر یہ محض غلط ہے احیاء العلوم میں ہے کہ بعض علماء متبرک مقامات اور قبور علماء کی زیارت کے لئے سفر کرنے کو منع کرتے ہیں جو مجھ کو تحقیق ہوئی وہ ہے کہ ایسا نہیں ہے بلکہ زیارت قبور کا حکم ہے۔ اس حدیث کی وجہ سے کہ الافزورھا ان تین مساجد کے علاوہ اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنے سے اس لئے منع فرمایا گیا ہے کہ تمام مسجدیں یکساں ہیں لیکن مقامات متبرکہ یہ برابر نہیں بلکہ ان کی برکات بقدر درجات ہیں کیا یہ مانع انبیائے کرام کی قبور کے سفر سے بھی منع کرے گا جیسے حضرت ابراہیم وموسیٰ ویحییٰ علیہم السلام اس سے منع کرنا سخت دشوار ہے اور اولیاء اللہ بھی انبیاء کے حکم میں ہیں پس کیا بعید ہے کہ ان کی طرف سفر کرنے میں بھی کوئی خاص غرض ہو۔ جیسا کہ علماء کی زندگی میں ان کی زیارت کرنا۔
(مرقاۃ المفاتیح ج ۲ ص ۱۹۰ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

اسی مشکوۃ کتاب الجہاد فی فضائلہ میں ہے۔

لا ترکب البحر الا حاجا او معتمرا او غازیا فان تحت البحر نارا وتحت النار بحرا۔

ترجمہ: دریا میں سوار نہ ہو مگر حاجی یا غازی یا عمرہ کرنے والا کہئے کیا سوائے ان تینوں کے اوروں کو سفر دریا حرام ہے۔

(مشکوٰۃ المصابیح کتاب الجہاد فی فضائلہ الفصل الثانی ص ۳۳۳ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اعتراض (۲)......:۔ اللہ ہر جگہ ہے اس کی رحمت ہر جگہ پھر کسی چیز کو ڈھونڈنے کے لئے اولیاء کے مزاروں پر سفر کر کے جاتے ہیں دینے والا رب ہے وہ ہر جگہ ہے۔

جواب:۔ اولیاءاللہ رحمت رب کے دروازے ہیں۔ رحمت دروازوں سے ہی ملتی ہے ریل اپنی پوری لائن سے گزرتی ہے اگر اس کو حاصل کرنے کے لئے اسٹیشن پر جانا ہوتا ہے اگر اور جگہ لائن پر کھڑے ہو گئے تو ریل گزر یگی تو سہی مگر تم کو نہ ملے گی۔ آج دنیاوی مقاصد، نوکری، تجارت وغیرہ کے لئے سفر کیوں کرتے ہو۔ خدا رازق ہے وہ ہر جگہ دے گا۔ طبیب کے پاس بیمار سفر کر کے کیوں آتے ہیں خدا شافی الامراض ہے اور وہ تو ہر جگہ ہے آب و ہوا بدلنے کے لئے پہاڑ اور کشمیر کا سفر کیوں کرتے ہو، وہاں کی آب و ہوا تو تندرستی کو مفید ہو۔ لیکن اولیاء کے مقامات کی آب و ہوا ایمان کو مفید نہ ہو۔ رب نے موسیٰ علیہ السلام کو حضرت خضر علیہ السلام کے پاس کیوں بھیجا؟ وہ سب کچھ ان کو یہاں ہی دے سکتا تھا۔ قرآن کریم میں ہے ھنالک دعا زکریا ربہ معلوم ہوا کہ زکریا علیہ السلام نے حضرت مریم علیہ السلام کے پاس کھڑے ہو کر بچے کے لئے دعا کی یعنی ولیہ کے پاس دعا کرنا باعث قبول ہے۔ معلوم ہوا کہ قبور اولیاء کے پاس دعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

اعتراض (۳)......:۔ جس درخت کے نیچے بیعت الرضوان ہوئی تھی لوگوں نے اس کو زیارت گاہ بنالیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس وجہ سے اس کو کٹوا دیا تو قبور اولیاء کو زیارت گاہ بنانا فعل عمر رضی اللہ عنہ کے خلاف ہے۔

جواب:۔ یہ محض غلط ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس درخت کو ہرگز نہیں کٹوایا بلکہ وہ اصل درخت قدرتی طور پر لوگوں کی نگاہوں سے غائب ہو گیا تھا۔ اور لوگوں نے اس کے دھوکے میں دوسرے درخت کی زیارت شروع کر دی تھی۔ اس غلطی سے بچانے کے لئے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے درخت کو کٹوایا۔ اگر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ تبرکات کی زیارت کے مخالف ہوتے تو حضور علیہ السلام کے بال مبارک تہبند شریف اور قبر انور سب ہی تو زیارت گاہ بنی ہوئی تھیں۔ ان کو کیوں باقی رہنے دیا۔ مسلم جلد دوم کتاب الامارت باب بیان بیعت الرضوان۔ بخاری جلد دوم باب غزوہ الحدیبیہ میں ابن مسیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے۔

کان ابی ممن بایع رسول اللہ ﷺ عند الشجرۃ قال فانطلقنا فی قابل حآجین فخفی علینا مکانھا۔

ترجمہ: میرے والد بھی ان میں سے ہیں جنہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے درخت کے پاس بیعت کی تھی انہوں نے فرمایا کہ ہم سال آئندہ حج کے لئے گئے۔ تو اس کی جگہ ہم پر مخفی ہو گئی۔

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب بیان بیعت الرضون تحت الشجرۃ ج ۲ ص ۱۳۰ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

بخاری میں ہے۔

فلما خرجنا من العام المقبل نسیناھا فلم نقدر علیھا۔

ترجمہ: پس جبکہ ہم سال آئندہ گئے تو اس کو بھول گئے اور اس کو پا نہ سکے۔

(صحیح البخاری کتاب المغازی باب غزوۃ الحدیبیہ ۵۹۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

پھر یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اصل درخت کٹوایا۔

بحث کفنی یا الفی لکھنے کا بیان

اس بحث میں دو مسئلے ہیں اولاً تو قبر میں شجرہ یا غلاف کعبہ یا عہد نامہ یا دیگر تبرکات کا رکھنا۔ دوم مردے کے کفن یا پیشانی پر انگلی یا مٹی یا کسی چیز سے عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ یہ دونوں کام جائز اور احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے ثابت ہیں۔ مخالفین اس کے منکر ہیں۔ لہذا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

کفنی یا الفی لکھنے کے ثبوت میں

قبر میں بزرگان دین کے تبرکات اور غلاف کعبہ وشجرہ یا عہد نامہ رکھنا مردہ کی بخشش کا وسیلہ ہے قرآن فرماتا ہے **وابتغوا الیہ الوسیلۃ** (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۳۵) یوسف علیہ السلام نے بھائیوں سے فرمایا تھا **اذھبوا بقمیصی ھذا فالقوہ علی وجہ ابی یات بصیراً** (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۹۳) میری قمیص لے جا کر والد ماجد کے منہ پر ڈال دو وہ انکھیارے ہوجائیں گے۔ معلوم ہوا کہ بزرگوں کا لباس شفا بخشتا ہے۔ کیونکہ یہ ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تھی۔ تو امید ہے کہ بزرگوں کا نام مردے کی عقل کھول دے اور جوابات یاد آجائیں۔

مشکوۃ باب غسل المیت میں ام عطیہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ جب ہم زینب بنت رسول علیہ السلام کو غسل دے کر فارغ ہوئے تو نبی کریم علیہ الصلوۃ والسلام کو خبر دی۔ ہم کو حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف دیا اور فرمایا کہ اس کو تم کفن کے اندر جسم میت سے متصل رکھ دو۔

(صحیح بخاری ج ۱ ص ۱۶۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس کے ماتحت لمعات میں ہے۔

ھذا الحدیث اصل فی التبرک باثار الصلحین ولباسھم کما یفعلہ بعض مریدی المشائخ من لبس اقمصھم فی القبر۔

ترجمہ: یہ حدیث صالحین کی چیزوں اور ان کے کپڑوں سے برکت لینے کی اصل ہے جیسا کہ مشائخ کے بعض مریدین قبر میں مشائخ کے کرتے پہنا دیتے ہیں۔

(لمعات التنقیح شرح مشکوۃ المصابیح باب غسل المیت فصل اول ج ۴ ص ۳۱۸ مطبوعہ المعارف العلمیہ لاہور)

اسی حدیث کے ماتحت اشعۃ اللمعات شریف میں ہے دریں جا استحباب تبرک است بلباس صالحین وآثار ایشاں بعد از موت در قبر چنانچہ قبل از موت نیز ہمچنیں بودہ۔ اس سے ثابت ہوا کہ صالحین کے لباس اور ان کے تبرکات سے بعد موت قبر میں بھی برکت لینا مستحب ہے جیسا کہ موت سے پہلے تھا یہ ہی شیخ عبدالحق دہلوی اخبار الاخیار میں اپنے والد ماجد سیف الدین قادری قدس سرہ کے احوال میں فرماتے ہیں۔

چوں وقت رحلت قریب تر آمد فرمودند کہ بعض ابیات و کلمات کہ مناسب معنی عفو

واشعار اور کلمات جو کہ عفو و بخشش کے مناسب ہوں کسی کاغذ پر لکھ کر میرے کفن میں ساتھ رکھ دینا۔

شاہ عبد العزیز قدس سرہ اپنے فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

شجرہ در قبر نهادن معمول بزرگان است لیکن ایں رادو طریق است اول اینکہ بر سینہ مردہ درون کفن یا بالا۔ کفن گذارند ایں طریق رافقہاء منع مے کنند وطریق دوم ایں است کہ جانب سر مردہ اندرون قبر طاقچہ بگزار مذدوران کاغذ شجرہ رانهند۔

قبر میں شجرہ رکھنا بزرگان دین کا معمول ہے لیکن اس کے دو طریقے ہیں ایک یہ کہ مردے کے سینہ پر کفن کے اوپر یا نیچے رکھیں اس کو فقہاء منع کرتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ مردے کے سر کی طرف قبر میں طاقچہ بنا کر شجرہ کا کاغذ اس میں رکھیں۔ مشکوۃ باب غسل المیت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام عبد اللہ ابن ابی کی قبر پر تشریف لائے جبکہ وہ قبر میں رکھا جا چکا تھا۔ اس کو نکلوایا۔ اس پر اپنا لعاب دہن ڈالا۔ اور اپنی قمیص مبارک اس کو پہنائی۔ بخاری جلد اول کتاب الجنائز باب من اعد الکفن میں ہے کہ ایک دن حضور علیہ السلام تہبند شریف پہنے ہوئے باہر تشریف لائے۔ کسی نے وہ تہبند شریف حضور سے مانگ لیا۔ صحابہ کرام نے اس سے کہا کہ حضور علیہ السلام کو اس وقت تہبند کی ضرورت تھی اور سائل کو رد کرنا عادت کریمہ نہیں تم نے کیوں مانگ لیا۔ انہوں نے کہا۔

و اللہ ماسئلتہ لالبسھا انما سئلتہ لتکون کفنی قال سھل فکانت کفنہ۔

ترجمہ: اللہ کی قسم میں نے پہننے کے لئے نہیں لیا ہے میں نے تو اس لئے لیا ہے کہ یہ میرا کفن ہو سہل فرماتے ہیں کہ وہی اس کا کفن ہوا۔

(صحیح البخاری باب من استعد الکفن فی زمن النبی ﷺ فلم ینکر علیہ ج ۱ ص ۴۲۹ رقم الحدیث ۱۲۱۸ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)، (سنن ابن ماجہ ج ۲ ص ۱۱۷۷ رقم الحدیث ۳۵۵۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۳۳۳ رقم الحدیث ۲۲۸۷۶ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)

ابو نعیم نے معرفۃ الصحابہ میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں بسند حسن عبد اللہ ابن عباس سے روایت کیا کہ سیدنا علی کی والدہ ماجدہ فاطمہ بنت اسد کو حضور علیہ السلام نے اپنی قمیص میں کفن دیا اور کچھ دیر ان کی قبر میں خود لیٹے پھر ان کو دفن کیا۔ لوگوں نے وجہ دریافت کی تو فرمایا۔

انی البستھا لتلبس من ثیاب الجنۃ و اضطجعت معھا فی قبرھا لاخفف عنھا ضغطۃ القبر۔

ترجمہ: قمیص تو اس لئے پہنائی کہ ان کو جنت کا لباس ملے اور ان کی قبر میں آرام اس لئے فرمایا کہ ان سے تنگی قبر دور ہو۔

(معرفۃ الصحابۃ ج ۱ ص ۲۷۸۔۲۷۹ رقم الحدیث ۲۸۸ مطبوعہ مکتبۃ دار مدینۃ منورۃ)، (مجمع الزوائد ج ۹ ص ۲۵۷ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

حاشیہ......☆

حافظ ابو القاسم سلیمان بن احمد الطبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

فقال الرجل واللہ ما سالتہ الا لتکون کفنی یوم اموت قال سھل فکان کفنہ۔ قال قتیبۃ کان سعد بن ابی وقاص۔

ترجمہ: اس آدمی نے کہا کہ اللہ کی قسم میں نے حضور ﷺ سے ایسے نہیں مانگی بلکہ اس لئے مانگی ہے تا کہ جب میں مروں تو یہ میرا کفن بنے حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ واقعی وہی چادر اس شخص کا کفن بنی تھی۔

امام قتیبہ المعروف امام الدینوری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ یہ جلیل القدر صحابی رسول حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ تھے۔

(طبرانی کبیر ج ۶ ص ۲۰۰ رقم الحدیث ۵۹۹۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (شعب الایمان للبیہقی ج ۵ ص ۱۷۰ رقم الحدیث ۶۲۳۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

ابن عبدالبر نے کتاب الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں فرمایا کہ امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بوقت انتقال وصیت فرمائی کہ مجھ کو حضور علیہ السلام نے اپنا ایک کپڑا عنایت فرمایا تھا وہ میں نے اسی دن کے لئے رکھ چھوڑا ہے۔ اس قمیص پاک کو میرے کفن کے نیچے رکھ دینا۔

وخذ ذلك الشعر والاظفار فاجعله فی فمی وعلی عینی ومواضع السجود منی۔

ترجمہ: اوران مبارک بالوں اور ناخنوں کرلو۔ اوران کو میرے منہ میں اور میری آنکھو پر اور میرے اعضاء سجدہ پر رکھ دینا۔

(الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب علی حاشیہ الاصابہ ج ۳ ص ۳۹۹ مطبوعہ دار صادر بیروت)

حاکم نے مستدرک میں حمید ابن عبدالرحمٰن رواسی سے نقل کیا کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس کچھ مشک تھا وصیت فرمائی مجھ کو اس سے خوشبو دینا اور فرمایا کہ یہ حضور علیہ السلام کی خوشبو کا بچا ہوا ہے۔ اس کے علاوہ دیگر حوالے بھی پیش کئے جاسکتے ہیں۔ اسی پر قناعت کرتا ہوں۔

(المستدرک علی الصحیحین کتاب الجنائز ج ۱ ص ۳۶۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (نصب الرایہ فی تخریج احادیث الھدایہ باب الجنائز فصل فی الغسل ج ۲ ص ۲۵۹ مطبوعہ ریاض سعودی عرب)

زیادہ تحقیقات منظور ہو تو الحرف الحسن مصنفہ اعلیٰ حضرت قدس سرہ کا مطالعہ کریں۔

میت کی پیشانی یا کفن پر عہد نامہ یا کلمہ طیبہ لکھنا۔ اسی طرح عہد نامہ قبر میں رکھنا جائز ہے۔ خواہ انگلی سے لکھا جاوے یا کسی اور چیز سے۔ امام ترمذی حکیم ابن علی نے نوادر الاصول میں روایت کی کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا۔

من كتب هذا الدعاء وجعله بين صدر الميت وكفنه فی رقعة لم ينله عذاب القبر ولا يرى منكراً ونكيراً۔

ترجمہ: جو شخص اس دعا کو لکھے اور میت کے سینے اور کفن کے درمیان کسی کاغذ میں لکھ کر رکھے تو اس کو عذاب قبر نہ ہوگا اور نہ منکر نکیر کو دیکھے گا۔

(نوادر الاصول ص ۲۱۷ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

فتاویٰ کبریٰ للمکی میں اس حدیث کو نقل کر کے فرمایا۔

ان هذا الدعآء له اصل وان الفقيه ابن عجيل كان يامره به ثم افنى بجواز كتابته قياساً على كتابة الله فی نعم الزكوة۔

ترجمہ: اس دعا کی اصل ہے اور فقیہ ابن عجیل اس کا حکم دیتے تھے اور اس کے لکھنے کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے اس قیاس پر کہ زکوۃ کے اونٹوں پر اللہ لکھا جاتا ہے۔

(فتاویٰ کبریٰ لابن حجر مکی باب الجنائز ج ۲ ص ۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وہ دعا یہ ہے **لااله الا الله والله اكبر لااله الا الله وحده لا شريك له لااله الا الله له الملك وله الحمد لااله الا الله ولا حول ولا قوة الا بالله العلی العظيم** الحرف الحسن میں ترمذی سے نقل کیا کہ ابوبکر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو کوئی عہد نامہ پڑھے تو فرشتہ اسے مہر لگا کر قیامت کے لئے رکھ لے گا۔ جب بندے قبر سے اٹھائے جائیں گے تو فرشتہ وہ نوشتہ ساتھ لا کر ندا کرے گا کہ عہد والے کہاں ہیں؟ ان کو یہ عہد نامہ دیا جاوے گا امام ترمذی نے فرمایا کہ **وعن طاوس انه امر بهذا الكلمت فكتب فی كفنه** (الحرف الحسن ص ۴ مطبوعہ بریلی شریف) حضرت طاؤس سے مروی ہے کہ انہوں نے حکم دیا تو ان کے کفن میں یہ کلمات لکھے گئے۔ وجیز امام کردری کتاب الاستحسان میں ہے۔

ذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالی للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر۔

ترجمہ: امام صفار نے فرمایا کہ اگر میت کی پیشانی یا عمامے یا کفن پر عہد نامہ لکھ دیا تو امید ہے کہ خدا میت کی بخشش فرمادے اور عذاب قبر سے امن دے۔

(فتاوی بزازیہ علی حامش فتاوی ہندیہ کتاب الاحسان ج ۶ ص ۳۷۹ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

درمختار جلد اول باب الشہید سے کچھ قبل ہے۔

کتب علی جبهة المیت او عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله للمیت۔

ترجمہ: میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ رب تعالیٰ اس کی مغفرت فرمادے۔

(درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

درمختار میں اسی جگہ ایک واقعہ نقل فرمایا کہ کسی نے وصیت کی تھی کہ اس کے سینہ یا پیشانی پر بسم اللہ الرحمن الرحیم لکھ دی جاوے۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کسی نے خواب میں دیکھا پوچھا کہ کیا گذری؟ اس نے کہا کہ بعد دفن ملائکہ عذاب آئے مگر جب انہوں نے بسم اللہ لکھی ہوئی دیکھی تو کہا کہ تو عذاب الہی سے بچ گیا۔ فتاوی بزازیہ میں کتاب الجنایات سے کچھ قبل ہے۔

وذکر الامام الصفار لو کتب علی جبهة المیت او علی عمامته او کفنه عهد نامه یرجی ان یغفر الله تعالی للمیت ویجعله امنا من عذاب القبر قال نصیر هذه روایة فی تجویز ذلك وقد روی انه کان مکتوبا علی افخاذ افراس فی اصطبل الفاروق حبس فی سبیل الله۔

ترجمہ: اگر میت کی پیشانی یا عمامہ یا کفن پر عہد نامہ لکھا تو امید ہے کہ اللہ اس کی بخشش کردے اور اس کو عذاب قبر سے محفوظ رکھے۔ امام نصیر نے فرمایا کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ یہ لکھنا جائز ہے۔ اور مروی ہے کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ۔

ان کے علاوہ اور بہت سی روایات فقیہ پیش کی جاسکتی ہیں مگران پہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ زیادہ تحقیق کے لئے الحرف الحسن یا فتاوی رضویہ شریف کا مطالعہ کرو۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ یہ عہد نامہ وغیرہ لکھنا یا قبر میں رکھنا جائز ہو چند وجوہ سے۔ اولاً تو یہ کہ جب قبر کے اوپر سبز گھاس و پھول کی تسبیح سے میت کو فائدہ پہنچ سکتا ہے تو قبر کے اندر جو تسبیح وغیرہ لکھی ہوئی ہے اس سے فائدہ کیوں نہ پہنچے گا؟ دوم اس لئے کہ قبر کے باہر سے میت کو تلقین کرنے کا حکم ہے کہ اللہ کا نام اس کے کان میں پہنچ جاوے تاکہ اس امتحان میں کامیاب ہو تو وہ ہی اللہ کا نام لکھا ہوا دیکھ کر بھی مردے کو جواب نکیرین یاد آنے کی امید ہے۔ یہ بھی ایک قسم کی تلقین ہے اور حدیث لقنو اموتکم میں تلقین مطلق ہے ہر طرح درست ہے لکھ کر یا کہہ کر۔ تیسرے اس لئے کہ اللہ والوں کے نام کی برکت سے مصیبت ٹلتی ہے۔ جلی ہوئی آگ بجھتی ہے۔ گھبرایا ہوا دل قرار پاتا ہے۔ رب فرماتا ہے۔ الا بذکر الله تطمئن القلوب (پارہ ۱۳ سورہ ۱۳ آیت نمبر ۲۸) اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں۔ تفسیر نیشاپوری وروح البیان سورہ کہف زیر آیت ما یعلم الا قلیل اور تفسیر صاوی شریف میں اسی آیت کے ماتحت ہے کہ اصحاب کہف کے نام اتنی جگہ کام آتے ہیں گمی ہوئی چیز تلاش کرنا۔ جنگ کے وقت بھاگتے وقت آگ بجھانے کے لئے ایک کاغذ پر لکھ کر آگ میں ڈال دو۔ بچہ کے رونے کے وقت لکھ کر گہوارے میں بچہ کے سر کے نیچے رکھ دیئے جاویں۔ اور کھیتی کے لئے اگر کسی کاغذ پر لکھ کر لکڑی میں لگا کر درمیان کھیت میں کھڑی کردی جاوے۔ اور بخار، دردسر کے لئے حاکم کے پاس جانے کے وقت سیدھی ران پر لکھ کر باندھے مال کی حفاظت کے لئے

دریا میں سوار ہوتے وقت اور قتل سے بچنے کے لئے۔(از الحروف الحسن وتفسیر خزائن العرفان وجمل) عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ اصحاب کہف سات ہیں۔ یملیخا، مکشیلینا، مشلیینا، مرنوش، وبرنوش، شاذنوش، مرطوش (روح البیان سورہ کہف آیت مایعلم الا قلیل (پارہ ۱۵ سورہ ۱۸ آیت نمبر ۲۲) محدثین بھی اسناد صحیح نقل کر کے فرمادیتے ہیں لو قرء ت ھذہ الاسناد علی مجنون لبرء من جنتہ اگر یہ اسناد کسی دیوانے پر پڑھی جائے تو اس کو آرام ہو جاوے اسناد میں کیا ہے بزرگان دین، راویان حدیث کے نام ہی تو ہیں۔اصحاب بدر کے نام کے وظیفے پڑھے جاتے ہیں۔تو زندگی میں تو ان بزرگوں کے نام فائدہ مند ہوں۔اور بعد موت بے کار ہوں یہ نہیں ہوسکتا ضرور ان سے فائدہ ہوگا۔لہذا میت کے لئے کفن وغیرہ پر ضرور عہد نامہ لکھا جائے۔

دوسرا باب

کفنی لکھنے پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر حسب ذیل اعتراضات ہیں۔

اعتراض (۱) ......:۔ وہ ہی پرانا سبق کہ کفنی (الفی) لکھنا بدعت ہے لہذا حرام ہے۔

جواب:۔ ہماری گذشتہ تقریر سے معلوم ہو چکا کہ یہ بدعت نہیں۔اس کی اصل ثابت ہے اور اگر بدعت بھی ہو۔تو ہر بدعت حرام نہیں۔ دیکھو ہماری بدعت کی تحقیق۔

اعتراض (۲) ......:۔ کفنی کو تلقین سمجھنا غلط ہے کیونکہ اگر مردہ ان پڑھ ہے تو سوالات کے وقت لکھا ہوا کیسے پڑھے گا۔

جواب:۔ بعد موت ہر شخص تحریر پڑھ سکتا ہے۔جہالت اس عالم میں ہوسکتی ہے وہاں نہیں۔حدیث پاک میں آتا ہے۔حدیث پاک میں آتا ہے کہ اہل جنت کی زبان عربی ہے (دیکھو شامی کتاب الکراہیت) حالانکہ بہت سے جنتی دنیا میں عربی سے ناواقف ہیں اسی طرح ہر مردے سے عربی میں ملائکہ سوال کرتے ہیں اور وہ عربی سمجھ لیتا ہے۔رب تعالیٰ نے میثاق کے دن عربی ہی میں سب سے عہد و پیمان لیا تو کیا مرنے کے بعد میت کو کسی مدرسہ میں عربی پڑھائی جاتی ہے؟ نہیں بلکہ خود بخود آجاتی ہے۔قیامت کے دن سب کو نامہ اعمال لکھے ہوئے دیئے جائیں گے۔اور جاہل وعالم سب ہی پڑھیں گے۔جس سے معلوم ہوتا ہے کہ مرنے کے بعد ہر شخص عربی سمجھتا ہے اور لکھا ہوا پڑھ لیتا ہے لہذا یہ تحریر اس کے لئے مفید ہے۔

اعتراض (۳) ......:۔ علامہ شامی نے شامی جلد اول میں باب التشہد کے کچھ عرصہ قبل کفن پر لکھنے کو منع فرمایا۔اسی طرح شاہ عبدالعزیز صاحب نے فتاویٰ عزیزیہ میں اس کو منع فرمایا کیونکہ جب میت پھولے پھٹے گی تو اس کے پیپ وخون میں یہ حروف خراب ہوں گے۔اوران کی بے ادبی ہوگی۔لہذا یہ ناجائز ہے (مخالفین عام طور پر یہ ہی سوال کرتے ہیں)۔

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ دلیل دعویٰ کے مطابق نہیں دعویٰ تو یہ ہے کہ قبر میں کسی قسم کی تحریر رکھنا جائز نہیں مگر اس دلیل سے معلوم ہوا کہ روشنائی یا مٹی سے لکھ کر کفن میں رکھنا منع ہے اور اگر انگلی سے میت کی پیشانی یا سینے پر کچھ لکھ دیا یا کہ عہد نامہ قبر میں طاقچہ میں رکھ دیا تو جائز۔اس میں حرفوں کی بے ادبی کا اندیشہ نہیں۔لہذا یہ اعتراض آپ کے لئے کافی نہیں۔دوم یہ کہ علامہ شامی نے مطلقاً تحریر کو منع نہ فرمایا۔اسی مقام پر خود فرماتے ہیں۔

نعم نقل عن بعض المحشین عن فوائد الشرجی ان مما یکتب علی جبهة المیت بغیر مداد بالاصبع المسبحة بسم الله الرحمن الرحیم وعلی الصدر لا اله الا الله محمد رسول الله وذلك بعد الغسل قبل التکفین۔

ترجمہ: بعض محققین نے فوائد الشرجی سے نقل کیا کہ میت کی پیشانی پر انگلی سے بغیر روشنائی لکھ دیا جاوے بسم اللہ الرحمن الرحیم اور سینے پر لکھ دیا جاوے لاالہ الا اللہ محمد رسول اللہ اور یہ تحریر غسل کے بعد کفن دینے سے پہلے ہو۔

(درمختار باب صلوۃ الجنائز ج ۱ص ۱۲۶ مطبوعہ مجتبائی دہلی)

معلوم ہوا کہ تحریر کو مطلقاً منع نہیں فرمایا۔ تیسرے یہ کہ علامہ شامی نے فتاویٰ بزازیہ سے فتویٰ جواز نقل فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اکابر حنیفہ جواز کے قائل ہیں اور فتاویٰ ابن حجر نے فتویٰ حرمت نقل کیا ابن حجر شافعی ہیں۔ تو کیا احناف کے حکم کے مقابل شوافع کے فتوے پر عمل ہوگا؟ ہرگز نہیں۔ نیز فتویٰ حرمت صرف شیخ ابن حجر کا اپنا قول ہے کسی سے نقل نہیں فرماتے چوتھے یہ کہ میت کے پھولنے پھٹنے کا یقین نہیں بہت سی میتیں نہیں پھولتی پھٹتیں۔ تو صرف بے ادبی کے وہم سے مردہ کو فائدہ سے محروم رکھنا کہاں کا انصاف ہے؟ پانچویں یہ کہ ہم نے پہلے باب میں صحابہ کرام کے افعال نقل کئے کہ انہوں نے اپنے کفنوں میں حضور علیہ السلام کے تبرکات رکھنے کی وصیت کی۔ خود حضور علیہ السلام نے اپنا تہبند شریف اپنی لخت جگر زینب بنت رسول اللہ کے کفن میں رکھوایا۔ حضرت طاؤس نے اپنے کفن پر دعائیہ کلمات لکھنے کی وصیت کی۔ کہئے کیا یہاں خون و پیپ میں لتھڑنے کا اندیشہ نہ تھا؟ یا کہ یہ چیزیں معظم نہ تھیں چھٹے یہ کہ مسئلہ شرعی یہ ہے کہ متبرک چیزوں کا نجاست میں ڈالنا حرام ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص اچھی نیت سے پاک جگہ ضرورتاً رکھے تو صرف احتمال تلوث سے وہ ناجائز نہیں ہوگا۔ اس کے بہت سے دلائل ہیں آب زمزم نہایت متبرک پانی ہے اس سے استنجا کرنا حرام ہے مگر اس کا پینا جائز۔ آیات قرآنیہ لکھ کر دھو کر پینا مباح۔ حضور اقدس ﷺ کا پس خوردہ مبارک کھانا پینا جائز حلال۔ حالانکہ یہ پیٹ میں پہنچ کر مثانہ میں جاتے ہیں اور وہاں سے پیشاب بن کر خارج ہوں گے۔ پہلے باب میں ہم نقل کر چکے۔ کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے اصطبل کے گھوڑوں کی رانوں پر لکھا تھا۔ حبس فی سبیل اللہ حالانکہ وہاں لکھنے میں پیشاب کی چھینٹیں پڑنے کا احتمال قوی ہے گھوڑے نجس زمین پر بھی لوٹتے ہیں مگر اس کا اعتبار نہ ہوا۔ اسی دلیل سے امام نصیر اور امام صفار جو کہ احناف کے جلیل القدر امام ہیں اس تحریر کو جائز فرماتے ہیں۔ رہا شیخ ابن حجر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا کہ فاروق اعظم کے گھوڑوں کی یہ تحریر امتیاز کے لئے تھی لہذا اس کا حکم اور ہو گیا یہ صحیح نہیں کیونکہ کسی مقصد کے لئے ہو حروف تو وہ ہی ہیں نیت کے فرق سے حروف کا حکم نہیں بدلتا۔ غرضکہ یہ اعتراض محض لغو ہے۔ حدیث اور عمل صحابہ اور اقوال آئمہ کے مقابلہ میں کسی غیر مجتہد شافعی المذہب کا محض قیاس معتبر نہیں۔ ہاں کسی امام حنفی کا قول یا کہ صریح حدیث ممانعت پیش کرو۔ اور وہ تو نہ ملے گی۔ ساتویں یہ کہ علماء کے قول سے استحباب یا جواز ثابت ہو سکتا ہے مگر کراہیت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے، جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں۔ تو ان اقوال میں قول استحباب قابل قبول ہے نہ کہ یہ قول کراہت کیونکہ بلا دلیل ہے۔

اعتراض (۴)......:۔ عہد نامہ یا شجرہ قبر میں رکھنا اسراف ہے کیونکہ وہاں رہ کر کسی کے کام تو آوے گا نہیں برباد ہو جاوے گا۔ اور اسراف حرام ہے۔

جواب:۔ چونکہ اس سے میت کو بہت سے فائدے ہیں اور میت کے کام آتا ہے لہذا بے کار نہیں تو اسراف بھی نہیں۔

اعتراض (۵)......:۔ حضور علیہ السلام نے عبداللہ ابن ابی منافق کو اس کے مرنے کے بعد اپنی قمیص پہنائی اور اس کے منہ میں

اپنا لعاب دہن ڈالا مگر اس سے کچھ فائدہ نہ ہوا۔ معلوم ہوا کہ کفنی بے کار ہے۔ نیز پتہ لگا کہ حضور کو علم غیب نہیں۔ ورنہ آپ اس کو اپنا لعاب دہن ولباس نہ دیتے۔ نیز معلوم ہوا کہ نبی کے اجزائے بدن دوزخ میں جا سکتے ہیں۔ کیونکہ عبداللہ ابن ابی منافق دوزخی ہے اور اس کے منہ میں حضور کا لعاب۔ لہذا لعاب بھی وہاں ہی پہنچا۔

جواب:۔ اس واقعہ سے تو کفنی دینے کا ثبوت ہوا کیونکہ حضور علیہ السلام نے منافق کو اپنی قمیص بطور کفنی ہی پہنائی تھی۔ وہاں یہ معلوم ہوا کہ ایمان کے بغیر یہ تبرکات فائدہ مند نہیں۔ ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ مومن میت کو کفنی مفید ہے نہ کہ کافر کو۔ حضور علیہ السلام کو عبداللہ ابن ابی کا منافق ہونا معلوم تھا کہ آپ ہی کے بتائے جانے سے ہم نے جانا ہے۔ یہ بھی خبر تھی کہ ایمان کے بغیر تبرکات مفید نہیں۔ کیونکہ یہ عقائد کا مسئلہ ہے جس کا علم نبی کو ضروری ہے۔ جب کسان بنجر و قابل پیداوار زمین کو پہچانتا ہے تو نبی ایمان کی زمین یعنی انسانی دلوں کو کیوں نہ جانیں۔ تین وجہ سے آپ نے اسے تبرکات دیئے۔

ایک تو اس کا بیٹا مخلص مومن تھا جس کی دلجوئی منظور تھی۔

دوسرے اس نے ایک بار حضرت عباس کو اپنی قمیص پہنائی تھی۔ آپ نے چاہا کہ میرے چچا پر اس کا احسان نہ رہ جائے۔

تیسرے اپنے رحمت عالم ہونے کا اظہار کیا تھا کہ ہم تو ہر ایک پر کرم فرمانے کو تیار ہیں کوئی فیض لے یا نہ لے۔ بادل ہر زمین پر برستا ہے مگر نالی وغیرہ گندی زمین اس سے فائدہ نہیں لیتی۔ نبی کے اجزائے بدن اسی حالت میں رہ کر دوزخ میں نہیں جا سکتے۔ ملائکہ نے وہ لعاب اس کے منہ میں جذب نہ ہونے دیا بلکہ نکال دیا ہوگا۔ کنعان ابن نوح کا دوزخ میں جانا شکل انسانی میں ہے یعنی وہ نطفہ جب کچھ اور بن گیا تب جہنم میں گیا۔ ورنہ حضرت طلحہ نے حضور کے فصد کا خون پیا تو فرمایا کہ تم پر آتش دوزخ حرام ہے۔

بحث بلند آواز سے ذکر کرنا

پنجاب وغیرہ میں قاعدہ ہے کہ بعد نماز فجر وعشاء بلند آواز سے درود شریف پڑھتے ہیں مخالفین اس کو حرام کہتے ہیں اور طرح طرح کے حیلوں سے اس کو روکنا چاہتے ہیں ایک حیلہ یہ ہے کہ ذکر بالجہر بدعت ہے اصول حنیفہ کے خلاف ہے۔ اس سے نمازی لوگ نماز میں بھول جاتے ہیں۔ لہذا یہ حرام ہے ذکر بالجہر جائز بلکہ بعض موقعوں پر ضروری ہے لہذا اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کا ثبوت۔ دوسرے میں اس مسئلہ پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

ذکر بالجہر کے ثبوت میں

ذکر بالجہر جائز ہے اور قرآن وحدیث واقوال علماء سے ثابت ہے قرآن فرماتا ہے **فاذکروا اللہ کذکرکم اباء کم او اشد ذکــــرا** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۰۰) اللہ کا اس طرح ذکر کرو جس طرح اپنے باپ دادوں کا ذکر کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۲۰۰) کفار مکہ حج سے فارغ ہو کر مجمعوں میں اپنی قومی خوبیاں اور نسبی عظمتیں بیان کیا کرتے تھے اس کو منع فرمایا۔ اور اس کی جگہ ذکر اللہ کرنے کا حکم دیا۔ اور ظاہر ہے کہ یہ بالجہر ہی ہوگا۔ اسی لئے تلبیہ بلند آواز سے پڑھنا سنت ہے خاصکر جماعتوں کے ملنے کے وقت۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

واذا قراء القران فاستمعوا له وانصتوا لعلكم ترحمون۔

ترجمہ: جب قرآن پڑھا جاوے تو کان لگا کر سنو اور خاموش رہو۔

(پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۲۰۴)

معلوم ہوا کہ بلند آواز سے تلاوت جائز ہے۔ ذکر بالجہر ہی سنا جاسکتا ہے نہ کہ ذکر خفی (تفسیر کبیر یہی آیت) مشکوۃ باب الذکر بعد الصلوۃ میں ہے۔

کان رسول اللہ ﷺ اذا سلم من صلوۃ یقول بصوته الا علی لآ اله الا اللہ وحده لا شریك له۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام جب اپنی نماز سے فارغ ہوتے تو بلند آواز سے فرماتے تھے لآ اله الا اللہ وحده لا شریك له۔

(مشکوۃ شریف ص ۸۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ میں اسی جگہ ہے۔

عن ابن عباس قال کنت اعرف انقضاء صلوۃ رسول اللہ ﷺ بالتکبیر۔

ترجمہ: عبداللہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ میں تکبیر کی آواز سے حضور علیہ السلام کی نماز کا اختتام معلوم کرتا تھا۔

(مشکوۃ شریف ص ۸۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

یعنی عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ بوجہ صغرسنی کے بعض جماعت نماز میں حاضر نہ ہوتے تھے فرماتے ہیں کہ نماز کے بعد مسلمان اسی قدر بلند آواز سے تکبیر کہتے تھے کہ ہم گھروں کے لوگ سمجھ جاتے تھے کہ اب نماز ختم ہوئی۔

لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

ان ابن عباس کان لم یحضر الجماعة لانه کان صغیرا ممن لا یواظب علی ذلک۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بچے تھے اس لئے جماعت میں پابندی سے نہ آتے تھے۔

(لمعات التنقیح فی شرح مشکاۃ المصابیح باب الذکر بعد الصلاۃ الفصل الاول ج ۳ ص ۲۱۱ مطبوعہ مکتبۃ المعارف العلمیہ شیش محل لاہور)

مسلم جلد اول باب الذکر بعد الصلوٰۃ میں ان ہی ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

ان رفع الصوت بالذکر حین ینصرف الناس من المکتوبة کان علی عهد النبی ﷺ۔

ترجمہ: یعنی فرائض سے فارغ ہو کر بلند آواز سے ذکر اللہ کرنا حضور علیہ السلام کے زمانہ میں مروج تھا۔

(صحیح مسلم باب الذکر بعد الصلوٰۃ ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مشکوٰۃ باب ذکر اللہ عزوجل میں ہے کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی و ان ذکرنی فی ملاء ذکرته فی ملاء خیر منهم۔

ترجمہ: جو شخص مجھ کو اپنے دل میں یاد کرے تو ہم بھی اس کو اپنے نفس میں یاد کرتے ہیں اور جو مجمع میں ہمارا ذکر کرے تو ہم بھی اس سے بہتر مجمع میں اس کا ذکر فرماتے ہیں (یعنی مجمع ملائکہ میں)

(صحیح مسلم ج ۴ ص ۲۰۶۱ رقم الحدیث ۲۶۷۵ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۴۱۲ رقم الحدیث ۷۷۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۴۱۳ رقم الحدیث ۹۳۴۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

جامع صغیر میں ہے۔

عن انس قال قال رسول اللہ ﷺ اکثروا فی الجنازة قول لا اله الا اللہ۔

ترجمہ: حضرت انس سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جنازہ میں لآ الٰہ الا اللہ زیادہ کہا کرو۔

(جامع صغیر ج ۱ ص ۸۷ رقم الحدیث ۱۴۰۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ پڑھنا یا کوئی اور ذکر کرنا ہر طرح جائز ہے بلند آواز سے ہو یا خفیہ رسالہ اذکار مطبوعہ دہلی مصنفہ شیخ محمد تھانوی مولوی رشید احمد صاحب کے استاد حدیث صفحہ ۹۷ میں ہے۔

ان النبی ﷺ کان یجهر مع الصحابة بالاذکار والتهلیل والتسبیح بعد الصلوة۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نماز کے بعد صحابہ کرام کے ساتھ تسبیح و تہلیل بلند آواز سے پڑھتے تھے۔

(رسالہ اذکار مصنفہ شیخ محمد تھانوی ص ۹۷ مطبوعہ دہلی)

حاشیہ......☆

شیخ عبد الحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ایں حدیث صریح است در جہر بذکر کہ آنحضرت بآواز بلند می خواند۔

ترجمہ: اور یہ حدیث ذکر بالجہر پر نص صریح ہے کہ حضور ﷺ ذکر بالجہر کیا کرتے تھے۔

(اشعۃ اللمعات ج ۱ ص ۴۱۹ مطبوعہ لکھنؤ ہندوستان)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ اس حدیث مبارکہ کے تحت فرماتے ہیں۔

هذا دلیل لما قاله بعض السلف انه یستحب الجهر بالتکبیر والذکر عقب المکتوبة وممن استحبه من المتاخرین ابن حزم الظاهری۔

ترجمہ: یہ حدیث سلف کے اس مسلک پر دلیل ہے کہ فرض نمازوں کے بعد بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے اور متاخرین میں ابن حزم ظاہری کا یہی مسلک ہے۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۱ ص ۲۳۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

تفسیر روح البیان پارہ ۴ زیر آیت ربنا ما خلقت هذا باطلاً سبحنك فقنا عذاب النار (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت نمبر ۱۹۱) ہے۔

الذکر یرفع الصوت جائز بل مستحب اذا لم یکن عن ریاء لیغتنم الناس باظهار الدین و وصول برکة الذکر الی السامعین فی الدور و البیوت ویوافق الذکر من سمع صوته ویشهد له یوم القیامة کل رطب ویابس سمع صوته۔

ترجمہ: بلند آواز سے ذکر کرنا جائز بلکہ مستحب ہے جبکہ ریاء سے نہ ہوتا کہ دین کا اظہار ہو۔ ذکر کی برکت گھروں میں سامعین تک پہنچے اور جو کوئی اس کی آواز سنے ذکر میں مشغول ہو جاوے اور قیامت کے دن ہر خشک وتر ذاکر کے ایمان کی گواہی دے۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۹۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر میں بہت سے دینی فائدے ہیں۔ تفسیر خازن و روح البیان پارہ ۶ میں زیر آیت واتینا داود زبوراً ایک روایت نقل کی کہ حضور علیہ السلام نے سیدنا ابوموسیٰ اشعری سے فرمایا کہ آج رات ہم نے تمہاری قرات سنی تم کو تو داؤدی آواز دی گئی ہے۔ ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں۔

فقلت اما واللہ لو علمت انك تسمع لحبرته حبیراً التحبیر حسن الصوت۔

ترجمہ: میں نے عرض کیا کہ رب کی قسم اگر مجھے خبر ہوتی کہ میرا قرآن صاحب قرآن سن رہے ہیں ﷺ تو میں اور بھی آواز بنا کر پڑھتا۔

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ اولاً یہ کہ صحابہ کرام بلند آواز سے ذکر کرتے تھے کہ باہر آواز آتی تھی دوسرے یہ کہ ذکر اللہ تلاوت قرآن عبادت الٰہی ہے اور عین عبادت میں حضور علیہ السلام کو خوش کرنا صحابہ کرام کی تمنا تھی۔

حمامة جرعی حومة الجندل اسجعی فانت بمرای من سعاد و مسمعی!

حاشیہ......☆

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی سعید الخدری رضی اللہ عنه ان رسول اللہ ﷺ قال اکثروا ذکر اللہ تعالی حتی یقولوا مجنون۔

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کرو کہ لوگ تمہیں دیوانہ کہیں۔

(مسند احمد ج ۳ ص ۶۸ رقم الحدیث ۱۱۶۷۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۳ ص ۹۹ رقم الحدیث ۸۱۷ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مسند ابویعلی ج ۲ ص ۵۲۱ رقم الحدیث ۱۳۷۶ مطبوعہ دارالمامون للتراث دمشق)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۶۷۷ رقم الحدیث ۱۸۳۹ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۹۷ رقم الحدیث ۵۲۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الفردوس بماثور الخطاب ج ۱ ص ۷۲ رقم الحدیث ۲۱۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

امام سلیمان بن احمد ابوالقاسم طبرانی متوفی ۳۶۰ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنهما قال قال رسول اللہ ﷺ اذکروا اللہ ذکرا یقول المنافقون انکم تراؤون۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کا ذکر اس قدر کرو کہ منافق تمہیں ریاکار کہیں۔

(طبرانی کبیر ج ۱۲ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۱۲۷۸۶ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۸۱ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (شعب الایمان ج ۱ ص ۳۹۷ رقم الحدیث ۵۲۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (مجمع الزوائد ج ۱۰ ص ۷۶ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

امام یوسف بن الزکی عبدالرحمٰن مزی متوفی ۷۴۲ھ لکھتے ہیں۔

وقال بن عباد یعقوب الرواجنی رأیت الحسین بن زید بن علی یجهر ببسم اللہ الرحمن الرحیم۔

ترجمہ: ابن عباد یعقوب الرواجنی بیان کرتے ہیں ہے کہ میں نے حسین بن زید بن علی رحمہم اللہ کو بلند آواز سے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھتے ہوئے دیکھا۔

(تہذیب الکمال ج ۶ ص ۳۷۷ برقم ۱۳۱۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل میں روایت ہے کہ ایک شب حضور علیہ السلام اپنے جانثار صحابہ کرام کا امتحان لینے کے لئے تشریف لے گئے کہ ان کے رات کے مشاغل کو ملاحظہ فرمادیں۔ ملاحظہ فرمایا کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ تو پست آواز سے قرآن پڑھ رہے ہیں اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ خوب بلند آواز سے صبح کو ان صاحبوں سے وجہ دریافت فرمائی تو صدیق نے عرض کیا کہ اسمعت من فاجیت منه یارسول اللہ یا حبیب اللہ جس کو سنانا منظور تھا اس کو میں نے سنادیا یعنی رب کو فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ اوقظ الوسنان واطرد الشیطن سوتوں کو جگا رہا تھا۔ شیطان کو بھگا رہا تھا۔ سبحان اللہ دونوں جواب مبارک ہیں کسی پر ناراضگی نہ فرمائی بلکہ فرمایا صدیق تم اپنی آواز کچھ بلند کرو اور فاروق تم کچھ پست کرو۔ صلی اللہ علیہ وعلیہم اجمعین۔

(مشکوٰۃ کتاب الصلوٰۃ باب صلوٰۃ اللیل ص ۱۰۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوٰۃ کتاب السماء اللہ تعالیٰ حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار میں حضور علیہ السلام کے ہمراہ عشاء کے وقت مسجد میں گیا دیکھا کہ ایک شخص بلند آواز سے قرآن پڑھ رہا ہے میں نے عرض کیا کہ یا حبیب اللہ یہ ریا کار ہے فرمایا بل مومن منیب نہیں بلکہ توبہ کرنے والا مومن ہے۔

(مشکوٰۃ شریف کتاب السماء اللہ تعالیٰ الفصل الثالث ص ۲۰۰ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

عالمگیری کتاب الکراھیة باب جھام فی الصلوٰۃ والتسبیح وقرءۃ القرآن میں ہے۔

قاض عنده جمع عظیم یرفعون اصواتهم بالتسبیح والتهلیل جملة لاباس به۔

حاشیہ.....☆ ••••••••••••••••••••••••••••••••••••••

امام محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا ابو العباس محمد بن یعقوب ثنا بن احمد بن عبد الحمید ابو ثنا اسحاق بن منصور السلولی ثنا محمد بن مسلم الطائفی عن عمرو بن دینار عن جابر ثم ان رجلا کان یرفع صوته بالذکر فقال رجل لو ان هذا خفض من صوته فقال رسول اللہ ﷺ فانه اواه قال فمات فرأی رجل نارا فی قبره فاتاه فاذا رسول اللہ ﷺ فیه وهو یقول هلموا الی صاحبکم فاذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر۔

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی بلند آواز سے ذکر کیا کرتا تھا ایک آدمی نے کہا اگر یہ آدمی اپنی آواز پست رکھتا (تو بہتر ہوتا)۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ مست ہے۔ راوی کہتا ہے کہ وہ شخص انتقال کر گیا۔ پس ایک شخص اس کی قبر میں روشنی دیکھ کر اس کے قریب آیا۔ حضور ﷺ وہاں (پہلے سے) موجود تھے اور آپ ﷺ نے فرمایا اپنے اس ساتھی کی طرف آؤ جو بلند آواز سے ذکر کرتا تھا۔

(مستدرک ج ۱ ص ۵۲۲ رقم الحدیث ۱۳۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار للطحاوی باب الدفن باللیل ج ۱ ص ۵۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شعب الایمان ج ۱ ص ۴۱۸ رقم الحدیث ۵۸۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ابوداؤد متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

یقول ناولونی الی صاحبکم فاذا هو الرجل الذی کان یرفع صوته بالذکر۔

ترجمہ: حضور ﷺ نے فرمایا مجھے اپنا ساتھی پکڑاؤ۔ جو بلند آواز سے ذکر الٰہی کرتا تھا۔

(سنن ابوداؤد باب فی الدفن باللیل ج ۳ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۳۱۶۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (حلیۃ الاولیاء ج ۳ ص ۳۵۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۲ ص ۱۸۲ رقم الحدیث ۲۳ ۷ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

یہ بلند آواز سے ذکر کرنے والا خوش نصیب صحابی رسول حضرت ذوالبجادین رضی اللہ عنہ تھے۔ ملاحظہ فرمائیں۔ مسند احمد ج ۹ ص ۱۵۹ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت۔ جن کے الفاظ ہیں قال لرجل یقال له ذو البجادین انه اواه۔

کسی قاضی کے پاس بہت بڑی جماعت ہو اور وہ سب مل کر بلند آواز سے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہیں تو اس میں حرج نہیں۔
(فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۹۰ مطبوعہ مصر)

عالمگیری میں اسی جگہ ہے۔

الافضل فی قراء ۃ القران خارج الصلوٰۃ الجھر۔

ترجمہ: نماز کے علاوہ بہتر ہے کہ قرآن بلند آواز سے پڑھے۔

(فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۹۰ مطبوعہ مصر)

عالمگیری یہ ہی مقام اما التسبیح والتھلیل لاباس بذالك وان رفع صوته سبحان الله یا لااله الا الله کہنے میں حرج نہیں۔ اگرچہ بلند آواز سے کہے۔

(فتاوٰی عالمگیری ج ۴ ص ۹۰ مطبوعہ مصر)

شامی جلد اول مطلب فی احکام المسجد سے متصل ہے۔

اجمع العلماء سلفا وخلفا علی استحباب ذکر الجماعة فی المسجد الا ان تشوش جھرھم علی نائم اومصل او قاری۔

ترجمہ: متقدین اور متاخرین علماء نے اس پر اتفاق کیا کہ مسجدوں میں جماعتوں کا بلند آواز سے ذکر کرنا مستحب ہے مگر یہ ان کے جہر سے کسی سونے والے یا نمازی یا قاری کو پریشانی نہ ہو۔

(ردالمحتار ج ۱ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

شامی میں اسی جگہ ہے۔

فقال بعض اھل العلم ان الجھر افضل لانه اکثر عملا ولتعدی فائدته الی السامعین ویوقظ قلب الغافلین فیجمع همه الی الذکر ویصرف سمعه الیه ویطرد النوم ویدیز النشاط۔

ترجمہ: بعض اہل علم نے فرمایا کہ بلند آواز سے ذکر کرنا افضل ہے کیونکہ اس میں کام زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور یہ غافلوں کے دل کو بیدار کرتا ہے ان کے خیالات اور ان کے کانوں کو ذکر الٰہی کی طرف کھینچتا، نیند کو بھگاتا ہے خوشی بڑھاتا ہے۔
(ردالمحتار ج ۱ ص ۴۴۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

درمختار باب صلوٰۃ العیدین بحث تکبیر تشریق میں ہے۔

ولا یمنع العامة من التکبیر فی الاسواق فی الایام العشر وبه ناخذ۔

ترجمہ: بقرعید کے دس دنوں میں عام مسلمانوں کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کہنے سے نہ روکو۔ اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔
(الدرالمختار وعلی حاشیہ کشف الاستار ص ۱۱۷ مطبع مجتبائی پاکستان لاہور)

غالبًا اس زمانہ میں عوام عید کے دنوں میں بازاروں میں نعرہ تکبیر لگاتے ہوں گے۔ یہ اگرچہ بدعت ہے مگر فرمایا کہ اس کو منع نہ کرو۔

اسی عبارت کے ماتحت شامی میں ہے۔

قیل لابی حنیفة ینبغی لاھل الکوفة وغیرھا ان یکبروا ایام العشر فی الاسواق والمسجد قال نعم الفقیه ابو جعفر والذی عندی انه لاینبغی ان تمنع العامة عنه لقلة رغبتھم فی الخیر وبه ناخذفا فادان فعله اولی۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا کوفہ وغیرہ کے لوگوں کو یہ مستحب ہے کہ عشرہ ذی الحجہ میں بازاروں اور مسجدوں میں تکبیر کہیں فرمایا کہ ہاں امام ابوجعفر قدس سرہ نے فرمایا کہ میرا خیال ہے کہ عوام کو اس تکبیر سے نہ روکا جاوے کیونکہ وہ پہلے ہی کار خیر میں کم

رغبت رکھتے ہیں اسی کو ہم اختیار کرتے ہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب صلوۃ العیدین بحث تکبیر تشریق ج اص ۶۲۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ یہ بازاروں کی تکبیریں مستحب ہیں۔

کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی کتاب الصلوٰۃ علی النبی میں ہے۔

یستحب لقاری الحدیث وغیرہ ممن فی معناہ اذا ذکر رسول اللہ ان یرفع صوتہ بالصلوٰۃ علیہ والتسلیم بہ وقد نص العلماء من اصحابنا وغیرھم علی انہ یستحب ان یرفع صوتہ بالصلوۃ علی رسول اللہ ﷺ فی التلبیۃ۔

ترجمہ: یعنی حدیث شریف پڑھنے والوں وغیرہم کو چاہیئے کہ جو حضور کا ذکر ہو تو بلند آواز سے صلوٰۃ وسلام پڑھیں ہمارے علماء نے تصریح فرمائی کہ تلبیہ میں حضور پر بلند آواز سے درود پڑھے۔

(کتاب الاذکار للنووی باب صفۃ الصلاۃ علی رسول اللہ اص ۱۰۷ مطبوعہ المکتبۃ السیفیۃ پشاور)

ان کے علاوہ اور بھی احادیث وفقہی عبارات پیش کی جا سکتی ہیں مگر اختصاراً اس پر کفایت کی جاتی ہے بحمد اللہ تعالیٰ مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی اس میں ہم سے متفق ہیں چنانچہ فتاویٰ رشیدیہ جلد سوم کتاب الحظر باحۃ صفحہ ۱۰۴ میں ایک سوال وجواب ہے سوال یہ ہے کہ ذکر بالجہر اور دعا بالجہر اور درود بالجہر خواہ جہر خفیف ہو یا شدید جائز ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ ذکر جہر خواہ کوئی ذکر ہو امام ابوحنیفہ کے نزدیک سوائے ان مواقع کے کہ ثبوت جہر نص سے ہے وہاں مکروہ ہے اور صاحبین ودیگر فقہاء محدثین جائز کہتے ہیں اور مشرب ہمارے مشائخ کا اختیار مذہب صاحبین ہے۔ والسلام ۱۶ ربیع الثانی ۱۳۱۲ء رشید احمد۔

مصرع۔ مدعی لاکھ پہ بھارے ہے گواہی تیری

اب تو کسی دیوبندی وہابی کو حق نہیں کہ کسی سنی مسلمان کو بلند آواز ذکر سے روکے۔ کیونکہ اس کے بلا کراہت جواز پر رجسٹری ہو چکی۔

عقل بھی چاہتی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہو چند وجوہ سے اولاً تو اس لئے کہ قاعدہ شریعت ہے کہ ثواب بقدر محنت ملتا ہے۔ اسی لئے سردی میں وضو کرنا۔ اندھیری رات میں مسجدوں میں جماعت کے لئے آنا دور سے مسجد میں آنا زیادہ ثواب کا باعث ہے (دیکھو مشکوۃ وغیرہ) اور ذکر بالجہر میں بمقابلہ خفی کے مشقت زیادہ ہے لہذا یہ افضل ہے دوسرے اس لئے کہ مشکوۃ کتاب الاذان میں ہے کہ جہاں تک مؤذن کی آواز جاتی ہے۔ وہاں تک کے تمام درخت، پتے گھاس جن وانس قیامت میں اس کے ایمان کی گواہی دیں گے۔ تو ذکر بالجہر سے بھی اس فائدے کی امید ہے۔ تیسرے اس لئے کہ خفی ذکر کا فائدہ صرف ذاکر کو ہے مگر ذکر بالجہر کا فائدہ ذاکر کو بھی کہ کلمہ وغیرہ کی ضرب سے دل بیدار ہوتا ہے اور سامعین کو بھی کہ ممکن ہے کہ وہ بھی سن کر ذکر کریں۔ اگر نہ بھی کریں تو بھی سننا ثواب ہے اور لازم سے متعدی اچھا۔ چوتھے اس لئے کہ مشکوۃ باب الاذان میں ہے کہ اذان کی آواز سے شیطان بھاگتا ہے۔ ابھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب نقل کیا جا چکا ہے کہ انہوں نے عرض کیا تھا اطرد الشیطن جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر سے نیند اور کسل وسستی دور ہوتی ہے ذکر خفی میں اکثر نیند بھی آ جاتی ہے مگر یہ تمام تقریر اس صورت میں ہے کہ جب ریا کاری کے لئے نہ ہو اگر ریا کے لئے ہے تو ریا کی نیت سے مراقبہ کرنا، نماز پڑھنا بھی گناہ کا موجب ہے۔ حضرات نقشبندیہ قدست اسرارہم کا مشغلہ ذکر خفی ہے وہ تو اس پر عامل ہیں۔

دل میں ہو یاد تری گوشہ تنہائی ہو پھر خلوت میں عجب انجمن آرائی ہو

باقی سلاسل کے اولیاء ذکر بالجہر میں مشغول رہتے ہیں ان کا اس پر عمل ہے۔

سارا عالم ہو مگر دیدہ دل دیکھے تمہیں انجمن گرم ہو اور لذت تنہائی ہو

ہر دو حضرات خدا کے پیارے ہیں۔ نقشبندی حضرات تو خلوت میں جلوت کرتے ہیں اور باقی حضرات جلوت میں خلوت مگر کلا وعد اللہ الحسنی (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۹۵) اللہ تعالیٰ نے سب سے جنت کا وعدہ فرما لیا مگران کا یہ اختلاف حلت وحرمت میں نہیں۔ اپنا اپنا طریقہ کار ہے۔ نہ تو خفی والے جہر والوں کو طعن کریں نہ جہر والے خفی والوں کو یہ ساری گفتگوان دیوبندیوں وغیرہ سے ہے جو کہ جہر پر فتویٰ حرمت لگاتے ہیں۔ مجدد صاحب قدس سرہ کے اس فرمان کے قربان کہ نہ ایں کا مکیم و نہ انکار مکیم، رضی اللہ عنہم اجمعین۔

دوسرا باب

ذکر بالجہر پر اعتراضات وجوابات

اس مسئلہ پر مخالفین دو طرح کے اعتراض کرتے ہیں نقلی اور عقلی ہم اولاً نقلی اعتراضات مع جوابات عرض کرتے ہیں۔

اعتراض (۱)......:۔

واذ کر ربك فی نفسك تضرعاً وخیفة و ذون الجھر من القول بالغدو والاصال۔

ترجمہ: اپنے رب کو اپنے دل میں یاد کرو زاری اور ڈر سے اور بغیر آواز نکلے صبح وشام۔

(سورہ الاعراف آیت نمبر ۲۰۵)

اس سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی دل ہی میں چاہیے بلند آواز سے منع ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ اولاً یہ کہ اس آیت میں ذکر بحالت نماز مراد ہے یعنی اخفا کی نمازوں میں قرءت یا مقتدی ہر نماز میں یا التحیات وغیرہ دل میں پڑھے یا امام قدر ضرورت سے زیادہ آواز نہ نکالے تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فمن ام فی صلوة الجھر ینبغی له ان لایجھر جھراً شدیداً بل یقتصر علی قدر ما یسمعه من خلفه قال فی الکشف لا یجھر فوق حاجة الناس والا فھو مسئی۔

ترجمہ: جو شخص جہری نماز میں امامت کرے وہ بہت آواز سے قرءت نہ کرے بلکہ اس قدر پر کفایت کرے کہ پیچھے والے سن لیں۔ کشف میں فرمایا کہ قدر ضرورت سے زیادہ نہ چیخے ورنہ گنہگار ہوگا۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۳۹۰ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر کبیر میں اس آیت کے ماتحت ہے۔

والمراد منه ان یقع ذلك الذکر حیث یکون متوسطاً بین الجھر والمخافته کما قال اللہ تعالیٰ ولا تجھر۔

یعنی مراد یہ ہے کہ جہر واخفاء کے درمیان ذکر اللہ چاہیے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قال ابن عباس یعنی بالذکر القرآن فی الصلوٰة یرید اقرء سراً فی نفسك۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما فرماتے ہیں کہ اس آیت میں ذکر سے مراد نماز میں تلاوت قرآن یہ ہے۔

(تفسیر خازن ج ۲ ص ۷۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

مقصد یہ ہے کہ دل میں قرءت کرو خود قرآن کریم نے دوسری جگہ اس کی یوں تفسیر فرمائی۔

ولا تجهر بصلوتك ولا تخافت بها وابتغ بين ذلك سبيلا۔

ترجمہ: اور اپنی نماز نہ بہت آواز سے پڑھو نہ بالکل آہستہ ان دونوں کے بیچ میں راستہ ڈھونڈو۔

(پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۱۱۰)

اور ہم مقدمہ میں عرض کر چکے ہیں کہ تفسیر قرآن بالقرآن سب پر مقدم ہے دوسرے یہ کہ آیت کا مقصد یہ ہے کہ ذکر محض قولی نہ ہو بلکہ قول کے ساتھ قلب بھی شامل ہو کہ اس کے بغیر ذکر بے کار ہے خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وقيل المراد بالذكر في النفس ان يستحضر في قلبه عظمة المذكور جل جلاله۔

ترجمہ: کہا گیا کہ دل میں ذکر کرنے سے یہ مراد ہے کہ قلب میں خدائے قدوس کی عظمت موجود ہو۔

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۵۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی خازن میں ہے۔

واذا كان الذكر باللسان عاريا عن ذكر القلب كان عديم الفائدة لان فائدة الذكر حضور القلب واستشعاره عظمة المذكور جل جلاله۔

ترجمہ: یعنی جبکہ زبانی ذکر قلبی ذکر سے خالی ہو تو بے فائدہ ہے۔ کیونکہ ذکر کا فائدہ تو دل کا حاضر کرنا اور خدائے تعالیٰ کی عظمت کا دل میں لانا ہے۔

(تفسیر خازن ج ۳ ص ۱۵۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض اوقات ذکر قلبی ذکر بالجہر سے بہتر ہے یعنی یہ امر استحبابی ہے اور استحباب بھی ہر وقت اور ہر حیثیت سے نہیں بلکہ بعض صورتوں میں ہے۔ اسی لئے یہ آیت اس آیت کے بعد ہے کہ واذا قرء القرآن فاستمعوا له دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ذکر الٰہی کبھی بالجہر چاہئے اور کبھی آہستہ۔ جب بالجہر ہو تو خاموشی سے سنو۔ اور جب آہستہ ہو تو اس میں غور و فکر کرو۔ اگر جہر میں خوف ریا ہے تو سکوت بہتر اور اگر یہ مقصود ہو کہ شیطان دفع ہو قلب بیدار ہو۔ اور سونے والے جاگ جاویں اور تمام چیزیں قیامت کے دن ذاکر کے ایمان کی گواہی دیں تو جہر بہتر ہے۔ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

واذكر ربك في نفسك وهو الذكر بالكلام الخفي فان الاخفآء ادخل في الاخلاص و اقرب من الاجابة وهذا الذكر يعم الاذكار كلها من القرء ة والدعاء وغيرها۔

ترجمہ: اس سے مراد ہے ذکر خفی کیونکہ اخفا کو اخلاص میں زیادہ دخل ہے اور یہ قبولیت سے زیادہ قریب ہے اور یہ ذکر تمام ذکروں اور قراءت اور دعاؤں کو شامل ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

بان الاخفاء افضل حيث خاف الرياء او تاذى المصلون او النائمون والجهر افضل في غير ذلك لان العمل فيه اكثر و لان فائدته تتعدى الى السامعين ولانه يوقظ قلب الذاكر ويجمع همه ويصرف سمعه اليه۔

ترجمہ: آہستہ ذکر وہاں افضل ہے جہاں کہ ریا کا خوف ہو یا نمازیوں یا سونے والوں کو ایذا ہو اور اس کے علاوہ دیگر مقام میں ذکر بالجہر افضل ہے کیونکہ اس میں عمل زیادہ ہے اور اس کا فائدہ سننے والوں کو بھی پہنچتا ہے اور اس لئے کہ یہ ذاکر کے دل کو بیدار کرتا ہے

خیالات کو جمع کرتا ہے اور ذاکر کی طرف کانوں کو متوجہ کرتا ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۵ ص ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعتراض (۲)......۔

ادعو ربکم تضرعا وخفیة انه لا یحب المعتدین۔

ترجمہ: اپنے رب سے گڑگڑا کر اور آہستہ دعا کرو بے شک حد سے بڑھنے والے اس کو پسند نہیں۔

(پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۵۵)

اس سے بھی معلوم ہوا کہ بلند آواز سے ذکر خدا کو ناپسند ہے۔

جواب:۔ اس کے بھی چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ اس آیت میں دعا کا ذکر ہے نہ کہ ہر ذکر الٰہی کا اور واقعی دعا خفیہ ہی کرنا افضل ہے تا کہ اخلاص تام ہو۔ تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ای متضرعین متذللین مخفیین الدعاء لیکون اقرب الی الاجابة لکون الاخفاء دلیل الاخلاص والا حتراز عن الریاء۔

ترجمہ: یعنی زاری اور عاجزی کرتے ہوئے دعا کو خفیہ کرتے ہوئے دعا کرو تا کہ قبولیت سے قریب ہو کیونکہ چپکے سے دعا کرنا اخلاص کی اور ریا سے دور ہونے کی دلیل ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۲۲۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر خازن یہ ہی آیت۔

وقیل المراد به حقیقة الدعاء وهو الصحیح لان الدعآء هو السوال و الطلب وهو نوع من العبادة۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حقیقتاً دعا ہے اور یہ ہی صحیح ہے کیونکہ دعا سوال اور طلب ہے اور یہ ایک قسم کی عبادت ہے۔

(تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

والادب فی الدعآء ان یکون خفیا لهذه الایة قال الحسن دعوة السرو دعوة العلانیة سبعون ضعفاً۔

ترجمہ: دعا کا طریقہ یہ ہے کہ خفیہ ہو۔ اسی آیت کی وجہ سے حسن فرمایا کہ خفیہ ایک دعا اور علانیہ ستر دعائیں برابر ہیں۔

(تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۱۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

یا یہ مراد ہے کہ بعض حالات میں ذکر الٰہی خفیہ طور پر بہتر ہے یعنی ادعوا سے مراد ہر ذکر الٰہی ہے اور یہ امر استحبابی ہے اور وہ بھی بعض اوقات کے لحاظ سے۔

تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

فذهب بعضهم الی ان اخفاء الطاعات و العبادات افضل من اظهارها لهذا الایة ولکونها ابعد من الریاء وذهب بعضهم الی ان اظهارها افضل لیقتدی به الغیر فیعمل مثل عمله وذهب بعضهم الی ان اظهار العبادات المفروضة افضل من اخفاء ها۔

ترجمہ: بعض مفسرین ادھر گئے ہیں کہ عبادتوں کو خفیہ کرنا ظاہر کرنے سے بہتر ہے اسی آیت کی وجہ سے اور اس لئے کہ یہ ریا سے زیادہ دور ہے اور بعض فرماتے ہیں کہ اظہار افضل ہے تا کہ دوسرے بھی اس کی پیروی کر کے عبادت کریں اور بعض فرماتے ہیں کہ فرضی عبادات کا اظہار اخفا سے بہتر ہے۔

(تفسیر خازن ج ۲ ص ۲۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض (۳)......:۔

واذا سالك عبادى عنى فانى قريب اجيب دعوة الداع اذا دعان۔

ترجمہ: اور اے محبوب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں دعا قبول کرتا ہوں پکارنے والے کی پکار جب مجھے پکارے۔

(پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۸۶)

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ ہم سے قریب ہے دل کے خیالات اور آہستہ بات کو سنتا ہے پھر بلند آواز سے پکارنا بے کار ہے۔

جواب:۔ اس آیت کریمہ میں ان لوگوں کے خیال کو باطل فرمایا گیا جو ذکر بالجہر یہ سمجھ کر کریں کہ خدا ہم سے دور ہے بغیر بلند آواز کے وہ ہماری سنتا نہیں یہ خیال محض جہالت ہے ذکر بالجہر تو غافل قالب کو جگانے کے لئے ہوتا ہے۔

تفسیر روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

وسبب نزوله ما روى ان اعرابياً قال لرسول الله ﷺ اقريب ربنا فتناجيه ام بعيد فتناديه فقال تعالى۔

ترجمہ: اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک بدوی نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ رب تعالیٰ قریب ہے تا کہ اس سے مناجات کریں یا دور ہے کہ اس کو پکاریں اس پر رب نے فرمایا۔

(تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۳۶۹۔۳۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوا کہ رب تعالیٰ کو دور سمجھ کر پکارنا برا ہے یہ بھی روایت ہے کہ یہ آیت کریمہ غزوہ خیبر کے موقعہ پر اتری جبکہ لوگ نعرہ تکبیر لگانا چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کا منشاء تھا کہ ہم خفیہ طور پر وہاں پہنچ جاویں کہ کفار کو خبر نہ چنانچہ روح البیان میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قال ابو موسى الاشعرى لما توجه رسول الله عليه السلام الى خيبر اشرف الناس على وادفر فعوا اصواتهم بالتكبير فقال عليه السلام اربعوا على انفسكم لاتدعون اصم ولا غائباً۔

ترجمہ: جبکہ حضور علیہ السلام خیبر کی طرف متوجہ ہوئے تو لوگ کسی اونچے جنگل پر چڑھے تو انہوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی۔ پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اپنی جانوں پر نرمی کرو تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکارتے ہو۔

(تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

روح البیان یہ ہی آیت۔

هذا باعتبار المشارب والمقامات واللائق بحال الغفلات الجهر بقلع الخواطر۔

ترجمہ: یہ موقع اور محل کے اعتبار سے ہے اور غافل لوگوں کے حال کے لائق ذکر بالجہر ہے برے خیالات کو دفع کرنے کے لئے۔

(تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۳۶۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعتراض (۴)......:۔

مشکوٰۃ کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید میں ہے۔

فجعل الناس يجهرون بالتكبير فقال رسول الله عليه السلام يايها الناس اربعوا على انفسكم انكم لاتدعون اصم ولا غائبا انكم تدعون سميعاً بصيراً وهو معكم والذى تدعونه اقرب الى احدكم من عنق راحلته۔

ترجمہ: باآواز بلند تکبیر کہنے لگے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اے لوگو اپنی جانوں پر نرمی کرو تم نہ تو بہرے کو پکارتے ہو نہ غائب کو تم تو سمیع وبصیر کو پکارتے ہو اور وہ تمہارے ساتھ ہے اور جس کو تم پکارتے ہو وہ تم سے بمقابلہ تمہاری سواریوں کی گردنوں

کے زیادہ قریب ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید الفصل الاول ص ۲۰۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر منع ہے۔ اور حضور علیہ السلام کی ناخوشی کا باعث ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب ضمناً سوال نمبر ۲ کے ماتحت گزر چکا کہ یہ حدیث ایک سفر جہاد کے موقعہ کی ہے اس وقت ضرورت تھی کہ مسلمانوں کا لشکر بغیر اطلاع خیبر میں داخل ہو جاوے تا کہ کفار خیبر جنگ کی تیاری نہ کرسکیں۔ بعض لوگوں نے بلند آواز سے تکبیر کہی چونکہ موقع کے خلاف تھالہذا روک دیا گیا۔ اسی حدیث کی ابتدا اسی طرح ہے **کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فجعل الناس یجھرون** الخ ہم ایک سفر میں تھے کہ لوگ بآواز بلند تکبیر کہنے لگے۔ یا یہ کہ مسلمانوں پر آسانی کے لئے بطور مشورہ یہ فرمایا گیا کہ تم سفر کی مشقت میں ہو پھر چیخنے کی مشقت بھی اٹھاتے ہو۔ اس کی کیا ضرورت ہے۔ لمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے۔

فیہ اشارۃ الی ان المنع من الجھر للتیسیر و الارفاق لالکون الجھر غیر مشروع۔

ترجمہ: اس حدیث میں اس طرف اشارہ ہے کہ یہ جہر سے ممانعت محض آسانی کے لئے ہے نہ اس لئے کہ جہر منع ہے۔

(لمعات بحوالہ حاشیہ مشکوۃ المصابیح کتاب الاسماء باب ثواب التسبیح والتحمید الفصل الاول ص ۲۰۱ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اشعۃ اللمعات میں اسی حدیث کے ماتحت ہے در یں اشارات است کہ منع از جہر برائے آسانی ونرمی است نہ از جہت نامشروعیت ذکر جہر وحق آنست ذکر جہر مشروع است بے شبہ مگر بعارض ایں راور رسالہ اوراد اثبات نمودیم۔ اس حدیث میں ادھر اشارہ ہے کہ جہر سے ممانعت نرمی اور آسانی کے لئے ہے نہ اس لئے کہ جہر منع ہے اور حق یہ ہے کہ جہر بلاشبہ مشروع ہے لیکن کسی وجہ سے اور ہم نے اس کا ثبوت رسالہ اوراد میں دیا ہے۔

(اشعۃ اللمعات فارسی ج ۲ ص ۲۴۳ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

اعتراض (۵)......:۔ ہدایہ جلد اول فصل فی تکبیرات التشریق میں ہے۔

واخذ بقول ابن مسعود اخذا بالاقل لان الجھر بالتکبیر بدعۃ۔

ترجمہ: امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ نے سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا قول لیا کم کو لینے کے لئے کیونکہ بلند آواز سے تکبیر کہنا بدعت ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۷۵ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

اور بدعت میں کمی بہتر ہے ابوحنیفہ علیہ الرحمۃ کے نزدیک نویں ذی الحجہ کی فجر سے دسویں کی عصر تک ہر نماز فرض کے تکبیر تشریق کہنا چاہئیے۔ اور صاحبین کے نزدیک نویں کی فجر سے دسویں کی عصر تک امام صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ تکبیر بالجہر بدعت ہے اور بدعت میں کمی بہتر۔ اس لئے صرف دو دن تکبیر کہو۔ جس سے معلوم ہوا کہ ذکر بالجہر بدعت ہے۔ اسی ہدایہ میں اسی فصل تکبیرات التشریق میں ہے۔

ولان الجھر بالتکبیر خلاف السنۃ والشرع و ردبہ عند استجماع ھذہ الشرائط۔

ترجمہ: اور اس لئے کہ تکبیر بالجہر خلاف سنت ہے اور اس کا حکم ان شرائط کے جمع ہونے کی صورت میں ہے۔

(ہدایہ اولین ص ۱۷۵ مطبوعہ مکتبہ شرکۃ علمیہ ملتان)

جواب:۔ امام صاحب اور صاحبین کا اختلاف اس تکبیر تشریق کے وجوب میں ہے نہ کہ جواز میں یعنی امام صاحب تو صرف دو دن ضروری کہتے ہیں اور صاحبین پانچ دن۔ امام صاحب اس کو بدعت یا خلاف سنت کہہ کر وجوب کا انکار فرماتے ہیں ہم اسی بحث کے پہلے باب میں شامی سے نقل کر چکے ہیں کہ خود امام صاحب نے اہل کوفہ کو بازاروں میں نعرہ تکبیر کی اجازت دی۔ کہئیے اس بدعت کی اجازت کیوں دی؟ شامی باب صلوۃ العیدین میں عید الفطر کی بحث میں فرماتے ہیں۔

والخلاف فی الافضلیۃ اما الکراھۃ فمتفیۃ عن الطرفین۔

ترجمہ: یعنی اختلاف محض افضلیت میں ہے۔لیکن کراہت وہ کسی طرف نہیں ہے۔
(ردالمحتار علی الدر المختار باب صلوۃ العیدین ج ۱ص ۶۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی شامی میں اسی جگہ ہے۔

التكبير بالجهر في غير ايام التشريق لايسن الا بازاء العدوا واللصوص وقاس عليه بعضهم الحريق و المخارف كلها زاد القهستاني او علا شرفا۔

ترجمہ: ایام تشریق کے علاوہ اور دنوں میں نعرہ تکبیر سنت نہیں۔مگر دشمن یا چوروں کے مقابلہ میں اور اس پر بعض لوگوں نے قیاس کیا ہے کہ آگ لگنے اور تمام خوفناک چیزوں اور قہستانی نے زیادہ کیا ہے کہ بلندی پر چڑھنے کے وقت۔
(ردالمحتار علی الدر المختار باب صلوۃ العیدین ج ۱ص ۶۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار باب العیدین میں ہے۔

وهذ للخواص اما العوام فلا يمنعون عن تكبير ولا تنفل اصلا۔

ترجمہ: یہ احکام خواص کے لئے ہیں عوام کو نہ تو تکبیر سے روکو نہ نفل سے۔
(ردالمحتار علی الدر المختار باب صلوۃ العیدین ج ۱ص ۶۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

شامی میں اسی بحث میں ہے **لافي البيت اى لايسن والا فهو ذكر مشروع** (ردالمحتار علی الدر المختار باب صلوۃ العیدین ج ۱ ص ۶۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) غرضکہ ثابت ہوا کہ ہدایہ کی یہ تمام گفتگو سنت ہونے میں۔نیز تکبیر تشریق میں یہ فتوی صاحبین کے قول پر ہے۔ہم پہلے باب میں عرض کر چکے کہ مولوی رشید احمد صاحب کا فتوی یہ ہی ہے کہ ذکر بالجہر جائز ہے۔اور اگر ان آیات واحادیث کی یہ توجیہیں نہ کی جاویں تو مخالفین کے بھی یہ خلاف ہیں۔کیونکہ بعض ذکر اللہ وہ بھی بلند آواز سے کرتے ہیں۔جیسے اذان۔بقرعید کے موقعہ پر تکبیر تشریق حج میں تلبیہ جلسوں کے موقعوں پر نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد وغیرہ کیونکہ ان کے یہ دلائل تو ذکر بالجہر کو مطلقاً منع کر رہے ہیں اور حدیث احاد کی وجہ سے قرآنی آیات میں قید لگانا جائز نہیں لہذا یہ نہیں کہہ سکتے کہ چونکہ ان موقعوں پر ذکر بالجہر حدیث میں آ گیا لہذا جائز ہے کیونکہ قرآنی آیات میں حدیث سے پابندی لگانا کہاں جائز ہے۔

اعتراض (۶)......نہ فتاوی بزازیہ صفحہ ۳۷۸ میں ہے۔

عن فتاوى القاضي انه حرام لما صح عن ابن مسعود انه اخرج جماعة عن المسجد يهللون ويصلون على النبي ﷺ جهرا وقال لهم ما اراكم الا مبتدعين۔

ترجمہ: قاضی صاحب کے فتاویٰ سے نقل کیا کہ جہر سے ذکر کرنا حرام ہے کیونکہ حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح روایت کے ساتھ ثابت ہو چکا کہ انہوں نے ایک جماعت کو مسجد سے محض اسی لئے نکال دیا تھا کہ وہ بلند آواز سے لا الہ الا اللہ اور بلند آواز سے آنحضرت پر درود شریف پڑھتی تھی اور فرمایا میں تمہیں بدعتی خیال کرتا ہوں۔
(فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ج ۶ ص ۳۷۸ مطبوعہ کبری امیریہ بولاق مصر)

دیکھو بلند آواز سے جماعت کے ساتھ مل کر ذکر اللہ اور درود شریف پڑھنا حرام ہے اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان ذاکرین اور درود خوانوں کو بدعتی فرمایا بلکہ انہیں مسجد سے نکال دیا افسوس کہ آج ذکر بالجہر نہ کرنے والوں کو وہابی کہا جاتا ہے۔یہ ہے انقلاب زمانہ ایمان کفر بن گیا اور کفر ایمان۔(راہ سنت)۔

جواب: اس کے دو جواب ہیں ایک الزامی اور دوسرا تحقیقی جواب الزامی تو یہ ہے کہ پھر تم بھی بدعتی ہوئے اور حرام کے مرتکب کیونکہ

تمہارے دینی سیاسی جلسے ہوتے ہیں تقریروں کے دوران نعرہ تکبیر اور فلاں صاحب زندہ باد۔ دن رات مسجدوں میں ہوتے ہیں نہ تم ان بالجہر ذکروں پر فتوے لگاتے ہو نہ انہیں روکتے ہو کیا مسجد میں صرف درود شریف آواز سے پڑھنا حرام ہے۔ باقی تمہارے جلسے نعرے سب جائز۔ جواب تحقیقی وہ ہے جو یہاں اسی جگہ فتاوی بزازیہ اور فتاوی شامی نے دیا ہے، جسے آپ نے نقل نہ فرمایا اگر آپ پوری عبارت نقل کر لیتے تو اسی کا جواب ان کتابوں سے مل جاتا۔ سنو اسی جگہ شامی میں ہے۔

واما رفع الصوت بالذکر فجائز کما فی الاذان والخطبة والجمعة والحج وقد حرزت المسئلة فی الخیریة وحمل ما فی فتاوی القاضی علی جهر المضر۔

ترجمہ: بلند آواز سے ذکر کرنا جائز ہے۔ جیسا کہ اذان خطبہ جمعہ اور حج میں ہوتا ہے اور یہ مسئلہ فتاوی خیریہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے اور جو فتاوی قاضی میں ہے اس سے مراد نقصان دہ جہر ہے۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۳۵۰)

معلوم ہوا حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو بدعتی فرمایا جو جماعت اول کے وقت جبکہ لوگ نماز جماعت سے ادا کر رہے تھے یہ ذکر بالجہر کرتے تھے۔ جس سے لوگوں کی نماز میں حرج واقع ہوتا تھا یا کوئی اور دینی ضرر تھا۔ خلاصہ یہ کہ نقصان دہ جہر ممنوع ہے۔ اب ذرا فتاوی بزازیہ کو بھی دیکھ لو اسی حدیث ابن مسعود رضی اللہ عنہما کو نقل فرما کر ایک اعتراض مع جواب فرماتے ہیں کہ اگر تم کہو کہ فتاوی میں تو یہ ہے کہ ذکر بالجہر سے کسی کو نہ روکو اگرچہ وہ مسجد ہی میں کرتے ہوں تاکہ اس آیۃ کے خلاف نہ ہو جاوے۔ **من اظلم ممن منع مساجد الله ان یذکر الخ** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۱۴) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کا یہ عمل تمہارے ان فتاوی کے خلاف ہے اس کے جواب میں عبارت فرماتے ہیں۔ جس میں یہ بھی ہے۔

الاخراج عن المسجد یجوز ان یکون لاعتقاد هم العبادة فیه ولیعلم الناس بانه بدعة والفعل جائز والجائز یجوز ان یکون غیر جائز لعرض یلحقه۔

ترجمہ: آپ کا انہیں مسجد سے نکالنا ممکن ہے اس لئے ہو کہ ان لوگوں کا اعتقاد یہ ہے کہ یہ جہر بھی عبادت ہے اور لوگوں کو یہ بتانا ہو کہ یہ عقیدہ بدعت ہے اور جائز کام کبھی کسی عارضی وجہ سے ناجائز ہو جاتا ہے۔

اسی فتاوی میں اسی جگہ ہے۔

واما رفع الصوت بالذکر فجآئز کما فی الاذان والخطبته والحج۔

(ردالمحتار ج ۵ ص ۳۵۰)

مخالفین کے عقلی اعتراضات صرف تین ہیں اولاً یہ ہے کہ خدا ہے پھر زور سے چیخنا کیوں؟ جواب گزر چکا کہ یہ آواز بلند کرنا خدا تعالیٰ کے سنانے کے لئے نہیں بلکہ دیگر فوائد کے لئے ہے۔ جیسے اذان وغیرہ زور سے دی جاتی ہے۔ دوم یہ کہ درود صلی اللہ علیک وسلم یا رسول اللہ حدیث سے ثابت نہیں لہٰذا ناجائز ہے اس کا جواب اسی کتاب میں اور مقام پر گزر گیا کہ دوا غذا دعا میں نقل خاص کی ضرورت نہیں بلکہ جو ناجائز کی حد میں نہ آوے وہ جائز ہے اور اس کی پوری تحقیق کہ کون سا درود پاک افضل ہے ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں ملاحظہ کرو۔ تیسرے یہ کہ بعد نماز بلند آواز سے درود پڑھتے ہیں۔ ان سے نمازیوں کو تکلیف ہوتی ہے کہ نماز بھولتے ہیں لہٰذا ناجائز ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ پہلا یہ کہ یہ اعتراض دعویٰ کے مطابق نہیں کیونکہ تم کہتے ہو ذکر بالجہر بالکل منع ہے۔ اور اس سے یہ ثابت ہوا کہ کسی نمازی کو اس سے تکلیف ہو تو منع ورنہ جائز تو اگر کسی وقت کوئی نماز نہ پڑھ رہا ہو۔ تب جائز ہونا چاہیے دوسرے یہ کہ یہاں

پنجاب میں دیکھا جاتا ہے کہ بعد نماز فجر کچھ توقف کر کے اور عشاء کی سنتوں اور وتر سے فارغ ہو کر یہ درود پڑھا جاتا ہے اور اس وقت سب لوگ نماز سے فارغ ہو چکتے ہیں۔ تیسرے یہ کہ ہم اسی بحث کے پہلے باب میں احادیث پیش کر چکے ہیں کہ حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام بعد نماز بلند آواز سے ذکر کرتے تھے۔ نیز آج بھی بعض مسجدوں میں قرآن کے مدرسے ہیں جہاں کہ طلباء بعد نماز ظہر وعشاء چیخ کر قرآن یاد کرتے ہیں۔ کبھی مسجدوں میں بعد نماز عشاء دینی جلسے ہوتے ہیں جن میں نعرے بھی لگتے ہیں تقریریں بھی ہوتی ہیں۔ بقرعید کے زمانہ میں جماعت فرض کے بعد فوراً ہی سب لوگ باآواز بلند تین بار تکبیر تشریق کہتے ہیں۔ کہیئے ان ذکروں سے نمازی کا دھیان ہٹتا ہے یا نہیں؟ اور یہ جائز ہیں یا منع؟ فقہاء جو فرماتے ہیں کہ ذکر بالجہر سے نمازیوں کو تکلیف پہنچے تو منع ہے۔ اس کا مقصد ظاہر ہے کہ جب جماعت کا وقت ہو لوگ نماز میں مشغول ہوں اور یہ ذکر بالجہر کر رہا ہو یہ منع ہے نہ یہ کہ نماز بھی ہو چکی لوگ فارغ ہو کر اب ذکر و تلاوت میں مشغول ہو گئے اب کوئی شخص تارک الجماعات بعد میں آیا تو اپنی نماز کے حیلے سے سب کو خاموش کرتا پھرے کہ چونکہ مجھے اب نماز پڑھنا ہے لہذا اے نمازیو! اے قرآن یاد کرنے والو واعظو تم سب خاموش ہو جاؤ۔ خیال رہے کہ مساجد میں زیادہ اہتمام جماعت اول کا ہوتا ہے جس پر بہت سے شرعی مسئلے متفرع ہیں۔ مکہ معظمہ میں صرف جماعت اولیٰ کے لئے طواف بند ہوتا ہے۔ جہاں یہ جماعت ختم ہوئی طواف شروع ہوا۔ اور طواف دعاؤں کا اس قدر شور ہوتا ہے کہ کان پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ کہیئے وہاں اس ذکر بالجہر کا کیا حکم ہے؟ کیا نماز کے خلل کی وجہ سے طواف بند کراؤ گے۔
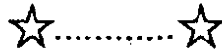
بحث اولیاء اللہ کے نام پر جانور پالنا

بعض لوگ جو کہ فاتحہ گیارہویں یا کہ میلاد شریف کے پابند ہیں وہ اس کے لئے کچھ عرصہ پہلے بکرے مرغے وغیرہ پال لیتے ہیں۔ اور ان کو فربہ کرتے ہیں۔ تاریخ فاتحہ پر ان کو بسم اللہ پر ذبح کر کے کھانا پکا کر فاتحہ کرتے ہیں اور فقراء اور صلحاء کو کھلاتے ہیں۔ چونکہ وہ جانور اس کی نیت سے پالا گیا ہے اس لئے کہہ دیتے ہیں۔ گیارہویں کا بکرا یہ غوث پاک کی گائے وغیرہ یہ شرعاً حلال ہے۔ جیسے کہ ولیمہ کا جانور مگر مخالفین اس کام کو حرام۔ اس گوشت کو مردار۔ اور فاعل کو مرتد و مشرک کہتے ہیں۔ اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں اس کے جواز کا ثبوت اور دوسرے میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

پہلا باب

اس کے جواز کے ثبوت میں

جس حلال جانور کو مسلمان یا اہل کتاب اللہ کا نام لے کر ذبحہ کرے وہ حلال ہے اور جس حلال جانور کو مشرک یا مرتد ذبح کرے وہ مردار ہے۔ اسی طرح اگر مسلمان دیدہ دانستہ بسم اللہ پڑھنا چھوڑ دے یا خدا کے سوا کسی اور کا نام لے کر ذبحہ کرے (مثلاً بجائے بسم اللہ اللہ اکبر کے کہہ دے یا غوث اور ذبحہ کر دے) تو حرام ہے خیال رہے کہ اس حلت و حرمت میں ذبحہ کرنے والے کا اعتبار ہے نہ کہ مالک کا۔ اگر مسلمان کا جانور مشرک نے ذبحہ کر دیا مردار ہو گیا۔ اگر مشرک نے بت کے نام پر جانور پالا مگر اس کو مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کر دیا حلال ہے۔ اسی طرح ذبحہ کے وقت نام لینے کا اعتبار ہے نہ کہ آگے پیچھے زندگی میں جانور بت کے نام کا تھا مگر ذبح اللہ کے نام پر ہوا ہے حلال ہے اور زندگی میں جانور قربانی کا تھا مگر ذبح کے وقت اور نام لیا گیا وہ مردار اسی کو قرآن نے فرمایا **وما اھل بہ لغیر اللہ** (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۷۳) وہ جانور بھی حرام ہے جو کہ غیر خدا کے نام پر پکارا گیا۔ یہاں پکارنے سے مراد بوقت ذبح پکارنا ہے۔ چنانچہ تفسیر بیضاوی میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول اس آیت **وما اھل لغیر اللہ بہ** کے حوالے سے نقل کرتے ہیں۔

یعنی ما اھل للطواغیت کلھا۔

ترجمہ: اس سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۹ ص ۲۳۹ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

نیز یہی امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ دوسری کتاب میں فرماتے ہیں۔

وما اھل لغیر اللہ بہ ما ذبح لآلھتھم۔

ترجمہ: وما اہل غیر اللہ بہ کا معنی وہ جانور ہیں جو مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں کے نام ذبح کیا کرتے تھے۔

(شعب الایمان ج ۵ ص ۲۰ رقم الحدیث ۵۶۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

رئیس المفسرین حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی تفسیر میں ہے۔

وما اھل بہ لغیر اللہ ما ذبح لغیر اسم اللہ عمداً للاصنام۔

ترجمہ: وما اھل بہ لغیر اللہ کا معنی ہے وہ جانور جس کو جان بوجھ کر اللہ کا نام لیے بغیر بتوں کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔
(تنویر المقیاس ص۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ای رفع الصوت لغیر اللہ بہ کقولھم باسم اللات والعزی عند ذبحہ۔

ترجمہ: یعنی اس جانور پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو جیسے کفار ذبح کے وقت کہتے تھے۔ اللات والعزیٰ۔
(تفسیر بیضاوی ج ا ص ۱۶۲)

تفسیر جلالین میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ بان ذبح علی اسم غیرہ اس طرح کہ غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔ تفسیر خازن میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔ (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۷۳)

یعنی ما ذکر علی ذبحہ غیر اسم اللہ وذلک ان العرب فی الجاھلیۃ کانوا یذکرون اسماء اصنامھم عند الذبح فحرم اللہ ذلک بھذہ الایۃ وبقولہ ولا تاکلوا مما لم یذکر اسم اللہ علیہ۔

ترجمہ: یعنی وہ جانور حرام ہے۔ جس کے ذبحہ پر غیر اللہ کا نام لیا گیا ہو۔ اور یہ اس لئے ہے کہ اہل عرب زمانہ جاہلیت میں ذبح کے وقت بتوں کا نام لیتے تھے پس خدا تعالیٰ نے اس کو اس آیت سے اور آیت ولا تاکلوا سے حرام فرمایا۔

تفسیر کبیر یہ ہی آیت۔

الذبح باسم اللات والعزی فحرم اللہ تعالیٰ ذلک۔

ترجمہ: اہل عرب ذبح کے وقت کہتے تھے۔ بسم اللہ اللات والعزیٰ اللہ تعالیٰ نے اس کو حرام فرمایا۔
(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ایران)

تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

معناہ ما ذبح بہ لاسم غیر اللہ مثل اللات والعزی واسماء الانبیآء۔

ترجمہ: آیت کے معنی یہ ہیں کہ اس کو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا گیا اور وہ وہ ہے جو بتوں کے لئے ذبح کیا جاتا تھا۔

تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

ای ذبح للاصنام فذکر علیہ غیر اسم اللہ ای رفع بہ الصوت للصنم وذلک قول اھل الجاھلیۃ باسم اللات والعزی۔

ترجمہ: یعنی وہ جانور حرام ہے جو کہ بتوں کے لئے ذبحہ کیا جاوے پس اس پر غیر اللہ کا نام لیا جاوے۔ یعنی اس پر بت کی آواز دی گئی ہو۔ اور یہ جاہلیت والوں کا یہ کہنا تھا کہ بسم اللہ اللات والعزیٰ۔
(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ایران)

تفسیر لباب التاویل میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

یعنی ما ذبح للاصنام والطواغیت واصل الابلال رفع الصوت وذلک انھم کانوا یرفعون اصواتھم بذکر الھتھم اذا ذبحوھا۔
(تفسیر لباب التاویل فی معانی التنزیل ج ا ص ۱۱۹)

تفسیر علامہ ابوالسعود میں ہے۔

ای رفع بہ الصوت عند ذبحہ للصنم۔
(تفسیر ابوسعود ج ا ص ۱۹۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر حسینی میں اسی آیت کے ماتحت ہے وآنچہ آواز برآوردہ شود بغیر اللہ از برائے غیر خدا بداں در وقت ذبحہ آں یعنی بنام بتاں بکشند۔

ان تمام تفاسیر سے معلوم ہوا کہ اس آیت ما اھل میں اھل سے مراد ہے ذبحہ کے وقت غیر خدا کا نام پکارنا۔ لہذا جانور کی زندگی میں کسی طرف نسبت کرنے کا اعتبار نہیں۔ اب ہم فقہاء کی عبارات بھی پیش کرتے ہیں۔ تفسیرات احمدیہ میں اسی آیت وما اھل بہ لغیر اللہ کے ماتحت ہے۔

ومن ھھنا علم ان البقرۃ المندورۃ للاولیآء کما ھو الرسم فی زماننا حلال طیب لانہ لم یذکر اسم غیر اللہ وقت الذبح وان کانوا ینذرونہا۔

ترجمہ: اس سے معلوم ہوا کہ جس گائے کی اولیاء اللہ کے لئے نذر مانی گئی جیسا کہ ہمارے زمانہ میں رواج ہے یہ حلال طیب ہے کیونکہ اس پر ذبحہ کے وقت غیر اللہ کا نام نہیں لیا گیا اگر چہ اس گائے کی نذر مانتے ہیں۔

اس میں تو گیارہویں شریف کے بکرے کا خاص فیصلہ فرما دیا نام لے کر اور اس کتاب کے مصنف مولانا احمد جیون علیہ الرحمۃ وہ بزرگ ہیں جو کہ عرب وعجم کے علماء کے استاذ ہیں اور تمام دیوبندی بھی ان کو مانتے ہیں۔ شامی باب الذبحہ میں ہے۔

اعلم ان المدار علی القصد عند ابتداء الذبح۔

ترجمہ: جاننا چاہئے کہ حلت وحرمت کا دارومدار ذبحہ کے وقت نیت کا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

صاف معلوم ہوا کہ ذبح سے پہلے کی نیت یا نام بالکل معتبر نہیں۔

عالمگیری باب الذبح میں ہے۔

مسلم ذبح شاۃ المجوسی لبیت نارھم راو بکافر لالھتم توکل لانہ سمی اللہ تعالی ویکرہ للمسلم کذا فی التتارخانیہ ناقلا عن جامع الفتاوی۔

مسلمان نے مجوسی کی وہ بکری جوان کے آتشکدہ کے لئے یا کافر کی ان بتوں کے لئے تھی۔ ذبحہ کی وہ حلال ہے کیونکہ اس مسلمان نے اللہ کا نام لیا ہے مگر یہ کام مسلمان کے لئے مکروہ ہے۔ اسی طرح تتارخانیہ میں جامع الفتاوی سے نقل کیا۔ دیکھئے جانور پالنے والا کافر ہے اور ذبحہ بھی کرتا ہے بت یا آگ کی عبادت کی نیت سے گویا مالک کا پالنا اور ذبحہ کرانا دونوں فاسد۔ مگر چونکہ بوقت ذبحہ مسلمان نے بسم اللہ کہہ کر ذبحہ کیا ہے۔ لہذا جانور حلال ہے۔ کہئے گیارہویں یا میلاد کا بکرا اس بت پرست کے بکرے سے بھی گیا گزرا ہے؟ کہ وہ تو حلال مگر یہ حرام۔ الحمد للہ بخوبی ثابت ہوا کہ یہ گیارہویں وغیرہ کا جانور حلال ہے اور یہ فعل باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

اولیاء اللہ کے جانور کے متعلق اعتراضات وجوابات

اعتراض (۱)......:۔ اس آیت ما اھل بہ لغیر اللہ (سورہ بقرہ آیت نمبر ۱۷۳) میں کلمہ اھل بلال سے مشتق ہے اور اہلال کے معنی لغت میں ذبحہ کے نہیں بلکہ مطلقاً پکارنے کے ہیں۔ لہذا جس جانور پر غیر خدا کا نام پکارا خواہ تو اس کی زندگی میں یا بوقت ذبحہ وہ مرار ہے تو غوث پاک کا بکرا شیخ سدو کی گائے اگر چہ خدا کے نام پر ذبحہ ہو حرام ہے۔ (نوٹ) یہ اعتراض شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ کا ہے وہ مسئلہ میں سخت غلطی فرما گئے۔

ترجمہ: اہلال کے لغوی معنی میں ہیں مطلقاً پکارنا۔ مگر عرفی معنی میں بوقت ذبح پکارنا۔ اور یہ عرفی معنی ہی اس جگہ مراد ہیں۔ صلوٰۃ کے لغوی معنی تو ہیں مطلقاً دعا۔ مگر عرفی معنی ہیں نماز تو اقیمو الصلوۃ سے نماز فرض ہوگی نہ کہ عام دعا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

الاهلال رفع الصوت هذا معنے الاهلال فی اللغة ثم قيل للمحرم۔

ترجمہ: الخ اہلال کے معنی ہیں آواز بلند کرنا (پکارنا) یہ معنی لغوی ہیں پھر محرم کو کہا گیا الخ۔

(تفسیر کبیر ج ۵ ص ۱۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ ایران)

اسی طرح حاشیہ بیضاوی للشہاب میں اسی آیت مااہل کے ماتحت ہے۔

ای رفع به الصوت الخ هذا اصله ثم جعل عبارة عماد ذبح لغیر الله۔

ترجمہ: یعنی اس کو پکارا گیا ہو یہ اہلا کے لغوی معنی ہیں پھر اس الخ سے مراد لی گئی ہے کہ وہ جانور جو غیر خدا کے نام پر ذبح کیا جاوے۔

اگر یہاں اہلال کے لغوی معنی مراد ہوں تو چند خرابیاں لازم ہونگی۔ اولاً تو یہ کہ یہ تفسیر اجماع مفسرین اور اقوال صحابہ کرام کے خلاف ہے۔ مفسرین کے اقوال تو ہم پہلے باب میں عرض کر چکے۔ اب صحابہ کرام وغیرہم کے اقوال ملاحظہ ہوں۔ تفسیر درمنثور میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

اخرج ابن المنذر عن ابن عباس فی قوله تعالیٰ و ما اهل الآيته قال ذبح و اخرج ابن جرير عن ابن عباس وما اهل يعنی ما اهل للطواغيت واخرج ابن ابی حاتم عن ابی العاليته وما اهل يقول ما ذكر عليه اسم غير الله۔

تفسیر مظہری میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

قال الربيع ابن انس يعنی ما ذكر عند ذبحه اسم غير الله۔

معلوم ہوا کہ اس قدر صحابہ کرام وتابعین کا یہی فیصلہ ہے کہ اس آیت سے مراد ہے غیر اللہ کے نام پر ذبحہ کرنا۔

جواب: ۔ دوم یہ کہ تمہارے بتائے ہوئے یہ معنی خود قرآن کریم کے بھی خلاف ہیں قرآن فرماتا ہے۔

ما جعل الله من بحيرة ولا سائبة ولا صيلة ولاحام ولكن الذين كفروا يفترون علی الله الكذب۔

ترجمہ: اللہ نے بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام نہیں مقرر کئے۔ لیکن کفار اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں۔

(پارہ ۷ سورہ ۵ آیت نمبر ۱۰۳)

یہ چار جانور بحیرہ وغیرہ وہ تھے جن کو کفار عرب بتوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور ان کو حرام سمجھتے تھے۔ قرآن نے اس حرام سمجھنے کی تردید فرمادی۔ حالانکہ ان پر زندگی میں بتوں کا نام پکارا گیا تھا۔ اور ان کے کھانے کا حکم دیا کہ فرمایا۔

كلوا مما رزقكم الله ولاتتبعوا خطوت الشيطن۔

ترجمہ: کھاؤ اس کو جو تمہیں اللہ نے دیا اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو۔

(پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۴۲)

تفسیر فتح البیان میں زیر آیت ما جعل الله من بحيرة اور نووی شرح مسلم **الجبته ونعيما باب الصفته اللتی يعرف بها فی الدنيا اهل الجنته** صفحہ ۳۸۵ میں ہے۔

المراد انكار ما حرموا علی انفسهم من السائبة والبحيرة والحام وانها لم تصر حراماً بتحريمه۔

ترجمہ: یعنی اس آیت سے ان جانوروں کی حرمت کا انکار کرنا مقصود ہے جن کو کفار حرام سمجھتے تھے بحیرہ وغیرہ کہ یہ جانور ان کے حرام کر لینے سے حرام نہیں ہو گئے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو سانڈ ہندو لوگ بتوں کے نام پر چھوڑتے ہیں وہ حرام نہیں ہو جاتا اگر مسلمان بسم اللہ کہہ کر ذبح کر لے تو حلال

ہے ہاں غیر کی ملکیت کی وجہ سے ایسا کرنا منع ہے نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وقالوا هذه انعام وحرث حجر لا يطعمها الا من تشآء بزعمهم** (پارہ ۸ سورہ ۵ آیت نمبر ۱۳۸) اور کفار بولے کہ یہ جانور اور کھیتی روکی ہوئی ہے نہ اس کو وہ ہی کھائے۔ جس کو ہم چاہیں اپنے جھوٹے خیال میں۔ نیز فرماتا ہے **وقالوا ما فی بطون هذه الانعام خالصة لذكورنا ومحرم على ازواجنا** (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۳۹) کفار بولے جوان جانوروں کے شکم میں بچہ ہے وہ ہمارے مردوں کے لئے خاص ہے اور ہماری عورتوں پر حرام۔ یہ ہی وہ کھیتیاں اور جانور تھے جو بتوں کے نام پر وقف تھے اور کفار ان کی حلت میں پابندیاں لگاتے تھے اس پابندی کی تردید فرمادی گئی۔ تو جب بتوں کے نام پر چھوٹے ہوئے جانور حرام نہ ہوئے تو اہل اللہ کی فاتحہ کی نیت سے پالے ہوئے جانور کیوں حرام ہو گئے؟ تیسرے یہ کہ اہل کے یہ معنی فقہاء کی تصریح کے بھی خلاف ہیں ہم اس بحث کے پہلے باب میں عالمگیری کی عبارت پیش کر چکے ہیں کہ مشرک یا آتش پرست نے بت یا آگ کے چڑھاوے کے لئے جانور مسلمان سے ذبح کرایا۔ مسلمان نے بسم اللہ سے ذبح کیا وہ حلال ہے اسی طرح تفسیرات احمدیہ کی عبارت بھی پیش کردی گئی کہ اولیاء اللہ کی نذر کا پالا ہوا جانور حلال ہے چوتھے یہ کہ یہ معنی عقل کے بھی خلاف ہیں اس لئے کہ جب اہل کے لغوی معنی مراد ہوئے یعنی جانور پر اس کی زندگی میں یا بوقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا جانور کو حرام کر دیتا ہے تو لازم آیا کہ جانور کے سوا دوسری اشیاء بھی غیر اللہ کی طرف نسبت کرنے سے حرام ہو جاویں۔ کیونکہ قرآن میں آتا ہے۔ **ما اهل به لغير الله** اور ہر وہ چیز جو کہ غیر اللہ کے نام پر پکاری جاوے۔ ما میں جانور کی قید نہیں پھر خواہ تقرب کی نیت سے پکارا یا کسی اور نیت سے بہرحال حرمت آنی چاہئے تو زید کا بکرا، عمر کی بھینس، زید کے آم، بکرے کے باغ کے پھل، فلاں کی بیوی، ام سعد کا کنواں، فلاں کی مسجد، میرا گھر، دیوبند کا مدرسہ، امام بخاری کی کتاب سب ہی نسبتیں ناجائز ہو گئیں اور ان کا استعمال حرام۔ اور بخاری ترمذی تو خاص شرک ہوا۔ کہ ان کی نسبت بخارا اور ترمذ کی طرف ہوئی جو کہ غیر اللہ ہیں۔ جناب جس وقت تک کہ عورت صرف اللہ ہی کی بندی کہلائی۔ سب کو حرام رہی، جب اس پر غیر خدا کا نام آیا، آباد میں حضور غوث پاک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا دستی لکھا ہوا قرآن شریف تھا انگریز اس کے دو لاکھ روپے دیتے تھے مگر نہ دیا گیا امیر عبدالرحمٰن خان کا استعمال شدہ قالین پچاس ہزار روپے میں امریکہ والوں نے خریدا۔ پرانے ٹکٹ بھی قیمتی ہوتے ہیں (سرکار علی پوری) غرضکہ اہل کے یہ معنی ایسے فاسد ہیں کہ عقل ونقل سب ہی کے خلاف۔ پانچویں یہ کہ اگر کسی نے جانور بت کے نام پر پالا بعد میں اس سے تائب ہو گیا اور خالص نیت سے اس کو ذبح کیا تو یہ بالاتفاق حلال ہے حالانکہ اہل میں تو یہ بھی داخل ہوا۔ اگر ایک بار بھی غیر اللہ کا نام اس پر بول دیا ما اہل کی حد میں آ گیا۔ اب ماننا ہی پڑا کہ وقت ذبح غیر اللہ کا نام پکارنا معتبر ہے نہ کہ قبل کا۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ کے نام پر ذبح کرے پھر گوشت میں اللہ کی نیت کرے بالکل غیر معتبر ہے۔ اسی طرح اگر زندگی کا پکارنا معتبر ہوتا تو جو آدمی جانور کی زندگی میں غیر اللہ کا نام پکار کے پھر توبہ کر کے اللہ کے نام پر ذبح کرتا۔ تو بھی حرام ہوتا۔ چھٹے یہ کہ اگر اہل کے معنی لغوی مراد لئے جاویں جب بھی بہ کی وجہ سے پکارنے میں تخصیص ہوگی۔ اس طرح کہ ب فی کے معنی میں ہوگا اور مضاف پوشیدہ یعنی فی ذبحہ ورنہ پھر بہ سے کیا فائدہ۔ بغیر بہ کے بھی یہ معنی حاصل تھے۔ جیسا کہ سلیمان جمل نے آیت **اهل به لغير الله** کی تفسیر میں لکھا ہے تو بھی مطلب وہ ہی بنا کہ جس جانور پر بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ حرام ہے۔ بہرحال یہ ترجمہ محض فاسد ہے۔

اعتراض (۲)......:۔ فقہی مسئلہ ہے کہ جس جانور کو بسم اللہ سے ذبح کیا جاوے مگر ذبح کی نیت غیر خدا سے تقرب حاصل کرنا ہو تو وہ حرام ہے۔ چونکہ گیارہویں کرنے والے کی نیت حضور غوث پاک کو راضی کرنا ہے لہذا اس ذبح میں غیر اللہ کی طرف تقرب ہوا۔ تو اگرچہ جانور ذبح تو بسم اللہ سے ہوا۔ مگر اس قاعدے سے حرام ہو گیا۔ اس قاعدے کی تحقیق سوال نمبر ۳ میں آتی ہے۔

جواب :۔ ذبح کی چار قسمیں ہیں۔ اولاً یہ کہ ذبح سے مقصود محض خون بہانا ہو اور گوشت محض تابع ہو۔ اور یہ خون بہانا رب کو راضی

کرنے کے لئے ہو۔ جیسے کہ قربانی، ہدی، عقیقہ اور نذر کا جانور یہ ذبح عبادۃ ہے مگر اس میں وقت یا جگہ کی قید ہے کہ قربانی خاص تاریخوں میں عبادت ہے آگے پیچھے نہیں۔ ہدی حرم میں عبادت ہے اور جگہ نہیں۔ دوسرے چھری کی دھار کی آزمائش کے لئے ذبح کرنا یہ نہ عبادت ہے نہ گناہ۔ اگر بسم اللہ سے ہوا تو جانور حلال ورنہ حرام۔ تیسرے گوشت کھانے کے لئے ذبح کرنا جیسے کہ شادی ولیمہ کی دعوت یا گوشت کی تجارت کے لئے ذبح کرنا۔ اسی طرح فاتحہ بزرگان کے لئے ذبح کرنا کہ ان سب ذبح سے مقصود گوشت ہے ذبح گوشت کے لئے ہے یہ بھی اگر بسم اللہ سے ہو تو حلال ورنہ حرام۔ چوتھے غیر خدا کو راضی کرنے لئے صرف خون بہانے کی نیت سے ذبح کرنا کہ اس میں گوشت مقصود ہے یہ جانور اگر بسم اللہ کہہ کر بھی ذبح کیا جاوے، جب بھی حرام ہے بشرطیکہ ذبح کرنے والے کی نیت بھینٹ کی ہو نہ کہ ذبح کرانے والے کی۔ ان فقہی عبارات سے یہی مراد ہے قرآن فرماتا ہے۔ وما ذبح علی النصب (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۳) اور حرام ہے وہ جانور جو بتوں پر ذبح کیا جائے اس آیت کی تفسیر میں سلیمان جمل فرماتے ہیں۔

ای ما قصد بذبحه النصب ولم یذکر اسمها عند ذبحه بل قصد تعظیمها بذبحه فعلی بمعنی اللام فلیس هذا مکررا مع ما سبق اذ ذاك فیما ذکر عند ذبحه اسم الصنم وهذا فیما قصد بذبحه تعظیم الصنم من غیر ذکره۔

ترجمہ: یعنی وہ جانور بھی حرام ہے جس کے ذبح سے بت مقصود ہوں اور ان کے ذبح کے وقت بت کا نام نہ لیا گیا ہو یا کہ بت کی تعظیم کے لئے کیا گیا ہو۔ پس علیٰ بمعنی لازم ہے لہذا یہ آیت گذشتہ سے مکرر نہیں کیونکہ وہاں ما اھل میں تو وہ مراد تھے جن پر بتوں کا نام لیا جاوے اور اس سے وہ جانور مراد ہیں جن کے ذبح سے بت کی تعظیم مقصود ہو اور اس کا نام نہ لیا گیا ہو۔

سبحان اللہ کیا عمدہ فیصلہ کیا جو بت کے نام پر ذبح ہو وہ تو ما اھل میں داخل ہے اور جس ذبح سے تعظیم غیر اللہ مقصود ہو وہ ماذبح علی النصب (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۳) میں داخل۔ بعض فقہاء نے ان دونوں صورتوں کو ما اھل سے ثابت کیا ہے بمعنی ماذبح لتعظیم غیر اللہ اسی پر درمختار کی عبارت ہے غرضکہ جانوروں کی حرمت میں دو چیزیں کو دخل ہے ایک تو بوقت ذبح غیر اللہ کا نام لینا۔ دوسرے غیر اللہ کو راضی کرنے کے لئے جانور کا خون بہانا بایں معنی کہ گوشت مقصود بالذات نہ ہو۔ تقرب بغیر اللہ ہے اسی کو فقہاء حرام فرماتے ہیں چونکہ گیارہویں اور فاتحہ کا جانور تیسری قسم میں داخل ہے نہ کہ چوتھی میں۔ اسی لئے حرام نہیں کیونکہ گیارہویں کرنے والے کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس جانور کے گوشت کا کھانا پکا کر فاتحہ کر کے فقراء پر تقسیم کیا جاوے گا۔ لہذا اس سے گوشت مقصود ہوا یہ فرق ضرور خیال میں رہے بعض دیوبندی کہتے ہیں کہ گیارہویں والے کا گوشت مقصود نہیں ہوتا کیونکہ دیکھا گیا ہے کہ اگر اس کو اتنا زیادہ گوشت دیا جاوے یا دوسرا جانور کہ تو اس پر فاتحہ کر دے تو وہ اس سے راضی نہیں ہوتا اگر گوشت منظور ہوتا تو تبادلہ کر لیتا معلوم ہوا کہ غوث پاک کے نام پر خون بہانا منظور ہے۔ لیکن یہ قول بھی غلط ہے نیت کا حال تو نیت والا ہی جان سکتا ہے بلا دلیل مسلمان پر بدگمانی کرنا حرام ہے رہا جانور کا نہ بدلنا۔ اس کی وجہ محض اہتمام ہے وہ سمجھتا ہے کہ جس طرح ہم نے پرورش کر کے اس کو اچھا کیا ہے دوسرا گوشت ایسا نہ ملے گا۔ بعض لوگ ولیمہ کے لئے جانور پالتے ہیں وہ بھی دوسرے گوشت سے تبادلہ گوارا نہیں کرتے بعض کا خیال ہوتا ہے کہ جس جانور پر فاتحہ کا وعدہ ہو گیا اس کو بدلنا جائز نہیں جیسے کہ قربانی کا جانور۔ یہ خیال غلط ہے۔ مگر غلط خیال سے ذبیحہ کیوں حرام ہو گیا۔ غرضکہ اہتمام اور ہے بھینٹ اور خلاصہ یہ ہوا کہ اگر نفس ذبح سے غیر اللہ کو راضی کرنا مقصود ہو تو حرام ہے اور اگر ذبح دعوت یا فاتحہ کے لئے ہو اور فاتحہ یا دعوت کسی کو راضی کرنے کے لئے ہو تو حلال ہے کسی اللہ کے بندے کو راضی کرنا اس کی عبادت نہیں۔

اعتراض (۳)......:۔ درمختار عالمگیری باب الذبح میں ہے اور نووی شرح مسلم میں تصریح کی ہے کہ:

ذبح لقدوم الامیر ونحوہ کواحد من العظماء یحرم لانہ اھل بہ لغیر اللہ ولو ذکر اسم اللہ علیہ۔

ترجمہ: بادشاہ یا کسی بڑے آدمی کے آنے پر جانور ذبحہ کیا تو وہ حرام ہے کہ اس پر غیر خدا کا نام پکارا گیا۔ اگر چہ اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی کی خوشنودی کے لئے جانور ذبح کرنا حرام ہے اگر چہ بسم اللہ ہی سے ذبحہ ہو لہذا گیارہویں کا جانور بہر حال حرام ہے کہ حضور غوث پاک کی رضا کے لئے ہے اگر چہ ذبحہ بسم اللہ سے ہو۔

جواب:۔ اس کا مکمل جواب سوال نمبر ۲ کے جواب میں گزر گیا کہ اگر سلطان یا کسی کی بھینٹ کی نیت سے ذبح ہو تو جانور حرام۔ بھینٹ کے معنی بیان کئے جا چکے کہ خون بہانے سے اس کو راضی کرنا مقصود ہو گوشت تابع ہو اور اگر سلطان وغیرہ کی دعوت کے لئے جانور ذبح ہو تو اگر چہ دعوت سے رضائے سلطان مقصود ہو مگر جانور حلال ہے۔ درمختار کتاب الذبائح میں اسی جگہ فرماتے ہیں۔

ولو للضیف لا یحرم لانہ سنۃ الخلیل واکرام الضیف اکرام اللہ والفارق انہ ان قدمھا لیا کل منھا کان الذبح للہ والمنفعۃ للضیف او للولیمۃ او للذبح وان لم یقد مھا لیا کل منھا بل یدفعھا لغیرہ کان لتعظیم غیر اللہ فتحرم۔

ترجمہ: اور اگر ذبح مہمان کے لئے ہو تو حرام نہیں کیونکہ یہ حضرت خلیل اللہ کا طریقہ ہے اور مہمان کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے وجہ فرق یہ ہے کہ اگر اس کا گوشت مہمان کے آگے رکھا تا کہ اس میں سے کھائے تو یہ ذبح اللہ کے لئے ہوگا اور نفع مہمان کے لئے یا ولیمہ یا تجارت کے لئے اور اگر مہمان کے آگے نہ رکھا بلکہ یونہی کسی کو دیدیا تو یہ تعظیم غیر اللہ کے لئے ہے لہذا حرام ہے۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوا کہ گوشت کا مقصود ہونا عبادت وغیر عبادت میں فرق ہے۔ اسی جگہ درمختار میں ہے۔

وفی صید المنیۃ انہ یکرہ ولا یکفر لانا لانسئی الظن بالسملم انہ یتقرب الی الادمی بھذا النحو۔

ترجمہ: ایسا کرنا مکروہ ہے اس سے ذابح کافر نہ ہوگا۔ کیونکہ ہم مسلمان پر بدگمانی نہیں کرتے کہ وہ اس ذبح سے کسی آدمی کی عبادت کرتا ہے۔

(درمختار مع ردالمحتار ج ۵ ص ۱۹۷۔ ۱۹۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت وفی نسخۃ ردالمحتار علی الدر المختار ج ۶ ص ۳۱۰ مطبوعہ مکتبہ ماجدیہ کوئٹہ)

معلوم ہوا کہ مسلمان پر بدگمانی کرنا جرم ہے۔ اس کے حاشیہ ردالمحتار میں اس کو زیادہ واضح کر دیا گیا ہے مگر جس قدر بیان کر دیا گیا اس میں کفایت ہے۔ تفسیر روح البیان پارہ ۶ زیر آیت۔

وما اھل بہ لغیر اللہ ھی ما یذبح عند استقبال السلطن تقربا الیہ افتی اھل البخاری بتحریمہ وقال الرفعی ھذا غیر محرم لانھم انما یذبحونہ استبشارا بقدومہ فھو کذبح العقیقۃ لولادۃ المولود مثل ھذا لایوجب التحریم کذا فی شرح المشارق۔

ترجمہ: یعنی جو جانور سلطان کے آنے پر ذبح کیا جائے اس سے قرب حاصل کرنے کے لئے اہل بخاریٰ نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا اور امام رافعی نے فرمایا کہ جانور حرام نہیں کیونکہ وہ لوگ سلطان کی آمد کی خوشی میں ذبح کرتے ہیں جیسے کہ بچہ کا عقیقہ بچہ کی پیدائش کی خوشی میں اور اس جیسا کام جانور کو حرام نہیں کر دیتا اسی طرح شرح مشارق میں ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۷۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں یہ رواج ہوگا کہ بادشاہ کی آمد پر گھر گھر جانور ذبح ہوتے ہوں گے آج کل یہ رسم نہیں تو جو بادشاہ کی عبادت کی نیت سے ذبح کرتے ہوں وہ حرام اور جو اظہار خوشی کے لئے لوگوں کی دعوت کرتے ہوں وہ حلال یہ فتاویٰ کا اختلاف رسوم کے

اختلاف زمانہ کی وجہ سے ہے۔ غرضکہ گیارہویں کے جانور کو ذبیحہ قدوم سلطان سے کوئی نسبت نہیں۔

اعتراض (۴)......:۔ گیارہویں کی نیت سے بکرا پالنے والا مرتد ہے کیونکہ غیر خدا کی نذر ماننا کفر ہے اور کافر و مرتد کا ذبیحہ حرام ہے لہذا گیارہویں ماننے والے کا ذبیحہ حرام ہے۔ شامی جلد دوم کتاب الصوم بحث نذر اموات مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ میں ہے **والنذر للمخلوق لا یجوز لانه عبادة والعبادة لاتكون لمخلوق۔**

جواب:۔ اس کا مکمل جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ یہ نذر شرعی نہیں یہ نذر عرفی ہے بمعنی ہدیہ و نذرانہ یا یہ نذر اللہ کے لئے ہے اور اس کا تصرف یہ ہے اور ان میں سے کوئی بھی شرک نہیں۔ استاذ سے کہتے ہیں کہ رقم آپ کی نذر ہے یعنی نذرانہ و ہدیہ۔

بحث ہاتھ پاؤں چومنا اور تبرکات کی تعظیم کرنا

اولیاء اللہ کے ہاتھ پاؤں چومنا اور اسی طرح ان کے بعد ان کے تبرکات بال و لباس وغیرہ کو بوسہ دینا، ان کی تعظیم کرنا مستحب ہے احادیث اور عمل صحابہ کرام سے ثابت ہے لیکن بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اس لئے ہم اس بحث کے بھی دو باب کرتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں۔

پہلا باب

بوسہ تبرکات کے ثبوت میں

تبرکات کا چومنا جائز ہے۔ قرآن کریم فرماتا ہے **وادخلوا الباب سجداً وقولوا حطة** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۵۸) یعنی اے بنی اسرائیل تم بیت المقدس کے دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو اور کہو ہمارے گناہ معاف ہوں۔ اس آیت سے پتہ لگا کہ بیت المقدس جو انبیاء کرام کی آرام گاہ ہے اس کی تعظیم اس طرح کرائی گئی کہ وہاں بنی اسرائیل کو سجدہ کرتے ہوئے جانے کا حکم دیا۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ متبرک مقامات پر توبہ جلد قبول ہوتی ہے۔ مشکوۃ باب المصافحہ والمعانقہ فصل ثانی میں ہے۔

وعن ذراع وكان فى وفد عبد القيس قال لما قدمنا المدينة فجعلنا نتبادر من رواحلنا فتقبل يد رسول الله ﷺ ورجله۔

ترجمہ: حضرت ذراع سے مروی ہے اور یہ وفد عبد القیس میں تھے فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ منورہ آئے تو اپنی سواریوں سے اترنے میں جلدی کرنے لگے پس ہم حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومتے تھے۔

(الادب المفرد للبخاری ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۱۰۰۴ مطبوعہ)، (سنن ابوداؤد ص ۷۸۶ رقم الحدیث ۵۲۲۵ مطبوعہ)، (شعب الایمان ج ۶ ص ۴۷۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۵ ص ۳۲۷ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۵ ص رقم الحدیث ۵۳۱۳ مطبوعہ)، (طبرانی الاوسط ج ۱ ص ۱۳۳)، (التاریخ الکبیر ج ۳ ص ۴۴۷)

مشکوۃ باب الکبائر و علامات النفاق میں حضرت صفوان ابن عسال سے روایت ہے۔

فیقبل یدیه ورجله۔

ترجمہ: پس انہوں نے حضور علیہ السلام کے ہاتھ پاؤں چومے۔

(سنن الترمذی ص ۷۰۶ رقم الحدیث ۲۷۳۸ مطبوعہ)، (شرح معانی الآثار ج ۳ ص ۲۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن النسائی ص ۵۹۴ رقم الحدیث ۴۰۸۰ مطبوعہ)، (سنن الکبری للنسائی ج ۲ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۳۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ ص ۵۵۹ رقم الحدیث ۳۷۰۵ مطبوعہ)، (طبرانی کبیر ج ۸ ص ۶۹ رقم الحدیث ۷۳۹۶ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مصنف ابن ابی شیبہ ج ۵ ص ۲۹۲ رقم الحدیث ۲۶۲۰۷ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)

مشکوۃ شریف باب ما یقال عند من حضرۃ الموت بروایت وابوداؤد میں ہے۔

عن عائشة قالت قبل رسول الله ﷺ عثمان ابن مظعون وهو ميت۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے عثمان ابن مظعون کو بوسہ دیا حالانکہ ان کا انتقال ہو چکا تھا۔

(مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۰۹ رقم الحدیث ۴۸۴۸)، (سنن ابن ماجہ باب ماجاء فی تقبیل المیت رقم الحدیث ۱۴۵۶)، (مسند احمد ج ۶ ص ۴۳)، (سنن ابوداؤد باب فی تقبیل المیت ج ۳ ص ۲۰۱ رقم الحدیث ۳۱۶۳ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

شفا شریف میں ہے۔

كان ابن عمر يضع يده على المنبر الذى يجلس عليه رسول الله عليه السلام فى الخطبة ثم يضعها على وجهه استنبط بعضهم من مشروعية تقبيل الاركان جواز تقبيل كل من يستحق العظمة من ادمى وغيره نقل عن الامام احمد انه سئل عن تقبيل منبر النبى عليه السلام وتقبيل قبره قال فلم يربه باسا ونقل عن ابن ابى الصيف اليمانى احد علماء ملة من الشافعية جواز تقبيل المصحف واجزاء الحديث وقبور الصلحين ملخصا۔

ترجمہ: جس منبر پر حضور علیہ السلام خطبہ فرماتے تھے اس پر حضرت عبداللہ ابن عمر اپنا ہاتھ لگا کر منہ پر رکھتے تھے (چومتے تھے) شرح بخاری لابن حجر پارہ ششم صفحہ ۱۵ میں ہے۔ ارکان کعبہ کے چومنے سے بعض علماء نے بزرگان دین وغیرہم کے تبرکات کا چومنا ثابت کیا ہے امام احمد ابن حنبل رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان سے کسی نے پوچھا کہ حضور علیہ السلام کا منبر یا قبر انور چومنا کیسا ہے؟ فرمایا کوئی حرج نہیں اور ابن ابی الصیف یمانی سے جو کہ مکہ کے علماء شافعیہ میں سے ہیں منقول ہے۔ قرآن کریم اور حدیث کے اوراق بزرگان دین کی قبریں چومنا جائز ہیں۔

(شفاء شریف ج ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مصطفی البابی الحلبی مصر)

توشیح میں علامہ جلال الدین سیوطی قدس سرہ فرماتے ہیں۔

استنبط بعض العارفين من تقبيل الحجر الاسود تقبيل قبور الصلحين۔

ترجمہ: حجر الاسود کے چومنے سے بعض عارفین نے بزرگان دین کی قبروں کا چومنا ثابت کیا ہے۔

حاشیہ......☆

مزارات کو چومنا نہ شرک ہے نہ حرام ہے نہ مکروہ تحریمی ہے بلکہ مزارات کو تبرک کی نیت سے چومنا جائز ہے۔ چند دلائل حاضر ہیں:

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبدالله حدثنى ابى ثنا عبدالملك بن عمرو ثنا كثير بن زيد عن داود بن ابى صالح قال ثم اقبل مروان يوما فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر فقال اتدرى ما تصنع فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب فقال نعم جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تبكوا على الدين اذا وليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا اهله۔

ترجمہ: حضرت داؤد بن ابی صالح رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن مروان آیا تو اس نے ایک آدمی (حضور ﷺ کی) قبر انور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اسے نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہا ہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نا اہل ہو۔

(مسند احمد ج ۵ ص ۴۲۲ رقم الحدیث ۲۳۶۳۳ مطبوعہ موسسۃ قرطبۃ مصر)، (تاریخ مدینہ دمشق ج ۵۷ ص ۲۴۹ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

حاشیہ......☆

امام محمد بن عبداللہ ابوعبداللہ حاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں۔

فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر فاخذ برقبته و فقال اتدرى ما تصنع قال نعم فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب رضى الله عنه فقال جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر سمعت رسول الله ﷺ يقول لا تبكوا على الدين اذا وليه اهله ولكن ابكوا عليه اذا اهله۔

هذا حديث صحيح الاسناد ولم يخرجاه۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی (حضور ﷺ کی) قبرانور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اسے نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہاہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ دین پر مت رویا کرو جب اس کا ولی اہل دین ہو لیکن اس وقت رویا کرو جب اس کا ولی نااہل ہو۔

(المستدرک للحاکم کتاب الفتن والملاحم ج ۴ ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۸۵۷۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۴ ص ۱۵۸ رقم الحدیث ۳۹۹۹ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبرانی الاوسط ج ۱۰ ص ۱۴۴ رقم الحدیث ۹۳۶۶ مطبوعہ دارالحرمین القاھرۃ مصر)

امام علی بن ابی بکر ہیثمی متوفی ۸۰۷ھ لکھتے ہیں۔

فوجد رجلا واضعا وجهه على القبر فقال اتدرى ما يصنع فاقبل عليه فاذا هو ابو ايوب فقال نعم جئت رسول الله ﷺ ولم آت الحجر۔

ترجمہ: تو اس نے ایک آدمی (حضور ﷺ کی) قبرانور پر اپنا چہرہ رکھے ہوئے پایا تو اسے نے ان کی گردن سے پکڑ کر کہا کہ کیا تو جانتا ہے تو کیا کر رہا ہے اس نے کہاہاں تو جب اس نے توجہ کی تو وہ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ تھے تو انہوں نے کہا میں رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں، کسی پتھر کے پاس نہیں۔

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد باب ولایۃ اھلھا ج ۵ ص ۲۴۵ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)

امام سید نورالدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

رواه احمد بسند حسن۔

(وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

قال عبدالله بن احمد رايت ابى ياخذ شعره من شعر النبى ﷺ فيضعها على فيه يقبلها واحسب انى رايته يضعها على عينه ويغمسها فى الماء ويشربه يستشفى به ورايته اخذ قصعة النبى ﷺ فغسلها فى حب الماء ثم شرب فيها ورايته يشرب من ماء زم زم يستشفى به ويمسح به يديه و وجهه۔

قلت اين المتنطع المنكر على احمد وقد ثبت ان عبدالله سال اباه عمن يلمس رمانة منبر النبى ﷺ ويمس الحجرة النبوية فقال لا ارى بذلك باسا اعاذنا الله واياكم من راى الخوارج ومن البدع۔

ترجمہ: امام عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد گرامی کو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے موئے مبارک سے ایک مو لیے اپنے منہ پر رکھتے ہیں اور اسے چومتے ہیں اور میرا گمان ہے کہ میں نے موئے مبارک کہ اپنی آنکھوں پر رکھتے ہوئے بھی دیکھا ہے اور شفا حاصل کرنے کے لیے وہ موئے اقدس پانی میں ڈبوتے اور اسے پی لیتے۔ اور میں نے اپنے اباجان کو دیکھا کہ آپ نے

حاشیہ......☆

آقائے دو عالم ﷺ کے پیالہ مبارکہ کو پکڑا اور اسے پانی کے مٹکے کے اندر دھویا پھر اس میں پانی پیا اور میں نے اپنے والد گرامی کو شفاء حاصل کرنے کے لیے آب زم زم پیتے دیکھا اور آب زم زم کے ساتھ اپنے ہاتھ اور چہرہ کا مسح کرتے دیکھا۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ میں کہتا ہوں کہ کون امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس کا کلام کو منع کرنے والا ہے؟،

حالانکہ ثابت ہو چکا ہے عبداللہ بن احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے گرامی امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے بارے میں سوال کیا کہ جو منبر و حجرہ نبوی ﷺ کو چھوئے و مس کرے تو جواباً امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ میرے نزدیک اس میں کوئی حرج نہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اور تمہیں خارجیوں کی سوچ سے پناہ میں رکھے اور بدعتوں سے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱۱ ص ۲۱۲ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ان بلالاً رأى النبي في منامه وهو يقول ما هذه الجفوة يا بلال اما آن لك ان تزورني فانتبه حزينا وركب راحلته وقصد المدينة فاتى قبر النبي ﷺ فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه فاقبل الحسن والحسين فجعل يضمهما ويقبلهما......

ترجمہ: حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (شام میں) خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال یہ کیا جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ تو جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے تو حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ اور امام حسین رضی اللہ عنہ آئے تو آپ رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو سینہ سے لگا اور دونوں کو بوسہ دیا۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۳۵۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (شفاء السقام فی زیارت خیر الانام ص ۳۹ مطبوعہ حیدر آباد دکن بھارت)، (نیل الاوطار ج ۵ ص ۱۸۰ مطبوعہ دار الجیل بیروت)

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

فاتى قبر النبي ﷺ فجعل يبكي عنده ويمرغ وجهه عليه۔

ترجمہ: حضور ﷺ کی قبر انور پر آئے پھر روتے بھی جاتے تھے اور قبر انور پر چہرہ بھی ملتے تھے۔

(وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۳۵۶ مطبوعہ بیروت)

محدث ابن حجر مکی رحمۃ اللہ علیہ اس روایت کے بارے میں لکھتے ہیں۔

حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے بسند جید مروی ہے۔

(الجوہر المنظم فی زیارۃ القبر الشریف النبوی المکرم اردو ص ۱۰۴ مطبوعہ مرکز تحقیقات اسلامیہ لاہور)

عبدالحکیم لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وفي مطالب المومنين ولا باس بتقبيل قبر والديه كما في كفاية الشعبي ان رجلا جاء الى النبي ﷺ فقال يارسول الله ﷺ اني حلفت ان اقبل عتبة باب الجنة فامر النبي ﷺ ان يقبل رجل ووجه الاب ويدوى انه قال يارسول الله ﷺ ان لم يكن ابوان فقال قبل قبرهما قال فان لم اعرف قبرهما قال حط

حاشیہ......☆

خطین وانوبان احدهما قبر الام والآخر قبر الاب فقبلها فلا تحنث فی یمینك كذا فی مغفرة الغفور فی زیارة القبور۔

ترجمہ: ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اس نے عرض کیا کہ رسول اللہ ﷺ میں نے آستانِ جنت چومنے کی قسم کھائی تھی حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ماں کے پاؤں اور باپ کی پیشانی چومے مروی ہے کہ اس نے عرض کیا کہ اگر میرے ماں باپ نہ ہوں تو فرمایا ان دونوں کی قبروں کو بوسہ دے نے عرض کیا کہ اگر قبریں معلوم نہ ہوں تو فرمایا دو خط کھینچ اور نیت کر کہ ایک ان میں سے ماں کی قبر ہے اور دوسری باپ کی، ان دونوں کو بوسہ دے تیری قسم اتر جائے گی۔

(نور الایمان ص مطبوعہ لکھنؤ ہندوستان)، (حاشیہ شرح الیاس (فقہ حنفی کی ایک کتاب) ج ۲ ص ۳۰۳ مطبوعہ قصہ خوانی پشاور)

امام سید نور الدین سمہودی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وفی كتاب العلل والسئوالات لعبدالله بن احمد بن حنبل سالت ابی عن الرجل یمس منبر النبی ﷺ تبرك بمسه وتقبیله ویفعل بالقبر مثل ذلك جاء ثواب الله تعالى فقال لا باس به۔

ترجمہ: امام عبداللہ بن احمد نے جو سوالات اپنے والد گرامی سے کیے ان میں کہا کہ میں نے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا کہ جو منبر نبی ﷺ کو مس کرتا ہے اور اس کو مس کر کے برکت حاصل کرتا ہے اور اسے چومتا ہے اور قبر انور کے ساتھ بھی ثواب کی امید پر یہی معاملہ کرتا ہے۔ تو آپ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) نے جواباً فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

(وفاء الوفاء ج ۴ ص ۱۴۰۵ مطبوعہ بیروت)، (کتاب العلل ج ۲ ص ۳۲ برقم ۲۵۰)، (معجم الشیوخ للذہبی ج ۱ ص ۴۵ حرف الالف)، (عمدۃ القاری ج ۹ ص ۲۴۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام بدر الدین عینی متوفی ۸۵۵ھ لکھتے ہیں۔

محب طبری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا حجر اسود اور دیگر ارکان کو بوسہ دینے سے ہر اس چیز کو بوسہ دینے کا جواز ثابت ہوتا ہے جس کو بوسہ دینے میں اللہ تعالیٰ کی تعظیم ہو، کیونکہ اس سلسلے میں اگر کسی حدیث میں تعظیم کا حکم نہیں آیا ہے تو کسی حدیث میں اس کی ممانعت یا کراہت بھی نہیں آئی ہے اور میرے جد محمد بن ابی بکر، محمد بن ابی صیف رحمۃ اللہ علیہ سے روایت کرتے ہیں کہ بعض حضرات جب مصاحف کو دیکھتے تو ان کو بوسہ دیتے اور جب احادیث کے اوراق کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور جب صالحین کی قبروں کو دیکھتے تو انہیں بوسہ دیتے اور یہ بات بعید نہیں ہے۔

(عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۹ ص ۲۴۱ مطبوعہ ادارۃ الطباعۃ المنیر یہ مصر)

امام ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

واستحب بعضهم تقبیل الركن الیمانی ایضا فائدة اخرى استنبط بعضهم من مشروعیة تقبیل الاركان جواز تقبیل كلّ من یستحق التعظیم من آدمی وغیره فاما تقبیل ید الآدمی فیاتی فی كتاب الادب واما غیره فنقل عن الامام احمد انه سئل عن تقبیل منبر النبی ﷺ وتقبیل قبره فلم یر به باساً واستبعد بعض اتباعه صحة ذلك ونقل عن بن ابی الصیف الیمانی احد علماء مكة من الشافعیة جواز تقبیل المصحف واجزاء الحدیث وقبور الصالحین۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۴۷۵ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حاشیہ.....☆

انور شاہ کشمیری دیوبندی لکھتے ہیں۔

حجر اسود کو بوسہ دینا شرعاً ثابت ہے اس لیے یہ صالحین کے تبرکات کو بوسہ دینے کی اصل ہے حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے مصحف کو بوسہ دیا اور امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے روضہ مطہرہ کے بوسہ دینے کو جائز کہا۔ حافظ ابن تیمیہ اس سے حیران ہوئے کیونکہ یہ ان کے نزدیک جائز نہیں ہے۔

(فیض الباری ج ۳ ص ۹۶ مطبوعہ مطبع حجازی مصر)

امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

لا طیب یعدل تربا ضم اعظمہ　.　طوبی لمنتشق منہ وملتثم

ترجمہ: کوئی خوشبو اس تراب اطہر کا مقابلہ و برابری نہیں کر سکتی جو نبی کریم ﷺ کے اعضاء مبارکہ سے ملنے والی ہے، مبارک ہے اس کو سونگھنے والے کے لئے اور اس کو بوسہ دینے والے کے لئے۔

(خرپوتی علی البردۃ ص ۱۰۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

امام محمد بن حبان ابو حاتم تمیمی متوفی ۳۵۴ھ لکھتے ہیں۔

ابرهیم بن عبدالرحمن بن عبدالقاری یروی عن بن عمر روی عنه حمزة بن ابی جعفر من حدیث بن ابی ذویب قال رأیت بن عمر وضع یده علی مقعد النبی ﷺ من المنبر ثم وضعها علی وجهه۔

ترجمہ: ابراہیم بن عبدالرحمٰن بن عبدالقاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا کہ انہوں نے منبر نبوی کی وہ جگہ جہاں حضور ﷺ تشریف فرما ہوتے اسے اپنے ہاتھ سے چھویا اور پھر ہاتھ اپنے چہرہ پر مل لیا۔

(الثقات ج ۴ ص ۹ برقم ۱۶۰۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

روی ابن عمر واضعا یده علی مقعد النبی ﷺ من المنبر ثم وضعها علی وجهه وعن ابن قسیط والعتبی کان اصحاب النبی ﷺ اذا خلا المسجد حسو رمانة المنبر التی تلی القبر بمیامنهم ثم استقبلوا القبلة یدعون۔

ترجمہ: اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو دیکھا گیا اس حال میں کہ انہوں نے اپنا ہاتھ حضور ﷺ کے منبر مبارک پر بیٹھنے کی جگہ پر رکھا پھر اس ہاتھ کو اپنے چہرے پر رکھا (پھیرا) اور ابن قسیط اور عتبی سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے اصحاب، جب مسجد نبوی خالی ہوتی تو اس منبر کے رمانہ کو جو قبر شریف سے ملتا ہے اپنے دائیں ہاتھ سے چھوتے پھر قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتے۔

(شفاء شریف ج ۲ ص ۷۰ مطبوعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر)، (دلائل النبوۃ للبیہقی ج ۶ ص ۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبقات الکبریٰ ابن سعد ج ۱ ص ۲۵۴ مطبوعہ دار صادر بیروت)،

علامہ علی بن سلطان محمد القاری متوفی ۱۰۱۴ھ لکھتے ہیں۔

وقال بعض العلماء لا بأس بتقبیل قبر الوالدین۔

ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ والدین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔

(مرقاۃ المفاتیح ج ۴ ص ۱۱۵ مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان)

حاشیہ......☆

ملا نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولا بأس بتقبيل قبر والديه۔

ترجمہ: والدین کی قبروں کو بوسہ دینے میں کوئی حرج نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور وقراءۃ القرآن فی المقابر ج ۵ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

امام سلیمان بن عمر البجیرمی شافعی متوفی ۱۲۲۱ھ لکھتے ہیں۔

ان قصد بتقبيل اضرحتهم اى واعتابهم التبرك لم يكره۔

ترجمہ: اگر اولیاء کی قبور یا ان کے دروازوں کی چوکھٹ کو بطور تبرک چوما جائے تو اس میں کوئی کراہت نہیں۔

(حاشیہ البجیرمی علی شرح منہج الطلاب ج ۱ ص ۴۹۵۔۴۹۶ المکتبۃ الاسلامیۃ ترکی)

علامہ عبدالحمید شروانی شافعی متوفی ۱۳۰۱ھ لکھتے ہیں۔

ان قصد بتقبيل اضرحتهم التبرك لم يكره۔

ترجمہ: اولیاء کی قبور کو حصول برکت کے لئے چومنا مکروہ نہیں۔

(حواشی الشروانی علی تحفۃ المنہاج بشرح المنہاج ج ۳ ص ۱۷۵ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ذکر کشف قبور: جان کہ ذکر کشف قبور کے واسطے اول جب مقبرہ میں آئے، دوگانہ ان بزرگ کی روح کے واسطے پڑھے...... پھر قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھے...... بعدہ، قل کہے بعد فاتحہ کے گیارہ بار سورہ اخلاص پڑھے اور ختم کرے اور تکبیر کہے۔ بعدہ، سات دفعہ طواف کرے اور اس میں تکبیر پڑھے اور شروع دائیں طرف سے کرے پھر پاؤں کی طرف (قبر پر) رخسارہ رکھے اور نزدیک میت کے منہ کے بیٹھے......"

(انتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ مترجم ص ۹۹۔۱۰۰ مطبوعہ آرمی برقی پریس دہلی ۱۳۴۴ھ)

شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

امروز در حدیث دیدم که ابو ایوب صحابی جلیل القدر بر قبر آں حضرت (ﷺ) رو نهاده می گریستند پس ازیں دلیل مارا از متقشفین فقها که بنا بر بوسه قبر مادر پدر وپیرو مرشد منع می کردند نجات شد الحمدلله علی ذلك۔

(ملفوظات ص ۱۱۹ مطبوعہ در مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ)

مشارق الانوار میں ہے۔

ولا يقبل الاعتاب الا لقصد التبرك فلا باس به كما قال القطب الشعراني۔

ترجمہ: اور چوکھٹ وغیرہ تبرک کے ارادہ پر چوم سکتا ہے اس میں کوئی حرج نہیں ایسے ہی قطب شعرانی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔

(مشارق الانوار ص ۱۰۴ مطبوعہ مصر)

امام یوسف بن اسماعیل نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ونقل عن ابى الصيف والمحب الطبرى جواز تقبيل قبور الصالحين و عن اسمعيل اليمنى قال كان ابن المنكدر يصيبه الصمات فكان يقوم فيضع خده على قبر النبى ﷺ فعوتب فى ذلك فقال انه

حاشیہ.....☆

یستشفی بقبر النبی ﷺ۔

علاوہ ازیں ابن ابی الصیف اور محب طبری رحمہما اللہ تعالیٰ سے قبور صالحین کو بوسہ دینے کا جواز منقول ہے اسماعیل الیمنی سے منقول ہے کہ محمد بن المنکدر تابعی رحمۃ اللہ علیہ کو زبان میں بندش کا عارضہ لاحق ہو جاتا اور وہ بولنے سے قاصر و عاجز ہو جاتے تو آ کر نبی اکرم ﷺ کے مزار اقدس پر اپنا رخسار رکھ دیتے انہیں اس فعل کے ارتکاب پر عتاب کیا گیا تو انہوں نے فرمایا میں محبوب خدا ﷺ کے مزار اقدس سے اپنی بیماری سے شفاء یابی میں توسل حاصل کرتا ہوں۔

حضرت عارف کبیر سیدی شیخ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ العزیز نے ایک کتاب تالیف فرمائی ہے جس کا نام "جمع الاسرار فی منع الاشرار عن الطعن فی الصوفیۃ الاخیار" رکھا ہے اس میں انہوں نے مذاہب اربعہ کے مشاہیر علماء اعلام کے فتاویٰ نقل کئے ہیں جن میں سے ایک فتویٰ یہ ہے کہ جو کہ شیخ امام علامہ محمد شوبری مصری شافعی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔

استفتاء۔ کیا کرامات اولیاء ان کے وصال کے بعد بھی ثابت ہیں کیا ان کے تصرفات بعد از وصال منقطع ہوتے ہیں یا نہیں؟ اور آیا اولیاء کرام کے تابوتوں اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا جائز ہے یا نہیں؟

جواب: کرامات اولیاء بعد از وصال بھی ثابت ہیں اور ان کے تصرفات موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتے۔ ان کے ساتھ بارگاہ خداوندی میں توسل جائز ہے۔ اور انبیاء و مرسلین اور علماء و صالحین سے موت کے بعد بھی استغاثہ جائز ہے کیونکہ معجزات انبیاء اور کرامات اولیاء موت سے منقطع نہیں ہوتیں انبیاء کرام کے معجزات کا عدم انقطاع تو اس لیے ہے کہ وہ اپنی قبور میں زندہ ہیں نمازیں ادا کرتے ہیں اور حج کرتے ہیں جیسے کہ اخبار و احادیث اس پر شاہد ہیں اور بطور معجزہ اور فریادرسی پر قادر ہیں لیکن اولیاء کرام کے تصرفات اور فریادرسی تو یہ ان کی کرامت ہے اور شیخ شہاب رملی فرماتے ہیں بعد از وصال اولیاء کرام سے کرامات کا صدور مشاہدات کے قبیلہ سے ہے لہذا اس کا انکار ممکن نہیں ہے ہم بہر حال یہی عقیدہ رکھتے ہیں کہ ان کی کرامات بعد از وفات اسی طرح ثابت ہیں جس طرح حالت حیات ہیں اور موت کی وجہ سے منقطع نہیں ہوتیں۔

واما تقبیل توابیت الاولیاء واعتابهم فلا خلاف فی جوازه بل ولا کراهة فی تقبیل اعتابهم علی قصد التبرك کما افتی به شیخنا الرملی رحمه الله تعالیٰ۔

رہا اولیاء کرام کے تابوتوں اور ان کی چوکھٹوں کو بوسہ دینا تو اس کے جواز میں کسی طرح کا اختلاف نہیں ہے بلکہ بطور تبرک بوسہ دینے میں کراہت بھی نہیں ہے جیسے کہ شیخ رملی رحمۃ اللہ علیہ نے فتویٰ دیا ہے علامہ شوبری اس فتویٰ کے آخر میں فرماتے ہیں یہ امر بالکل ظاہر ہے اور محتاج دلیل نہیں ہے کیونکہ دلیل کی ضرورت صرف جاہل کو ہو سکتی ہے یا منکر یا معاوند کو جن کی طرف نہ التفات کیا جاتا ہے اور نہ ہی مباحث شرعیہ میں ان پر اعتماد کیا جاتا ہے۔

(شواھد الحق ص ۱۱۸ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

نیز یہی امام نبہانی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

نعم ان قصد بتقبیله التبرك لا یکره کما افتی به الوالد رحمه الله تعالی فقد صرحوا بانه اذا عجز عن استلام الحجر سن له ان یشیر بعصا وان یقبلها۔

قال شیخنا العدوی بعد هذا ولا مریة حینئذ ان تقبیل القبر الشریف لم یکن للتبرك فهو اولی من

حاشیہ......☆

جواز ذلك لقبور الاولياء عند قصد للتبرك۔

ترجمہ: البتہ اگر بوسہ دینے میں اصل مقصود تبرک واستفاضہ ہو تو اس میں حرج نہیں ہے جیسے کہ والد گرامی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے فتویٰ دیا ہے کیونکہ علمائے کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ اگر حجر اسود کو بوسہ دینے سے عاجز آ جائے تو چھڑی کے ساتھ اس کی طرف اشارہ کر کے اس کو بوسہ دے لے (تو اگر دور سے چھڑی کے ساتھ اشارہ کر لے پر چھڑی کا بوسہ ازرہ تبرک درست ہے تو اولیاء کاملین کے مزارات کا بطریق اولیٰ)

علامہ شیخ عدوی رحمۃ اللہ علیہ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ جب اولیاء کرام کے کا بوسہ بطور تبرک جائز ہے تو سید الانبیاء ﷺ کے مزار اقدس کا بوسہ خواہ بطور تبرک نہ بھی ہو لامحالہ جائز ہوگا۔

(شواھد الحق ص ۱۱۹ مطبوعہ مصطفیٰ البابی مصر)

امام تاج الدین سبکی رحمۃ اللہ علیہ کے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وفی دارالحدیث لطیف معنی　الی بسط لها اصبو واوی
عسی ادنی امس بحر وجهی　مکانا مسه قدم النواوی

ترجمہ: دارالحدیث اشرفیہ کے فرش میں ایک لطیف بات ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے شیفتگی ہے (میں اس کے فرش پر اپنا منہ اس لئے رگڑتا ہوں) کہ ممکن ہے کبھی میرا منہ اس مقام بھی پہونچ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں۔
(تھذیب الاسماء للنووی ج ۱ ص ۱۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حبیب الرحمٰن اعظمی دیوبندی لکھتے ہیں۔

تاج الدین سبکی نے لکھا ہے کہ میں ان کے فضل وکمال اور علو شان کی تفصیل میں جانے کے بجائے اپنے والد کے دو شعر لکھ دینا کافی سمجھتا ہوں۔ ان شعروں کا قصہ یہ ہے کہ جب ۷۴۲ھ میں دارالحدیث اشرفیہ کے ملحق مکانات میں میرے والد کی سکونت تھے اور وہ رات کو ایوان دارالحدیث میں تہجد پڑھنے جایا کرتے تھے تو دارالحدیث کے فرش پر اپنا منہ ملا کرتے تھے اور فرماتے تھے:

وفی دارالحدیث لطیف معنی　الی بسط لها اصبو واوی
عسی ادنی امس بحر وجهی　مکانا مسه قدم النواوی

حاصل ان شعروں کا یہ ہے کہ دارالحدیث اشرفیہ کے فرش میں ایک لطیف بات ہے جس کی وجہ سے مجھے اس سے شیفتگی ہے (میں اس کے فرش پر اپنا منہ اس لئے رگڑتا ہوں) کہ ممکن ہے کبھی میرا منہ اس مقام بھی پہونچ جائے جہاں امام نووی کے قدم پڑے ہیں۔
(مقدمہ شرح اربعین نووی ص ۱۴ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

یہاں پر ذرا سوچئے جہاں پر صرف امام نووی رحمۃ اللہ علیہ کے قدم آ گئے اس جگہ کا چومنا ایک بہت بڑی سعادت قرار پاتی ہیں تو جہاں خود امام نووی رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما ہیں اس قبر کا مبارک چومنا کیسے حرام یا مکروہ تحریمی ہو سکتا ہے؟

رئیس التحریر فیض احمد اویسی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔

مرقات شرح مشکوٰۃ میں ہے۔

حاشیہ......☆

قال بعض العلماء لاباس بتقبیل قبر الوالدین۔

ترجمہ: بعض علماء نے فرمایا کہ والدین کی قبروں کو بوسہ دینا جائز ہے۔

طوالع الانوار حاشیہ میں ہے۔

وتقبیل بغیر اسلحف کقبور الانبیاء ومن یتبرك بهم فللعلماء فیه کلام کرهته بعضهم واستحسنه بعضهم حتی ان اث فی اماجه۔

ترجمہ: مطلقاً مصحف کے علاوہ دوسری چیزوں کو جیسے انبیاء علیہم السلام کے مزارات کو چومنے میں علماء کو اختلاف ہے بعض نے مکروہ کہا بعض نے مستحسن یہاں تک کہ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے مطلقاً مباح بتایا ہے۔

علمائے اربعہ کا فتوی عدم کراہت پر ہے۔

(فتاوی نظامیہ ج ۴ ص ۱۸۶)

عمدۃ القاری شرح بخاری ص ۶۰۷ میں ہے۔

داما تقبیل الا ما کن الشریفۃ علی قصد التبرك۔

ترجمہ: مبارک جگہوں کا بوسہ اچھا ہے۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ سے حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے مزار اور دیگر مزارات کے چومنے کا سوال ہوا تو فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔
(خلاصہ الوفاء محبوب مدینہ ص ۴۶)

امام عینی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک بزرگ کو لکھا:

واذ رای قبور الصالحین قبلها۔

ترجمہ: جب بزرگ کے مزارات دیکھے تو انہیں چومے۔

(مزارات کو چومنا ص ۷۔۸ مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی)

صدر الافاضل فخر الاماثل محمد نعیم الدین مرادآبادی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

یہ روایت مخالفین کے مقبول و مسلم پیشوا مولوی عبدالحئی صاحب کے والد ماجد مولوی عبدالحلیم صاحب فرنگی محلی نے لکھی اس سے صاف نتیجہ نکلتا ہے کہ قبروں کا چومنا جائز، اور قبر موجود نہ ہو تو ایک خط کو قبر فرض کر کے اس کا احترام کرنا بھی صاحب قبر کا احترام ہے۔
(فتاوی صدر الافاضل ص ۲۱۲ مطبوعہ مکتبہ غوثیہ کراچی)

شیخ الاسلام علامہ محمد قمر الدین سیالوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے جواز پر پورا ایک رسالہ بنام "تنویر الابصار بتقبیل المزار" لکھا ہے۔

اس میں فرماتے ہیں:

وتعزروه وتوقروه۔

اے اہل ایمان! تم میرے پیارے حبیب کی تعظیم کرو اور دل کی اتھاہ گہرائیوں سے ان کا احترام کرو۔ (پ ۲۶۔ رکوع نمبر ۹)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں آپ کی تعظیم و توقیر کا مطلق حکم فرمایا۔ اصول کے مطابق تعزیر (تعظیم) جب کسی خاص رکن کے ساتھ مقید نہ ہو یا کسی خاص عمل کے ساتھ مختص نہ ہو۔ اس وقت تک اس کے حکم کا اطلاق عموم پر ہوگا۔ اور تمام افراد پر محیط ہوگا۔ لہذا اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا فرمان سے جو بھی مراد لیا جائے وہ آپ کے در اقدس کو بوسہ دینے یا آپ ﷺ کی دہلیز مبارک کو چومنے کے منافی نہیں ہے۔ یہ چیز ہر ذی علم فہم اور ذی عقل پر اچھی طرح عیاں ہے کہ چومنے کے فعل کو سجدہ کی تعریف میں شامل نہیں کر سکتے۔ ورنہ ہر رکعت کے

حاشیہ.....☆

آخر میں حالت سجدہ میں زمین کوصرف دوبار چومنے سے ہی نماز جائز ہو جاتی اور پیشانی زمین پر رکھنے کی ضرورت ہی نہ رہتی۔ حجر اسود کو بوسہ دینا اس دعویٰ کی روشن دلیل ہے پس اچھی طرح یہ مسئلہ سمجھ لے اور غافلوں میں سے مت بن۔
(تنویر الابصار بتقبیل الحجر ارص ۲۴۔۲۵ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی)

ابوالبرکات سید محمد فضل شاہ قدس سرہ العزیز اس کتاب کے تقریظ میں لکھتے ہیں۔
وہ حدیث پاک جسے امام ہمام حضرت احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی مسند میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں روایت کیا ہے۔ وہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے مزارات کو بوسہ دینے سے منع کرنے والوں کے خلاف ایک دلیل قاطع اور برہان ساطع ہے۔ اس سے یہ حقیقت نکھر کر سامنے آگئی ہے کہ یہ مستحسن فعل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا معمول رہا ہے۔ پس اس گمراہ اور باطل فرقہ کی توحید صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی توحید سے ہرگز اعلیٰ وارفع نہیں ہو سکتی۔
(تنویر الابصار بتقبیل الحجر ارص ۲۶ مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز کراچی)

مفتی اعظم صوبہ سرحد مفتی شائستہ گل قادری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کے جواز پر ایک پورا رسالہ بنام "تکبیل القبر والاعتاب للتبرک" لکھا ہے۔ جو کہ المقاصد السنہ میں ص ۴۴۳ تا ۴۵۲ (مطبوعہ دارالعلوم قادریہ سبحانیہ شاہ فیصل کالونی کراچی) میں موجود ہے۔
آخر میں ہم امام اہل سنت شیخ الاسلام والمسلمین اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان بریلوی رضی اللہ عنہ کا صحیح قول پیش کرتے ہیں۔ کیونکہ بعض نام کے سنی اعلیٰ رضی اللہ عنہ پر بہتان باندھ کر یہ ثابت کرتے ہیں کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ کے نزدیک بھی مزارات کو چومنا مکروہ تحریمی ہے۔ حالانکہ امام اہل سنت رضی اللہ عنہ کا مسلک یہ ہے کہ احتیاط اس میں ہے کہ عوام نہ چومے یعنی بہتر یہ ہے نہ کہ حرام ومکروہ تحریمی۔ جیسا کہ بعض لوگ یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ حرام ومکروہ تحریمی ہے جو کہ اعلیٰ حضرت رضی اللہ عنہ پر عظیم بہتان ہے۔

فتویٰ امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ

رئیس التحریر فیض احمد اویسی مدظلہ العالی لکھتے ہیں۔
فقیر کے سامنے اس وقت ایک اشتہار ہے پیلی بھیت انڈیا سے شائع کیا گیا ہے مزارات چومنے کے بارے میں مفصل فتویٰ ہے جس کا عنوان یہ ہے کہ مزارات اولیائے کرام کے چومنے کو کفر یا شرک کہنا وہابیوں دیوبندیوں کا طریقہ ہے اور مزارات بزرگان دین کے بوسے کو ما تفاق واجماع فقہا ناجائز سمجھنا سنیوں کی نادانی ہے۔ ملاحظہ ہو فتوائے مبارکہ کہ حضور پرنور امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مجدد اعظم دین ملت رضی اللہ عنہ یہ عنوان دے کر لکھا گیا ہے کہ فتوائے تقبیل مزار ولی حضرت مولینا مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی دام ظلہ العالی۔
فائدہ آخر میں لفظ (مدظلہ العالی) کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ یہ اشتہار امام اہل سنت شاہ احمد رضان فاضل بریلوی قدس سرہ کی زندگی مبارک میں شائع ہوا ہوگا۔ (یہ اشتہار فقیر کے پاس محفوظ ہے)
اب اصل مضمون ملاحظہ فرمائیں:
فی الواقع بوسہ قبر میں علماء مختلف ہیں اور تحقیق یہ ہے کہ ایک امر ہے دو چیزوں داعی و مانع کے درمیان دائرہ داعی محبت ہے اور مانع ادب تو جسے غلبہ محبت ہو اس پر مواخذہ نہیں کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ثابت ہے اور عوام کے لیے منع ہے احوط ہے ہمارے علماء تصریح فرماتے ہیں کہ مزارات اکابر سے کم از کم چار ہاتھ کے فاصلے سے کھڑا ہو پھر تقبیل کی کیا سبیل عالم مدینہ علامہ سید نورالدین سمہودی قدس

حاشیہ......☆

سرہ خلاصۃ الوفا شریف میں جدار مزار کے مس وتقبیل وطواف سے ممانعت کے اقوال نقل فرماتے ہیں:

وفی کتاب العلل والسئوالات لعبدالله بن احمد بن حنبل سالت ابی عن الرجل یمس منبر النبی ﷺ تبرك بمسه وتقبیله ویفعل بالقبر مثل ذلك جاء ثواب الله تعالی فقال لا باس به۔

امام عبداللہ بن احمد نے جو سوالات اپنے والد گرامی سے کیے ان میں کہا کہ میں نے اپنے والد گرامی رحمۃ اللہ علیہ سے اس شخص کے متعلق پوچھا کہ جو منبر نبی ﷺ کو مس کرتا ہے اور اس کو مس کر کے برکت حاصل کرتا ہے اور اسے چومتا ہے اور قبر انور کے ساتھ بھی ثواب کی امید پر یہی معاملہ کرتا ہے۔ تو آپ (امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ) نے جواباً فرمایا اس میں کوئی حرج نہیں۔

امام اجل تقی الملک والدین علی بن عبد الکافی سبکی قدس سرہ الملکی شفاء السقام پھر سید نور الدین خلاصۃ الوفا میں براویہ یحییٰ بن الحسن عن عمر بن خالد عن ابی نباتہ عن کثیر بن یزید عن المطلب بن عبداللہ بن حطب ذکر فرماتے ہیں کہ مروان نے ایک صاحب کو دیکھا کہ مزار اعطر سید اطہر ﷺ سے لپٹے ہوئے ہیں اور قبر شریف پر اپنا منہ رکھے ہیں مروان نے ان کی گردن پکڑ کر کہا جانتے ہو یہ کیا کر رہے ہو۔ انہوں نے اس کی طرف منہ کیا اور فرمایا:

نعم انی لم آت الحجر انما جئت رسول الله ﷺ۔

ہاں میں سنگدل کے پاس نہیں آیا میں تو رسول اللہ ﷺ کے حضور حاضر ہوا ہوں میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا۔

لا تبکوا علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علی الدین اذا ولیه غیر اهله۔

دین پر نہ روؤ جب اس کا ولی اہل ہو ہاں دین پر روؤ جب نا اہل اس کا ولی ہو سید قدس سرہ فرماتے ہیں رواہ احمد حسن امام احمد نے یہ حدیث بسند حسن روایت فرمائی نیز فرماتے ہیں۔

روی ابن عساکر سند جید عن ابی الدرداء رضی الله عنه ان بلالاً رأی النبی فی منامه وهو یقول ما هذه الجفوة یا بلال اما آن لك ان تزورنی فانتبه حزینا ورکب راحلته وقصد المدینة فاتی قبر النبی ﷺ فجعل یبکی عنده ویمرغ وجهه علیه۔

یعنی ابن عساکر نے بسند صحیح ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت کیا کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو (شام میں) خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا اے بلال یہ جفا ہے کیا وہ وقت نہیں آیا کہ ہماری زیارت کو حاضر ہو؟ تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ غمگین ڈرتے ہوئے جاگے اور اپنی سواری پر سوار ہوئے نبی کریم ﷺ کی قبر انور کی زیارت کے قصد کے ساتھ تو جب نبی کریم ﷺ کی قبر انور پر حاضر ہوئے تو رونا شروع کر دیا اور اپنا چہرہ قبر انور پر ملنے لگے۔

امام حافظ عبدالغنی وغیرہ اکابر فرماتے ہیں۔

ابس الاعتماد فی السفر للزیارة علی مجرد منامه بل علی فعله ذلك والصحابة متوفرون ولم تحفه علیهم القله۔

یعنی زیارت اقدس کے لیے شد الرحال کرنے میں ہم فقط خواب پر اعتماد نہیں کرتے بلکہ اس پر کہ بلال رضی اللہ عنہ نے یہ کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بکثرت موجود تھے اور انہیں معلوم ہوا اور کسی نے اس پر انکار نہیں فرمایا۔ عالم مدینہ فرماتے ہیں۔

ذکر الخطیب بن حملة ان بلالاً رضی الله عنه وضع خدیه علی القبر الشریف وان ابن عمر رضی الله عنهما کان یصنع یده الیمنی علیه ثمه قال ولا شك ان الاستغراق فی المحبة یعمل علی الازن فی

حاشیہ......☆

ذلك والقصد به التعظيم والناس تختلف مراتبهم كما في الحيوة فمنهم من لا يملك نفسه بل يبادر اليه ومنهم من فيه اناة فيتا خراه وتقل عن ابن ابى الصيف والمحب الطبرى جواز تقبيل قبور الصالحين وعن اسماعيل التيمى قال كان ابن المكندر ريصيبه الصمات فكان يقوم فيصنع خده على قبر النبى ﷺ فعوتب فى ذلك فقال اليه يستشفي بقبر النبى ﷺ۔

ترجمہ: یعنی خطیب بن حملہ رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا کہ بلال رضی اللہ عنہ نے قبر انور پر اپنے دونوں رخسارے رکھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا داہنا ہاتھ اس پر رکھتے پھر کہا شک نہیں کہ محبت میں استغراق اس میں اذن پر باعث ہوتا ہے اور اس سے مقصود تعظیم ہے اور لوگوں کے مرتبے مختلف ہیں جیسے زندگی میں تو کوئی بے اختیار نہ اس کی طرف سبقت کرتا ہے اور کسی میں تحمل ہے وہ پیچھے رہتا ہے اور ابن ابی الصیف اور امام محب طبری رحمہما اللہ سے نقل کیا کہ مزارات اولیاء کو بوسہ دینا جائز ہے اور اسمعیل تیمی رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا کہ ابن المنذر تابعی کو ایک مرض لاحق ہوتا کہ کلام میں دشوار ہو جاتا وہ کھڑے ہوتے اور اپنا رخسار قبر انور ﷺ پر رکھتے کسی نے اس پر اعتراض کیا فرمایا میں نبی کریم ﷺ کے مزار اقدس سے شفا حاصل کرتا ہوں۔

علامہ شیخ عبدالقادر فاکہی مکی رحمۃ اللہ علیہ کتاب مستطاب حسن التوسل فی زیارۃ افضل الرسل میں فرماتے ہیں۔

تمريغ الوجه والخدو اللحية بتراب الحفرة الشريفة واعتابها فى زمن الخلوة المامون فيها توهم عامى مخدور اشرعيا بسببة امر محبوب حسن الطلابها وامره لاباس به فيما يظهر لكن لم كان له فى ذلك قصد صالح وجمله عليه فرط الشوق والحب الطافح۔

یعنی خلوت میں جہاں اس کا اندیشہ نہ ہو کہ کسی جاہل کا وہم اس کے سبب کسی ناجائز شرعی کی جانب جائے گا ایسے وقت بارگاہ اقدس کی مٹی اور آستانہ پر اپنا منہ اور رخسارہ اور داڑھی رگڑنا مستحب در مستحق ثواب ہے جس میں کوئی حرج معلوم نہیں مگر اس کے لیے جس کی نیت اچھی ہو اور افراط شوق اور غلبہ محبت اسے اس پر باعث ہو پھر فرماتے ہیں۔

علاانى اتحفك بامر يلوح لك منه المعنى بان الشيخ لامام سبكى وضع خروجه على بساط دار الحديث التى مسها قدم النووى لينال بركة قدمه ونيوه بمزيد عظيمته كما اشار الى ذلك بقوله وفى دار الحديث لطيف معنى الى بسط له اصبو وادى لعلى ان اقال بحروجهى مكانا مسه قدم النواوى وبان شيخنا تاج العارفين امام السنته خاتمة المجتهدين كان يمرغ وجهه ولحيته على عتبة البيت الحرام بحجر اسماعيل۔

یعنی علاوہ بریں میں تجھے یہاں ایک ایسا تحفہ دیتا ہوں جس سے معنی تجھ پر ظاہر ہو جائیں وہ یہ کہ امام اجل تقی الملۃ والدین سبکی دار الحدیث کے اس بچھونے پر جس پر امام نووی قدس سرہ العزیز قدم مبارک رکھتے تھے ان کے قدم کی برکت لینے اور ان کی زیارت تعظیم کے شہرہ دینے کو اپنا چہرہ اس پر ملا کرتے تھے جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ دار الحدیث میں ایک لطیف معنی ہیں جن کے ظاہر کرنے کا مجھے عشق ہے کہ شاید میرا چہرہ پہنچ جائے اس جگہ پر جس کو قدم نووی نے چھوا تھا اور ہمارے شیخ تاج العارفین امام سنت خاتمۃ المجتہدین آستانہ بیت الحرام میں حطیم شریف پر جہاں سیدنا اسماعیل علیہ السلام کا مزار کریم ہے اپنا چہرہ اور داڑھی ملا کرتے تھے۔ بالجملہ یہ کوئی امر ایسا نہیں جس پر انکار واجب کہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم اور اجلہ ائمہ رحمہم اللہ تعالیٰ سے ثابت ہے تو اس پر شورش کوئی وجہ نہیں اگر چہ ہمارے نزدیک عوام کو اس سے بچنے ہی میں احتیاط ہے امام علامہ عبدالغنی نابلسی قدس سرہ القدسی حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں فرماتے ہیں۔

المسئلة متى اسكن ليخرجها على قول من الاقوال فى مذهبنا او مذهب غيرنا فليست بمنكر

حاشیہ.....☆

یحب انکار والنھی عنه وانما المنکر ما وقع الاجماع علی حرمته والنھی عنه واللہ تعالیٰ اعلم۔

کتبه

عبدہ المذنب احمد رضا البریلوی عفی عنه

بمحمدن المصطفی النبی الامی صلی اللہ علیہ وسلم

مرتب حضرت مولانا مفتی محمد اصغر علی صاحب حشمتی صدر مدرس دار العلوم حشمت الرضا پیلی بھیت شریف

جاری کردہ عطاء الحشمت حشمتی مدرس شعبہ تجوید دار العلوم حشمت الرضا حشمت نگر پیلی بھیت شریف یو پی۔

(نوٹ) حسب عادت امام احمد رضا محدث بریلوی قدس سرہ کے اس فتویٰ پر بھی حاشیہ لگایا گیا ہے جو اس فتویٰ مبارکہ کا نشان احوط کے لفظ پر ہے اسی احوط کے پر لکھا ہے: **احوط**

ما ھو خلاف الاحوط والاحتیاط لیس حراما ولا مکروہ تحریما کما مقابل الاصح والارجح بحرام بل ھو صحیح وراجح والعمل علیه جائز ولا یخفی علی اھل العلم فمن شاء التحقیق فلیرجع الی الشامی والقول انه من عادات النصاری فله اجوبة منھا ان کل عادة لا تکون شعارك وما فعل سیدنا بلال رضی اللہ عنه وارضاہ عنا فی الدارین عنه الصحابة رضوان اللہ تعالیٰ علیھم کیف یکون من عاداتھم بان یکون شعارا الیھم وھم اعلم منا بشعارھم وعاداتھم وما فعل المشایخ والعرفاء وامر واتباعھم کیف یکون حراما قطعا۔

وسیدنا اعلحضرة المجدد الاعظیم اذا رجع من المدینة المنورہ الی الاجمیر المقدسه حضر ثم خرج بعد الفاتحه ولم یقبل تربته قدس سرہ فسمع ما سمع من قائل فرجع ودخل وقبل وقال ھذا صوت مجلس السلطان ھذہ الواقعة بین مخدومنا مولینا السید حسین علی الرضوی وکیل الجاؤرة۔

ترجمہ: وہ جو احوط کے خلاف ہو وہ نہ حرام ہے اور نہ مکروہ تحریمی جیسا کہ اصح وراجح کا مقابل حرام نہیں بلکہ وہ صحیح وراجح اور اس پر عمل جائز ہے اور یہ اہل علم پر مخفی نہیں جو اس کی تحقیق مزید چاہتا ہے اس شامی کی طرف رجوع کرنا چاہیے اور یہ قول کہ یہ نصاریٰ کی عادات سے ہے تو اس کے کیا ہو وہ نصاریٰ کا شعار کیسے ہوسکتا ہے حالانکہ صحابہ کرام نصاریٰ کے شعار کو ہم سے زیادہ جانتے وہ کیسے نصاریٰ کا شعار ہو جائے گا تو یہ فعل قطعاً حرام نہ ہوا۔ (بلکہ مباح ہوا)

امام احمد رضا فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ جب مدینہ منورہ سے واپس آئے تو اجمیر شریف حضور غریب نواز رضی اللہ عنہ کے مزار کی حاضری دی آپ نے فاتحہ شریف پڑھ کر مزار کو چومے بغیر باہر آ گئے پس سنا جو کچھ سنا جو کہنے والا کہہ رہا تھا اسی لیے پھر لوٹ کر مزار شریف داخل ہو کر مزار شریف کو چوم کر فرمایا کہ یہ مجلس سلطان کی آواز تھی اسی لیے چوم رہا ہوں۔

یہ واقعہ سید حسن علی رضوی وکیل مجاورہ نے بیان فرمایا۔

(مزارات کو چومنا ص ۲۰ تا ۲۷ مطبوعہ مکتبہ فیضان مدینہ کراچی)

☆............☆

ان احادیث ومحدثین وعلماء کی عبارات سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے ہاتھ پاؤں اوران کے لباس نعلین ۔بال غرضکہ سارے تبرکات اسی طرح کعبہ معظمہ،قرآن شریف کتب احادیث کے اوراق کا چومنا جائز اور باعث برکت ہے بلکہ بزرگان دین کے بال ولباس وجمیع تبرکات کی تعظیم کرنا ان سے لڑائی وغیرہ مصائب میں امداد حاصل کرنا ۔قرآن سے ثابت ہے۔قرآن فرماتا ہے۔

قال لهم نبيهم ان اية ملكه ان ياتيكم التابوت فيه سكينة من ربكم وبقيته مما ترك ال موسى وال هرون تحمله الملئكةان في ذلك الأية لكم ان كنتم مومنين۔

(تفسیر نور العرفان سورۃ البقرۃ پارہ۲ آیت نمبر ۲۴۸ ص ۳۹ مطبوعہ نعیمی کتب خانہ گجرات)

بنی اسرائیل سے ان کے نبی نے فرمایا کہ طالوت کی بادشاہی کی نشانی یہ ہے کہ تمہارے پاس ایک تابوت آوے گا۔جس میں تمہارے رب کی طرف سے دلوں کو چین ہے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں معزز موسیٰ اور معزز ھارون کے ترکہ کی کہ اٹھائے ہوں گے اس کو فرشتہ اس آیت کی تفسیر میں تفسیر خازن وروح البیان وتفسیر مدارک اور جلالین وغیرہم نے لکھا ہے کہ تابوت ایک شمشاد کی لکڑی کا صندوق تھا جس میں انبیاء کی تصاویر (یہ تصاویر کسی انسان نے نہ بنائی تھیں بلکہ قدرتی تھیں) ان کے مکانات شریفہ کے نقشے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصاء ان کے کپڑے اور آپ کے نعلین شریف اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عصا اوران کا عمامہ وغیرہ تھا۔

بنی اسرائیل جب دشمن سے جنگ کرتے تو برکت کے لئے اس کو سامنے رکھتے۔جب خدا سے دعا کرتے تو اس کو سامنے رکھ کر دعا کرتے تھے۔بخوبی ثابت ہوا کہ بزرگان دین کے تبرکات سے فیض لینا۔ان کی عظمت کرنا طریقہ انبیاء ہے۔تفسیر خازن ومدارک وروح البیان وکبیر سورہ یوسف پارہ۱۲ ازیر آیت فلما ذهبوا به (پارہ۱۲سورہ۱۲آیت نمبر۱۵) کہ جب یعقوب علیہ السلام نے یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں کے ساتھ بھیجا تو ان کے گلے میں ابراہیم علیہ السلام کی قمیص تعویذ بنا کر ڈال دی تاکہ محفوظ رہیں۔

سارے پانی رب نے پیدا کئے ہیں۔مگر آپ زمزم کی تعظیم اس لئے ہے کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کے قدم شریف سے پیدا ہوا۔مقام ابراہیم پتھر کو حضرت ابراہیم نے نسبت ہوئی تو اس کی عزت یہاں تک بڑھ گئی کہ رب تعالیٰ نے فرمایا۔ واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (پارہ۱سورہ۲آیت نمبر۱۲۵) سب کے سر ادھر جھکا دیئے مکہ معظمہ کو حضور علیہ السلام سے نسبت ہوئی۔تو رب تعالیٰ نے اس کی قسم فرمائی۔ لا اقسم بهذا البلد وانت حل بهذا البلد (پارہ۳۰سورہ۹۰آیت نمبر۱۔۲) نیز فرمایا وهذا البلد الامين (پارہ ۳۰سورہ۹۵آیت نمبر۳) ایوب علیہ السلام سے فرمایا۔ اركض برجلك هذا مغتسل بارد شراب (پارہ۲۳سورہ۳۸آیت نمبر ۴۲) ایوب علیہ السلام کے پاؤں سے جو پانی پیدا ہوا وہ شفا بنا۔معلوم ہوا کہ نبی کے پاؤں کا دھوون عظمت والا اور شفاء ہے۔مشکوۃ شروع کتاب اللباس میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس حضور علیہ السلام کا جبہ (اچکن) شریف تھا۔اور مدینہ طیبہ میں میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ وہ دھو کر اس کو پلاتی تھیں۔

(صحیح مسلم کتاب اللباس ج۳ص۱۶۴۱رقم الحدیث۲۰۶۹مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)،(سنن ابوداؤد کتاب اللباس ج۴ص۴۹رقم الحدیث۴۰۵۴مطبوعہ دارالفکر بیروت)،(مسند احمد ج۶ص۳۴۷رقم الحدیث۲۶۹۸۷مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)،(سنن الکبری للبیہقی ج۲ص۴۲۳رقم الحدیث۴۰۱۰مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)،(طبرانی کبیر ج۲۴ص۹۸رقم الحدیث۲۶۴مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)،(شعب الایمان ج۵ص۱۴۱رقم الحدیث۶۱۰۸مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)،(طبقات ابن سعد ج۱ص۴۵۴مطبوعہ دارصادر بیروت)

حاشیہ......☆

(وبقية مما ترك ال موسىٰ وال هرون) يعنى موسىٰ وهارون نفسهما كان فيه لوحان من التوراة ورضاض الالواح التى تكسرت وكان فيه عصا موسىٰ ونعلاه وعمامة هارون وعصاه وقفيز من المن الذى كان ينزل على بنى اسرائيل۔

اسی مشکوۃ کتاب الاطعمہ باب الاشربہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام حضرت کبشہ رضی اللہ عنہا کے مکان پر تشریف فرما ہوئے اور ان کے مشکیزے سے منہ مبارک لگا کر پانی پیا۔انہوں نے برکت کے لئے مشکیزہ کا منہ کاٹ کر رکھ لیا۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الاشربہ ج ۲ ص ۱۱۳۲ رقم الحدیث ۳۴۲۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الجامع الصحیح للترمذی ابواب الاشربہ ج ۴ ص ۳۰۶ رقم الحدیث ۱۸۹۲ مطبوعہ دار الغرب الاسلامی بیروت)، (صحیح ابن حبان ج ۱۲ ص ۱۳۸ رقم الحدیث ۵۳۱۸ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)، (مسند حمیدی ج ۱ ص ۱۷۲ رقم الحدیث ۳۵۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۲۵ ص ۱۵ رقم الحدیث ۸ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)

اسی مشکوۃ کتاب الصلوۃ باب المساجد فصل ثانی میں ہے کہ ایک جماعت حضور علیہ السلام کے دست اقدس پر مشرف بہ اسلام ہوئی اور عرض کیا کہ ہمارے ملک میں بیعہ (یہودیوں کا عبادت خانہ) ہے ہم چاہتے ہیں کہ اس کو توڑ کر مسجد بنالیں۔حضور علیہ السلام نے ایک برتن میں پانی لے کر اس میں کلی فرمادی اور فرمایا کہ اس بیعہ کو توڑ دو اور اس پانی کو یہاں زمین پر چھڑک دو اور اس کو مسجد بنالو۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الصلوۃ باب المساجد الفصل ثانی ص ۶۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ حضور کا لعاب شریف کفر کی گندگی کو دور فرماتا ہے۔حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اپنی ٹوپی شریف میں حضور علیہ السلام کا ایک بال شریف رکھتے تھے۔اور جنگ میں وہ ٹوپی ضرور آپ کے سر مبارک پر ہوتی تھی۔

(الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ ج ۲ ص ۶۱۹ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (عمدۃ القاری شرح صحیح البخاری ج ۳ ص ۳۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

حاشیہ.....☆

ترجمہ: (وبقیۃ مما ترک ال موسیٰ وال ھرون) آل سے مراد حضرت موسیٰ وہارون علیہما السلام کے تبرکات ہیں اس میں تورات کی دو مکمل تختیاں اور کچھ ان تختیوں کے کوٹے ہوئے ٹکڑے تھے اسی طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا اور نعلین اور حضرت ہارون علیہ السلام کا عمامہ اور عصا اور (جنت کا کھانا) من جو بنی اسرائیل پر نازل ہوتا تھا اس کا ٹکڑا بھی اس میں شامل تھا۔

(تفسیر معالم التنزیل ج ۱ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

امام ابو اللیث نصر بن محمد سمرقندی متوفی ۳۷۵ھ لکھتے ہیں۔

وعصا موسی وعمامۃ هارون۔

(تفسیر السمرقندی ص ۱۶۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو البرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں۔

ونعلا موسی وعمامۃ هارون علیهما السلام۔

(تفسیر مدارک التنزیل ج ۱ ص ۱۳۹ مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنۃ پشاور)

(تفسیر جلالین میں ہے) وھی نعلا موسیٰ وعصاہ وعمامۃ هارون۔

(تفسیر جلالین ص ۳۷ مطبوعہ دار ابن کثیر بیروت)

امام عبداللہ محمد بن عمر الواقدی متوفی ۲۰۷ھ لکھتے ہیں۔

وقد اتیتك بالقلنسوۃ المبارکۃ التی تنصر بها علی اعدائك۔

ترجمہ: میں آپ کے پاس مبارک ٹوپی لایا جس کے وسیلے سے دشمن پر مدد طلب کی جاتی ہے۔

(فتوح الشام جلد یحارب خالد ج ۱ ص ۱۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام محمد بن عبداللہ ابو عبداللہ الحاکم نیشاپوری متوفی ۴۰۵ھ لکھتے ہیں۔

فسبقتهم الی ناصیته فجعلتها فی هذه قلنسوۃ فلم اهد قتالاً وهی معی الارزقت النصر۔

ترجمہ: یعنی میں نے بھی آپ کی پیشانی مبارک کا ایک بال حاصل کر کے اپنی ٹوپی میں محفوظ کر لیا۔

(مستدرک للحاکم ج ۳ ص ۲۹۹ مطبوعہ بیروت)

مشکوۃ باب الستر ۃ میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے وضوفرمایا تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے وضو کا پانی لے لیا اور لوگ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی طرف دوڑتے۔ جس کو اس غسالہ شریف کی تری مل گئی اس نے اپنے منہ پر مل لی اور جسے نہ ملی۔ اس نے کسی دوسرے کے ہاتھ سے تری لے کر منہ پر ہاتھ پھیر لیا۔

(مشکوۃ المصابیح باب السترۃ الفصل الاول ص ۶۳۔۶۲ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ بزرگان دین کی استعمال چیزوں سے برکت حاصل کرنا سنت صحابہ ہے۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں۔ عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

ان قبل يد عالم او سلطن عادل بعلمه وعدله لاباس به۔

ترجمہ: اگر عالم یا عادل بادشاہ کے ہاتھ چومے ان کے علم وعدل کی وجہ سے تو اس میں حرج نہیں۔

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب زیارۃ القبور میں ہے۔

لاباس بتقبيل قبر والديه كذا في الغرائب۔

ترجمہ: اپنے ماں باپ کی قبروں کو چومنے میں حرج نہیں۔

(فتاوی عالمگیری الباب السادس عشر فی زیارۃ القبور وقرأۃ القرآن فی المقابر ج ۵ ص ۳۵۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک میں ہے۔

ان التقبيل على خمسة اوجه قبلة الرحمة كقبلة الوالد ولده وقبلة التحية كقبلة المومنين بعضهم لبعض وقبلة الشفقة كقبلة الولد بوالديه وقبلة المودة كقبلة الرجل اخاه وقبلة الشهوة كقبلة الرجل امراته وزاد بعضهم قبلة الديانة وهي قبلة الحجر الاسود۔

ترجمہ: بوسہ لینا پانچ طرح کا ہے رحمت کا بوسہ جیسے کہ باپ اپنے فرزند کو چومے۔ ملاقات کا بوسہ جیسے کہ بعض مسلمان بعض کو بوسہ دیں۔ شفقت کا بوسہ جیسے کہ فرزند اپنے ماں باپ کو بوسہ دے دوستی کا بوسہ جیسے کہ شوہر اپنی بیوی کا بوسہ لے۔ بعض نے زیادہ کیا دین داری کا بوسہ اور وہ سنگ اسود کا چومنا ہے۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب ملاقات الملوک ج ۵ ص ۳۶۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار جلد پنجم کتاب الکراہیت آخر باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

ولاباس بتقبيل يد العالم والسلطن العادل۔

ترجمہ: عالم اور عادل بادشاہ کے ہاتھ چومنے میں حرج نہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس جگہ شامی نے حاکم کی ایک حدیث نقل کی جس کے آخر میں ہے۔

قال ثم اذن له فقبل راسه ورجليه وقال لو كنت امرا احد يسجد لاحد لامرت المراة ان تسجد لزوجها وقال صحيح الاسناد۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے اس شخص کو اجازت دی اس نے آپ کے سر اور پاؤں مبارک پر بوسہ دیا۔ اور حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر ہم کسی کو سجدے کا حکم دیتے تو عورت کو حکم دیتے کہ شوہر کو سجدہ کرے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

درمختار نے اسی جگہ پانچ قسم کا بیان کیا مثل عالمگیری کے اتنا اور زیادہ کیا۔

قبلة الديانه للحجر الاسود وتقبيل عتبة الكعبة تقبيل المصحف قيل بدعة لكن روى عن عمر انه كان ياخذ المصحف كل غداوة ويقبله واما تقبيل الخبز فجوز الشافعية انه بدعة مباحة و قيل حسنة ملخصاً۔

ترجمہ: ایک بوسہ دینداری کا ہے وہ حجر اسود کا بوسہ کعبہ شریف کی چوکھٹ کا بوسہ ہے قرآن پاک کو چومنا بعض لوگوں نے بدعت کہا ہے مگر عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ہر صبح کو قرآن پاک ہاتھ میں لے کر چومتے تھے اور روٹی کا چومنا اس کو شافعی نے جائز فرمایا کہ یہ بدعت جائز ہے بعض نے کہا کہ بدعت حسنہ ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

نیز رب تعالیٰ فرماتا ہے واتخذوا من مقام ابراهيم مصلى (پارہ ا سورہ ۲ آیت نمبر ۱۲۵) مقام ابراہیم وہ پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت خلیل علیہ السلام نے کعبہ کی تعمیر کی ان کے قدم پاک کی برکت سے اس پتھر کا یہ درجہ ہوا کہ دنیا بھر کے حاجی اس کی طرف سر جھکانے لگے۔ ان عبارات سے معلوم ہوا کہ بوسے چند طرح کے ہیں اور متبرک چیزوں کو بوسہ دینا دینداری کی علامت ہے، یہاں تک تو اقوال موافقین کا ذکر ہوا۔ مخالفین کے سردار جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی فتاویٰ رشیدیہ جلد کتاب الحظر والاباحہ صفحہ ۵۴ پر فرماتے ہیں تعظیم دیندار کو کھڑا ہونا درست ہے اور پاؤں چومنا ایسے ہی شخص کا بھی درست ہے حدیث سے ثابت ہے۔ فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اس کے متعلق اور بھی احادیث و فقہی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں۔ مگر اس قدر پر کفایت کی جاتی ہے۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات و جواب میں

بزرگوں کے ہاتھ پاؤں چومنے اور تبرکات کی تعظیم پر مخالفین کے پاس حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس کے سوا اور نہ مل سکیں گے۔

اعتراض (۱)......: فقہاء فرماتے ہیں کہ علماء کے سامنے زمین چومنا حرام ہے نیز جھک کر تعظیم کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رکوع کے مشابہ ہے اور جس طرح تعظیمی سجدہ حرام ہوگیا۔ تعظیمی رکوع بھی حرام ہوگیا اور جبکہ کسی کے پاؤں چومنے کے لئے اس کے قدم پر منہ رکھا تو یہ رکوع تو کیا سجدہ ہوگیا لہذا یہ حرام ہے۔ درمختار کتاب الکراہیت باب الاستبراء بحث مصافحہ میں ہے۔

وتقبيل الارض بين يدى العلمآء والعظمآء فحرام لانه يشبه عبادة الوثن۔

ترجمہ: علماء اور بڑے بزرگوں کے سامنے زمین چومنا یہ حرام ہے کیونکہ یہ بت پرستی کے مشابہ ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی کے ماتحت شامی میں ہے۔

الايماء فى الاسلام الى قريب الركوع كالسجود وفى المحيط انه يكره الانحناء للسلطن وغيره وظاهر كلامهم على اطلاق السجود على هذا التقبيل۔

ترجمہ: سلام میں رکوع کے قریب تک جھکنا سجدہ کی طرح ہے اور محیط میں ہے کہ بادشاہ وغیرہ کے سامنے جھکنا مکروہ ہے اور فقہاء کا ظاہری کلام یہ ہے کہ وہ اس چومنے کو سجدہ ہی کہتے ہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

معلوم ہوا کہ کسی انسان کے آگے جھکنا سجدہ کرنا شرک ہے لہذا کسی کے پاؤں چومنا شرک ہے حضرت مجدد صاحب کو دربار اکبری میں بلایا

گیا اور داخل ہونے کا دروازہ چھوٹا رکھا گیا تا کہ اس بہانہ سے آپ اکبر کے سامنے جھک جاویں۔ مگر جب آپ وہاں تشریف لے گئے تو آپ نے اولاً دروازے میں پاؤں داخل کئے تا کہ جھکنا نہ لازم آجاوے (یہ اعتراض انتہائی ہے اور عام دیوبندی وہابی اسی کو پیش کرتے ہیں)۔

جواب:۔ ہم اولاً سجدہ کی تعریف کریں۔ پھر سجدے کے احکام۔ پھر یہ عرض کریں کہ کسی کے سامنے جھکنے کے کیا احکام ہیں اس سے یہ اعتراض خود بخود ہی دفع ہو جاوے گا۔ شریعت میں سجدہ یہ ہے کہ زمین پر سات عضو لگیں۔ دونوں پنجے، دونوں گھٹنے، دونوں ہاتھ اور ناک و پیشانی پھر اس میں سجدہ کی نیت بھی ہو۔ دیکھو عام کتب فقہ کتاب الصلوٰۃ بحث سجدہ اگر بغیر سجدے کی نیت کے کوئی شخص زمین پر اوندھا لیٹ گیا تو سجدہ نہ ہوا۔ جیسا کہ بعض لوگ بیماری یا سردی سے چارپائی پر اوندھے پڑ جاتے ہیں۔ سجدہ دو طرح کا ہوتا ہے سجدہ تحیہ اور سجدہ عبادت۔ سجدہ تحیہ تو کسی کی ملاقات کے وقت سجدہ کرنا اور سجدہ عبادت کسی کو خدا یا خدا کی طرح جان کر کرنا۔ سجدہ عبادت غیر اللہ کو کرنا شرک ہے کسی نبی کے دین میں جائز نہ ہوا کیونکہ ہر نبی تو حید لائے شرک کسی نے نہیں پھیلایا سجدہ تحیہ زمانہ حضرت آدم علیہ السلام سے حضور علیہ السلام کے زمانہ پاک تک جائز رہا فرشتوں نے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام اور برادران حضرت یوسف نے یوسف علیہ السلام کو سجدہ کیا۔ تفسیر روح البیان پارہ ۱۲ سورہ ہود زیر آیت **وقیل بعدا للقوم الظالمین** (پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت نمبر ۴۴) میں حضرت ابوالعالیہ سے ایک روایت نقل کی کہ زمانہ نوح علیہ السلام میں شیطان نے توبہ کرنی چاہی تو حضرت نوح علیہ السلام کو زندگی میں سجدہ نہ کیا تو اس کی قبر کو کیا سجدہ کروں گا۔ پھر اسلام نے اس سجدہ تحیہ کو حرام فرمایا۔ لہٰذا اگر کوئی مسلمان کسی آدمی کو سجدہ تحیہ کرے تو گنہگار ہے، مجرم ہے حرام کا مرتکب ہے، مگر مشرک یا کافر نہیں۔ معترض نے جو درمختار کی عبارت پیش کی اسی جگہ درمختار میں ہے۔

ان کان علی وجہ العبادۃ والتعظیم کفر و ان کان علی وجہ التحیۃ لا وصار اثما مرتکبا للکبیرۃ۔

ترجمہ: اگر یہ زمین چومنا عبادت اور تعظیم کے لئے ہو تو کفر ہے اور اگر تحیہ کے لئے ہو تو کفر نہیں ہاں گنہگار اور کبیرہ کا مرتکب ہوگا۔

(رد المحتار علی در المختار ج ۵ ص ۲۷۱ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اسی عبارت کے ماتحت شامی نے اس کو اور بھی واضح کر دیا ہے۔ رہا غیر کے سامنے جھکنا۔ اس کی دو نوعیت ہیں ایک یہ کہ جھکنا تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ جھک کر سلام کرنا۔ یا معظم شخص کے سامنے زمین چومنا یہ اگر حد رکوع ہے تو حرام ہے اسی کو فقہاء منع فرما رہے ہیں۔ دوسرے یہ کہ جھکنا کسی اور کام کے لئے ہو اور وہ کام تعظیم کے لئے ہو جیسے کہ کسی بزرگ کا جوتا سیدھا کرنا اس کے پاؤں چومنا کہ جھکنا اگرچہ اس میں بھی ہے مگر جوتا سیدھا کرنے یا پاؤں چومنے کے لئے ہے اور وہ کام تعظیم بزرگ کے لئے یہ حلال ہے اگر یہ توجیہ کی نہ جائے تو ہماری پیش کردہ احادیث اور فقہی عبارات کا کیا مطلب ہوگا۔ نیز یہ سوال دیوبندیوں کے بھی خلاف ہوگا کہ ان کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب بھی ہاتھ پاؤں چومنا جائز فرماتے ہیں۔ حضرت مجدد صاحب کا یہ انتہائی تقویٰ تھا کہ انہوں نے سمجھا کہ چونکہ دربار اکبری میں اکبر بادشاہ کو سجدہ کرایا جاتا ہے اور اکبر اس غرض سے مجھ کو اپنے سامنے جھکانا چاہتا ہے۔ اس لئے آپ نہ جھکے ورنہ اگر آپ جھک کر اس کھڑکی سے داخل ہوتے تو بھی آپ پر کچھ شرعی الزام نہ ہوتا کہ آپ کا مقصد اس جھکنے سے تعظیم اکبر نہ تھی۔

اعتراض (۲)......:۔ احادیث میں ہے کہ حضرت عمر نے سنگ اسود کو بوسہ دے کر فرمایا۔

انی اعلم انک حجر لا تنفع ولا تضر لولا انی رءیت رسول اللہ ﷺ ما قبلتک۔

ترجمہ: پتھر ہے نہ نفع دے سکتا ہے اگر میں نے حضور علیہ السلام کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھا ہوتا تو میں تجھ کو نہ چومتا۔

(صحیح مسلم کتاب الحج باب استحباب تقبیل الحجر الاسود فی الطواف ج ۲ ص ۹۲۵ رقم الحدیث ۱۲۷۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سنگ اسود کا بوسہ ناگوار تھا مگر چونکہ نص میں آ گیا مجبوراً چوم لیا۔ اور چونکہ ان تبرکات کے چومنے کی نص نہیں آئی لہٰذا نہ چومنا ہی مناسب ہے۔

جواب: مولوی عبدالحئی صاحب نے مقدمہ ہدایہ مذیلۃ الہدایہ میں حجر اسود کے ماتحت اسی حدیث کو نقل فرما کر فرمایا کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو جواب دیا کہ اے امیر المومنین حجر اسود نافع بھی ہے اور مضر بھی۔ کاش کہ آپ نے قرآن کی اس آیت کی تفسیر پر توجہ فرمائی ہوتی۔ واذ اخذ ربك من بنی ادم من ظهورهم ذریتهم جب میثاق کے دن رب تعالیٰ نے عہد و پیمان لیا تو وہ عہد نامہ ایک ورق میں لکھ کر اس حجر اسود میں رکھا اور یہ سنگ اسود قیامت کے دن آویگا کہ اس کی آنکھیں اور زبان اور لب ہوں گے اور مومنین کی گواہی دے گا۔ لہذا یہ اللہ کا امیر اور مسلمانوں کا گواہ ہے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

اے علی رضی اللہ عنہ جہاں تم نہ ہو خدا مجھے وہاں نہ رکھے۔

(ارشاد الساری ج ۳ ص ۱۵۶ مطبوعہ مطبعہ میمنہ مصر)، (شرح المؤطا امام مالک ج ۲ ص ۲۸۷ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر)

معلوم ہوا کہ سنگ اسود نفع و نقصان پہنچانے والا ہے اور اس کی تعظیم دین کی تعظیم ہے۔ نیز حضرت فاروق کا سنگ اسود کو یہ خطاب اس لئے نہ تھا کہ آپ اس بوسہ حجر اسود سے ناراض تھے۔ سنت سے ناراضی کفر ہے بلکہ محض اس لئے کہ اہل عرب پہلے بت پرست تھے ایسا نہ ہو کہ وہ یہ سمجھ لیں کہ اسلام نے چند بتوں سے ہٹا کر ایک پتھر پر ہم کو متوجہ کر دیا اس فرمان سے لوگوں کو فرق معلوم ہو گیا کہ وہ تھا پتھروں کا پوجنا اور یہ ہے پتھر کا چومنا۔ پوجنا اور ہے اور چومنا اور۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس مقصد کی تردید نہ کی بلکہ لا تضر و لا تنفع کے لفظ سے جو سامعین دھوکا کھاتے اس کو صاف فرما دیا کہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مقصد یہ ہے کہ بالذات یہ پتھر میں بالکل نفع و ضرر نہیں تو حضرت فاروق کا فرمان بھی لوگوں کو سمجھانے کے لئے تھا حضرت علی مرتضی کا بھی رضی اللہ عنہما ہماری تقریر سے روافض اور وہابیوں دونوں کے اعتراض اٹھ گئے۔

تعجب ہے کہ حضرت فاروق رضی اللہ عنہ یہاں تو سنگ اسود کے بوسہ کے بقول تمہارے خلاف ہیں لیکن خود ہی حضور علیہ السلام سے انہوں نے عرض کیا کہ ہم مقام ابراہیم کو اپنا مصلیٰ بنا لیتے کہ اس کے سامنے سجدہ کرتے اور نفل پڑھتے ان ہی کی عرض پر یہ آیت آئی۔ واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۲۵) مقام ابراہیم بھی تو ایک پتھر ہی ہے اس کے سامنے نفل پڑھنا اور سجدہ کرنا آپ کو پسند ہے۔

اعتراض (۳)......: بعض لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ آج کل جو تبرکات حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہیں خبر نہیں کہ بناوٹی ہیں یا کہ اصل چونکہ ان کے واصلی ہونے کا ثبوت نہیں اس لئے ان کا چومنا ان کی عظمت کرنا منع ہے۔ ہندوستان میں صدہا جگہ بال مبارک کی زیارت کرائی جاتی ہے نہ تو اس کا پتہ ہے اور نہ ثبوت کہ یہ حضور علیہ السلام کے بال ہیں؟

جواب: تبرکات کے ثبوت کے لئے مسلمانوں میں یہ مشہور ہونا کہ یہ حضور کے تبرکات ہیں کافی ہیں اس کے لئے آیت قرآنی یا حدیث بخاری کی ضرورت نہیں ہر چیز کا ثبوت یکساں نہیں ہوتا زنا کے ثبوت کے لئے چار متقی مسلمانوں کی شہادت درکار۔ دیگر مالی معاملات کے ثبوت کے لئے دو کی گواہی اور رمضان کے چاند کے لئے صرف ایک عورت کی خبر بھی معتبر، نکاح نسب یادگاروں اور اوقاف کے ثبوت کے لئے صرف شہرت یا خاص علامت کافی ہے۔ ایک پردیسی آدمی کسی عورت کو ساتھ لے کر مثل زن و شوہر رہتے ہیں۔ آپ اس علامت کو دیکھ کر اس کے نکاح کی گواہی دے سکتے ہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ ہم فلاں کے بیٹے فلاں کے پوتے ہیں۔ اس کا ثبوت نہ قرآن سے ہے نہ حدیث سے نہ ہماری والدہ کے نکاح کے گواہ موجود۔ مگر مسلمانوں میں اس کی شہرت ہے اتنا ہی کافی ہے۔ اسی طرح یادگاروں کے ثبوت کے لئے صرف شہرت معتبر ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے

اولم یسیروا فی الارض فینظروا کیف کان عاقبة الذین من قبلهم۔

ترجمہ: کیا یہ لوگ زمین کی سیر نہیں کرتے تا کہ دیکھیں ان سے پہلے والوں کا کیا انجام ہوا۔

(پارہ ۲۱ سورہ ۳۰ آیت نمبر ۹)

اس آیت میں کفار مکہ کو رغبت دی گئی ہے کہ گذشتہ کفار کی یادگاروں، ان کی اجڑی ہوئی بستیوں کو دیکھ کر عبرت پکڑیں کہ نافرمانوں کا یہ انجام ہوتا ہے اب یہ کیسے معلوم ہو کہ فلاں جگہ فلاں قوم آباد تھی قرآن نے بھی اس کا پتہ نہ دیا اس کے لئے محض شہرت معتبر مانی۔ معلوم ہوا کہ قرآن نے بھی اس شہرت کا اعتبار فرمایا شفا شریف میں ہے۔

ومن اعظامه واكباره اعظام جميع اسبابه واكرام مشاهده وامكنته وما لمسه عليه السلام او عرف به۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام کی تعظیم وتوقیر میں سے یہ بھی ہے کہ حضور علیہ السلام کے اسباب ان کے مکانات اور جس کو اس جسم پاک سے مس بھی ہو گیا ہو اور جس کے متعلق یہ مشہور ہے کہ یہ حضور علیہ السلام کی ہے ان سب کی تعظیم کرے۔

(شفا شریف ج۲ص۲۶مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

شرح شفا میں ملا علی قاری اسی عبارت کے ماتحت فرماتے ہیں۔ **ان المراد جميع ما نسب اليه و يعرف به عليه السلام** اس سے مقصد یہ ہے کہ جو چیز حضور علیہ السلام کی طرف منسوب ہو مشہور ہو اس کی تعظیم کرے۔ مولانا عبدالحلیم صاحب لکھنوی نے اپنی کتاب نور الایمان میں یہی عبارت شفا نقل فرما کر و یعرف بہ پر حاشیہ لکھا:

ای و لو كان على وجه الاشتهار من غير ثبوت اخبار فی اثاره كذا قال علی ن القاری۔

ترجمہ: اگرچہ یہ نسبت محض شہرت کی بنا پر ہو اور اس کا ثبوت احادیث سے نہ ہو۔ اسی طرح ملا علی قاری نے فرمایا۔

ملا علی قاری علیہ الرحمۃ نے اپنی کتاب مسلک متقسط میں یہی مضمون تحریر فرمایا۔ اسی طرح علماء امت نے احکام حج میں تصانیف شائع کیں اور زائرین کو ہدایت کی کہ حرمین شریفین میں ہر اس مقام کی زیارت کرے، جس کی لوگ عزت وحرمت کرتے ہوں۔

تعجب ہے کہ فقہاء کرام فضائل اعمال میں حدیث ضعیف کو بھی معتبر مانیں۔ اور یہ مہربان تبرکات کے ثبوت کے لئے حدیث بخاری کا مطالبہ کریں۔

عاشقاں راچہ کار باتحقیق! ہر کجا نام اوست قربانیم!

حاشیہ......☆

علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد متوفی ۸۶۱ھ لکھتے ہیں۔

و ما يفعله بعض الناس من النزول بقرب من المدينة والمشى على اقدامه الى ان يدخلها حسن وكل ما كان ادخل فی الادب والاجلال كان حسنا۔

ترجمہ: بعض لوگ مدینہ کے قریب سواری سے اتر جاتے ہیں اور پیدل چل کر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں ان کا یہ فعل مستحسن ہے اور ہر وہ فعل جس کا حضور ﷺ کے ادب اور اجلال میں زیادہ دخل ہو اس کو کرنا مستحسن ہے۔

(فتح القدیر ج۳ص۱۸۰مطبوعہ دارالفکر بیروت)

ملا نظام الدین متوفی ۱۱۶۱ھ لکھتے ہیں۔

و ما يفعله بعض الناس من النزول بقرب من المدينة والمشى الى ان يدخلها حسن وكل ما كان ادخل فی الادب والاجلال كان حسنا۔

ترجمہ: اور یہ جو بعض آدمیوں کا دستور ہے کہ مدینہ کے قریب اترتے ہیں اور وہاں سے پیادہ پا چلکر مدینہ میں داخل ہوتے ہیں یہ بہتر ہے اور جس چیز میں ادب اور تعظیم زیادہ ہو وہ بہتر ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ج۱ص۲۹۲مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

محمد احتشام الحسن کاندھلوی دیوبندی لکھتے ہیں۔

اللہ رب العالمین کی محبت وعظمت کے بعد مومن کے پاس اصل جوسرمایہ ہے رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت ہے اور جس قدر یہ محبت و

لطیفہ:۔ ہم دھوراجی کاٹھیاواڑ کی نگینہ مسجد میں بارہویں ربیع الاول شریف کو وعظ کہنے گئے وہاں بال مبارک کی زیارت کی جارہی تھی۔ مسلمان زیارت کررہے تھے درود پاک کا ورد کررہے تھے کوئی روتا تھا۔ کوئی دعا مانگ رہا تھا۔ غرضکہ عجب پر کیف منظر تھا ایک صاحب ایک کونہ میں منہ بنائے کھڑے تھے معلوم ہوتا تھا کہ ان کے منہ کو لقوے نے مارا ہے میں نے پوچھا کہ حضرت آپ غصہ میں کیوں ہیں؟ فرمانے لگے کہ مسجدوں میں شرک ہورہا ہے اس کا کیا ثبوت ہے؟ کہ یہ بال حضور علیہ السلام کا ہے اور اگر ہو بھی تو اس تعظیم کا کیا ثبوت ہے؟ میں نے ان کا جواب نہ دیا بلکہ ان سے پوچھا کو جناب کا اسم شریف کیا ہے؟ فرمانے لگے عبدالرحمٰن۔ والد مہربان کا اسم گرامی کیا؟ فرمایا کہ عبدالرحیم۔ ہم نے پوچھا کہ اس کا ثبوت کیا ہے؟ کہ آپ عبدالرحیم صاحب کے فرزند ہیں۔ اولاً تو اس نکاح کے گواہ نہیں اگر کوئی ہو بھی تو وہ صرف عقد نکاح کی گواہی دے گا یہ کیسے معلوم ہوا کہ جناب کی ولادت شریف ان کے ہی قطرے سے ہے تڑپ کر بولے کہ جناب مسلمان کہتے ہیں کہ میں ان کا بیٹا ہوں اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ ہم نے کہا جناب مسلمان کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ ﷺ کا بال شریف ہے اور مسلمانوں کی گواہی معتبر ہے۔ شرمندہ ہوگئے۔ کہنے لگے یہ اور بات ہے پوچھا کہ جناب کہاں کے تعلیم یافتہ ہیں فرمایا دیوبند کے۔ ہم نے کہا کہ پھر کیا پوچھنا آپ رجسٹری شدہ ہیں۔ مولانا قطب الدین برہمچاری قدس سرہ سے ایک دیوبندی صاحب فرمانے لگے کہ حضور علیہ السلام کو حضور کہنا بدعت ہے نام لینا چاہیے کیونکہ حضور کہنا کہیں ثابت نہیں انہوں نے جواب دیا۔ چپ رہ الو۔ بولے یہ کیا؟ فرمایا کہ آپ کو جناب یا آپ کہنا بدعت ہے کہیں بھی ثابت نہیں میں یقین کرتا ہوں کہ دیوبندیوں کو بہت زیادہ تکلیف قیامت کے دن ہوگی۔ جبکہ حضور علیہ السلام مقام محمود پر جلوہ گر ہوں گے اور آپ کی شان تمام عالم پر ظاہر ہوگی اللھم ارزقنا شفاعته ﷺ۔

آج لے ان کی پناہ آج مدد مانگ ان سے ۔۔۔ پھر نہ مانیں گے قیامت میں اگر مان گیا

حاشیہ......☆

عظمت دل و دماغ میں راسخ ہوگی اسی قدر دیار رسول ﷺ کی زیارت کی اہمیت اور فوقیت نمایاں اور آشکارا ہوگی۔ اللہ رب العالمین کی محبت وعظمت کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت ایک لازمی اور فطری تقاضا ہے۔ اور رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت کے بعد ہر اس شے کی عظمت ومحبت ہوگی اور شوق واشتیاق ہوگا جسے رسول اللہ ﷺ کی جانب ادنی انتساب اور وابستگی ہوگی۔

(تجلیات مدینہ ص ۷ امطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

نیز دوسری جگہ لکھتے ہیں۔

قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی تعظیم وتکریم میں یہ بات بھی داخل ہے کہ ان تمام اشیاء اور مقامات اور آثار کا اعزاز واکرام ہو جو رسول اللہ ﷺ کی جانب ادنی انتساب رکھتے ہیں۔ اور یہی شیوہ الفت وآشنائی ہے۔

(تجلیات مدینہ ص ۱۰۰ مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور)

امام عبدالوہاب شعرانی متوفی ۹۷۳ھ لکھتے ہیں۔

ثم اعلم ان كل ما مال الى التعظيم رسول الله ﷺ لا ينبغي لاحد البحث فيه و لا المطالبة بدليل خاص فيه فان ذلك سوء ادب فقل ما شئت في رسول الله ﷺ على سبيل المدح لا حرج۔

ترجمہ: پھر اس بات پر یقین رکھ کہ (ہر قول، فعل، تقریر، تحریر) وہ چیز جو حضور ﷺ کی تعظیم کی طرف مائل ہو کسی کو لائق نہیں کہ اس میں بحث کرے۔ اور نہ یہ لائق ہے کہ اس جزئیہ پر دلیل خاص کا مطالبہ کرے۔ کیونکہ یہ بلاشک وشبہ بے ادبی ہے۔ تو جو جی چاہے حضور ﷺ کے حق میں بطریق مدح بیان کر۔ اس میں کسی قسم کا حرج نہیں۔

(کشف الغمہ عن جمیع الامۃ ج ۲ ص ۵۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جواہر البحار امام نبہانی ج ۲ ص ۶۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتـــراض (۴)......:۔ نقشہ نعلین اصل نعلین شریف نہیں یہ تمہاری روشنائی تمہارے قلم سے بنایا ہوا فوٹو ہے۔ پھر اس کی تعظیم کیوں کرتے ہو۔

جـــواب:۔ یہ نقشہ اصل نعلین کی نقل اور اس کی حکایت ہے حکایت کی بھی تعظیم چاہیئے لاہور کا چھپا ہوا، قرآن شریف اس کا کاغذ روشنائی آسمان سے نہیں اتری ہماری بنائی ہوئی ہے مگر واجب التعظیم ہے کہ اس اصل کی نقل ہے۔ ہر ماہ ربیع الاول ہر دوشنبہ معظم ہے کہ اصل کی حاکی ہے۔

حاشیہ......☆

امام تقی الدین السبکی شافعی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

امر علی الدیار دیار لیلی — اقبل ذا الجدار و ذا الجدار

وما حب الدیار شغفن قلبی — ولکن حب من سکن الدیارا

(۱) میں لیلی کے مکانات پر سے گزرتا ہوں تو اس دیوار اور اس دیوار کو بوسہ دیتا ہوں۔ (۲) مکانات کی محبت نے میرے دل کو نہیں گھیرا، لیکن اس کی محبت نے جو ان مکانات میں رہا۔

(شفاء السقام فی زیارۃ خیر الانام عربی اردو ص ۱۰۳ مطبوعہ نوریہ رضویہ پبلیکیشنز لاہور)

☆............☆

بحث عبدالنبی ، عبدالرسول نام رکھنا

عبدالنبی عبدالرسول عبدالمصطفیٰ عبدالعلی وغیرہ نام رکھنا جائز ہے۔ اسی طرح اپنے کو حضور علیہ السلام کا بندہ کہنا جائز ہے قرآن وحدیث واقوال فقہاء سے ثابت ہے مگر بعض لوگ اس کا انکار کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے بھی ہم دو باب کرتے ہیں۔ باب اول میں اس کا ثبوت دوسرے میں اس پر اعتراض وجواب۔

پہلا باب

اس کے ثبوت میں

قرآن کریم فرماتا ہے:

وانکحوا الایامی منکم والصلحین من عبادکم وامائکم۔

ترجمہ: اور نکاح کرواپنوں میں ان کا جو بے نکاح ہوں اور اپنے لائق بندوں اور کنیزوں کا۔

(پارہ ۱۸ سورہ ۲۴ آیت نمبر ۳۲)

اس عبارت میں عباد کو کم کی طرف مضاف کیا گیا۔ یعنی تمہارے بندے۔

قل یعبادی الذین اسرفوا علی انفسھم لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ۔

ترجمہ: اے محبوب فرمادو کہ میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی اللہ کی رحمت سے ناامید نہ ہو۔

(پارہ ۲۴ سورہ ۳۹ آیت نمبر ۵۳)

اس یا عبادی میں دو احتمال ہیں۔ ایک یہ کہ رب فرماتا ہے کہ اے میرے بندو دوسرے یہ کہ حضور علیہ السلام کو حکم دیا گیا کہ آپ فرمادو اے میرے بندو۔ اس دوسری صورت میں عباد رسول اللہ مراد ہوئے یعنی حضور علیہ السلام کے غلام اور امتی، دوسرے معنی کو بھی بہت سے بزرگان دین نے اختیار فرمایا۔ مثنوی شریف میں فرماتے ہیں۔

بندہ خود خواند احمد در رشاد جملہ رانجواں قل یا عباد

حضور علیہ السلام نے سارے عالم کو اپنا بندہ فرمایا۔ قرآن میں پڑھ لو قل یاعباد۔ حاجی امداد اللہ صاحب رسالہ نفحہ مکیہ ترجمہ شمائم امدادیہ صفحہ ۱۳۵ میں فرماتے ہیں۔ عباد اللہ کو عباد الرسول کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے **قل یا عبادی الذین الایۃ** مرجع ضمیر متکلم کا آنحضرت ﷺ ہیں۔ ترجمہ مولوی اشرف علی صاحب تھانوی **قل یا عبادی الذین الایۃ** آپ کہہ دو کہ میرے بندو۔ ازلۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ صاحب بحوالہ الریاض النضرۃ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے برسر منبر خطبہ میں فرمایا۔

قد کنت مع رسول اللّٰہ ﷺ فکنت عبدہ وخادمہ۔

ترجمہ: میں حضور علیہ السلام کے ساتھ تھا۔ پس میں آپ کا بندہ اور خادم تھا۔

مثنوی شریف میں وہ واقعہ نقل فرمایا۔ جبکہ حضرت صدیق اکبر حضرت بلال کو خرید کر حضور علیہ السلام کی بارگاہ لائے (رضی اللہ عنہما) تو عرض کیا۔

گفت ما دو بندگان کوئے تو کردمش آزاد هم بر روئے تو

عرض کیا کہ ہم دونوں آپ کی بارگاہ کے بندے ہیں۔ میں ان کو آپ کے سامنے آزاد کرتا ہوں۔

صاحب درمختار خطبہ درمختار میں اپنا شجرہ علمی بیان فرماتے ہیں۔

فانی ارویه عن شیخنا الشیخ عبدالنبی الخلیلی۔

ترجمہ: میں اس کو اپنے شیخ عبدالنبی خلیلی سے روایت کرتا ہوں۔

(درمختار علی حاشیہ کشف الاستار ص ۳ مطبوعہ مطبع مجتبائی پاکستان)

معلوم ہوا کہ صاحب درمختار کے استاد کا نام عبدالنبی تھا۔ مرثیہ رشید احمد گنگوہی میں مولوی محمود حسن صاحب دیوبندی نے لکھا ہے۔

قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

جس سے معلوم ہوا کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے بھی یوسف ثانی کہلاتے ہیں۔ غرضکہ عبد کی نسبت غیر خدا کی طرف قرآن و حدیث و اقوال فقہاء اور اقوال مخالفین سے ثابت ہے عرب والے عام طور پر کہتے ہیں۔ عبدی حز شاعر کہتا ہے الواهب الماء تته انهجان و عبده۔

لطیفہ:۔ تقویۃ الایمان میں علی بخش، پیر بخش، غلام علی، مدار بخش، عبدالنبی نام رکھنے کو شرک کہا۔ مگر تذکرۃ الرشید حصہ اول صفحہ ۱۳ میں رشید احمد صاحب کا شجرہ نسب یوں ہے مولانا رشید احمد ابن مولانا ہدایت احمد ابن قاضی پیر بخش ابن غلام حسن ابن غلام علی۔ اور ماں کی طرف سے نسب نامہ یوں لکھا ہے۔ رشید احمد ابن کریم النساء بنت فرید بخش ابن غلام قادر ابن محمد صالح ابن غلام محمد۔ دیوبندی بتائیں کہ مولوی رشید احمد صاحب کے خاندانی بزرگ مشرک مرتد تھے یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیوں؟ اور اگر تھے تو مرتد کی اولاد حلالی ہے یا حرامی۔

دوسرا باب

اس پر اعتراضات وجوابات میں

اعتراض (۱)......:۔ عبد کے معنی ہیں عابد عبادت کرنے والا تو عبدالنبی کے معنی ہوں گے نبی کے عبادت کرنے والا اور یہ معنی صریحی شرکیہ ہیں لہذا ایسے نام منع ہیں۔

جواب:۔ عبد کے معنی عابد بھی ہیں اور خادم بھی۔ جب عبد کو اللہ کی طرف نسبت کیا جاوے گا تو اس کے معنی عابد ہوں گے۔ اور جب غیر اللہ کی نسبت ہوگی تو معنی ہوں گے خادم غلام لہذا عبدالنبی کے معنی ہوئے نبی کا غلام۔ عالمگیری کتاب الکراہیت باب تسمیۃ الاولاد میں ہے۔

والتسمية باسم يوجد في كتاب الله تعالى جائزة كالعلي والرشيد والبديع لانه من الاسمآء المشتركه ويراد في حق العباد ﷺ يراد في حق الله تعالى كذا في السراجية۔

ترجمہ: جو نام قرآن شریف میں پائے جاتے ہیں ان سے نام رکھنا جائز ہے جیسے کہ علی یا رشید اور بدیع کیونکہ یہ اسماء مشترکہ میں سے ہیں اور بندے کے لئے ان کے وہ معنی مراد ہوں گے جو کہ اللہ کے لئے مراد نہیں۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الکراہیۃ باب تسمیۃ الاولاد ج ۵ ص ۶۲ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اللہ کا نام بھی علی ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام بھی علی ہے۔ اسی طرح خدا کا نام بھی رشید بدیع وغیرہ ہیں اور بندوں کے بھی یہ نام ہو سکتے ہیں۔ مگر اللہ کے نام میں ان الفاظ کے معنے اور ہیں اور بندوں کے لئے دوسرے معنی اسی طرح عبداللہ کے معنی اللہ کا عابد، عبدالنبی کے معنی نبی کا غلام اگر یہ توجیہ نہ ہو تو قرآن کی اس آیت کے کیا معنی ہوں گے۔ من عبادکم

(پارہ ۱۸ سورہ ۲۴ آیت نمبر ۳۲)۔

اعتراض (۲)......:۔ مشکوۃ باب الادب الاسامی اور مسلم جلد دوم کتاب الالفاظ من الادب وغیرہ میں ہے۔
لا یقولن احدکم عبدی وامتی کلکم عبیداللہ وکل نسآء کم اماء اللہ ولکن لیقل غلامی وجاریتی۔

ترجمہ: تم میں سے کوئی نہ کہے عبدی امتی (میرا بندہ وغیرہ) تم سب اللہ کے بندے ہو اور تمہاری عورتیں اللہ کی لونڈیاں ہیں لیکن یہ کہے کہ غلامی وجاریتی۔

(صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اس سے معلوم ہوا کہ لفظ عبد کی نسبت غیر اللہ کی طرف کرنا خلاف احادیث ہے لہذا حرام ہے اور عبد النبی میں بھی یہ بات موجود ہے لہذا منع ہے۔

جواب:۔ یہ ممانعت کراہت تنزہی کے طور پر ہے کہ عبدی کہنا بہتر نہیں بلکہ غلامی کہنا اولی ہے اسی حدیث کے ماتحت نووی شرح مسلم میں ہے۔
فان قیل قد قال النبی علیہ السلام فی اشراط الساعۃ ان تلد الامۃ ربتھا فالجواب من وجھین احدھما ان الحدیث الثانی لبیان الجواز وان النھی فی الاول للادب وکراھۃ التنزیہ لا للتحریم۔

ترجمہ: اگر کہا جاوے کہ حضور علیہ السلام نے علامات قیامت میں فرمایا کہ لونڈی اپنے رب کو جنے گی (یعنی بندے کو رب فرمایا) اس کا جواب دو طرح ہے ایک یہ کہ دوسری حدیث بیان جواز کے لئے ہے اور پہلی حدیث میں ممانعت ادب کے لئے ہے اور کراہت تنزہی ہے نہ کہ تحریمی۔

(صحیح مسلم للنووی کتاب الالفاظ من الادب ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مسلم میں اسی جگہ ہے **لایقولن احدکم للعنب الکرم فان الکرم الرجل المسلم۔**
(صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب ج ۲ ص ۲۳۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

اسی جگہ یہ بھی ہے **لا تسمو العنب الکرم فان الکرم المسلم** انگور کو کرم نہ کہو کیونکہ کرم تو مسلمان ہے۔
(صحیح مسلم کتاب الالفاظ من الادب ج ۲ ص ۲۳۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ کتاب الادب باب الاسامی میں ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسامی ۴۰۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

مشکوۃ میں اسی جگہ ہے۔
لاتسمین غلامك یسارا ولا رباحاً ولا نجیحاً ولا افلح۔

ترجمہ: حکم تو اللہ ہے اسی کا حکم ہے تو تیرا نام ابوالحکم کیوں ہے۔ اپنے غلام کا نام یسار اور رباح اور نجیح اور افلح نہ رکھو۔
(مشکوۃ المصابیح کتاب الادب باب الاسامی الفصل الاول ۴۰۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

ان تمام احادیث میں ان ناموں سے جو ممانعت ہے کراہت تنزہی کی بنا پر ہے ورنہ قرآن اور حدیث بلکہ خود احادیث میں سخت تعارض ہوگا۔ دیکھو رب خدا کا بھی نام ہے اور قرآن کریم میں بندوں کو بھی رب فرماتا ہے کما ربیانی صغیراً (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۲۴) قال ارجع الی ربك (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۵۰) اگر کوئی شخص کسی کو اپنا مربی یا رب کہے تو مشرک نہ ہوگا۔ ہاں اس سے بچے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ یہ نام رکھنا واجب نہیں۔ لیکن اگر اس زمانہ میں دیوبندیوں وہابیوں کو چڑانے کے لئے یہ نام رکھے تو بہت باعث ثواب ہے۔ جیسے کہ ہندوستان میں گائے کی قربانی۔ ہم اس کی تحقیق فاتحہ کی بحث میں کر چکے ہیں کہ جس مستحب کام کو اعدائے دین روکنے کی کوشش کریں اور اس ضرور کرنا چاہیئے۔

بحث اسقاط کا بیان

اس بحث میں تین باتیں عرض کرنی ہیں۔ اسقاط کے معنی۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ۔ اسقاط کا ثبوت مگر چونکہ بعض لوگ اسقاط کے بالکل منکر ہیں۔ وہ قسم قسم کے اعتراض کرتے ہیں اس لئے اس بحث کے دو باب کئے جاتے ہیں پہلے باب میں مذکورہ تین باتیں اور دوسرے باب میں اس پر سوال و جواب۔

پہلا باب

اسقاط کے طریقے اور اس کے ثبوت میں

اس باب میں چار باتیں عرض کی جاتی ہیں۔ اسقاط کے کیا معنی ہیں۔ اسقاط کرنے کا صحیح طریقہ کیا ہے۔ اسقاط کرنے سے فائدہ کیا ہے اسقاط کا ثبوت کیا ہے (۱) اسقاط کے لغوی معنی ہیں گرا دینا۔ اصطلاحی معنی یہ ہیں کہ میت کے ذمہ جو احکام شرعیہ رہ گئے ہوں ان کو اس کے ذمہ سے دور کرنا۔ چنانچہ وجیز الصراط میں ہے اسقاط آں چیز است کہ دور کردہ شود از ذمہ میت بہ ایں کہ میسر شود۔ اسقاط کا فائدہ یہ ہے کہ مسلمان سے بہت سے شرعی احکام عمداً سہواً خطاءً رہ جاتے ہیں۔ جس کو وہ اپنی زندگی میں ادا نہ کر سکا۔ اور بعد موت ان کی سزا میں گرفتار ہے اب نہ تو ادا کرنے کی طاقت ہے نہ اس سے چھوٹنے کی کوئی سبیل۔ شریعت مطہرہ نے اس بیکسی کی حالت میں اس میت کی دستگیری کرنے کے لئے کچھ طریقے تجویز فرمادئے کہ اگر ولی میت وہ طریقہ میت کی طرف سے کر دے تو بیچارہ مردہ چھوٹ جاوے اس طریقہ کا نام اسقاط ہے حقیقت میں یہ میت کی ایک طرح کی مدد ہے۔ وہابی دیوبندی جس طرح کہ زندہ مسلمان کے دشمن ہیں اسی طرح مردوں کے بھی دشمن کہ ان کو نفع پہنچانے سے لوگوں کو روکتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی پیچھا نہیں چھوڑتے۔ اسقاط کا طریقہ یہ ہے کہ میت کی عمر معلوم کی جاوے اس میں سے نو سال عورت کے لئے اور بارہ سال مرد کے لئے نابالغی کے لئے نکال دو اب جتنے سال بچے اس میں حساب لگاؤ کتنی مدت تک وہ بے نمازی یا بے روزہ رہا۔ یا نمازی ہونے کے زمانہ میں کس قدر نمازیں اس کی باقی رہ گئیں ہیں کہ نہ وہ پڑھی اور نہ قضا کی اس لئے زیادہ سے زیادہ اندازہ لگالو۔ جتنی نمازیں حاصل ہوں فی نماز ۵۷۔ا روپے اٹھنی بھر گیہوں خیرات کردو۔ یعنی جو فطرہ کی مقدار ہے وہ ہی ایک نماز کے فدیہ کی۔ وہ ہی ایک روزے کی۔ تو ایک دن کی چھ نمازیں، پانچ فرض اور ایک وتر واجب ان کا فدیہ تقریباً بارہ سیر گندم ہوئے اور ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من گندم تقریباً اور سال کی نمازوں کا ۱۰۸ من گندم ہوتا ہے۔ اب اگر کسی کے ذمہ دس بیس سال کی نمازیں ہیں تو صدہا من غلہ خیرات کرنا ہوگا۔ شاید کوئی بڑا دیندار مالدار ہو تو یہ کر سکے مگر غربا سے ناممکن۔ ان کے لئے یہ طریقہ ہے کہ ولی میت بقدر طاقت گندم یا اس کی قیمت لے مثلاً ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ۹ من تھا تو ۹ من گندم یا اس کی قیمت لے اور کسی مسکین کو اس کا مالک کر دے وہ مسکین یا تو دوسرے مسکین کو یا خود مالک کو بطور ہبہ وہ پھر اس فقیر کو صدقہ دے ہر بار کے صدقہ میں ایک ماہ کی نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا۔ بارہ بار صدقہ کیا۔ ایک سال کا فدیہ ادا ہوا۔ اسی طرح چند بار گھمانے میں پورا فدیہ ادا ہو جائے گا۔ نمازوں کے فدیہ سے فارغ ہو کر اسی طرح روزہ اور زکوٰۃ کا فدیہ ادا کر دیں رحمت الٰہی سے امید ہے کہ میت کی مغفرت فرمادے۔ اسقاط کا یہ طریقہ صحیح ہے۔ پنجاب میں جو عام طور پر مروج ہے کہ مسجد سے قرآن پاک کا نسخہ منگایا۔ اس پر ایک روپیہ رکھا اور چند لوگوں نے اس کو ہاتھ لگایا پھر مسجد میں

واپس کردیا اس سے نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوگا۔ بعض لوگ یہ کہتے ہیں کہ قرآن کی کوئی قیمت ہی نہیں۔ لہذا جب قرآن شریف کا نسخہ خیرات کردیا سب نمازوں کا فدیہ ادا ہوگا مگر یہ غلط ہے کیونکہ اس میں اعتبار تو قرآن کے کاغذ لکھائی چھپائی کا ہے اگر دو روپیہ کا یہ نسخہ ہے تو دو روپیہ کی خیرات کا ثواب ملے گا۔ ورنہ پھر وہ مالدار جن پر ہزار روپیہ سالانہ زکوۃ واجب ہوتی ہے وہ کیوں اتنا خرچ کریں صرف ایک قرآن پاک کا نسخہ خیرات کردیا کریں۔ غرضکہ یہ طریقہ صحیح نہیں طریقہ صحیح نہ ہونے کے یہ معنی ہیں کہ اس سے اسقاط کا مقصد حاصل نہ ہوگا کہ حرام ہے بلا دلیل کسی شئے کو صرف اپنی رائے سے حرام کہنا تو فضلائے دیوبندی کا کام ہے بقدر خیرات ثواب مل جاوے گا۔

نوٹ:۔ ہم نے فدیہ کو جو وزن بیان کیا کہ چھ نمازوں کا بارہ سیر۔ یہ ہر جگہ کے لئے نہیں ہے ایک نماز کا فدیہ ۱۷۵ روپیہ اٹھنی بھر گندم ہوتے ہیں۔ ہر صوبہ کے لوگ اس سے اپنے یہاں کے سیر سے حساب لگائیں۔

اسقاط کے ثبوت میں تین بحثیں کرنا ہیں ایک تو یہ کہ حرام سے بچنے ثواب حاصل کرنے یا شرعی ضرورت پوری کرنے کے لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔ دوسرے یہ کہ نمازوں کا فدیہ مال سے ہوسکتا ہے۔ تیسرے یہ کہ خود اسقاط کا ثبوت کیا ہے۔

پہلی فصل......حیلہ شرعی کے جواز میں

شرعی حیلے کرنا ضرورت کے وقت جائز ہیں۔ قرآن کریم احادیث صحیحہ اقوال فقہاء سے اس کا ثبوت ہے حضرت ایوب علیہ السلام نے قسم کھائی کہ میں اپنی بیوی کو سو لکڑیاں ماروں گا رب تعالیٰ نے ان کو تعلیم فرمایا کہ تم ایک جھاڑو لے کر ان کو مارو اور اپنی قسم نہ توڑو۔ قرآن مجید نے اسی قصہ کو نقل فرمایا **وخذ بیدك ضغثاً فاضرب به ولا تحنث** تم اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مار دو اور قسم نہ توڑو۔
(پارہ ۲۳ سورۃ ص آیت نمبر ۴۴)

حاشیہ......☆

سیدنا ایوب علیہ السلام سے رب العزت نے فرمایا تھا کہ اے ایوب تم نے اپنی زوجہ کے بارے میں قسم کھائی تھی کہ اے بی بی میں تجھے سو ۱۰۰ لکڑی ماروں گا۔ اب تو ایک سو ۱۰۰ تنکے کا جھاڑو لے کر مار لے تاکہ تم اپنی قسم میں حانث نہ ہو۔ پھر سیدنا ایوب علیہ السلام نے ایسا ہی کیا۔ تفصیلاً واقعہ کتب تفاسیر میں ملاحظہ فرمائیں۔

امام احمد بن عمرو بن ابی عاصم الشیبانی متوفی ۲۸۷ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبدالله حدثنی ابی حدثنا ابو المغیرة اخبرنا صفوان اخبرنا عبدالرحمن ابن جبیر قال لما ابتلی النبی بماله وولده وجسده طرح فی المزبلة جعلت امراته تخرج تکسب علیه ما تطعمه فحسده الشیطان ذلك وکان یاتی اصحاب الخبز والشواء الذین کانوا یتصدقون علیها فیقول اطردوا هذه المراة التی تغشاکم فانها تعالج صاحبها کجراحات بیدها فالباس یقتذرون طعامکم من اجلها انها تاتیکم وتغشاکم فجعلوا لا یدنونها منهم ویقولون ونحن نطعمك ولا تقربینا فاجبرت ایوب بذلك فحمد الله عزوجل علی ذلك فکان یلقاها اذا خرجت کالمتحزن بما لقی ایوب فیقول تج صاحبك وابی الا ما ابی فوالله لو تکلم بکلمة واحدة لکشف عنه کل ضر ولرجع الیه ماله وولده فتجئی فتخبر ایوب علیه السلام بذلك فیقول لها لقیك عدو الله وعصافیر هذا الکلام لما اعطانا الله عزوجل المال والولد امنا به واذا قبض الذی ما نکفر به لئن اقامنی الله عزوجل من مرضی هذا لاجلدنك مائی جلدة قال فلذلك قال الله عزوجل وخذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث یعنی بالضغث القبضة من المکانس۔

حاشیہ.....☆

ترجمہ: حضرت عبدالرحمٰن بن جبیر رحمہ اللہ سے روایت ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو ان کے مال، اولاد اور جسم میں آزمائش میں ڈالا گیا اور انہیں کوڑے کرکٹ کے ڈھیر پر پھینک دیا گیا۔ آپ کی بیوی جاتی تو اتنا کماتی جتنا آپ کو کھلاتی۔ شیطان نے اس پر حسد کیا۔ وہ مالدار لوگوں کے پاس آتا جو اس عورت پر صدقہ کرتے اور کہتا اس عورت کو دور بھگادو جو تمہارے پاس آتی ہے کیونکہ یہ اپنے خاوند کی خدمت کرتی ہے۔ اب وہ آپ کی بیوی کو قریب نہ آنے دیتے اور کہتے ہم سے دور رہ۔ ہم تجھے کھانا دے دیں گے تو ایوب علیہ السلام سے بات کی۔ حضرت ایوب علیہ السلام نے اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد کی۔ جب آپ کی بیوی آپ کے پاس سے جاتی تو شیطان اس سے ملتا اور یہ ظاہر کرتا کہ حضرت ایوب علیہ السلام کو جو مصیبت پہنچی اس پر وہ بڑا دکھی ہے اور کہتا تیرے خاوند نے جھگڑا کیا اور انکار کیا مگر اللہ نے انکار نہیں کیا اگر وہ ایک بات کہہ دیتا تو اس سے ہر تکلیف دور ہو جاتی اس کا مال اور اولاد سب واپس آجاتے بیوی حضرت ایوب علیہ السلام کے پاس آتی اور آپ کو بتاتی حضرت ایوب علیہ السلام اسے فرماتے تجھے اللہ کا دشمن ملا ہے اور اس نے یہ بات تجھے سکھائی ہے اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے میری مرض سے شفا دی تو میں تجھے سو کوڑے ماروں گا اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے فرمایا وخذ بیدک ضغثا فاضرب بہ ولاتحنث۔ اس مراد کھجور کی شاخوں گٹھا ہے۔

(کتاب الزھد لابن ابی عاصم بلاء ایوب علیہ السلام ج ا ص ۸۹ مطبوعہ دار الریان للتراث القاھرۃ)، (جامع البیان فی تفسیر القرآن المعروف تفسیر طبری ج ۲۳ ص ۱۶۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الزہد لامام احمد ص ۱۱۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۵ ص ۵۹۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ ھ لکھتے ہیں۔

واخرج عبد بن حميد عن الضحاك رضى الله عنه (وخذ بيدك ضغثاً) قال جماعة من الشجر وكانت لايوب عليه السلام خاصة وهى لنا عامة۔

ترجمہ: امام عبد بن حمید رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ضحاک رحمۃ اللہ علیہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ ضغثاً سے مراد درختوں کی ایک جماعت ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص اور ہمارے لئے عام ہے۔

(الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۵ ص ۵۹۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام ناصر الدین عبد اللہ بن عمر البیضاوی متوفی ۶۸۵ ھ لکھتے ہیں۔

وهى رخصة باقية فى الحدود۔

ترجمہ: یہ رخصت حدود میں باقی ہے۔

(انوار التنزیل المعروف تفسیر البیضاوی ج ۵ ص ۴۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابو عبد اللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ ھ لکھتے ہیں۔

واختلف العلماء فى هذا الحكم هل هو عام او خاص بايوب فروى عن مجاهد انه عام للناس ذكره ابن عربى۔ وحكى عن القشيرى ان ذالك خاص بايوب۔ وحكى المهدوى عن عطاء بن ابى رباح انه ذهب الى ان ذلك حكم باق۔ وانه اذا ضرب بمائه قضيب ونحوه ضربة واحدة بر۔ وروى نحوه الشافعى وروى نحوه عن النبى ﷺ فى المقعد الذى حملت منه الوليدة وامر ان يضرب بعثكول فيه مائة شمراخ ضربة واحدة۔

وقال القشيرى وقيل لعطاء هل يعمل بهذا اليوم؟ فقال ما انزل القرآن الا ليعمل به ويتبع الخ۔

ترجمہ: علماء کا اس مسئلہ میں اختلاف ہے کہ آیا یہ حکم عام ہے یا ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے۔ پس روایت ہے امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ سے کہ یہ حکم عام ہے تمام لوگوں کے لئے اس قول کو امام ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ذکر کیا ہے اور حکایت بیان کی گئی ہے امام قشیری

حاشیہ.....☆

رحمۃ اللہ علیہ سے کہ یہ خاص ہے حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ۔

اور مهدوی نے عطا ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ سے حکایت بیان کرتے ہیں کہ وہ اس طرف گئے ہیں کہ اس کا حکم باقی ہے اور وہ یہ ہے کہ جب سو یا اس کی مثل بنڈل ایک دفعہ مارا جائے تو کفایت کرے گا اور اسی طرح امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی روایت کیا ہے اور اسی طرح نبی کریم ﷺ سے مروی ہے اس معقد کے بارے میں جو بچے سے حاملہ ہو کہ آپ نے سو تنکے والے جھاڑو سے ایک دفعہ مارنے کا حکم فرمایا۔ اور امام قشیری رحمۃ اللہ علیہ نے کہا کہ عطاء رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا گیا کہ اس حکم پر آج بھی عمل کیا جائے گا تو آپ نے جواب دیا کہ قرآن تو عمل کرنے کے لیے اور اتباع کرنے کے لیے اتارا گیا ہے۔

(الجامع لاحکام القرآن ج۱۵ ص۲۱۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابی الفرج عبدالرحمن بن الجوزی متوفی ۵۹۷ھ لکھتے ہیں۔

وهل ذلك خاص له ام لا فيه قولان احدهما انه عام وبه قال ابن عباس و عطاء بن ابى رباح و ابن ابى ليلىٰ والثانى انه خاص لايوب قاله مجاهد۔

ترجمہ: کیا یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص تھا۔ یا نہیں اس میں دو قول ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، امام عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ اور امام ابن ابی لیلیٰ کا یہ قول ہے کہ یہ عام ہے۔ دوسرا قول کہ یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے ساتھ خاص ہے امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(زادالمسیر ج۷ ص۱۲۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام فخر الدین محمد بن ضیاء الدین عمر رازی متوفی ۶۰۶ھ لکھتے ہیں۔

وهذه الرخصة باقية وعن النبى ﷺ انه اتى بمجذم خبث بامة فقال خذوا عثكالاً فيه مائة شمراخ فاضربوه به ضربة۔

ترجمہ: اور یہ رخصت باقی ہے حضور ﷺ سے روایت ہے کہ مجرم آپ کے پاس لایا گیا جس نے باندی سے زنا کیا تھا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سوتنکوں والا جھاڑو لو اور اس کو ایک دفعہ مارو۔

(تفسیر کبیر ج۹ ص۳۹۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں۔

وهذه الرخصة باقية۔

ترجمہ: یہ رخصت باقی ہے۔

(تفسیر مدارک التنزیل ج۲ ص مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنہ پشاور)

امام علی بن محمد الخازن متوفی ۷۲۵ھ لکھتے ہیں۔

وهل ذلك لايوب خاصة ام لا؟ فيه قولان احدهما انه عام وبه قال ابن عباس و عطاء بن ابى رباح والثانى انه خاص بايوب۔

ترجمہ: کیا یہ حیلہ حضرت ایوب علیہ السلام کے لئے خاص تھا۔ یا نہیں اس میں دو قول ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور امام عطاء ابن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول ہے کہ یہ عام ہے۔ دوسرا قول امام مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ہے۔

(لباب التاویل فی معانی التنزیل المعروف تفسیر خازن ج۴ ص۴۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حضرت یوسف علیہ السلام نے چاہا کہ بنیامین کو اپنے پاس رکھیں اور راز ظاہر نہ ہو۔اس کے لئے بھی ایک حیلہ ہی فرمایا جس کا مفصل ذکر سورہ یوسف میں ہے۔

(کنز الایمان سورۃ یوسف آیت نمبر ۷۶ پارہ ۱۳)

ایک بار حضرت سارا نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی۔حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صلح کرادو۔حضرت سارا نے فرمایا کہ میری قسم کیسے پوری ہو۔تو ان کی تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھیدد یں۔مشکوۃ کتاب البیوع باب الربوا میں ہے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں عمدہ خرمے لائے۔حضور علیہ السلام نے دریافت فرمایا کہ کہاں سے لائے۔عرض کیا کہ میرے پاس کچھ ردی خرمے تھے میں نے دوصاع ردی خرمے دیئے اور ایک صاع عمدہ خرمے لے لئے فرمایا کہ یہ سود ہو گیا۔آیندہ ایسا کرو کہ ردی خرمے پیسوں کے عوض فروخت کرواوران پیسوں کے اچھے خرمے لے لو۔

(صحیح مسلم باب الربوا ج ۲ ص ۲۶ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)،(فتح الباری ج ۴ ص ۴۰۰ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

دیکھو یہ سود سے بچنے کا ایک حیلہ ہے۔

حاشیہ.....☆

محمد بن ابی بکر الدمشقی الشہیر بابن قیم الجوزیہ متوفی ۷۵۱ھ لکھتے ہیں۔

واخبر تعالى عن نبيه يوسف عليه السلام انه جعل صواعه في رحل اخيه يتوصل بذلك الى اخذه من اخوته ومدحه بذلك واخبر انه برضاه واذنه كما قال كذلك كدنا ليوسف ما كان لياخذ اخاه في دين الملك الا ان يشاء الله نرفع درجات من نشاء وفوق كل ذى علم عليم [يوسف: ۷۶] فاخبر ان هذا كيده نبيه وانه بمشيئته وانه يرفع درجة عبده بلطيف العلم ودقيقعه الذى لا يهتدى اليه سواه وان ذلك من علمه وحكمته۔

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی حضرت یوسف علیہ السلام کے بارے میں خبر دی کہ انہوں نے اپنا برتن اپنے بھائی کی سواری میں رکھ دیا تا کہ اپنے سوتیلے بھائیوں میں سے اپنے سگے بھائی کو حاصل کر سکیں اور اللہ تعالیٰ نے اسے مقام مدح میں بیان فرمایا اور خبر دی کہ یہ کام اللہ کی رضا اور اس کی اجازت سے ہوا۔جیسے کہ اس نے فرمایا کہ یہ یوسف علیہ السلام کا حیلہ تھا۔اور یہ اس کی مشیت سے تھا اور وہ اپنے بندے کے درجہ و مرتبے کو بلند فرماتا ہے لطیف و باریک علم کے ساتھ اور علم کے دقائق کے ساتھ جس کو اس کے سوا کوئی نہیں پا سکتا اور یہ اس کے علم و حکمت میں سے ہے۔

(اعلام الموقعین عن رب العالمین فصل عن حج الذین جوزوا الحیل ج ۳ ص ۱۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حافظ عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر متوفی ۷۷۴ھ لکھتے ہیں۔

وهذا من الكيد المحبوب المراد الذى يحبه الله ويرضاه لما فيه من الحكمة والمصلحة المطلوبة۔

ترجمہ: اور یہ پسندیدہ حیلہ ہے جس سے مراد یہ ہے کہ اللہ اور اس کو پسند کرتا ہے اور اس سے راضی ہے کیونکہ اس میں حکمت اور مصلحت ہے جو مطلوب ہے۔

(تفسیر ابن کثیر ج ۲ ص ۴۹۸ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

عالمگیری نے حیلوں کا مستقل باب لکھا جس کا نام ہے کتاب الحیل اسی طرح الاشباہ والنظائر میں کتاب الحیل وضع فرمائی۔ چنانچہ عالمگیری کتاب الحیل اور ذخیرہ میں ہے۔

کل حیلة یحتال بها الرجل لابطال حق الغیر او لادخال شبهة فیه او لتمویه باطل فهی مکروهة و کل حیلة یحتال بها الرجل لیتخلص بها عن حرام او لیتوصل بها الی حلال فهی حسنة والاصل فی جواز هذا النوع (الخ)۔

ترجمہ: جو حیلہ کسی کا حق مارنے یا اس میں شبہ پیدا کرنے یا باطل سے فریب دینے کے لئے کیا جاوے وہ مکروہ ہے اور جو حیلہ اس لئے کیا جاوے کہ اس سے آدمی حرام سے بچ جاوے یا حلال کو پالے وہ اچھا ہے اس قسم کے حیلوں کے جائز ہونے کی دلیل۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الحیل ج۶ ص۴۴۳ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

حاشیہ.....☆

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ لکھتے ہیں۔

وهی ما یتوصل به الی مقصود بطریق خفی وهی ثم العلماء علی اقسام بحسب الحامل علیها فان توصل بها بطریق مباح الی ابطال حق او اثبات باطل فهی حرام او الی اثبات حق او دفع باطل فهی واجبة او مستحبة وان توصل بها بطریق مباح الی بالاجماع من وقوع فی مکروه فهی مستحبة او مباحة او الی ترک مندوب فهی مکروهة۔

ترجمہ: کسی خفیہ طریقہ سے مقصود کے حاصل کرنے کو حیلہ کہتے ہیں، علماء کے نزدیک اس کی کئی اقسام ہیں:

(۱) اگر جائز طریقہ سے کسی کا حق باطل کیا جائے یا کسی باطل (مثلاً سود، رشوت وغیرہ) کو حاصل کیا جائے تو یہ حیلہ حرام ہے۔

(۲) اگر جائز طریقہ سے کسی حق کو حاصل کیا جائے یا کسی باطل یا ظلم کو دفع کیا جائے تو یہ حیلہ مستحب یا واجب ہے۔

(۳) اگر جائز طریقہ سے کسی ضرر سے محفوظ رہا جائے تو یہ حیلہ مستحب یہ مباح ہے۔

(۴) اگر جائز طریقہ سے کسی مستحب کو ترک کرنے کا حیلہ کیا جائے تو یہ مکروہ ہے۔

(فتح الباری شرح صحیح البخاری ج۱۲ ص۳۲۶ مطبوعہ دارالمعرفۃ بیروت)

امام ابوبکر احمد بن عمرو المعروف الخصاف رحمۃ اللہ علیہ نے بھی پوری ایک کتاب بنام ''کتاب الحیل'' لکھی ہے۔ امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ امام الخصاف رحمۃ اللہ علیہ کو شیخ الحنفیہ کے القاب سے یاد کرتے ہیں۔

امام ذہبی رحمۃ اللہ علیہ متوفی ۷۴۸ھ لکھتے ہیں۔

العلامة شیخ الحنفیة ابوبکر احمد بن عمرو بن مهیر الشیبانی الفقیه الحنفی المحدث۔

اور ان کے کتابوں کے بارے میں لکھتے ہیں۔

صنف کتاب الحیل و کتاب الشروط الکبیر ثم اختصره والرضاع و ادب القاضی والعصیر واحکامه واحکام الوقوف وذرع الکعبة والمسجد والقبر۔

(سیر اعلام النبلاء ذکر الخصاف رحمۃ اللہ علیہ ج۱۳ ص۱۲۴ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

علامہ زین الدین بن نجیم متوفی ۹۷۰ھ لکھتے ہیں۔

قال فی الملتقط قال ابو سلیمان کذبوا علی محمد لیس له کتاب الحیل و انما هو الهرب من الحرام والتخلص منه حسن قال اللہ تعالی خذ بیدك ضغثا فاضرب به ولا تحنث۔

ترجمہ: ملتقط میں ہے کہ ابوسلیمان نے فرمایا کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ پر بہتان تراشا گیا ہے کہ انہوں نے کتاب الحیل نہیں لکھی

رب تعالیٰ کا یہ فرمان ہیکہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لواس سے مارو یہ حضرت ایوب علیہ السلام کو قسم سے بچنے کی تعلیم تھی اور عام مشائخ اس پر ہیں کہ اس آیت کا حکم منسوخ نہیں اور یہ ہی صحیح اور یہ ہی صحیح مذہب ہے حموی شرح اشباہ اور تتار خانیہ میں جواز حیلہ کی بہت نفیس تقریر فرمائی چنانچہ بحث کے دوران میں فرماتے ہیں۔

وعن ابن عباس انه قال وقعت وحشة بين هاجرة وسارة فحلفت سارة ان ظفرت بها قطعت عضوا منها فارسل الله جبريل الى ابراهيم عليه السلام ان يصلح بينهما فقالت سارة ماحيلة يميني فاوحى الله الى ابراهيم عليه السلام ان يامر سارة ان تتقب اذنى هاجر فمن ثم نقوب الاذن۔

ترجمہ: ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت سارہ وہاجرہ رضی اللہ عنہما میں کچھ جھگڑا ہوگیا۔ حضرت سارہ نے قسم کھائی کہ مجھے موقعہ ملا تو ہاجرہ کا کوئی عضو کاٹونگی۔ رب تعالیٰ نے حضرت جبریل کو ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں بھیجا کہ ان میں صلح کرادیں حضرت سارہ نے عرض کیا تو میری قسم کا کیا حیلہ ہوگا۔ پس حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی آئی کہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو حکم دو کہ وہ حضرت ہاجرہ رضی اللہ عنہا کے کان چھیددیں۔ اسی وقت سے عورتوں کے کان چھیدے گئے۔

(فن الحیل حموی علی الاشباہ والنظائر ج ۲ ص ۲۹۱۔۲۹۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ان قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ اور فقہی عبارات سے حیلہ شرعی کا جواز معلوم ہوا۔

دوسری فصل......روزے نماز کے فدیہ کے بیان میں

روزے کا فدیہ تو قرآن سے ثابت ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين۔

ترجمہ: اور جن کو اس روزے کی طاقت نہ ہو وہ بدلہ دیں ایک مسکین کا کھانا۔

(سورۃ البقرۃ پارہ ۲ آیت نمبر ۱۸۴)

اس سے معلوم ہوا کہ مجبور، بوڑھا یا مرض الموت کا مریض جب روزے کے قابل نہ رہے تو ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا دے اور نماز بمقابلہ روزے کے زیادہ مہتم بالشان ہے اس لئے نماز کو روزے کے حکم میں رکھا گیا۔ چنانچہ اسی آیت کے ماتحت تفسیرات احمدیہ شریف میں ملا احمد جیون قدس سرہ فرماتے ہیں۔

والصلوة نظير الصوم بل اهم فيه فامرناه بالفدية احتياطاً ورجونا القبول من الله تعالى فضلا۔

ترجمہ: نماز روزے کی مثل ہے بلکہ اس سے بھی اہم لہذا ہم نے اس میں بھی فدیہ کا احتیاطاً حکم دیا اور رب تعالیٰ کے فضل سے قبول کی امید ہے۔

(التفسیرات الاحمدیہ فی بیان الایات الشرعیہ ص ۶۱ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کوئٹہ)

منار میں ہے۔

ووجوب الفدية فى الصلوة للاحتياط۔

حاشیہ......☆

حالانکہ یہ حیلہ حرام سے اجتناب اور اس سے بچاؤ کی ایک صورت ہے اور وہ جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

کہ آپ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر انہیں ماریں اور قسم نہ توڑیں۔

(الاشباہ والنظائر الفن الخامس منہ وھو فن الحیل ج ۲ ص ۲۹۱۔۲۹۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

ترجمہ: نماز میں فدیہ کا واجب ہونا احتیاطاً ہے۔

شرح وقایہ میں ہے۔

وفدية كل صلوة كصوم يوم وهو الصحيح۔

ترجمہ: ہر نماز کا فدیہ ایک دن کے روزے کی طرح ہے اور وہ ہی صحیح ہے۔

(شرح وقایہ کتاب الصوم باب موجب الافساد ج اص ۳۱۵ مطبوعہ مکتبہ حقانیہ پشاور)

شرح الیاس میں ہے۔

ويعتبر فدية كل صلوة فائت كصوم يوم اى كفدية يوم۔

ترجمہ: ہر فوت شدہ نماز کے فدیہ کا اعتبار ایک دن روزے پر ہے یعنی ایک دن کے روزے کی طرح ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔

من مات وعليه قضاء رمضان فاوصى به اطعم عنه وليه لكل يوم مسكينا نصف صاع من بر اوصاعاً من تمر او شعير لانه عجز الاداء وكذالك اذا اوصى بالاطعام عن الصلوة۔

ترجمہ: جو شخص مر جائے اور اس پر رمضان کی قضاء ہے پس اس نے وصیت کی تو اس کی طرف سے اس کا ولی ہر دن کے عوض ایک مسکین کو نصف صاع گیہوں یا ایک صاع خرمے یا جو دیدے کیونکہ میت اب ادا سے مجبور ہو گیا اور اسی طرح جبکہ اس نے نماز کے بدلے میں کھانا دینے کی وصیت کی ہو۔

(فتح القدیر باب مایوجب القضاء والکفارۃ ج ۲ص ۳۶۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

اعلم انه قدور دالنص فى الصوم باسقاطه بالفدية اتفقت كلمته المشائخ على ان الصلوة كالصوم استحساناً واذا علمت ذلك تعلم جهل من يقول ان اسقاط الصلوة لا اصل له ابطال للمتفق عليه من المذهب۔

(طحطاوی علی المراقی الفلاح فصل فی اسقاط الصلاۃ والصوم ص ۳۵۴ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ نماز و روزے کا فدیہ دینا جائز ہے اور قبول کی امید ہے بلکہ احادیث بھی اس کی تائید کرتی ہیں۔ چنانچہ نسائی نے اپنے سنن کبریٰ اور عبدالرزاق نے کتاب الوصایا میں سیدنا عبداللہ ابن عباس سے نقل فرمایا۔

لايصلى احد عن احد ولايصوم احد عن احد ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدين من حنطة۔

ترجمہ: کوئی کسی کی طرف سے نہ نماز پڑھو نہ روزہ رکھے اس کی طرف سے ہر دن ہر دن کے عوض دو مد گندم (آدھا صاع) خیرات کر دے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ص ۲۵۴ رقم الحدیث ۸۰۰۴ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

حاشیہ......☆

امام ابو عبدالرحمٰن احمد بن شعیب نسائی متوفی سن ۳۰۳ھ روایت کرتے ہیں۔

انبا محمد بن عبدالاعلى قال حدثنا يزيد وهو بن زريع قال حدثنا حجاج الاحول قال حدثنا ايوب بن موسىٰ عن عطاء بن ابى رباح عن بن عباس قال ثم لايصلى احد عن احد ولا يصوم احد عن ولكن يطعم عنه مكان كل يوم مدا من حنطة صوم الولى عن الميت۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ کوئی نہ کسی کی طرف سے نماز پڑھے نہ روزہ رکھے لیکن ولی میت کی طرف سے ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلایا جائے۔

(سنن الکبریٰ للنسائی ج ۲ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۲۹۱۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (فتح القدیر ج ۲ص ۳۵۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

مشکوۃ باب الصوم باب القضاء میں ہے۔

قال مات وعليه صيام شهر رمضان فليطعم عنه مكان كل يوم مسكين۔

ترجمہ: جو مر جائے اور اس کے ذمہ ماہ رمضان کے روزے ہوں تو چاہئے کہ اس کی طرف ہر دن کے عوض ایک مسکین کو کھانا دیا جاوے۔
(مشکوۃ المصابیح کتاب الصوم باب القضاء ص ۱۷۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

غرضکہ نماز و روزے کا فدیہ سال سے دینا شریعت میں وارد ہے اس کا انکار کرنا جہالت ہے۔

تیسری فصل

مسئلہ اسقاط کے ثبوت میں

اسقاط کا طریقہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں اس کا ثبوت تقریباً ہر فقہی کتاب میں ہے۔ چنانچہ نور الایضاح میں اسی مسئلہ اسقاط کے لئے ایک خاص فصل مقرر کی فصل فی اسقاط الصوم و الصلوۃ یعنی یہ فصل نماز و روزے کے اسقاط میں ہے اس میں فرماتے ہیں

ولا يصح ان بصوم ولا ان يصلى عنه وان لم يف ما اوصى به عما عليه يدفع ذلك المقدار للفقير فيسقط عن الميت بقدره ثم يهبه الفقير وهكذا حتى يسقط ما كان على الميت من صيام و صلوة ويجوز عطاء فديته صلوت لواحدا جملته بخلاف كفارة اليمين۔

ترجمہ: وہ ہی ہے جو ہم نے طریقہ اسقاط میں بیان کیا۔
(نور الایضاح فصل فی اسقاط الصلاۃ والصوم ص ۱۷۳ مطبوعہ دار الحکمۃ دمشق)

حاشیہ.....☆

حافظ شہاب الدین احمد ابن حجر عسقلانی متوفی ۸۵۲ھ اس روایت کے بعد لکھتے ہیں۔

روى النسائى فى الكبرى باسناد صحيح۔

ترجمہ: امام نسائی رحمۃ اللہ علیہ نے سنن الکبریٰ میں صحیح سند کے ساتھ اس کو روایت کیا ہے۔
(تلخیص الحبیر کتاب الصیام ج ۲ ص ۲۰۹ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)

امام عبد الرزاق بن ہمام صنعانی متوفی ۲۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عمر قال لايصلين احد عن احد ولا يصومن احد عن احد ولكن ان كنت فاعلاً تصدقت عنه۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ روزہ رکھے اگر کرنا ہی ہے تو اس کی طرف سے صدقہ دو۔

(مصنف عبد الرزاق کتاب الوصایا ج ۹ ص ۶۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

امام ابو یوسف یعقوب بن ابراہیم متوفی ۱۸۲ھ لکھتے ہیں۔

قال حدثنا يوسف عن ابيه حنيفة عن حماد عن ابراهيم انه قال لا يصوم احد عن احد ولا يصلى احد عن احد۔

درمختار باب قضاء الفوایت میں ہے۔

ولو لم یترك مالاً یستقرض وارثه نصف صاع مثلا ویدفعه لفقیر ثم یدفعه الفقیر للوارث ثم و ثم حتی یتم۔

(الدرالمختار باب القضاء الفوائیت ص ۳۷ مطبوعہ مجتبائی پاکستان ہسپتال روڈ لاہور)،(منۃ الجلیل لبیان اسقاط ما علی الذمۃ من کثیر وقلیل، الرسالۃ الشامیۃ من مجموعۃ رسائل ابن عابدین ج ۱ص ۲۱۸ مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور)

اس کا ترجمہ وہی ہے جو طریقہ اسقاط میں بیان ہوا۔ اس کی شرح میں شامی میں اس اسقاط کی اور زیادہ وضاحت فرمائی چنانچہ فرماتے ہیں۔

والاقرب ان یحسب علی المیت ویستفرض بقدره بان یقدر عن کل شهر او سنة او یحسب مدة عمره بعد اسقاط اثنی عشر سنة للذکر وتسع سنین للانثی لانها اقل مدة بلو غهما فیجب عن کل شهر نصف عزارة فتح القدیر بالمدالد مشقی مد زماننا ولکل سنة شمسیة ست عزائر فیستقرض قیمتها ویدفعها لفقیر ثم یستوهبها منه ویتسلمها منه لنتم الهبة ثم یدفعها لذلك الفقیر او لفقیر اخر وهکذا فیسقط فی کل مرة کفارة سنة بعد ذلك یعید الدور للکفارة الصیام ثم الاضحیة ثم الایمان لکن لا بد فی کفارة الایمان من عشرة مسکین بخلاف فدیة الصلوة فانه یجوز اعطاء فدیة صلوت للواحد۔

ترجمہ: یعنی اس کا آسان طریقہ یہ ہے کہ حساب کر کے کہ میت پر کتنی نمازیں اور روزے وغیرہ ہیں اور اس اندازے سے قرض لے اس طرح کہ ایک ایک مہینہ یا ایک ایک سال کے اندازے سے لے یا میت کی کل عمر کا اندازہ کرے اور پوری عمر میں سے بلوغ کی کم از کم مدت جو مرد کے لئے بارہ سال ہے اور عورت کے لئے نو سال وضع کردے پھر حساب کرلے تو ہر مہینہ کی نمازوں کا فدیہ نصف عزارہ ہوگا (فتح القدیر و مشقی مد سے) اور ہر شمسی سال کا کفارہ چھ عزارہ ہوا پس وارث اس کی قیمت قرض لے اور فقیر کو اسقاط کے لئے دے پھر فقیر اس کو دیدے اور وارث ہبہ قبول کر کے موہوب پر قبضہ کرلے۔ پھر وہ ہی قیمت اسی فقیر کو یا دوسرے کو فدیہ میں دے اسی طرح دورہ کرتا رہے تو ہر دفعہ میں ایک سال کا کفارہ ادا ہوگا اور اس کے بعد روزہ اور قربانی کے کفارہ کے لئے پھر قسم کے لئے لیکن کفارہ قسم میں دس مسکینوں کا ہونا ضروری ہے بخلاف فدیہ نماز کے کہ اس میں چند نمازوں کا فدیہ ایک شخص کو دے سکتا ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب قضاء الفوائت۔ مطلب فی اسقاط الصلاۃ عن المیت ج ۱ص ۵۴۲۔۵۴۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

یہ بالکل وہ ہی طریقہ ہے جو ہم نے بیان کیا۔ الاشباہ والنظائر میں ہے۔

اراد الفدیته عن صوم ابیه او صلوته وهو فقیر یعطی منوین من الحنطته فقیراً ثم یستوهبه ثم یعطیه وهکذا الی ان یتم۔

مراقی الفلاح شرح نور الایضاح میں ہے۔

فحیلته لا براء ذمته المیت عن جمیع ما علیه ان یدفع ذلك المقدار الیسیر بعد تقدیره بمشیئی

حاشیہ.....☆

ترجمہ: حضرت ابراہیم (نخعی) رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ نہ کوئی کسی کی طرف سے روزہ رکھے اور نہ نماز پڑھے۔

(کتاب الاثار لامام ابو یوسف باب فی الصیام ص ۱۷۵ رقم الحدیث ۷۹۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

امام محمد بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ لکھتے ہیں۔

عن عبداللہ بن عمر وعن ابراهیم النخعی انهما قالا لا یصلی احد عن احد ولا یصوم احد عن احد۔

ترجمہ: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابراہیم نخعی رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ ان دونوں نے فرمایا نہ کوئی شخص کسی کی طرف سے نماز پڑھے اور نہ کوئی شخص کی طرف سے روزہ رکھے۔

(کتاب الاصل المعروف بالمبسوط للشیبانی کتاب الصوم ج ۲ص ۲۳۰ مطبوعہ ادارۃ القرآن والعلوم الاسلامیہ کراچی)

من صیام او صلوۃ او نحوہ ویعطیہ للفقیر بقصد اسقاط ما یرد عن المیت ثم بعد قبضہ یھبہ الفقیر للولی اوللاجنبی ویقبضہ ثم یدفعہ الموھوب لہ للفقیر کجھتہ الاسقاط متبرع بہ عن المیت ثم یھبہ الفقیر للولی (الی ان قال) وھذا ھو المخلص ان شآء اللہ تعالی۔

ترجمہ وہ ہی ہے جو اوپر گزرا۔

(مراقی الفلاح شرح نور الایضاح فصل فی اسقاط الصلوۃ والصوم ص ۳۵۷ مطبوعہ مکتبہ انصاریہ کابل افغانستان)

عالمگیری میں ہے۔

وان لم یترک مالا یستقرض ورثتہ نصف صاع ویدفع الی مسکین ثم یتصدق مسکین علی بعض ورثتہ ثم یتصدق حتے یتم الکل کذا فی الخلاصتہ۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الصلوۃ باب الحادی عشر فی قضاء الفوائت ج ا ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اسی طرح بحر الرائق۔ عینی کنز الدقائق۔ جامع الرموز۔ معتمد ظہیریہ النقایہ فتاوی قاضی خان۔ قرائد۔ جواہر القول المختصر وغیرہ کتب فقہ میں ہے مگر طوالت کے خوف سے تمام کی عبارات نقل نہیں کیں۔ منصف کے لئے اسی قدر میں کفایت ہے اب مخالفین کے پیشوا مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کا فتوئی ملاحظہ ہو۔ فتاوی رشیدیہ جلد اول کتاب البدعات صفحہ ۱۰۳ میں ہے ''حیلہ اسقاط کا مفلس کے واسطے علماء نے وضع کیا تھا۔ اب یہ حیلہ تحصیل چند فلوس کا ملانوں کے واسطے مقرر ہو گیا ہے۔ حق تعالی نیت سے واقف ہے وہاں یہ حیلہ کارگزنہیں مفلس کے واسطے بشرط صحت نیت ورثہ کیا عجب ہے کہ مفید ہو ورنہ لغو اور حیلہ تحصیل دنیا و یہ کا ہے'' فقط رشید احمد عفی عنہ۔

اگر چہ اس میں بہت ہیر پھیر کی مگر جائز مان لیا۔ لہذا اب کسی دیوبندی کو تو حیلہ اسقاط پر اعتراض کا حق نہیں رہا۔ مفلس کی قید مولوی رشید احمد صاحب نے اپنے گھر سے لگائی ہے۔ ہم فقہی عبارات پیش کر چکے ہیں۔ جس میں مفلس کی قید نہیں ہے۔ مالدار آدمی بھی اگر پورا فدیہ ادا کرے تو تمام ترکہ اسی میں چلا جاویگا۔ ورثہ کو کیا بچے گا۔ اور اگر کسی نے مرتے وقت وصیت بھی کر دی ہو کہ میرا فدیہ دیا جائے تو وصیت تہائی مال سے زیادہ کی جائز نہیں۔ اگر تہائی مال سے تمام عمر کی نمازوں کا فدیہ ادا نہ ہوا۔ تو حیلہ کرنے میں کیا حرج ہے؟ رہا حیلہ کا حیلہ کرنا یہ محض لغو ہے کوئی کہہ سکتا ہے کہ مدرسہ دیوبند مولویوں کا تنخواہ لینے کا حیلہ ہے لہذا لغو ہے۔

دوسرا باب

حیلہ اسقاط پر اعتراضات و جوابات

اس مسئلہ پر قادیانی اور دیوبندی جماعتوں کے کچھ اعتراضات ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ان کو کوئی معقول اعتراض نہیں مل سکا۔ محض لفاظی سے کام لیتے ہیں چونکہ بعض سیدھے مسلمان شبہات میں پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے ہم ان کے جواب دیتے ہیں۔

اعتراض (۱)......:۔ حیلہ کرنا خدا کو اور مسلمانوں کو دھوکا دینا ہے۔ رب تعالی فرماتا ہے۔

یخدعون اللہ والذین امنوا وما یخدعون الا انفسھم وما یشعرون۔

ترجمہ: یہ منافقین اللہ اور مسلمانوں کو دھوکا دیتے ہیں اور نہیں فریب دیتے مگر اپنی جانوں کو اور سمجھتے نہیں۔

(پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۹)

یہ کیونکر ممکن ہے کہ تھوڑے مال کے عوض تمام عمر کی نمازیں معاف ہو جاویں۔

جواب:۔ حیلہ کو دھوکا کہنا جہالت ہے حیلہ سے مراد ہے ضرورت شرعیہ پورا کرنے کی شرعی تدبیر اردو میں بولتے ہیں۔''حیلہ رزق بہانہ موت'' اور شرعی حیلہ تو رب نے سکھایا اور حضور علیہ السلام نے تعلیم فرمایا۔ جس کے حوالے پہلے باب میں گزر چکے اور عالمگیری کا حوالہ گزر گیا کہ کسی کو فریب دینے کے لئے حیلہ کرنا گناہ ہے۔ لیکن شرعی ضرورت کو پورا کرنے یا حرام سے بچنے کی تدبیر کرنا عین ثواب کسی جگہ مسجد بن رہی ہے۔ روپیہ کی ضرورت ہے زکوۃ کا پیسہ اس میں نہیں لگ سکتا۔ کسی فقیر کو زکوۃ دی اس نے مالک ہو کر اپنی طرف سے اس پر خرچ کر دیا۔ اس میں کس کو فریب دیا۔ کس کا مال مارا محض ضرورت شرعی کو پورا کیا۔ لینے کا حیلہ کرنا برا اور دینے کا حیلہ کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اس میں فقراء کو دینے کا حیلہ ہے خدائے قدوس کی رحمتیں بھی حیلہ ہی سے آتی ہیں۔

رحمت حق بہانہ می طلبد رحمت حق بہانمی طلبد

خدا کی رحمت قیمت نہیں مانگتی۔ خدا کی رحمت بہانہ چاہتی ہے یہ آیت یخدعون منافقین کے متعلق نازل ہوئی جو کہ کلمہ ایمانی کو اپنے لئے آڑ بناتے تھے۔ اور دل میں کافر تھے۔ مسلمانوں کے عمدہ اور شرعی اعمال پر اس کو چسپاں کرنا سخت جرم ہے۔ اسقاط کے مال کی وجہ سے نماز معاف نہیں ہوتی بلکہ زمانہ زندگی میں نماز پڑھنے کا جو قصور میت سے ہو چکا ہے اور اب اس کا بدلہ میت سے ناممکن ہے اور میت اس میں گرفتار ہے اس کے قصور معاف کرانے کا یہ حیلہ ہے کیونکہ صدقہ غضب الٰہی کو ٹھنڈا کرتا ہے۔ الصدقة يطفى غضب الرب مشکوۃ باب الجمعہ میں ہے کہ جس سے نماز جمعہ چھوٹ جاوے وہ ایک دینار یا نصف دینار خیرات کرے۔ یہ خیرات کیا ہے اس گناہ کا کفارہ ہے جس کا بدلہ ناممکن ہو گیا۔ اگر ہم یہ کہتے کہ انسان زندگی میں ہی آیندہ نمازوں کا فدیہ مال دے دیا کرے اور نماز نہ پڑھا کرے۔ تو یہ کہا جا سکتا تھا کہ مال سے نمازیں معاف کرا دیں۔

اعتراض (۲)......:۔ نماز وروزہ عبادت بدنی عبادت کا کفارہ کسی طرح نہیں ہو سکتا ہے۔ لہذا یہ حیلہ محض باطل ہے۔

جواب:۔ یہ قیاس قرآنی آیت کے مقابل ہے کہ قرآن تو فرمارہا ہے وعلى الذين يطيقونه فدية طعام مسكين۔ (سورۃ البقرۃ پارہ ۲ آیت نمبر ۱۸۴) جو اس روزے کی طاقت نہیں رکھتے۔ ان پر فدیہ ہے۔ ایک مسکین کا کھانا اور حکم الٰہی کے مقابل اپنا قیاس کرنا شیطان کا کام ہے کہ اس کو حکم الٰہی ہوا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کر۔ اس نے اس حکم کے مقابل اپنا قیاس دوڑایا مردود ہوا۔ پھر بدنی محنت کے مقابل مال ہونا عقل کے مطابق ہے کہ ہم کسی سے کام کراتے ہیں۔ اس کے معاوضہ میں مال دیتے ہیں۔ بعض صورتوں میں جان کا بدلہ بھی مال سے ہوتا ہے۔ اور شریعت میں بعض کفارے خلاف قیاس بھی ہوتے ہیں۔ کوئی نمازی پہلی التحیات بھول گیا تو سجدہ سہو کرے کسی نے اپنی بیوی سے ظہار کر لی تو اس کے کفارہ میں ۶۰ روزے رکھے۔ حاجی نے بحالت احرام شکار کر لیا۔ اگر پیسہ ہے تو اس شکار کی قیمت خیرات کرے ورنہ روزے رکھے۔ یہ تمام کفارے خلاف قیاس ہیں۔ مگر شریعت نے مقرر فرما دیا بسر وچشم منظور ہے۔

اعتراض (۳)......:۔ حیلہ اسقاط سے لوگ بے نمازی بن جاویں گے کیونکہ جب ان کو معلوم ہو گیا کہ ہمارے بعد ہماری نمازوں کا اسقاط ممکن ہے تو پھر نماز پڑھنے کی زحمت کیوں گوارا کریں گے؟ اس لئے یہ بند ہونا چاہیئے۔

جواب:۔ یہ اعتراض تو ایسا ہے جیسے بعض آریوں نے اسلام پر اعتراض کیا ہے کہ مسئلہ زکوۃ سے مسلمانوں میں بے کاری پیدا ہوتی ہے اور مسئلہ توبہ سے آدمی گناہ پر دلیر ہوتا ہے کیونکہ جب غریب کو معلوم ہے کہ مجھے زکوۃ کا مال بغیر محنت ملے گا تو کیوں محنت کرے۔ اسی طرح جبکہ آدمی کو معلوم ہو گیا کہ توبہ سے گناہ معاف ہو جاتا ہے تو خوب گناہ کرے گا جیسے یہ اعتراض محض لغو ہے اسی طرح یہ بھی جو شخص کہ فدیہ

نماز پر دلیر ہو کر نماز کو ضروری نہ سمجھے وہ کافر ہو گیا اور یہ مال نماز کا فدیہ ہے نہ کہ کفر کا نیز اگر کوئی شخص مسئلہ صحیحہ کو غلط استعمال کرے تو غلطی اس استعمال کرنے والے کی ہے نہ کہ مسئلہ کی نیز نہ مسئلہ اسقاط صدہا سال سے مسلمانوں میں مشہور ہے لیکن آج تک ہم کو تو کوئی بھی مسلمان ایسا نہ ملا جو اس اسقاط کی بنا پر نماز سے بے پرواہ ہو گیا ہو۔

اعتـــراض (۴)......:۔ کچھ بنی اسرائیلیوں نے حیلہ کر کے مچھلی کا شکار کیا تھا۔ جس سے ان پر عذاب الٰہی آ گیا اور وہ بندر بنا دیئے گئے کونوا قردۃ خسئین (پارہ ا سورہ ۲ آیت نمبر ۶۵) معلوم ہوا کہ حیلہ سخت گناہ ہے اور عذاب الٰہی کا باعث۔

جواب:۔ حیلہ کا حرام ہونا بھی بنی اسرائیل پر عذاب تھا جیسے کہ بہت سے گوشت ان پر حرام تھے ایسے ہی یہ بھی اس امت پر جائز حیلوں کا حلال ہونا رب کی رحمت ہے نیز انہوں نے حرام کو حلال کرنے کا حیلہ کیا کہ ہفتہ کے دن مچھلی کا شکار ان پر حرام تھا۔ ایسے حیلہ اب بھی منع ہیں۔

اعتراض (۵)......:۔ قرآن فرماتا ہے۔ لیس للانسان الا ما سعی 'نہیں ہے انسان کے لئے مگر وہ جو خود کمالے (النجم:۳۹) اور فدیہ اسقاط میں یہ ہے کہ میت نماز نہ پڑھے اور اس کی اولاد مال خرچ کر کے اس کو اس جرم سے آزاد کرے۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ حیلہ خلاف قرآن ہے۔

جواب:۔ اس کا جواب فاتحہ کی بحث میں گزر گیا کہ اس آیت کی چند توجیہیں ہیں ایک یہ بھی ہے کہ یہ لام ملکیت کا ہے یعنی انسان اپنی کمائی ہی مالک ہے غیر کی بخشش قبضہ میں نہیں وہ کرے اس لئے غیر کی سخاوت پر پھول کر اپنی محنت کو بھول جانا خلاف عقل ہے۔

بعد مرنے کے تمہیں اپنا پرایا بھول جائے　　فاتحہ کو قبر پر پھر کوئی آئے یا نہ آئے!

یا یہ کہ یہ آیت کریمہ عبادت بدنیہ کے بارے میں آئی ہے کہ کوئی شخص کسی طرف سے نماز پڑھ دے یا روزے رکھ دے تو اس کے ذمہ سے اس کے فرائض نماز روزہ ادا نہ ہوں گے وغیرہ۔ اگر تو توجیہیں نہ کی جاویں تو بہت سی آیات قرآنیہ اور احادیث کی مخالفت لازم آ وے گی۔ قرآن کریم نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ وہ مومنین اور اپنے ماں باپ کے لئے دعا کریں۔ نماز جنازہ بھی میت کے اور تمام مسلمانوں کے لئے دعا ہی ہے۔ احادیث نے میت کی طرف سے صدقہ و خیرات کرنے کا حکم دیا ہے اس کی پوری تحقیق ہمارے فتویٰ میں دیکھو۔

حاشیہ......☆

اعتراض......:۔ قرآن مجید فرماتا ہے۔ وان لیس للانسان الا ماسعی۔

ترجمہ: نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو خود کما لے۔

(النجم:۳۹)

یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ کسی بھی شخص کا عمل کسی بھی دوسرے شخص کو نفع نہیں دیتا۔

جواب:۔ اس آیت کی تاویل میں مختلف اقوال ہیں اور علماء نے مختلف جوابات دیئے ہیں۔

نمبر......(۱) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ یہ حکم آیت ''الحقنابھم ذریتھم '' سے منسوخ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

والذین امنوا واتبعتھم ذریتھم بایمان الحقنابھم ذریتھم۔

(الطور:۲۱)

اور جو ایمان لائے اور ان کی اولاد نے ایمان کے ساتھ ان کی پیروی کی ہم نے ان کی اولاد ان سے ملا دی۔ (کنزالایمان)

حاشیہ......☆

امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

وذكر عن ابن عباس انه قال هذه الآية منسوخة۔

حدثنا علي قال ثنا ابو صالح قال ثني معاوية عن علي عن ابن عباس قوله وان ليس للانسان الا ما سعى قال فانزل الله بعد هذا والذين آمنوا واتبعناهم ذرياتهم بايمان الحقنابهم ذرياتهم فادخل الابناء بصلاح الآباء الجنة۔

(تفسیر طبری ج ۲۷ ص ۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

قیامت کے دن فوت شدہ نابالغ بچے کو اس کے باپ کے میزان میں رکھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ اس بچہ کی سفارش کو اس کے باپ دادا کے حق میں قبول فرمائے گا۔ اس کی دلیل یہ آیت مبارکہ ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں ارشاد فرماتا ہے:

اٰبآؤكم وابنآؤكم لا تدرون ايهم اقرب لكم نفعاً۔

تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کیا جانو کہ ان میں کون تمہارے زیادہ کام آئے گا۔ (النساء:۱۱)

نمبر......(۲) یہ ہے کہ انسان سے مراد اس جگہ کافر ہے باقی رہا مسلمان تو اس کو اپنے عمل اور کوشش کا ثواب بھی ملتا ہے اور جو دوسرا کوئی اس کے لیے کوشش کرتا ہے، اس کا بھی اسے نفع پہنچتا ہے۔ چند احادیث مبارکہ ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر (۱)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی هريرة ان رسول الله ﷺ قال اذا مات الانسان انقطع عنه عمله الا من ثلاثة اشياء من صدقة جارية او علم ينتفع به او ولد صالح يدعو له۔

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جب انسان فوت ہو جاتا ہے تو اس کے اعمال منقطع ہو جاتے ہیں لیکن تین چیزیں منقطع نہیں ہوتی۔ صدقہ جاریہ علم نافع اور نیک اولاد جو اس کے لیے دعا کرتی ہے۔

(سنن ابی داؤد باب ما جاء فی الصدقة عن المیت ج ۳ ص ۱۱۷ رقم الحدیث ۲۸۸۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن الترمذی کتاب الاحکام ج ۳ ص ۶۶۰ رقم الحدیث ۱۳۷۶ قال ابوعیسی ھذا حدیث حسن صحیح مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الدارمی ج ۱ ص ۱۴۸ رقم الحدیث ۵۵۹ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (طبرانی الاوسط ج ۴ ص ۸ رقم الحدیث ۳۴۷۲ مطبوعہ دارالحرمین القاھرۃ)، (موارد الظمان الی زوائد ابن حبان کتاب العلم باب فیمن علم علما ص ۴۹۔۵۰ رقم الحدیث ۸۴۔۸۵ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سنن ابن ماجہ المقدمۃ باب ثواب معلم الناس الخیر ج ۱ ص ۸۸ رقم الحدیث ۲۴۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۳۷۲ رقم الحدیث ۸۸۳۱ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الھمزۃ ج ۱ ص ۵۸ رقم الحدیث ۸۵۰ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الفتح الکبیر فی ضم الزیادۃ الی الجامع الصغیر للنبھانی ج ۱ ص ۱۴۳ رقم الحدیث ۱۲۸۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (تحفۃ المحتاج ج ۲ ص ۳۳ رقم الحدیث ۸۹۳ مطبوعہ دارحراء مکۃ المکرمۃ)، (التحقیق فی احادیث الخلاف لابن جوزی ج ۲ ص ۲۳ رقم الحدیث ۹۲۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۱۰۹ رقم الحدیث ۶۴۷۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (کتاب الدعاء للطبرانی باب ما یلحق المیت من الدعاء بعد موتہ ص ۳۷۵۔۳۷۶۔۳۷۷ رقم الحدیث ۱۲۵۰۔۱۲۵۱۔۱۲۵۲۔۱۲۵۳۔۱۲۵۴۔۱۲۵۵۔۱۲۵۶ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الادب المفرد للبخاری ص ۲۸ رقم الحدیث ۳۸ مطبوعہ دارالبشائر الاسلامیہ بیروت)۔

حدیث نمبر (۲)

امام ابوعبداللہ محمد بن یزید ابن ماجہ متوفی ۲۷۳ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ان مما يلحق المومن من عمله وحسناته بعد موته علماً علمه ونشره اوولداً صلحاً تركه او مصحفاً ورثه او مسجداً ابناه او بيتاً لابن سبيل بناه او نهراً اكراه او

حاشیہ.....☆

صدقۃ اخراجھا من مالہ فی صحتہ و حیاتہ تلحقہ من بعد موتہ۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن کی وفات کے بعد جن اعمال صالحہ اور نیکیوں کا ثواب پہنچتا ہے وہ یہ ہیں! وہ علم جو اس نے سیکھا اور اس کو عام کیا یا اولا د صالح چھوڑ گیا یا میراث میں قرآن مجید چھوڑ گیا یا مسجد بنا گیا یا مسافر خانہ بنا گیا یا نہر جاری کر گیا یا صدقہ و خیرات جو اس نے اپنی زندگی اور حالت صحت میں کیا تو اس کو مرنے کے بعد بھی ان کا ثواب پہنچتا رہے گا۔

(سنن ابن ماجہ باب ثواب معلم الناس الخیر ج ۱ ص ۸۸ رقم الحدیث ۲۴۲ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن خذیمہ باب فضائل بنا السوق لا بناء السبیلۃ وحفر الانھار للشارب الخ ج ۴ ص ۱۲۱ رقم الحدیث ۲۴۹۰ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ باب ماتبع المیت الی قبرہ و بعد موتہ وماھی معہ فیہ ج ۱ ص ۸۳ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)، (مصباح الزجاجۃ للبوصیری ج ۱ ص ۳۵ مطبوعہ دار العربیۃ بیروت)

حدیث نمبر (۳)

امام ابو داؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا محمد بن کثیر اخبرنا اسرائیل عن ابی اسحاق عن رجل عن سعد بن عبادۃ انہ قال ثم یارسول اللہ ان ام سعد ماتت فای الصدقۃ افضل قال الماء قال فحفر بئرا وقال ھذہ لام سعد۔

ترجمہ: حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ! بے شک سعد کی ماں فوت ہوگئی پس کون سا صدقہ افضل ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا پانی کا پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کنواں کھودا اور کہا یہ سعد کی ماں کا ہے۔

(سنن ابو داؤد باب فی فضل سقی الماء ج ۲ ص ۱۳۰ رقم الحدیث ۱۶۸۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (صحیح ابن خذیمہ باب فضل سقی الماء ان صح الخبر ج ۴ ص ۱۲۳ رقم الحدیث ۲۴۹۶ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (سنن نسائی باب ذکر الاختلاف علی سفیان ج ۶ ص ۲۵۵ رقم الحدیث ۳۶۶۶ مطبوعہ مکتب المطبوعات الاسلامیۃ حلب)، (سنن ابن ماجہ باب فضل الصدقۃ الماء ج ۲ ص ۱۲۱۴ رقم الحدیث ۳۶۸۴ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (مسند احمد ج ۵ ص ۲۸۴ رقم الحدیث ۲۲۵۱۲ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (صحیح ابن حبان ذکر البیان بان من افضل الصدقۃ للمرء المسلم سقی الماء ج ۸ ص ۱۳۵ رقم الحدیث ۳۳۴۸ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۴ ص ۱۸۵ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکتبۃ المکرمۃ)، (سنن الکبریٰ للنسائی ج ۴ ص ۱۱۲ رقم الحدیث ۶۴۹۱۔۶۴۹۲۔۶۴۹۳ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (طبرانی کبیر ج ۶ ص ۲۲ رقم الحدیث ۵۳۸۵ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (طبقات ابن سعد ج ۳ ص ۶۱۵ مطبوعہ دار صادر بیروت)، (مجمع الزوائد باب الصدقۃ علی المیت ج ۳ ص ۱۳۸ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (مستدرک للحاکم ج ۱ ص ۴۷۵ رقم الحدیث ۱۵۱۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)

حدیث نمبر (۴)

امام ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بخاری متوفی ۲۵۶ھ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس قال مرا النبی ﷺ بقبرین فقال انھما لیعذبان وما یعذبان فی کبیر اما احدھما فکان لا یستتر من البول واما الاخر فکان یمشی بالنمیمۃ ثم اخذ جریدۃ رطبۃ فشقھا نصفین فغرز فی کل قبر واحدۃ قالوا یارسول اللہ لم فعلت ھذا قال لعلہ یخفف عنھما مالم ییبسا مجاھدا مثلہ۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ انھیں عذاب ہو رہا ہے اور عذاب کسی بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں۔ ان میں سے ایک تو پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلیاں کھاتا پھرتا تھا پھر ایک سبز ٹہنی لی اور اس کے دو ٹکڑے کر کے ایک ایک قبر پر گاڑ دیا۔ صحابہ عرض گزار ہوئے کہ یارسول اللہ! ایسا کیوں کیا؟ فرمایا کہ جب تک یہ خشک نہ ہوں تو شاید ان کے عذاب میں کمی ہوتی رہے۔

حاشیہ.....☆

(صحیح البخاری ج ۱ص ۱۱۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (صحیح مسلم ج ۱ص ۱۴۱ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)، (سنن ابی داؤد باب الاستبراء من البول ج ۱ص ۶ رقم الحدیث ۲۰۔۲۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (سنن النسائی باب التنزہ عن البول ج ۱ص ۲۸۔۲۹۔۳۰ رقم الحدیث ۳۱ مطبوعہ مکتبۃ المطبوعات الاسلامیہ حلب)، (سنن الکبری الامام بیہقی باب التوقی عن البول ج ۲ص ۱۰۴ رقم الحدیث ۴۱۰۵ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (صحیح ابن خزیمہ ج ۱ص ۳۲۔۳۳ رقم الحدیث ۵۵ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (مصنف ابن ابی شیبہ فی التوقی من البول ج ۱ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۱۳۰۸ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (مسند ابی یعلی ج ۴ص ۴۳ رقم الحدیث ۲۰۵۰ مطبوعہ دارالمامون للتراث دمشق)، (مسند اسحاق بن راھویہ ج ۱ص ۲۴۶ رقم الحدیث ۲۰۷ مطبوعہ مکتبۃ الایمان المدینۃ المنورۃ)، (مسند احمد ج ۱ص ۲۲۵ رقم الحدیث ۱۹۸۰ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (طبرانی اوسط عن ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ ج ۴ص ۱۱۳ رقم الحدیث ۳۷۴۷ مطبوعہ دارالحرمین القاھرۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ص ۱۵۴ رقم الحدیث ۴۰۴ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۲ص ۴۴ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال لابن عدی ج ۲ص ۳۸۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۳ص ۵۸۸ رقم الحدیث ۶۷۵۳ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)، (خصائص الکبری باب ما وقع فی غزوۃ ذات الرقاع من الآیات والمعجزات ج ۱ص ۳۰۱۔۳۰۲ ج ۲ص ۱۳۸۔۱۴۹ باب فیما اطلع علیہ من احوال البرزخ والجنۃ والنار غیر ما تقدم مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (المنتقی لابن الجارود باب التنزہ فی الابدان والثیاب عن النجاسات ج ۱ص ۴۲ رقم الحدیث ۱۳۰ مطبوعہ مؤسسۃ الکتاب الثقافیہ بیروت)، (معجم الصحابۃ ج ۳ص ۱۴۲۔۱۴۳ رقم ۱۱۱۷ مطبوعہ مکتبۃ الغرباء الاثریۃ المدینۃ المنورۃ)، (سنن الدارمی باب الاتقاء من البول ج ۱ص ۲۰۵ رقم الحدیث ۷۳۹ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (سنن ابن ماجہ باب التشدید فی البول ج ۱ص ۱۲۵ رقم الحدیث ۳۴۷ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ جب ایک سبز ٹہنی کی تسبیحات کرنے سے میت کو فائدہ پہنچتا ہیں تو صدقات اور مسلمانوں کو دعاؤں سے اولٰی میت کو فائدہ پہنچے گا۔

حدیث نمبر (۵)

امام ابوداؤد سلیمان بن اشعث سجستانی متوفی ۲۷۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عن عثمان بن عفان قال ثم کان النبی ﷺ اذا فرغ من دفن المیت وقف علیہ فقال استغفروا لاخیکم وسلوا لہ التثبیت فانہ الآن یسئال۔

ترجمہ: حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ میت کے دفن سے جب فارغ ہوتے تو قبر پر کھڑے ہوکر فرماتے کہ اپنے بھائی کے لئے ثابت قدمی کی دعا مانگو اس لیے کہ اب اس سے سوال ہو رہا ہے۔

(سنن ابوداؤد کتاب الجنائز باب الاستغفار عند القبر للمیت فی وقت الانصراف ج ۳ص ۲۱۵ رقم الحدیث ۳۲۲۱ مطبوعہ دارالفکر بیروت)، (مستدرک للحاکم قال ھذا حدیث صحیح علی شرط الاسناد ولم یخرجاہ ج ۱ص ۵۲۶ رقم الحدیث ۱۳۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (الاحادیث المختارۃ للضیاء مقدسی وقال اسنادہ حسن ج ۱ص ۵۲۲ رقم الحدیث ۳۸۸ مطبوعہ مکتبۃ النھضۃ الحدیثہ مکہ مکرمۃ)، (تلخیص الحبیر کتاب الجنائز لابن حجر عسقلانی ج ۲ص ۱۳۵ رقم الحدیث ۷۹۵ مطبوعہ المدینۃ المنورۃ)، (شرح السنۃ ج ۵ ص ۴۱۸ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)، (کنز العمال ج ۱۵ص ۵۵۷ رقم الحدیث ۴۲۱۶۰ و ج ۱۵ص ۴۰۱ رقم الحدیث ۴۲۲۸۸)، (کتاب الزھد ابن احمد ص ۱۶۰)، (الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر حرف الکاف ج ۲ص ۴۱۹ رقم الحدیث ۶۷۵۷ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس حدیث مبارکہ سے بھی معلوم ہوا کہ مسلمانوں کی دعاؤں سے میت کو بہت فائدہ پہنچتا ہے اسی لئے تو حضور ﷺ نے فرمایا اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو۔

حدیث نمبر (۶)

امام علی بن عمر ابوالحسن الدارقطنی البغدادی متوفی ۳۸۵ھ روایت کرتے ہیں۔

عن زید بن ارقم قال قال رسول اللہ ﷺ ثم اذا حج الرجل عن والدیہ تقبل منہ ومنھما واستبشرت ارواحھما فی السماء وکتب ثم اللہ تعالی برا۔

ترجمہ: حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی اپنے والدین کے لیے حج

حاشیہ......☆

کرے گا تو اس کی طرف اور اس کے والدین کی طرف سے قبول کیا جائے گا اور اس کے والدین کی ارواح کو آسمان میں بشارت دی جائے گی اور ان کو اللہ کے نزدیک نیک لکھا جائے گا۔

(سنن الدارقطنی کتاب الحج ج ۲ ص ۲۵۹ رقم الحدیث ۱۰۹ مطبوعہ دار المعرفۃ بیروت)

حدیث نمبر (۷)

امام احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱ھ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا عبداللہ حدثنی ابی ثنا یزید انا حماد بن سلمة عن عاصم عن ابی صالح عن ابی هريرة قال قال رسول الله ﷺ ثم ان الله عزوجل ليرفع الدرجة للعبد الصالح في الجنة فيقول يا رب اني لي هذه فيقول باستغفار ولدك لك۔

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ عزوجل جنت میں کسی نیک آدمی کے درجات بلند کرتا ہے تو بندہ عرض کرتا ہے اے میرے رب میرا درجہ کیسے بلند ہوا تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تیرے بیٹے نے تیرے لئے استغفار کی ہے۔

(مسند احمد ج ۲ ص ۵۰۹ رقم الحدیث ۱۰۶۱۸ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (الادب المفرد ص ۲۸ رقم الحدیث ۳۶ مطبوعہ دار البشائر الاسلامیۃ بیروت)، (کتاب الدعاء للطبرانی باب مایلحق المیت من الدعاء بعد موتہ ص ۳۷۵ رقم الحدیث ۱۲۴۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیۃ بیروت)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۷ ص ۷۸ رقم الحدیث ۱۳۲۲۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

نمبر (۳) اس آیۂ کریمہ میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس سے مراد صرف گناہ ہوں یعنی گناہوں کا ضرر صرف اسی کو پہنچتا ہو جو ان کا ارتکاب کرے۔ جیسا کہ امام ابو عبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں۔

قلت ويحتمل ان يكون قوله تعالیٰ وان ليس للانسان الا ماسعی۔ خاصاً في السيئة بدليل ما في صحيح مسلم عن ابي هريرة عن النبي ﷺ قال قال الله عزوجل اذا هم عبدي بحسنة ولم يعملها كتبتها له حسنة فان عملها كتبتها له عشرا الی سبعمائة ضعف واذا هم بسيئة ولم يعملها لم اكتبها عليه فان عملها كتبتها سيئة واحدة۔ والقرآن دال علی هذا قال الله تعالی من جاء بالحسنة فله عشر امثالها (سورہ الانعام:۱۶۰) وقال الله تعالی مثل الذين ينفقون اموالهم في سبيل الله كمثل حبة انبتت سبع سنابل في كل سنبلة مائة حبة۔ (سورہ البقرہ ۲۶۱) وقال في الآية الاخری۔ كمثل جنة بربوة۔ [البقرة ۲۶۵] من ذا الذي يقرض الله قرضا حسنا فيضعفه له اضعافا كثيرة۔

ترجمہ: میں کہتا ہوں کہ یہ بھی احتمال ہے کہ اس سے مراد صرف گناہ ہوں یعنی گناہوں کا ضرر صرف اسی کو پہنچتا ہو جو ان کا ارتکاب کرے اس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی صحیح میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جب میرا بندہ نیکی "ھم" کرتا ہے اور اس پر ابھی عمل نہیں کرتا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور اگر وہ اس نیکی پر عمل کرتا ہے تو میں اس کے لیے دس سے لے کر سات سو گنا تک کی نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جب وہ بندہ برائی کا "ھم" کرتا ہے اور ابھی اس پر عمل نہیں کرتا تو میں اس پر گناہ نہیں لکھتا اور اگر وہ برائی کرے تو اسے ایک ہی گناہ لکھتا ہوں۔

(صحیح مسلم باب اذا ھم العبد بحسنۃ کتبت واذا ھم بسیئۃ لم تکتب ج ۱ ص ۱۱۷ رقم الحدیث ۱۲۸ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (مسند احمد ج ۲ ص ۲۳۴ رقم الحدیث ۷۱۹۵ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (سنن الترمذی باب ومن سورۃ الانعام قال ابو عیسیٰ ھذا حدیث حسن صحیح ج ۵ ص ۲۶۵ رقم الحدیث ۳۰۷۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

قرآن پاک کی یہ آیت اس پر دلیل ہے ارشاد خداوندی ہے:

جو ایک نیکی لائے تو اس کے لیے اس جیسی دس ہیں۔

(الانعام:۱۶۰)

حاشیہ.....☆

اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ان کی مثال جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اس دانہ کی طرح جس نے اگائیں سات بالیں ہر بال میں سو دانے۔

(البقرۃ:۲۶۱)

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہوتا ہے:

اس باغ کی مثل ہے جو ٹیلے پر ہو۔

(البقرۃ:۲۶۵)

نیز ارشاد خداوندی ہے:

ہے کوئی جو اللہ کو قرض حسن دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بہت گنا بڑھا دے۔

(البقرۃ:۲۴۵)

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ باب ماجاء فی قراءۃ القرآن عند القبر حالۃ الدفن وبعدہ ج ۱ ص ۹۷ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

امام سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے پانچ جوابات دیئے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

(شرح الصدور بشرح حال الموتی والقبور ص ۲۶۸۔۲۶۹ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام ابوعبداللہ محمد بن احمد مالکی قرطبی متوفی ۶۶۸ھ لکھتے ہیں۔

وانما طولنا النفس فی ھذا الباب لان الشیخ القاضی الامام مفتی الانام عبدالعزیز ابن عبدالسلام رحمہ اللہ کان یفتی بانہ لا یصل للمیت ثواب ما یقراء ویحتج بقولہ تعالی وان لیس للانسان الا ما سعی۔فلما توفی رحمہ اللہ رآہ بعض اصحابہ ممن کان یجالسہ وسالہ عن ذلک فقال لہ انی کنت اقول ذلک فی دار الدنیا والآن فقد رجعت عنہ لما رأیت من کرم اللہ تعالی فی ذلک وانہ یصل الیہ ذلک۔

ترجمہ: ایصال ثواب کے باب میں ہم نے بہت طویل اور مفصل گفتگو کی ہے اس کی وجہ یہ تھی کہ مفتی اعظم امام عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ جو اپنے وقت کے شیخ فقیہ اور قاضی تھے یہ فتویٰ دیتے تھے کہ قرآن پڑھنے کا ثواب میت کو نہیں پہنچتا اور اپنے موقف پر اس آیت کریمہ سے استدلال کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

نہیں ہے انسان کے لیے مگر وہ جو خود کمالے۔

(النجم:۳۹)

یعنی شیخ عبدالعزیز بن عبدالسلام رحمۃ اللہ علیہ ایصال ثواب کے قائل نہیں تھے جب ان کا انتقال ہوا تو ان کے بعض شاگردوں اور ساتھیوں نے ان کو خواب میں دیکھا تو دریافت کیا کہ آپ دنیا میں ایصال ثواب اور ختم وغیرہ کے قائل نہ تھے اب کیا حال ہے؟ تو کہا کہ ہاں پہلے تو یہی کہتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے ثواب پہنچتا ہے اور اب میں نے رجوع کرلیا۔

(التذکرۃ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ باب ماجاء فی قراءۃ القرآن عند القبر حالۃ الدفن وبعدہ ج ۱ ص ۸۰ مطبوعہ سعیدیہ کتب خانہ صدف پلازہ محلہ جنگی پشاور)

مسئلہ حیلہ اسقاط کی تفصیل اور تحقیق اور اعتراضات کے مسکت جوابات دیکھنے کے لئے فقیر ناچیز کی کتاب ''حیلہ اسقاط اور دوران قرآن کا مدلل ثبوت'' ملاحظہ فرمائیں۔سعید اللہ خان غفرلہ۔

☆............☆

ضروری ہدایت: بعض جگہ رواج ہے کہ اگر کسی مسلمان کا انتقال جمعہ کے علاوہ کسی اور دن ہو تو میت کے ورثا اس کی قبر پر حافظ بٹھا کر جمعہ تک قرآن خوانی کراتے ہیں۔ بعض دیوبندی اس کو بھی حرام کہتے ہیں۔ لیکن یہ حرام کہنا محض غلط ہے اور قبر کے پاس قرآن خوانی کرنا بہت باعث ثواب ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ مشکوۃ کتاب عذاب القبر میں ہے کہ جب میت قبر میں رکھ دی جاتی ہے **وتولیٰ عنه اصحبته اتاه ملكان** اور لوگ دفن کر کے لوٹ آتے ہیں تب منکر نکیر فرشتے سوالات کے لئے آتے ہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ دفن کرنے والوں کی موجودگی میں سوال قبر نہیں ہوتا اور پھر شامی جلد اول باب صلوٰۃ الجنائز میں ہے کہ آٹھ شخصوں سے سوال قبر نہیں ہوتا۔ شہید۔ جہاد کی تیاری کرنے والا، طاعون سے مرنے والا، زمانہ طاعون میں کسی بیماری سے مرنے والا (بشرطیکہ یہ دونوں صابر ہوں) صدیق۔ نابالغ بچہ، جمعہ کے دن یا جمعہ کی رات میں مرنے والا۔ ہر رات سورہ ملک پڑھنے والا یا مرض موت روزانہ سورہ اخلاص پڑھنے والا (بعض نے فرمایا کہ نبی بھی) اس سے معلوم ہوا کہ جو جمعہ کو مرے اس سے سوال قبر نہیں ہوتے تو اگر کسی کا انتقال مثلاً اتوار کو ہوا اور بعد دفن سے ہی آدمی موجود رہا تو اس کی موجودگی کی وجہ سے سوال قبر نہ ہوا۔ اور جب جمعہ آ گیا۔ سوال قبر کا وقت نکل چکا۔ اب قیامت تک نہ ہوگا گویا عذاب الٰہی سے میت کو بچانے کی ایک تدبیر ہے اور اللہ کی رحمت سے امید ہے کہ اس پر رحم فرما دے۔ اب جبکہ آدمی وہاں بیٹھا ہے تو بیکار بیٹھا بیٹھا کیا کرے قرآن پاک کی تلاوت کرے۔ جس سے میت کو بھی فائدہ اور قاری کو بھی۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول بعد الدفن میں ہے کہ **قال الشافعی یستحب ان یقروا عنده شیئاً من القرآن قالوا من ختموا القرآن کله کان حسناً** یعنی قبر کے پاس کچھ تلاوت کرنا مستحب ہے اور اگر پورا قرآن پڑھیں تو بھی اچھا ہے۔

ہم اذان قبر کی بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ قبر پر جو سبزہ اگ جاتا ہے اس کی تسبیح کی برکت سے میت کو فائدہ ہوتا ہے۔ تو انسان کی تلاوت قرآن ضرور نافع ہوگی ان شاء اللہ مگر چاہیے یہ کہ کسی وقت بھی قبر آدمی سے خالی نہ رہے اگر چہ لوگ باری باری سے بیٹھیں۔

ضروری نوٹ: بعض جگہ مسلمان رمضان کے جمعۃ الوداع کے دن کچھ نوافل قضاء عمری پڑھتے ہیں بعض لوگ اس کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔ اور لوگوں کو روکتے ہیں قرآن کریم فرماتا ہے ارءیت الذی ینھی عبداً اذا صلے بھلا دیکھو تو جو منع کرتا ہے۔ بندہ کو جب وہ نماز پڑھے۔ معلوم ہوا کسی نمازی کو نماز سے روکنا سخت جرم ہے قضاء عمری بھی نماز ہے اس لئے روکنا جائز نہیں قضاء عمری کی اصل یہ ہے کہ تفسیر روح البیان پارہ ۷ سورہ انعام زیر آیت **ولتستبین سبیل المجرمین** (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت نمبر ۵۵) اور اس لئے کہ مجرموں کا راستہ ظاہر ہو جائے۔ ایک حدیث نقل کی۔

ایما عبد او امة ترك صلوته فی جهالته لو تاب وندم علی ترکها فلیصل یوم الجمعة بین الظهر والعصر اثنتی عشرة رکعة یقرء فی کل منها الفاتحة واية الکرسی والاخلاص والمعوذتین مرة لایحاسبه الله تعالیٰ یوم القیمة ذکره فی مختصر الاحیاء۔

ترجمہ: جو مرد یا عورت نادانی سے نماز چھوڑ بیٹھے پھر توبہ کرے اور شرمندہ ہو اس کے چھوٹ جانے کی وجہ سے تو جمعہ کے دن ظہر و عصر کے درمیان بارہ رکعتیں نفل پڑھے ہر رکعت میں سورہ فاتحہ اور آیۃ الکرسی اور قل ھو اللہ اور فلق و سورہ ناس ایک ایک بار پڑھے تو خدا تعالیٰ اس سے قیامت کے دن حساب نہ لے گا۔ اس حدیث کو مختصر الاحیاء میں ذکر کیا۔

(تفسیر روح البیان ج ۳ ص ۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

صاحب روح البیان میں اس حدیث کا مطلب سمجھاتے ہیں کہ توبہ کرنے اور نادم ہونے کا یہ مطلب ہے۔ کہ وہ تارک الصلوٰۃ بندہ شرمندہ ہو کر تمام نمازیں قضاء پڑھ لے کیونکہ توبہ کہتے ہی اس کو ہیں پھر قضاء کرنے جو گناہ ہوا تھا وہ اس نماز قضاء عمری کی وجہ سے معاف

ہو جائے گا یہ مطلب نہیں ہے کہ نمازیں قضاء نہ پڑھو۔ صرف یہ نماز پڑھ لو سب ادا ہو گئیں تو روافض بھی نہیں کہتے کہ ان کے یہاں چند روز کی نمازیں ایک وقت میں پڑھنا جائز ہے یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ سال بھر تک نماز نہ پڑھو۔ پس جمعۃ الوداع کو یہ بارہ رکعتیں پڑھ لو سب معاف ہو گئیں۔ مطلب وہی ہے جو صاحب روح البیان نے بیان فرمایا۔ اور مسلمان اسی نیت سے پڑھتے ہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ مشکوۃ کتاب الحج باب الوقوف بعرفہ میں ایک حدیث ہے کہ حضور علیہ السلام نے عرفہ میں حاجیوں کے لئے دعائے مغفرت فرمائی۔ بارگاہ الٰہی سے جواب آیا کہ ہم نے مغفرت فرمادی سوائے مظالم (حقوق العباد) کے حضور علیہ السلام نے پھر مزدلفہ میں دعا فرمائی۔ تو مظالم یعنی حقوق العباد بھی معاف فرمادیئے گئے اس کا مطلب یہ نہیں کہ کسی شخص کا قرض مارلو، کسی کو قتل کردو، کسی کی چوری کرلو اور حج کر آؤ۔ سب معاف ہو گیا۔ نہیں بلکہ ادائے قرض میں جو خلاف وعدہ تاخیر وغیرہ ہو گئی وہ معاف کردی گئی حقوق العباد بہر حال ادا کرنے ہوں گے۔ اگر مسلمان قضاء عمری کے پڑھنے یا سمجھنے میں غلطی کرے تو اس کو سمجھا دو۔ نماز سے کیوں روکتے ہو۔ اللہ توفیق خیر دے۔ اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو جب بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔
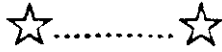
بحث اذان میں انگوٹھے چومنے کا بیان

اس بحث کے لکھنے کا ہمارا ارادہ نہ تھا مگر ماہ رمضان میں ہم نے خواب دیکھا کہ کوئی بزرگ فرمارہے ہیں کہ اپنی کتاب میں تقبیل ابہامین کا مسئلہ بھی لکھ دو تا کہ کتاب مکمل ہو جاوے لہذا اس کو بھی داخل کتاب کرتے ہیں۔ رب العالمین قبول فرماوے۔ آمین۔

اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلے باب میں انگوٹھے چومنے کا ثبوت۔ دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

پہلا باب

انگوٹھے چومنے کے ثبوت میں

جب مؤذن کہے اشھد ان محمداً رسول اللہ تو اس کو سن کر اپنے دونوں انگوٹھے یا کلمے کی انگلی چوم کر آنکھوں سے لگانا مستحب ہے اس میں دنیاوی ودینی بہت فائدے ہیں۔ اس کے متعلق احادیث وارد ہیں۔ صحابہ کرام کا اس پر عمل رہا۔ عامۃ المسلمین ہر جگہ اس کو مستحب جان کر کرتے ہیں۔ صلوۃ مسعودی جلد دوم باب بستم بانگ نماز میں ہے۔

روی عن النبی ﷺ انه قال من سمع اسمی فی الاذان ووضع ابهامیه علی عینیه فانا طالبه فی صفوف القیمة وقائدة الی الجنة۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام سے مروی ہے کہ جو شخص ہمارا نام اذان میں سنے اور اپنے انگوٹھے آنکھوں پر رکھے تو ہم اس کو قیامت کی صفوں میں تلاش فرمائیں گے اور اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے۔

(صلوۃ مسعودی ج ۲ باب بست وکیم در بیان بانگ نماز ص ۳۵۰ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

تفسیر روح البیان پارہ ۶ سورہ مائدہ زیر آیت واذا نادیتم الی الصلوٰۃ الآیۃ (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۵۸) ہے۔

وضعف تقبیل ظفری ابهامیه مع مسبتحتیه والمسح علی عینیه عند قو محمد رسول الله لانه لم یثبت فی الحدیث المرفوع لکن المحدثین اتفقوا علی ان الحدیث الضعیف یجوز العمل به فی الترغیب والترهیب۔

ترجمہ: محمد رسول اللہ کہنے کے وقت اپنے انگوٹھے کے ناخنوں کو مع کلمے کی انگلیوں کے چومنا ضعیف ہے کیونکہ یہ حدیث مرفوع سے ثابت نہیں لیکن محدثین اس پر متفق ہیں کہ حدیث ضعیف پر عمل کرنا رغبت دینے اور ڈرانے کے متعلق جائز ہے۔

(تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۴۷۶ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

شامی جلد اول باب الاذان میں ہے۔

یستحب ان یقال عند سماع الاولی من الشهادة ﷺ علیك یارسول الله وعند الثانیة منها قرت عینی بك یارسول الله ثم یقول اللهم متعنی بالسمع والبصر بعد وضع ظفری الابهامین علی العینین فانه علیه السلام یکون قائداً له الی الجنة کذا فی کنز العباد قهستانی ونحوه فی الفتاوی الصوفیة وفی کتب الفردوس من قبل ظفری ابهامیه عند سماع اشهد ان محمداً رسول الله فی الاذان انا قائده ومدخله فی صفوف الجنة وتمامه فی حواشی البحر للرملی۔

ترجمہ: اذان کی پہلی شہادت پر یہ کہنا مستحب ہے۔ صلی اللہ علیک یارسول اللہ اور دوسری شہادت کے وقت یہ کہے قرۃ عینی بک

یارسول اللہ پھر اپنے انگوٹھوں کے ناخن اپنی آنکھوں پر رکھے اور کہے اللھم متعنی بالسمع والبصر تو حضور علیہ السلام اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے اور اسی کے مثل فتاویٰ صوفیہ میں ہے اور کتاب الفردوس میں ہے کہ جو شخص اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چومے اذان میں اشہد ان محمد رسول اللہ سن کر تو میں اس کو اپنے پیچھے پیچھے جنت میں لے جاؤں گا۔ اور اسے جنت کی صفوں میں داخل کرونگا۔ اس کی پوری بحث بحر الرائق کے حواشی رملی میں ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار ج ا ص ۲۹۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس عبارت سے چھ کتابوں کے حوالہ معلوم ہوئے شامی، کنز العباد، فتاویٰ صوفیہ، کتاب الفردوس قہستانی، بحر الرائق کا حاشیہ۔ ان تمام میں اس کو مستحب فرمایا۔

مقاصد حسنہ فی الاحادیث الادیرۃ علی السنہ میں امام سخاوی نے فرمایا۔

ذکرہ الدیلمی فی الفردوس من حدیث ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ انہ لما سمع قول الموذن اشھد ان محمد رسول اللہ قال ھذا و قبل باطن الا ناملتین السبابتین ومسح عینیہ فقال ﷺ من فعل مثل ما فعل خلیلی فقد خلت لہ شفاعتی ولم یصح۔

ترجمہ: دیلمی نے فردوس میں ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ ان سرکار نے جب مؤذن کا قول اشہد ان محمداً رسول اللہ سنا تو یہ ہی فرمایا اور اپنی کلمے کی انگلی کے باطنی حصوں کی چوما اور آنکھوں سے لگایا پس حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جو شخص میرے اس پیارے کی طرح کرے اس کے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

(المقاصد الحسنہ حرف المیم رقم الحدیث ۱۰۲۱ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

یہ حدیث پایہ صحت نہ پہنچی اسی مقاصد حسنہ میں موجبات رحمت مصنفہ ابوالعباس احمد مکرر دار سے نقل کیا۔

عن الخضر علیہ السلام انہ قال من قال حین یسمع الموذن یقول اشھد ان محمدا رسول اللہ مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمد ابن عبداللہ ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یرمد ابدا۔

ترجمہ: حضرت خضر علیہ السلام سے روایت ہے کہ جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشھد ان محمداً رسول اللہ تو کہے مرحبا بحبیبی وقرۃ عینی محمداً ابن عبداللہ پھر اپنے انگوٹھوں کو چومے اور اپنی آنکھوں سے لگائے تو اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں گی۔

پھر فرماتے ہیں کہ محمد ابن بابا نے اپنا واقعہ بیان فرمایا کہ ایک بار تیز ہوا چلی۔ جس سے آنکھ میں کنکری جا پڑی اور نکل نہ سکی۔ سخت درد تھا۔

وانہ لما سمع الموذن یقول اشھد ان محمداً رسول اللہ قال ذلک فخرجت الحصاۃ من نورہ۔

ترجمہ: جب انہوں نے مؤذن کو کہتے ہوئے سنا اشہد ان محمداً رسول اللہ تو یہ ہی کہہ لیا فوراً کنکری آنکھ سے نکل گئی۔

(المقاصد الحسنہ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

اسی مقاصد حسنہ میں شمس محمد ابن صالح مدنی سے روایت کیا۔ انہوں نے امام امجد فرماتے ہوئے سنا (امام امجد متقدمین علمائے مصر میں سے ہیں) فرماتے تھے کہ جو شخص اذان میں حضور علیہ السلام کا نام پاک سنے تو اپنے کلمے کی انگلی اور انگوٹھا جمع کرے۔

وقبلھما ومسح بھما عینیہ لم یرمد ابدا۔

ترجمہ: اور دونوں کو چوم کر آنکھوں سے لگائے تو کبھی آنکھ نہ دکھیگی۔

(المقاصد الحسنہ ص ۳۹۰ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

پھر فرمایا کہ بعض مشائخ عراق وعجم نے فرمایا کہ جو یہ عمل کرے تو اس کی آنکھیں نہ دکھیں گی۔

اسی مقاصد حسنہ میں کچھ آگے جا کر فرماتے ہیں۔

قال ابن صالح وانا منذ سمعته استعملته فلا ترمد عيني وارجوا ان عافيتهما تدوم واني اسلم من العمى انشاء الله۔

ترجمہ: ابن صالح نے فرمایا کہ میں نے جب سے یہ سنا ہے اس پر عمل کیا میری آنکھیں نہ دکھیں اور میں امید کرتا ہوں کہ انشاء اللہ یہ آرام ہمیشہ رہے گا اور میں اندھا ہونے سے محفوظ رہونگا۔

(المقاصد حسنہ ص ۳۹۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)

پھر فرماتے ہیں کہ امام حسن رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جو شخص اشهد ان محمد رسول الله سن کر یہ کہے مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد ابن عبدالله ﷺ اور اپنے انگوٹھے چوم لے اور آنکھوں سے لگائے لم يعم ولم يرمد کبھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی اس کی آنکھیں دکھیں گی۔ غرضکہ اسی مقاصد حسنہ میں بہت سے آئمہ دین سے یہ عمل ثابت کیا۔

(علامہ اسماعیل بن محمد العجلونی متوفی ۱۱۶۲ھ نے بھی المقاصد حسنہ کی یہ تمام عبارتیں نقل کی ہیں ملاحظہ فرمائیں۔

(کشف الخفاء ومزیل الالباس ج ۲ ص ۲۶۹۔۲۷۰ رقم الحدیث ۲۲۹۶ مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت)

حاشیہ.....☆

حضرت محدث محمد طاہر بن علی ہندی پٹنی متوفی ۹۸۶ھ لکھتے ہیں۔

وحكي عن البعض من صلى على النبي ﷺ اذا سمع ذكره في الاذان وجمع اصبعيه المسبحة والابهام ومسح بهما عينيه لم يرمد ابدا وقال ابن صالح وسمععن بعض الشيوخ انه يقول عند ما يمسح عينيه صلى الله عليك يا سيدى يا رسول الله يا حبيب قلبي ويا نور بصرى ويا قرة عيني قال ومذ فعلته لم ترمد عيني وقد جرب كل منهم ذالك وروى الحسن مثل ما روى عن الخضر عليه السلام بعينه انتهى۔

ترجمہ: بعض علماء محدثین کرام سے مروی ہے کہ جو شخص آنحضرت کا اسم گرامی اذان میں سن کر اپنے دونوں ہاتھوں کے انگوٹھوں مسبحہ (شہادت والی) انگلیوں کو ملا کر انہیں چوم کر آنکھوں پر ملے اس کی آنکھیں کبھی نہیں دکھیں گی اور امام ابن صالح علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ میں نے بعض مشائخ کرام سے سنا ہے کہ وہ انگوٹھے آنکھوں پر ملتے وقت یوں کہتے ہیں۔ صلی الله علیک یا سیدی یا رسول الله یا حبیب قلبی ویا نور بصری ویا قرة عینی۔

یہ عمل کرنے والے بزرگ فرماتے ہیں کہ جب سے میں یہ کرنے لگا ہوں میری آنکھیں کبھی نہیں دکھیں اور سارے بزرگوں نے اس کا تجربہ کیا اور حضرت خضر علیہ السلام (بھی اسی طرح مروی ہے اور) جیسے مروی ہے ایسے حضرت حسن رضی اللہ عنہ سے مروی۔

(تذکرۃ الموضوعات ص ۳۲ مطبوعہ دمشق)

غیر مقلد محمد علی الشوکانی متوفی ۱۲۵۰ھ لکھتے ہیں۔

حديث: مسح العينين بباطن أعلى السبابتين عند قول المؤذن: اشهد ان محمدا رسول الله۔ الخ۔

رواه الديلمي في مسند الفردوس، عن ابي بكر مرفوعا۔

قال ابن طاهر في التذكرة: لايصح۔

حديث: من قال حين يسمع اشهد ان محمدا رسول الله: مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله، ثم يقبل ابهاميه ويجعلهما على عينيه لم يعم لم يرمد ابدا۔

قال في التذكرة: لايصح۔

ترجمہ: حدیث: جو شخص مؤذن کو یہ کہتے ہوئے سنے اشهد ان محمدا رسول الله تو کہے مرحبا بحبيبي وقرة عيني محمد بن عبد الله ﷺ کہے پھر دونوں انگوٹھے چوم کر آنکھوں پر رکھے اس کی آنکھیں کبھی نہ دکھیں۔

(الفوائد المجموعۃ ص ۱۹۔۲۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شرح نقایہ میں ہے۔

واعلم انه يستحب ان يقال عند سماع الاولى من الشهادة الثانية صلى الله عليك يارسول الله وعند الثانية منها قرة عيني بك يارسول الله بعد وضع ظفرى ابهامين على العينين فانه عليه السلام يكون له قائداً الى الجنة كذا فى كنز العباد۔

ترجمہ: جاننا چاہئیے کہ مستحب یہ ہے کہ دوسری شہادت کے پہلے کلمہ سن کر یہ کہے قرۃ عینی بک یارسول اللہ اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر رکھے تو حضور علیہ السلام اس کو جنت میں اپنے پیچھے پیچھے لے جائیں گے اسی طرح کنز العباد میں ہے۔

(جامع الرموز ج اص ۱۲۵ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

مولانا جمال ابن عبداللہ ابن عمر مکی قدس سرہ اپنی فتاویٰ میں فرماتے ہیں۔

تقبيل الابهامين ووضعهما على العينين عند ذكر اسمه عليه السلام فى الاذان جائز بل مستحب صرح به مشائخنا۔

ترجمہ: اذان میں حضور علیہ السلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومنا اور ان کو آنکھوں سے لگانا جائز بلکہ مستحب ہے اس کی ہمارے مشائخ نے تصریح فرمائی ہے۔

(فتاوی جمال بن عبداللہ عمر مکی بحوالہ فتاوی رضویہ جدید ج ۵ ص ۴۳۶ مطبوعہ لاہور)

علامہ محمد طاہر علیہ الرحمۃ تکملہ مجمع بحار الانوار میں اسی حدیث کو لایصح فرما کر فرماتے ہیں۔

وروى تجربة عن كثيرين۔

ترجمہ: اس کے تجربہ کی روایات بکثرت آئی ہیں۔

اس کے علاوہ اور بھی عبارات پیش کی جاسکتی ہیں مگر اختصاراً اسی پر قناعت کرتا ہوں حضرت صدر الافاضل مولائی مرشدی استاذی مولانا الحاج سید نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی دام ظلہم فرماتے ہیں کہ ولایت سے انجیل کا بہت پرانا نسخہ برآمد ہوا جس کا نام (انجیل برناباس) آج کل وہ عام طور پر شائع ہے اور ہر زبان میں اس کے ترجمے کئے گئے ہیں اس کے اکثر احکام اسلام احکام سے ملتے ہیں اس میں لکھا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے روح القدس (نور مصطفوی) کے دیکھنے کی تمنا کی تو وہ نور ان کے انگوٹھے کے ناخنوں میں چمکایا گیا۔ انہوں نے فرط محبت سے ان ناخنوں کو چوما اور آنکھوں سے لگایا۔ روح القدس کا ترجمہ ہم نے نور مصطفوی کیوں کیا اس کی وجہ ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو، جہاں بتایا گیا ہے کہ زمانہ عیسوی میں روح القدس ہی کے نام سے حضور علیہ السلام مشہور تھے۔

حاشیہ.....☆

یہاں سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث مبارکہ موضوع نہیں اگر غیر مقلد شوکانی کے نزدیک یہ حدیث مبارکہ موضوع ہوتا تو صاف لکھ دیتے کہ یہ حدیث موضوع ہے جس طرح کہ وہ حدیث موضوع کے نیچے لکھ دیتے ہیں کہ ھو موضوع۔

دوم رواہ الدیلمی فی مسند الفردوس، عن ابی بکر مرفوعا سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہ حدیث مبارکہ مسند فردوس میں موجود ہیں لیکن دشمان دین جس طرح کے ان کی عادت ہے کہ جہاں بھی سرکار علیہ الصلوۃ والسلام کی شان بیان ہو تو یہ دشمن اس کو چھپانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انہوں نے مسند فردوس سے اس حدیث مبارکہ کو نکال لیا ہے آج کل بازار میں جو مسند فردوس موجود ہیں اس میں یہ حدیث مبارکہ نہیں ہیں لیکن وہابی یہ اعتراض نہیں کر سکتے کہ یہ حدیث مسند فردوس میں موجود نہیں اس لئے کہ ان کے امام شوکانی نے فی مسند فردوس کہہ کر بتا دیا کہ یہ حدیث مبارکہ مسند دوس میں موجود ہیں۔

حاشیہ......☆

انجیل برناباس میں ہے۔

آدم نے خدا کی منت کی کہ خداوند یہ تحریر میرے ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں پر درج فرمادے تب خدا نے پہلے انسان کے انگوٹھوں پر تحریر درج کردی دائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا خدا ایک ہی ہے اور بائیں انگوٹھے کے ناخن پر لکھا تھا محمد خدا کا رسول ہے۔ تب پہلے انسان نے پدرانہ شفقت سے یہ الفاظ چومے اور اپنی آنکھیں ملیں اور کہا مبارک ہو وہ دن جب تو دنیا میں آئے۔

(انجیل برناباس باب ۳۹ ص ۳۹ بحوالہ انوار المحمدیہ)

حضرت مولانا ملا معین واعظ الکاشفی الہروی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

در تفسیر بحر العلوم نسفی آورده که چون حق تعالی آدم صفی راعلیه السلام بوجود آورد نور محمدی را ﷺ که در پشت وی ودیعت نهاده بود هر گاه که آدم علیه السلام در طرق سموات وتتق ملکو تیات به آمدو شد مبادرت نمودی فرشتگان ملاء اعلی وکرو بیان عالم بالا همه در قفائ او بتعظیم واکرام میر فتند حضرت آدمؑ از سبب آن احترام سوال فرمود حق تعالی خطاب فرمود که ای آدم آن نور محمد یست ﷺ که از ظهر تو ظهور کرده ودرمتن متانت تو نور سرور افزوده ایشان تعظیم آن نور میکنند گفت خداوندا چه شود گر انتقال آن بعضوی از اعضائ من کرم فرمائی تا من نیز مشاهدۂ آن نور کنم وخاطر بآن مسرور گردانم حق تعالی آن نور را به سبابه دست راست او منتقل گردایند چون مشاهدۂ آن نور کرد همان انگشت رابرآوردو شهادتین ادا کرد واز آنجابانگشت شهادت موسوم شد واین سنت دروقت شهادت از آدم علیه السلام یادگار ماند بعد آن انگشت ببوسیدوبر دیده نهاد وصلوات بابرکات بروح سیدالسادات علیه الصلوة والسلام ارسال فرمودو گویندددروقت اذان درحین استماع اشهدان محمد رسول الله ﷺ بوسیدن وانگشت بردیده نهادن نیز سنت آدم است علیه السلام واحادیث درفضل آن آورده اند۔

ترجمہ: تفسیر بحر العلوم نسفی میں تحریر ہے کہ تخلیق آدم علیہ السلام کے بعد نور محمدی ﷺ ان کی پشت پر امانت رکھا گیا تھا حضرت آدم علیہ السلام جب بھی آسمانوں پر تشریف لے جاتے اور عالم کے فرشتوں سے ملاقات فرماتے تو تمام فرشتے آپ کے جلو میں عزت واحترام کے ساتھ چلتے ایک مرتبہ حضرت آدم علیہ السلام نے اس استقبال ومتابعت کے سلسلہ میں حضرت حق سے سوال کیا خطاب باری ہوا کہ اے آدم یہ استقبال واحترام اس نور مبارک کے لئے ہے جو تمہاری پشت میں ودیعت ہے اور تمہارے سرور کا سبب ہے یہ تمام فرشتے اس نور کی تعظیم کرتے ہیں حضرت آدم نے عرض کیا الٰہی کیا اچھا ہو کہ نور مبارک کو میرے جسم کے کسی ایک حصے میں منتقل کردیا جائے جس کو میں بھی دیکھوں اور فرح وسرور حاصل کروں اللہ رب العالمین نے اس نور کو آپ کے انگوٹھے کے پاس والی انگلی میں منتقل فرمادیا جب حضرت آدم علیہ السلام نے اس نور کی زیارت فرمائی تو انگلی اٹھا کر دومرتبہ شہادت دی اسی دن سے اس انگلی کو انگشت شہادت کہا جانے لگا اور وقت شہادت یہ سنت حضرت آدم علیہ السلام جاری ہوگئی اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام نے انگلی کو چوما اور آنکھوں سے لگایا اور بارگاہ نبی آخر الزماں ﷺ پر ہدیہ درودوسلام پیش فرمایا کہا جاتا ہے کہ اذان میں اشھدان محمد رسول اللہ سن کر انگشت شہادت چومنا

علمائے احناف کے علاوہ علمائے شافعی وعلمائے مذہب مالکی نے بھی انگوٹھے چومنے کے استحباب پر اتفاق کیا ہے۔ چنانچہ مذہب شافعی کی مشہور کتاب اعانۃ الطالبین علی حل الفاظ فتح المعین مصر صفحہ ۲۴۷ میں ہے۔

ثم یقبل ابھامیہ ویجعلھما علی عینیہ لم یعم ولم یرمد ابداً۔

ترجمہ: پھر انگوٹھوں کو چومے آنکھوں سے لگائے تو کبھی بھی اندھا نہ ہوگا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں گی۔

(اعانۃ الطالبین علی فتح المعین ج ا ص ۲۳۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

مذہب مالکی کی مشہور کتاب ''کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی ''مصر جلد اول صفحہ ۱۶۹ میں اس کے متعلق بہت کچھ تحریر فرماتے ہیں پھر فرماتے ہیں۔

عینیہ لم یعم ولم یرمد ابداً۔

ترجمہ: اندھا ہوا اور نہ کبھی آنکھیں دکھیں۔

(کفایۃ الطالب الربانی لرسالۃ ابن ابی زید القیروانی ج ا ص ۱۶۹ مطبوعہ مصر بحوالہ نہج السلامہ)

اس کی شرح میں علامہ شیخ علی الصعیدی عدوی صفحہ ۱۶۷ میں فرماتے ہیں۔

لم یبین موضع التقبیل من الابھامین۔ الا انہ نقل عن الشیخ العالم المفسر نور الدین الخراسانی قال بعضھم لقیتہ وقت الاذان فلما سمع المؤذن یقول اشھدان محمدرسول اللہ قبل ابھامی نفسہ ومسح

حاشیہ.....☆

اور آنکھوں سے لگانا سنت حضرت آدم علیہ السلام ہے اور اس کی فضیلت میں بہت سی احادیث مروی ہیں۔

(معارج النبوۃ فی مدارج الفتوۃ رکن اول باب دوم فصل ہشتم در بردن آدم بجانب بہشت و پیدائش حوا ص ۴۰ مطبوعہ نورانی کتب خانہ پشاور)

تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء میں ہے۔

کتاب احادیث قدسیہ میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ اسلام لقائے محبوب کے مشتاق ہوئے تو اللہ تبارک وتعالی نے حضورا کی صورت کریمہ ان کے انگوٹھوں کے ناخنوں کی صفا میں ظاہر فرمائی......

حضرت آدم علیہ اسلام نے انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں پر ملا تو ان کی اولاد کے لئے یہ اصل ہوگئی۔ جب جبریل امین نے اس قصہ کی خبر حضور ﷺ کو دی تو فرمایا جس نے اذان میں میرا نام سنا پھر دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں کو آنکھوں سے ملا تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(تفریح الاذکیا فی احوال الانبیاء ج ۲ ص ۱۲۱ مطبوعہ نولکشور لکھنؤ)

علامہ الفاضل الکامل الشیخ اسمعیل حقی حنفی متوفی ۱۱۳۷ھ لکھتے ہیں۔

وقصص الانبیاء وغیرھا ان ادم علیہ السلام اشتاق الی لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالی الیہ ھو من صلبك ویظھر فی اخرالزمان فسئال لقاء محمد ﷺ حین کان فی الجنۃ فاوحی اللہ تعالی الیہ فجعل اللہ النور المحمدی فی اصبعہ المسبحۃ من یدہ الیمنی فسبح ذلك النور فلذلك سمیت تلك الاصبع مسبحۃ کما فی الروض الفائق او اظھر اللہ تعالی جمال حبیبہ فی صفاء ظفری ابھامیہ مثل المرآۃ فقبل ادم ظفری ابھامیہ و مسح علی عینیہ فصار اصلاً لذریتہ فلما اخبر جبریل النبی ﷺ بھذاہ القصۃ قال علیہ السلام من سمع اسمی فی الاذان فقبل ظفری ابھامیہ ومسح علی عینیہ لم یعم ابداً۔

ترجمہ: قصص الانبیاء وغیرہ کتب میں ہے کہ جب حضرت آدم علیہ اسلام کہ جنت میں حضرت محمد ﷺ کی ملاقات کا اشتیاق ہوا تو اللہ

تعالی نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ وہ تمھارے صلب سے آخر زمانے میں ظہور فرمائیں گے تو حضرت آدم علیہ اسلام نے آپ کی ملاقات کا

بالظفرين اجفان عينيه من الماق الى ناحية الصدغ ثم فعل ذلك عند كل تشهد مرة فسالته عن ذلك فقال كنت افعله ثم تركته فمرضت عيناى فرء يته ! مناما فقال لما تركت مسح عينيك عند الاذان ان اردت ان تبرء عيناك فعد فى المسح فاستيقظت ومسحت فبرء ت ولم يعاود فى مرضها الى الان۔

ترجمہ: مصنف نے انگوٹھے چومنے کی جگہ نہ بیان کی لیکن شیخ علامہ مفسر نورالدین خراسانی سے منقول ہے کہ بعض لوگ ان کو اذان کے وقت ملے جب انہوں نے مؤذن کو اشہد ان محمداً رسول اللہ کہتے ہوئے سنا تو انہوں نے اپنے انگوٹھے چومے اور ناخنوں کو اپنی آنکھوں کی پلکوں پر آنکھوں کے کونے سے لگایا اور کنپٹی کے کونے تک پہنچایا۔ پھر ہر شہادت کے وقت ایک ایک بار کیا میں نے ان سے اس بارے میں پوچھا تو کہنے لگے کہ میں پہلے انگوٹھے چوما کرتا تھا۔ پھر چھوڑ دیا۔ پس میری آنکھیں بیمار ہوگئیں۔ پس میں نے حضور ﷺ کو خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ نے مجھے فرمایا کہ تم نے اذان کے وقت انگوٹھے آنکھوں سے لگانا کیوں چھوڑ دیئے؟ اگر تم چاہتے ہو کہ تمہاری آنکھیں اچھی ہو جائیں تو پھر یہ انگوٹھے آنکھوں سے لگانا شروع کر دو۔ پس بیدار ہوا اور یہ مسح شروع کیا مجھ کو آرام ہو گیا۔ اور پھر اب تک وہ مرض نہ لوٹا۔

(نہج السلامہ فی حکم تقبیل الابہامین فی الاقامہ ص ۳ مطبوعہ گنج شکر اکیڈمی لاہور)

اس تمام گفتگو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اذان وغیرہ میں انگوٹھے چومنا آنکھوں سے لگانا مستحب ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور صدیق اکبر و امام حسن رضی اللہ عنہما کی سنت ہے۔ فقہاء محدثین و مفسرین اس کے استحباب پر متفق ہیں آئمہ شافعیہ و مالکیہ نے بھی اس کے استحباب کی تصریح فرمائی ہر زمانہ اور ہر ایک مسلمان اس کو مستحب جانتے رہے اور جانتے ہیں اس میں حسب ذیل فائدے ہیں یہ عمل کرنے والا آنکھ دکھنے سے محفوظ رہے گا اور انشاء اللہ کبھی اندھا نہ ہوگا اگر آنکھ میں کسی قسم کی تکلیف ہو اس کے لئے یہ انگوٹھے چومنے کا عمل بہترین علاج ہے بارہا تجربہ ہے اس کے عامل کو حضور علیہ السلام کی شفاعت نصیب ہوگی اور اس کو حضور علیہ السلام قیامت کی صفوف میں تلاش فرما کر اپنے پیچھے جنت میں داخل فرمائیں گے۔

اس کو حرام کہنا محض جہالت ہے جب تک کہ ممانعت کی صریح دلیل نہ ملے اس کو منع نہیں کر سکتے استحباب کے لئے مسلمانوں کا مستحب جاننا ہی کافی ہے مگر کراہت کے لئے دلیل خاص کی ضرورت ہے جیسا کہ ہم بدعت کی بحث میں ثابت کر چکے ہیں۔

نوٹ:۔ اذان کے متعلق تو صاف و صریح روایات و احادیث موجود ہیں جو پیش کی جا چکیں تکبیر بھی مثل اذان کے ہے احادیث میں تکبیر کو اذان فرمایا گیا ہے۔

دو اذانوں کے درمیان نماز ہے یعنی اذان و تکبیر کے درمیان۔ لہذا تکبیر میں اشهد ان محمداً رسول اللہ پر انگوٹھے چومنا نافع

حاشیہ.....☆

سوال کیا تو اللہ تعالی نے حضرت آدم علیہ اسلام کے دائیں ہاتھ کے کلمے کی انگلی میں نور محمدی ﷺ چمکایا تو اس نور نے اللہ تعالی کی تسبیح پڑھی اسی واسطے اس انگلی کا نام کلمے کی انگلی ہوا۔ جیسا کہ روض الفائق میں ہے۔ اور اللہ تعالی نے اپنے حبیب کے جمال محمد ﷺ کو حضرت آدم علیہ اسلام کے دونوں انگوٹھوں کے ناخنوں میں مثل آئینہ کے ظاہر فرمایا تو حضرت آدم علیہ اسلام نے اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر آنکھوں پر پھیرا پس یہ سنت ان کی اولاد میں جاری ہوئی پھر جبریل علیہ اسلام نے حضور ﷺ کو اس کی خبر دی تو آپ نے فرمایا جو شخص اذان میں میرا نام سنے اور اپنے انگوٹھوں کے ناخنوں کو چوم کر اپنی آنکھوں پر ملے۔ تو وہ کبھی اندھا نہ ہوگا۔

(تفسیر روح البیان ج ۷ ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

وباعث برکت ہے۔ اوراذان تکبیر کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام شریف سن کر انگوٹھے چومے تو بھی کوئی حرج نہیں بلکہ نیت خیر سے ہوتو باعث ثواب ہے۔ بلا دلیل ممانعت منع نہیں کرسکتے۔ جس طرح بھی حضور علیہ السلام کی تعظیم کی جاوے باعث ثواب ہے۔

دوسرا باب

انگوٹھے چومنے پر اعتراضات وجوابات

اعتراض (۱)......:۔ انگوٹھے چومنے کے متعلق جس قدر روایات بیان کی گئیں۔ وہ سب ضعیف ہیں اور حدیث ضعیف سے مسئلہ شرعی ثابت نہیں ہوسکتا۔ دیکھو مقاصد حسنہ میں فرمایا **لایصح فی المرفوع من کل هذا شیئی** ان سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ ملاعلی قاری نے موضوعات کبیر میں ان احادیث کے متعلق فرمایا **کل ما یروی فی هذا فلا یصح رفعه** یعنی اس مسئلہ میں جتنی احادیث مروی ہیں ان میں سے کسی کا رفع صحیح نہیں۔ خود علامہ شامی نے اسی بحث میں اسی جگہ فرمایا **لم یصح من المرفوع من هذا شیئی** ان میں سے کوئی مرفوع حدیث صحیح نہیں۔ صاحب روح البیان نے بھی ان احادیث کی صحت سے انکار کیا۔ پھر ان احادیث کا پیش کرنا ہی بیکار ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جوابات ہیں اولاً تو یہ کہ تمام حضرات مرفوع حدیث کی صحت کا انکار فرمارہے ہیں جس سے معلوم ہوا کہ اس کے بارے میں حدیث موقوف صحیح ہے چنانچہ ملاعلی قاری موضوعات کبیر میں اسی عبارت منقولہ کے بعد فرماتے ہیں۔

قلت واذا ثبت رفعه الی الصدیق رضی الله تعالی عنه فیکفی للعمل به لقوله علیه الصلوة والسلام علیکم بسنتی وسنة الخلفآء الرشدین۔

ترجمہ: یعنی میں کہتا ہوں کہ جب اس حدیث کا رفع صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک ثابت ہے تو عمل کے لئے کافی ہے کیونکہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ تم پر لازم کرتا ہوں اپنی سنت اور اپنے خلفائے راشدین کی سنت۔

(الموضوعات الکبری ص۲۱۰ رقم الحدیث ۸۲۹ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ حدیث موقوف صحیح ہے اور حدیث موقوف کافی ہے۔ دوسرے یہ کہ ان تمام علماء نے فرمایا لم یصح یعنی یہ تمام احادیث حضور تک مرفوع ہوکر صحیح نہیں اور صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں۔ کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے لہٰذا اگر یہ حدیث حسن ہو تب بھی کافی ہے۔

حاشیہ.....☆

اعتراض......:۔ محمد سرفراز گکھڑوی دیوبندی حکیم الامت مفتی احمد یار خان نعیمی رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

مفتی صاحب لکھتے ہیں کہ "صحیح نہ ہونے سے ضعیف ہونا لازم نہیں کیونکہ صحیح کے بعد درجہ حسن باقی ہے (جاء الحق ص۳۸۲) مگر مفتی صاحب کو معلوم ہونا چاہیئے کہ کوئی محدث جب مطلق لایصح کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے اگر حدیث حسن ہوتی ہے تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا **لیس بصحیح بل حسن** وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ مطلق **لا یصح** سے حسن سمجھنا قلت فہم کا نتیجہ ہے۔

(راہ سنت ص۲۴۰ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

حاشیہ.....☆

جواب:۔ گکھڑوی صاحب کو چاہیئے تھا کہ دلائل کے ذریعہ ثابت کرتے کہ محدثین کے لایصح لم یثبت کہنے سے ضعیف ہی مراد ہوتا ہے حسن مراد نہیں ہوتا اور محدثین جب مطلق لا یصح یا لم یثبت لکھتے ہیں تو اس سے ضعیف ہی مراد ہوتا ہے مگر گکھڑوی صاحب اس سے قاصر رہے۔

محدثین کے لا یصح لم یثبت سے مراد حسن بھی ہوتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں۔

غیر مقلد محمد شمس الحق عظیم آبادی متوفی ۱۳۲۹ھ لکھتے ہیں۔

لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لا حتمال ان یراد بالثبوت الصحة فلا ینتقی الحسن۔ وعلی التنزل لا یلزم من نفی الثبوت عن کل فرد (ای عن صحیح والحسن) نفیه عن المجموع (ای الصحیح والحسن والضعیف) انتھی کلامه۔

ترجمہ: نفی ثبوت حدیث سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت مراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچتی) تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

(رسالہ غنیۃ الالمعی مع طبرانی صغیر ج ۲ ص ۱۵۸ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

شیخ الحدیث تقی الدین صاحب ندوی دیوبندی اپنی کتاب فن اسماء الرجال (مصدقہ سید علی ندوی) لکھتے ہیں۔

جب کسی حدیث کے بارے میں "لا یصح" یا "لا یثبت" کہا جائے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ حدیث موضوع ہے یا ضعیف ہے، ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عدم ثبوت سے حدیث کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں حدیث کو "لا یصح" کہنے سے اس کا موضوع ہونا لازم نہیں آتا۔ ممکن ہے وہ حدیث حسن یا حسن لغیرہ ہو۔

ان اصطلات کا علم اسماء الرجال اور فن جرح وتعدیل کے طالب علم کے لیے جاننا ضروری ہے۔ ورنہ اس فن کی کتابوں سے استفادہ میں بہت سی غلطیوں کا امکان ہے۔

(فن اسماء الرجال ص ۷۶ مطبوعہ ملک سنز کارخانہ بازار فیصل آباد)

دوم اس کا جواب اسی گکھڑوی ہی کی زبان سے ملاحظہ فرمائیں۔ گکھڑوی صاحب لکھتے ہیں۔

حافظ ابن حجر نتائج الافکار میں لکھتے ہیں کہ:

لا یلزم من نفی الثبوت ثبوت الضعف لا حتمال ان یراد بالثبوت الصحة فلا ینتقی الحسن۔

ترجمہ: نفی ثبوت حدیث سے اس کا ضعف ثابت نہیں ہوتا کیونکہ احتمال ہے کہ ثبوت سے صحت مراد ہو (یعنی یہ حدیث صحت کو نہیں پہنچتی) تو اس سے حسن ہونے کی نفی نہیں ہوتی۔

حافظ ابن حجر کے اس فنی نقطہ سے معلوم ہوا کہ نفی ثبوت سے ثبوت ضعف لازم نہیں ہوتا۔ ہوسکتا ہے کہ حدیث صحت کو تو نہ پہنچتی ہو لیکن حسن کے درجہ کو پہنچ جائے اور اسی کو صالح سے تعبیر کرلیا گیا ہے اور حسن حدیث بھی جمہور کے نزدیک قابل احتجاج ہے۔

(سماع الموتی ص ۲۳۴۔۲۳۵ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

تیسرے یہ کہ اصول حدیث واصول فقہ کا مسئلہ ہے کہ اگر کوئی ضعیف حدیث چند اسناد سے مروی ہوجاوے تو حسن بن جاتی ہے چنانچہ درمختار جلد اول باب مستحبات الوضو میں اعضاء وضو کی دعاؤں کے متعلق فرماتے ہیں وقد رواہ ابن حبان وغیرہ عنہ علیہ السلام من طرق اس کو ابن حبان وغیرہ نے چند اسناد سے روایت کیا۔ اس کے ماتحت شامی میں فرماتے ہیں ای بقوی بعضها بعضاً فارتقی الی مرتبتہ الحسن یعنی بعض اسناد بعض کو قوت دیتی ہیں لہذا یہ حدیث درجہ حسن کو پہنچ گئی۔ اور ہم پہلے باب میں بتا چکے کہ یہ حدیث بہت طریق سے روایت ہے لہذا احسن ہے۔ چوتھے یہ کہ اگر مان بھی لیا جاوے کہ یہ حدیث ضعیف ہے پھر فضائل اعمال میں حدیث ضعیف معتبر ہوتی ہے چنانچہ یہ ہی علامہ شامی اسی درالمختار جلد اول باب اذان میں اذان کے موقع کے بحث میں فرماتے ہیں علی انہ فی فضائل الاعمال یجوز العمل بالحدیث الضعیف کما مر فی اول کتاب الطھارۃ (ردالمختار علی درالمختار باب الاذان ج ا ص ۲۸۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یہاں بھی واجب وحرام ہونے کے مسائل نہیں ہیں صرف یہ کہ انگوٹھے چومنے میں یہ فضیلت ہے لہذا اس میں حدیث ضعیف بھی قابل عمل ہے نیز مسلمانوں کا عمل ضعیف حدیث کو قوی کردیتا ہے چنانچہ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی تلقین میت کی بحث میں ہے۔

وقد روینا فیہ حدیثاً من حدیث ابی امامتہ لیس بالقائم اسنادہ ولکن اعتصد بشواھد و بعمل اھل الشام۔

ترجمہ: یعنی تلقین میت کی حدیث قوی الاسناد نہیں مگر اہل شام کے عمل ودیگر شواہد سے قوی ہوگئی انگوٹھے چومنے پر بھی امت کا عمل ہے لہذا یہ حدیث قوی ہوئی۔

اس زیادہ تحقیق نورالانوار اور توضیح وغیرہ میں دیکھو۔ پانچویں یہ کہ اگر اس کے متعلق کوئی بھی حدیث نہ ملتی۔ تب بھی امت مصطفیٰ علیہ السلام کا مستحب ماننا ہی کافی تھا کہ حدیث میں آیا ہے ماراہ المومنون حسنا فھو عنداللہ حسن جس کو مسلمان اچھا جانیں وہ کام اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے۔

چھٹے یہ کہ انگوٹھے چومنا آنکھ کی بیماریوں سے بچنے کا عمل ہے اور عمل میں صرف صوفیائے کرام کا تجربہ کافی ہوتا ہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ہوامعہ میں ہوامعہ مقدمہ کے دسویں ہامعہ میں فرماتے ہیں اجتہاد اور اختراع اعمال تصریفیہ راہ کشادہ است مانند استخراج اطباء نسخہاء قرابادین را تصریفی اعمال میں اجتہاد کا راستہ کھلا ہوا ہے۔ جیسے کہ طبیب لوگ حکمت کے نسخے ایجاد کرتے ہیں۔

حاشیہ......☆ ••••••••••••••••••••••••••••••••••••••

الزاماً جواب گکھڑوی صاحب کی اپج

مگر گکھڑوی صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ کوئی محدث جب مطلق لا یصح لم یثبت کہتا ہے تو اس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں ہوتا کہ یہ روایت ضعیف ہے اگر حدیث حسن ہوتی ہے تو اس کی تصریح کرتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے یا لیس بصحیح بل حسن وغیرہ سے اس کو تعبیر کرتے ہیں۔ گکھڑوی صاحب کا مطلق لا یصح یا لم یثبت سے حسن سمجھنا قلت فہم کا نتیجہ ہے۔

گکھڑوی صاحب نے دو اشعار لکھے ہیں جو اس پر فٹ آرہے ہیں۔

غیر کی آنکھوں کا تنکا تجھ کو آتا ہے نظر

دیکھ اپنی آنکھ کا غافل ذرا شہتیر بھی

خود شاہ ولی صاحب نے اپنی کتاب القول الجمیل وغیرہ میں صدہا عمل تعویذ گنڈے جنات کو دفع کرنے سے جنات سے محفوظ رہنے۔ حمل محفوظ رکھنے کے تجویز فرمائے ہیں کہ فلاں دعا ہرن کی کھال پر لکھ کر عورت کے گلے میں مثل ہار ڈال دو اسقاط نہ ہوگا پشم کا رنگا ہوا ڈورا عورت کے جسم سے ناپ کر نو گرہ لگا کر عورت کی بائیں ران میں باندھا دردزہ کو مفید ہے وغیرہ وغیرہ بتاؤ کہ ان اعمال کے متعلق کون سی احادیث آئی ہیں؟ خود علامہ شامی نے جادو سے بچنے، گمی ہوئی چیز کی تلاش کرنے کے لئے بہت سے طریقے شامی میں بیان فرمائے بتاؤ کہ ان کی احادیث کہاں ہیں؟ جبکہ ہم پہلے باب میں ثابت کر چکے ہیں کہ یہ عمل درد چشم کے لئے مجرب ہے تو اس کو کیوں منع کیا جاتا ہے؟ ساتویں یہ کہ ہم پہلے باب میں بیان کر چکے کہ شامی اور شرح نقایہ اور تفسیر روح البیان وغیرہ نے انگوٹھے چومنے کو مستحب فرمایا۔ اس استحباب پر کوئی جرح وقدح نہ کی بلکہ حدیث مرفوع کی صحت کا انکار کیا۔ جس سے معلوم ہوا کہ حکم استحباب تو بالکل صحیح ہے۔ گفتگو ثبوت حدیث میں ہے۔ یہ استحباب حدیث کی صحت پر موقوف نہیں۔ آٹھویں یہ کہ اچھا اگر مان لیں کہ استحباب کا ثبوت حدیث ضعیف سے نہیں ہوسکتا۔ تو کراہت کے ثبوت کی کونسی حدیث ہے جس میں یہ ہو کہ انگوٹھے چومنا مکروہ ہے یا نہ چومو وغیرہ وغیرہ انشاءاللہ کراہت کے لئے صحیح حدیث تو کیا ضعیف بھی نہ ملے گی۔ صرف یاروں کا اجتہاد اور عداوت رسول اللہ ﷺ ہے۔

الحمدللہ کہ اس اعتراض کے پرخچے اڑ گئے اور حق واضح ہوگیا۔

اعتراض (۲).......: حضرت آدم علیہ السلام نے اگر نور مصطفیٰ علیہ السلام انگوٹھے کے ناخنوں میں دیکھ کر اس کو چوما تھا۔ تو تم کون سا نور دیکھتے ہو جو چومتے ہو۔ چومنے کی جو وجہ وہاں تھی وہ یہاں نہیں۔

جواب:۔ حضرت ہاجرہ جب اپنے فرزند حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو لے کر مکہ مکرمہ کے جنگل میں تشریف لائیں تو تلاش پانی کے لئے صفا و مروہ پہاڑ کے درمیان دوڑیں۔ آج تم حج میں وہاں کیوں دوڑتے ہو؟ آج کہاں پانی کی تلاش ہے؟ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام نے قربانی کے لئے جاتے ہوئے راستے میں تین جگہ شیطان کو کنکر مارے آج تم حج میں وہاں کیوں کنکر مارتے ہو؟ وہاں اب کونسا

حاشیہ......☆

سرفراز خان دیوبندی لکھتے ہیں۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ علماء امت کا تعامل بھی ایک شئے ہے اور اس سے بھی صرف نظر نہیں کی جاسکتی اور ایسے فروعی مسائل میں ادلہٗ قطعیہ کی حاجت بھی نہیں ہوتی، فی الجملہ دلائل درکار ہوتے ہیں اور بحمداللہ تعالیٰ اس مسئلہ میں وہ سب موجود ہیں۔

(سماع الموتی ص ۲۴۲ مطبوعہ مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ)

ہم بھی دیوبندیوں سے یہی بات کہتے ہیں کہ علماء امت کا تعامل بھی ایک شئے ہے اور اس سے بھی صرف نظر نہیں کی جاسکتی۔ اتنے کثیر علماء امت نے نام اقدس ﷺ سن کر انگوٹھے چومنے کو مستحب کہا ہے ملاحظہ فرمائیں۔

امام مکی از قوت القلوب، اسمٰعیل حقی، علامہ شامی، علامہ طحطاوی، ملا علی قاری، علامہ قہستانی، علامہ عبدالقدوس، ملا طاہر محدث فتنی، امام سخاوی، امام جمال مکی، محمد بن صالح مدنی، ان کے علاوہ کثیر علماء امت (جن کے حوالا جات پیچھے گزر چکے ہیں) نے نام اقدس سن کر آنگوٹھے چومنے کو مستحب کہا ہے۔ ان کثیر علماء امت کا نام اقدس ﷺ سن کر انگوٹھے کو مستحب کہنا ہمارے لئے کافی ہے۔

شیطان آپ کو دھوکا دے رہا ہے؟ حضور علیہ السلام نے ایک خاص ضرورت کی وجہ سے کفار مکہ کو دکھانے کے لئے طواف میں رمل کرا کر اپنی طاقت دکھائی۔ بتاؤ کہ اب طواف قدوم میں رمل کیوں کرتے ہو؟ اب وہاں کفار کہاں دیکھ رہے ہیں؟ جناب انبیائے کرام کے بعض عمل ایسے مقبول ہو جاتے ہیں کہ ان کی یادگار باقی رکھی جاتی ہے اگر چہ وہ ضرورت باقی نہ رہے اسی طرح یہ بھی ہے۔

اعتراض (۳)......:۔ کیا وجہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے نام پر انگوٹھے کے ناخن چومتے ہو۔ کوئی اور چیز کیوں نہیں چومتے ناخن میں کیا خصوصیت ہے؟ ہاتھ پاؤں کپڑے وغیرہ چومنا چاہیئے۔

جواب:۔ چونکہ روایت میں ناخن ہی کا ثبوت ہے۔ اس لئے اسی کو چومتے ہیں منصوصات میں وجہ تلاش کرنا ضروری نہیں۔ اگر اس کا نکتہ ہی معلوم کرنا ہے تو یہ ہے کہ تفسیر خازن و روح البیان وغیرہ نے پارہ ۸ سورہ اعراف زیر آیت بدت لھما سواتھما (آیت نمبر۲۲) میں بیان فرمایا کہ جنت میں حضرت آدم علیہ السلام کا لباس ناخن تھا یعنی تمام جسم شریف پر ناخن تھا جو کہ نہایت خوبصورت اور نرم تھا جب ان پر عتاب الٰہی ہوا وہ کپڑا اتار لیا گیا۔ مگر انگلیوں کے پوروں پر بطور یادگار باقی رکھا گیا جس سے معلوم ہوا کہ ہمارے ناخن جنتی لباس ہیں اور اب جنت تو ہم کو حضور علیہ السلام کے طفیل سے ملے گی لہذا ان کے نام پر جنتی لباس چوم لیتے ہیں جیسے کہ کعبہ معظمہ میں سنگ اسود جنتی پتھر ہے اس کو چومتے ہیں باقی کعبہ شریف کو نہیں چومتے۔ کیونکہ وہ اس جنتی گھر کی یادگار ہے جو کہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے زمین پر آیا تھا اور طوفان نوحی میں اٹھا لیا گیا۔ اور یہ پتھر اس کی یادگار رہا۔ اسی طرح ناخن بھی اس جنتی لباس کی یادگار ہے۔

حاشیہ.....☆
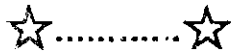
امام ابوجعفر محمد بن جریر طبری متوفی ۳۱۰ھ لکھتے ہیں۔

حدثنا القاسم قال ثنا الحسن قال ثنی حجاج عن حسام بن معبد عن قتادة وابی بکر قتادة قال کان لباس آدم فی الجنة ظفرا کله فلما وقع بالذنب کشط عنه وبدت سوأته۔

(تفسیر الطبری ج ۸ ص ۱۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

علامہ ابوالبرکات احمد بن محمد نسفی متوفی ۷۱۰ھ لکھتے ہیں۔

کان لباسهما من جنس الاظفار ای کالظفر بیاضاً فی غاية اللطف واللين فبقی عند الاظفار تذكيراً للنعم وتجديداً للندم۔

ترجمہ: حضرت آدم وحوا علیہما السلام کا لباس ناخن کی جنس سے تھا یعنی ناخن کی طرح صاف وشفاف اور انتہائی لطیف ونرم جواب ناخنوں کے مقام پر باقی رہ گیا نعمتوں کی یادگار اور ندامت کی تجدید کے لئے۔

(تفسیر مدارک ج ۱ ص ۷-۴ مطبوعہ مکتبۃ القرآن والسنۃ پشاور)

امام جلال الدین سیوطی متوفی ۹۱۱ھ روایت کرتے ہیں۔

واخرج الفريابی وابن شيبة وعبد بن حميد وابن جرير وابن المنذر وابن ابی حاتم وابو الشيخ وابن مردويه والبيهقی فی سننه وابن عساكر فی تاريخه عن ابن عباس قال: كان لباس آدم وحواء كالظفر، فلما أكلا من الشجرة لم يبق عليهما الا مثل الظفر۔

ترجمہ: امام فریابی، ابن ابی شیبہ، عبد بن حمید، ابن جریر، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، ابوالشیخ، ابن مردویہ، بیہقی نے اپنی سنن میں اور ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام وحواء علیہا السلام کا لباس ناخن کی مانند تھا۔ جب انہوں نے اس شجر ممنوعہ سے کھایا تو جسم سے وہ لباس اتر گیا اور صرف ناخنوں پر باقی رہ گیا۔ (تاکہ نعمت کی یاد آتی رہے)

(الدر المنثور فی التفسیر الماثور ج ۳ ص ۱۳۹ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

بحث جنازہ کے آگے بلند آواز سے **کلمہ** یا **نعت** پڑھنا

بعض جگہ رسم ہے کہ جب میت کو قبرستان لے جاتے ہیں تو اس کے آگے با آواز بلند کلمہ طیبہ سب مل کر پڑھتے جاتے ہیں یا نعت شریف پڑھتے ہیں مجھ کو یہ وہم بھی نہ تھا کہ کوئی اس کو بھی منع کرتا ہوگا مگر پنجاب میں آکر معلوم ہوا کہ دیوبندی اس کو بھی بدعت و حرام کہتے ہیں۔ اس قدر ظاہر مسئلہ پر کچھ لکھنے کا ارادہ نہ تھا مگر بعض احباب نے مجبور فرمایا۔ تو کچھ بطور اختصار عرض کرتا پڑا اس بحث کے بھی دو باب کئے جاتے ہیں۔ پہلا باب اس کے ثبوت میں۔ دوسرا باب اس پر اعتراضات و جوابات میں **وما توفیقی الا باللہ العلی العظیم۔**

پہلا باب

جنازہ کے آگے کلمہ طیبہ یا نعت خوانی کا ثبوت

جنازے کے آگے کلمہ طیبہ یا تسبیح و تہلیل یا درود شریف آہستہ آہستہ یا بلند آواز سے پڑھنا جائز اور میت و حاضرین کو مفید ہے اس پر قرآنی آیات و احادیث صحیحہ و اقوال فقہاء شاہد ہیں۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

الذین یذکرون اللہ قیاما وقعودا وعلی جنوبھم۔

ترجمہ: وہ لوگ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے یا بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر۔

(پارہ ۴ سورہ ۳ آیت نمبر ۱۹۱)

اس کی شرح تفسیر روح البیان میں ہے۔

ای یذکرون دائما علی الحالات کلھا قائمین و قاعدین ومضطجعین فان الانسان لا یخلو عن ھذہ الھیئات غالبا۔

ترجمہ: آیت کا مطلب یہ ہے کہ ہر حال میں ہمیشہ کھڑے بیٹھے لیٹے ذکر الٰہی کرتے ہیں کیونکہ انسان اکثر ان حالات سے خالی نہیں ہوتا۔

(تفسیر روح البیان ج ۲ ص ۱۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیر ابوالسعود میں اسی کے ماتحت ہے۔ (پارہ ۴ سورہ ۳ آیت نمبر ۱۹۱)

والمراد تعمیم الذکر للاوقات وتخصیص الاحوال المذکورۃ لیس لتخصیص الذکر بھا بل لانھا الاحوال المعھودۃ التی لا یخلوا عنھا الانسان۔

ترجمہ قریب قریب وہی ہے جو اوپر کیا گیا۔ تفسیر کبیر میں اسی آیت کے ماتحت ہے۔

المراد کون الانسان دائم الذکر لربہ فان الاحوال لیست الا ھذہ الثلثۃ ثم لما وصفھم بکونھم ذکرین فیھا کان ذلک ولیلا علی کونھم مواظبین علی الزکر غیر فاترین عنہ۔

ترجمہ: اس کا ترجمہ بھی وہی ہے جو گزر چکا ہے۔ ابن عدی نے کامل میں اور امام زیلعی نے نصب الرایہ لتخریج احادیث الھدایہ جلد دوم صفحہ ۲۹۲ مطبوعہ مجلس علمی ڈابھیل میں لکھا ہے۔

عن ابن عمر قال لم یکن یسمع من رسول اللہ ﷺ وھو یمشی خلف الجنازۃ الا قول لا الہ الا اللہ مبدیا وراجعا۔

(نصب الرایہ ج ۲ ص ۲۹۲ مطبوعہ دار الحدیث قاھرۃ مصر)

اگر یہ حدیث ضعیف بھی ہو۔ پھر بھی فضائل اعمال میں معتبر ہے۔تحذیر المختار علی ردالمختار مطبوعہ مصر صفحہ ۱۲۳ پر ہے۔

ولکن قد اعتاد الناس کثرۃ الصلوۃ علی النبی ﷺ ورفع اصواتھم بذلك وھم ان منعوا ابت نفو سھم عن السکوت والتفکر فیقعون فی کلآم دنیوی وربما وقعوانی عبیه وانکار المنکر اذا قضی الی ما ھوا عظم منکرا کان ترکه احب لانه ارتکاب باخف المضرتین کما ھو القاعدۃ الشرعته۔

(تحذیر المختار علی ردالمختار ص ۱۲۳ مطبوعہ مصر)

اس آیت اوران تفاسیر کی عبارات واحادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ہر حال میں ذکر الٰہی کرنے کی اجازت ہے اور ہر طرح بلند آواز سے ہو یا آہستہ کرنے کی اجازت ہے۔ اب کسی موقعہ پر کسی ذکر سے ممانعت کرنے کے لئے کم از کم حدیث مشہور کی ضرورت ہے کیونکہ حدیث واحد اور قیاس مجتہد سے قرآنی عام کو خاص نہیں کیا جاسکتا۔ فقہاء تو بحالت جنابت و بحالت حیض بھی تلاوت قرآن کے علاوہ تمام ذکروں کو جائز فرماتے ہیں اور اگر قرآنی آیت بھی بغیر قصد تلاوت پڑھے تو جائز ہے (دیکھو عام کتب فقہ) تو جبکہ میت کو قبرستان لے جارہے ہیں یہ بھی ایک حالت ہی ہے اس حالت میں بھی ہر طرح ذکر الٰہی جائز ہوا۔ قرآن فرماتا ہے۔

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔

ترجمہ: خبردار ہو جاؤ کہ اللہ کے ذکر سے دل چین پاتے ہیں۔

(پارہ ۱۳ سورہ ۱۳ آیت نمبر ۲۸)

اس کی تفسیر میں صاحب روح البیان فرماتے ہیں۔

فالمومنون یستانسون بالقرآن وذکر اللہ الذی ھو الاسم الاعظم ویحبون استماعھا والکفار یفرحون بالدنیا ویستبشرون بذکر غیراللہ۔

ترجمہ: پس قرآن سے اور اللہ کے ذکر سے (جو کہ اسم اعظم ہے) مسلمان انس لیتے ہیں اور اس کو سننا چاہتے ہیں اور کفار دنیا سے خوش ہوتے ہیں اور ذکر غیراللہ سے سرور پاتے ہیں۔

اس آیت اور تفسیری عبارت سے معلوم ہوا کہ اللہ کا ذکر مسلمان کی خوشی وفرحت کا باعث ہے مگر کفار اس سے رنجیدہ ہوتے ہیں۔ بحمد اللہ میت بھی مسلمان ہے اور سب حاضرین بھی۔ سب کو ہی اس سے خوشی ہوگی۔ نیز میت کو اس وقت اپنے اہل وعیال سے چھوٹنے کا غم ہے یہ ذکر اس غم کو دور کرے گا۔ خیال رہے کہ اس آیت میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو یا بلند آواز سے لہٰذا ہر طرح جائز ہوا محض اپنی رائے سے اس میں قید نہیں لگا سکتے منتخب کنز العمال جلد ہشتم صفحہ ۹۹ میں بروایت حضرت انس ہے **اکثروا فی الجنازۃ قول لا الہ الا اللہ** مشکوۃ کتاب الدعوات باب ذکر اللہ میں ہے۔

ان اللہ ملئکة یطوفون فی الطرق یلتمسون اھل الذکر فاذا وجدوا قوماً یذکرون اللہ تنادوا ھلموا الی حاجتکم قال فیحفو لھم باجنحتھم۔

ترجمہ: اللہ کے کچھ فرشتے راستوں میں چکر لگاتے ہیں ذکر اللہ کرنے والوں کو تلاش کرتے ہیں پس جبکہ کسی قوم کو ذکر الٰہی کرتے ہوئے پاتے ہیں تو ایک دوسرے کو پکارتے ہیں کہ آؤ اپنے مقصد کی طرف پھر ان ذاکرین کو پروں میں ڈھانپ لیتے ہیں الخ۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الاول ص ۱۹۷ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

لہٰذا اگر میت کے ساتھ لوگ ذکر اللہ کرتے ہوئے جائیں گے تو ملائکہ راستے ہی میں ملیں گے۔ اور ان سب کو اپنے پروں میں ڈھانپ لیں گے میت بھی ملائکہ کے پروں کے سایہ میں قبرستان تک جاویگا۔ خیال رہے کہ اس حدیث میں بھی ذکر مطلق ہے خواہ آہستہ ہو

یا بلند آواز سے۔ مشکوۃ اسی باب میں ہے۔

اذا مررتم بریاض الجنة فارتعوا قالوا وما ریاض الجنة قال حلق الذکر۔

ترجمہ: حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب تم جنت کے باغوں میں سے گزرو تو کچھ کھالیا کرو صحابہ کرام نے عرض کیا کہ جنت کے باغ کیا ہیں؟ فرمایا کہ ذکر کے حلقے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثانی ۱۹۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

اس سے ثابت ہوا کہ اگر میت کے ساتھ ذکر الٰہی ہوتا ہوا جاوے تو میت جنت کے باغ میں قبرستان تک جاوے گا۔ خیال رہے کہ یہاں بھی ذکر مطلق ہے آہستہ ہو یا بلند آواز سے اسی مشکوۃ میں اسی باب میں ہے کہ۔

الشیطن جاثم علی قلب ابن ادم فاذا ذکر اللہ خنس۔

ترجمہ: شیطان انسان کے دل پر چمٹا رہتا ہے جب انسان اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ تو ہٹ جاتا ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الدعوات باب ذکر اللہ الفصل الثالث ۱۹۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ اگر میت کو لے جاتے وقت ذکر اللہ کیا جاوے گا تو شیطان سے میت کو امن رہے گی یہاں بھی ذکر میں آہستہ یا بلند آواز کی کوئی قید نہیں۔ یہاں تک تو جنازہ کے آگے ذکر بالجہر کو دلالتہ ثابت کیا گیا۔ اب اقوال فقہاء ملاحظہ ہوں جس میں اس کی تصریح ملتی ہے۔ حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ میں امام عبدالغنی نابلسی علیہ الرحمۃ اس مسئلہ کے متعلق تحقیق فرماتے ہیں کہ جن فقہاء نے جنازے کے ساتھ ذکر بالجہر کو منع فرمایا ہے وہ کراہت تنزیہی کی بنا پر ہے یا کراہت تحریمی کی بنا پر پھر فرماتے ہیں۔

لکن بعض المشائخ جوزو الذکر الجهری و رفع الصوف بالتعظیم قدام الجنازة و خلفها لتلقین المیت والاموات والاحیاء وتنبیه الغفلة والظلمة وازالة صداء القلوب وقسوتها یحب الدنیا وریاستها۔

ترجمہ: یعنی بعض مشائخ عظام نے جنازے کے آگے اور پیچھے بلند آواز سے ذکر کرنے کو جائز فرمایا تاکہ اس سے اس میت اور زندوں کو تلقین ہو اور غافلوں کے دلوں سے غفلت اور سختی دنیا کی محبت دور ہو۔

(حدیقہ ندیہ شرح طریقہ محمدیہ ج ۲ ص ۲۰۸ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ فیصل آباد)

لواقع الانوار القدسیہ فی بیان العہو والمحمدیہ میں قطب ربانی امام شعرانی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں۔

وکان سیدی علی الخواص رضی اللہ عنه یقول اذا علم من الماشین مع الجنازة انهم لایترکون اللغو فی الجنازة ویشتغلون باحوال الدنیا فینبغی ان تامرهم بقول لآ اله الا اللہ محمد رسول اللہ فان ذلك افضل من ترکه ولا ینبغی للفقیه ان ینکر ذلك الا بنص او اجماع فان للمسلمین الاذن العام من الشارع بقول لا اله الا اللہ محمد رسول اللہ کل وقت شاء وا وللہ العجب من عمی قلب من ینکر مثل هذا۔

ترجمہ: حضرت علی الخواص رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ جب معلوم ہوا کہ جنازہ کے ساتھ جانے والے بیہودہ باتیں نہیں چھوڑتے اور دنیاوی حالات میں مشغول ہیں تو مناسب ہے کہ ان کو کلمہ پڑھنے کا حکم دیں۔ کیونکہ یہ کلمہ پڑھنا نہ پڑھنے سے افضل ہے اور فقیہ عالم کو مناسب نہیں کہ اس کا انکار کرے مگر یا تو نص سے یا مسلمانوں کے اجماع سے اس لئے کہ شارع علیہ السلام کی طرف سے مسلمانوں کو کلمہ پڑھنے کا اذن عام ہے جس وقت بھی چاہیں۔ اور سخت تعجب ہے اس اندھے دل سے جو اس کا انکار کرے۔

(فتاوی رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۳ مطبوعہ رضا فاونڈیشن لاہور)

امام شعرانی اپنی کتاب عہود المشائخ میں فرماتے ہیں۔

ولا نمکن احداً من اخواننا ینکر شیئاً ابتدعها المسلمون علی جهة القربة وراه حسناً لاسیما

ما کان متعلقا باللہ ورسولہ کقول الناس امام الجنازۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ او قرءۃ احد القرآن امامھا ونحو ذلک فمن حرم ذلک فھو قاصر عن فھم الشریعۃ۔

ترجمہ: ہم اپنے بھائیوں میں سے کسی کو یہ موقع نہ دیں گے کہ کسی ایسی چیز کا انکار کرے جس کو مسلمانوں نے ثواب سمجھ کر نکالا ہو اور اس کو اچھا سمجھا ہو خصوصاً وہ جو اللہ تعالیٰ ورسول علیہ السلام سے متعلق ہو جیسے کہ لوگوں کا جنازے کے آگے کلمہ طیبہ پڑھنا یا جنازے کے آگے کسی کا قرآن کریم وغیرہ پڑھنا جو شخص اس کو حرام کہے وہ شریعت سمجھنے سے قاصر ہے۔

(الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

پھر فرماتے ہیں۔

وکلمۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اکبر الحسنات فکیف یمنع منھا و تامل احوال غالب الخلق الان فی الجنازۃ تجدھم مشغولین بحکایات الدنیا لم یعتبروا بالمیت وقلبھم غافل عن جمیع ما وقع لہ بل رء یت منھم من یضحک واذا تعارض عندنا مثل ذلک وکون ذلک لم یکن فی عھد رسول اللہ ﷺ قدمنا ذکر اللہ عزوجل بل کل حدیث لغو اولی من حدیث ابناء الدنیا فی الجنازۃ فلو صاح کل من فی الجنازۃ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ فلا اعتراض۔

ترجمہ: یعنی کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ تمام نیکیوں میں بہتر نیکی ہے پس اس سے کیوں منع کیا جاسکتا ہے اگر تم آج کل کے لوگوں کی غالب حالت میں غور کرو تو تم ان کو جنازے کے ساتھ ساتھ دنیاوی قصوں میں مشغول پاؤ گے ان کے دل میت سے عبرت نہیں پکڑتے اور جو کچھ ہو چکا اس سے غافل ہیں بلکہ ہم نے تو بہت سے لوگوں کو ہنستے ہوئے دیکھا اور جب لوگوں کا اس زمانہ میں ایسا حال ہے تو ہم کو اس پر عمل کر کے کہ یہ کلمہ پہلے زمانہ میں میت کے ساتھ پکار کر نہیں بلکہ اس کے جائز ہونے ہی کا حکم کرنا چاہیے بلکہ دنیاداروں کی باتوں سے ہر بات جنازے میں بہتر ہے پس اگر تمام لوگ بلند آواز سے جنازے کے ہمراہ لا الہ الا اللہ پڑھیں تو ہم کو کوئی اعتراض نہیں۔

(فتاویٰ رضویہ جدید ج ۹ ص ۱۴۴۔۱۴۵ مطبوعہ رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ جنازے کے ساتھ اگر بلند آواز سے ذکر کیا جاوے تو جائز ہے خصوصاً اس زمانہ میں جبکہ عوام میت کے ساتھ ہنستے ہوئے دنیاوی باتیں کرتے ہوئے جاتے ہیں اب تو بہت ہی بہتر ہے کہ ان سب کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دیا جاوے کہ ذکر الٰہی دنیاوی باتوں سے افضل ہے۔

دوسرا باب

اس مسئلہ پر اعتراضات و جوابات میں

اس پر مخالفین کے حسب ذیل اعتراضات ہیں۔ انشاء اللہ اس سے زیادہ نہ ملیں گے۔

اعتراض (۱)......: جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنے کو فقہاء منع فرماتے ہیں چنانچہ عالمگیری جلد اول کتاب الجنائز فصل فی حمل الجنازۃ میں ہے۔

وعلی متبعی الجنازۃ الصمت ویکرہ لھم رفع الصوت بالذکر وقرءۃ القرآن فان اراد ان یذکر اللہ یذکرہ فی نفسہ کذا فی فتاوی قاضی خان۔

ترجمہ: جنازے کے ساتھ جانے والوں کو خاموش رہنا واجب ہے اور بلند آواز سے ذکر کرنا اور قرآن پڑھنا مکروہ ہے اگر اللہ کا ذکر

کرنا چاہیں تو اپنے دل میں کریں۔

فتاویٰ سراجیہ باب حمل الجنازہ میں ہے۔

ویکره النياح والصوت خلف الجنازة وفي منزل الميت رفع الصوت بالذكر وقرء ة القرآن وقولهم كل حتى يموت ونحو ذلك خلف الجنازة بدعة۔

ترجمہ: جنازے کے پیچھے اور میت کے گھر میں نوحہ کرنا آواز نکالنا اور بلند آواز سے ذکر کرنا قرآن پڑھنا مکروہ ہے اور جنازے کے پیچھے یہ کہتے ہوئے جانا کہ ہر زندہ مرے گا بدعت ہے۔

درمختار جلد اول کتاب الجنائز مطلب فی دفن المیت میں ہے كما كره فيها رفع صوت بذكر او قرء ة جیسے کہ جنازے میں بلند آواز سے ذکر کرنا یا قرءت کرنا مکروہ ہے۔اس کے ماتحت شامی میں ہے۔

قلت واذا كان هذا في الدعاء فما ظنك بالغناء الحادث في هذا الزمان۔

جبکہ دعا میں اس قدر سختی ہے تو اب اس گانے کا کیا حال ہے۔ جو اس زمانہ میں پیدا ہو گیا ہے۔ابن منذر نے اشراف میں نقل کیا کہ

قال قيس ابن عبادة كان اصحب رسول الله ﷺ يكرهون رفع الصوت عند ثلث عند القتال وفي الجنازة وفي الذكر۔

ترجمہ: یعنی صحابہ کرام جہاد، جنازہ، ذکر میں بلند آواز ناپسند کرتے تھے۔ان فقہی عبارات سے معلوم ہوا کہ میت کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا منع ہے خصوصاً وہ گانا جس کو آج کل نعت خوانی کہتے ہیں وہ تو بہت ہی برا ہے (مخالفین کا یہ انتہائی اعتراض ہے)

جواب:۔ فقہاء کی ان عبارات میں چند طرح گفتگو ہے اولاً یہ کہ انہوں نے جو میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ لکھا اس سے کراہت تنزیہی جائز میں داخل ہے یعنی اس کا کرنا تو جائز ہے مگر نہ کرنا بہتر دوسرے یہ کہ یہ حکم اس زمانے کے لئے تھا یا کہ ہر زمانہ کے لئے تیسرے یہ کہ مطلقاً بولنا منع ہے۔یا کہ خاص ذکر بالجہر یا کہ نوحہ وغیرہ۔ چوتھے یہ کہ بلند آواز سے ذکر کرنا ہر شخص کو منع ہے یا کہ خاص اشخاص کو۔جب یہ چار باتیں ہو جاویں تو مسئلہ بالکل واضح ہو جاویگا۔حق یہ ہے کہ جن فقہاء نے میت کے ساتھ ذکر بالجہر کو مکروہ فرمایا۔ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے چنانچہ شامی نے اسی منقولہ عبادت کے ساتھ ساتھ فرمایا۔

قيل تحريما وقيل تنزيها كما في البحر عن الغايت وفيه عنها وينبغي لمن تبع الجنازة ان يطيل الصمت۔

ترجمہ: کہا گیا ہے کہ مکروہ تحریمی ہے اور کہا گیا ہے کہ مکروہ تنزیہی جیسا کہ بحرالرائق میں غایت سے نقل کیا اسی بحر میں بروایت غایت ہے کہ جو شخص جنازے کے ساتھ جاوے اس کو بہتر ہے کہ خاموش رہے۔

جس سے معلوم ہوا کہ خاموش رہنا بہتر اور خاموش نہ رہنا بلکہ ذکر بالجہر کرنا بہتر نہیں جائز ہے۔ نیز کراہت تنزیہی اور تحریمی کی پہچان خود علامہ شامی نے مکروہات کی تعریف کرتے ہوئے بیان فرمائی۔فرماتے ہیں۔شامی جلد اول کتاب الطہارت مطلب تعریف المکروہ۔

فحينئذ اذا ذكروا مكروها فلا بد من النظر في دليله فان كان نهيا ظنيا يحكم بكراهة التحريم الا بصارف النهي عن التحريم الى الندب فان لم يكن الدليل نهيا بل كان مفيد الترك الغير الجازم فهي تنزيهية۔

ترجمہ: جب فقہاء مکروہ فرمادیں تو ضروری ہے کہ کراہت کی دلیل میں نظر کی جاوے اگر اس کی دلیل ظنی ممانعت ہو تو مکروہ تحریمی ہے سوائے کسی مانع کے اور اگر دلیل ممانعت نہ ہو بلکہ غیر ضروری ترک کا فائدہ دے تو کراہت تنزیہی ہے۔

(ردالمحتار علی درالمختار کتاب الطہارۃ ج ۱ ص ۷۹ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس سے معلوم ہوا کہ اگر فقہاء کراہت کی دلیل میں کوئی شرعی ممانعت پیش فرمادیں تو کراہت تحریمی ہے ورنہ کراہت تنزیہی۔ اور جن فقہاء نے بھی اس ذکر بالجہر کو منع کیا ہے کوئی ممانعت کی حدیث یا آیت پیش نہیں کی۔ صرف شامی نے یہ دلیل بیان فرمائی کہ رب تعالیٰ فرماتا ہے انہ لایحب المعتدین اللہ حد سے بڑھنے والوں کو محبوب نہیں رکھتا۔ جس کا ترجمہ فرمایا ای الجاھرین بالدعاء یعنی بلند آواز سے دعا کرنے والوں کو۔ معلوم ہوا کہ اس کی ممانعت کی کوئی صاف حدیث نہیں ملی۔ لہٰذا یہ مکروہ تنزیہی ہے اور مکروہ تنزیہی جائز ہوتا ہے۔ نیز امام شعرانی نے عہود مشائخ میں اسی ذکر مع الجنازہ کے لئے فرمایا وقد رجح النووی ان الکلام خلاف اولیٰ امام نووی نے اس کو ترجیح دی کہ جنازے کے ساتھ کلام کرنا بہتر نہیں۔ شرح محمدیہ نے بیان فرمایا وھو یکرہ علی معنی انہ تارک الاولیٰ جنازے کے ساتھ بلند آواز سے ذکر کرنا مکروہ ہے بایں معنی کہ خلاف اولیٰ ہے یعنی بہتر نہیں۔ بہر حال ماننا پڑے گا کہ جن فقہاء نے اس کو مکروہ کہا ان کی مراد مکروہ تنزیہی ہے دوسرے یہ کہ یہ ممانعت اس زمانے کے لئے تھی اب اس زمانہ میں چونکہ لوگوں کے حالات بدل گئے یہ حکم کراہت بھی بدل گیا۔ کیوں کہ اس زمانہ میں جو بھی جنازے کے ساتھ جاتا تھا وہ خاموش رہتا تھا اس سے عبرت پکڑتا تھا اہل میت کے ساتھ رنج وغم میں شرکت کرتا تھا اور شرعی مدعی بھی یہ ہے کہ میت کے جلوس میں لوگ عبرت حاصل کریں۔ سید علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

واذا حملت الی القبور جنازۃ فاسلم بانك بعدھا محمول

جب تم قبرستان کی طرف کوئی جنازہ لے جاؤ تو خیال رکھو کہ ایک دن تم کو بھی اسی طرح لے جائے گا اس حالت میں کچھ بھی بات کرنا خلاف حکمت تھا کہ بات کرنے میں دھیان بٹے گا۔ اور دل اور طرف متوجہ ہو جاوے گا۔ لہٰذا فقہاء نے فرمایا کہ اس حالت میں سکوت کرو۔ کتاب الاذکار مصنفہ امام نووی باب مایقول الماشی مع الجنازہ میں ہے۔

والحکمۃ فیہ ظاھرۃ وھی انہ اسکن لخاطرہ واجمع لفکرہ فیما یتعلق بالجنازۃ وھو المطلوب فی ھذا الحال۔

مشکوٰۃ باب دفن المیت میں ہے کہ صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم قبرستان میں میت دفن کرنے لے گئے **وجلسنا معہ کان علی رؤسنا الطیر** (مشکوٰۃ المصابیح باب دفن المیت الفصل الثانی ۱۴۹ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی) تیاری قبر میں دیر تھی تو ہم اس طرح خاموش بیٹھ گئے جیسے کہ ہمارے سروں پر پرندے ہیں (پرندوں کا شکاری جب جال لگا کر بیٹھتا ہے تو بالکل خاموش رہتا ہے تاکہ آواز سے پرندے نہ اڑ جاویں۔ اب وہ زمانہ ہے کہ جنازے کے ساتھ جانے والے دنیاوی باتیں ہنسی مذاق مسلمانوں کی غیبتیں کرتے جاتے ہیں۔ اگر قبرستان میں کچھ دیر بیٹھنا پڑے تو خوش گپیاں اڑاتے ہیں۔ میں نے یہ بھی دیکھا ہے کہ کچھ کھیل کا مشغلہ کر کے دل بہلاتے ہیں تو ان کو ذکر الٰہی میں مشغول کر دینا ان بیہودہ باتوں سے بہتر ہے لہٰذا اب یہ بھی مستحب ہے کہ میت کے ساتھ سب لوگ کلمہ وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے ہوئے جاویں۔ حالات بدلنے سے احکام بدل جاتے ہیں اور جو مفتی اپنے اہل زمانہ کی حالت سے بے خبر ہے وہ جاہل ہے۔

امام شعرانی اپنی کتاب عہود مشائخ میں فرماتے ہیں۔

وانما لم یکن الکلام والقراءۃ والذکر امام الجنازۃ فی عھد السلف لانھم کانوا اذ امات لھم میت اشترکوا کلھم فی الحزن علیہ حتی کان لا یعرف قرابۃ المیت من غیرہ فکانوا لا یقدرون علی النطق الکثیر لماھم علیہ من ذکر الموت بل خرست السنتھم عن کل کلام فاذا وجدنا جماعۃ بھذا الصفۃ فلك یا اخی علینا لا تامرھم بقرءۃ ولا ذکر۔

ترجمہ: گذشتہ زمانہ میں جنازہ کے آگے بات کرنا قرآن پڑھنا ذکر کرنا اس لئے نہ تھا کہ جب کسی کا انتقال ہو جاتا تھا تو سارے

شرکاء رنج وغم میں شریک ہوجاتے تھے یہاں تک کہ میت کے اہل قرابت اور غیروں میں فرق نہ رہتا تھا اور اس قدر موت کا دھیان کرتے تھے کہ بولنے پر ان کو قدرت نہ رہتی تھی اور ان کی زبانیں گونگی ہوجاتی تھیں اگر ہم آج اس صفت کے لوگ پالیں تو ہم ان کو قرآن پڑھنے اور ذکر کرنے کا حکم نہ دیں گے۔

سبحان اللہ کیا نفیس فیصلہ فرمایا۔ کہئے کیا آج کل لوگوں کا یہ حال ہے۔ حضرت شیخ عثمان بجیری شرح اقناع کے حاشیہ جلد دوم میں فرماتے ہیں

(قوله و كره لغط في الجنازة) قوله لغط اى رفع صوت ولو بقرآن او ذكر او صلوة على النبى عليه السلام۔

وهذا باعتبار ما كان في الصدر الاول والا فالان لاباس بذلك لانه شعار الميت لان تركه مزدرية به ولو قيل بوجوبه لم يبعد كما نقله المدابغى۔

ترجمہ: یعنی جنازے کے ساتھ شور کرنا مکروہ ہے خواہ یہ شور قرآن خوانی سے ہو یا ذکر اللہ سے یا درود خوانی سے۔ یہ حکم اس حالت کے لحاظ سے ہے۔ جو کہ پہلے زمانہ میں مسلمانوں کی تھی۔

(شرح اقناع کے حاشیہ جلد دوم)

امام شعرانی نے عہود مشائخ میں فرمایا۔

فمما احدثه المسلمون واستحسنوه قولهم امام الجنازة لا اله الا الله محمد رسول الله او وسيلتنا يوم العرض على الله لا اله الا الله محمد رسول الله۔

ونحوه ذلك فمثل هذا لا يجب انكاره في هذا الزمان لانهم ان لم اشتغلوا بذالك اشتغلوا بحديث الدنيا وذالك لان قلبهم فارغ من ذكر الموت بل رء يت بعضهم يضحك امام الجنازة ويمزح۔

ترجمہ: ورنہ اس زمانہ میں اب اس میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ذکر بالجہر میت کی علامت ہے اس کے چھوڑنے میں میت کی توہین لہذا اس کو اگر ضروری بھی کیا جاوے تو بھی بعید نہیں۔ جیسا کہ مدابغی علیہ الرحمۃ سے نقل فرمایا۔

مسلمانوں نے جس کام کو اچھا سمجھ کر ایجاد کیا ہے وہ یہ ہے کہ جنازے کے آگے کہتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا یہ کہتے ہیں کہ خدا کے سامنے قیامت کے دن ہمارا وسیلہ یہ ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ یا اسی طرح اور ذکر۔ اس زمانہ میں اس سے منع کرنا ضروری نہیں۔ کیونکہ اگر وہ لوگ اس ذکر میں مشغول نہ ہوئے تو دنیاوی باتیں کریں گے کیونکہ ان کے دل موت کی یاد سے خالی ہیں۔

(الحدیقۃ الندیہ شرح الطریقۃ المحمدیہ الصنف الثالث ج ۲ ص ۳۰۹ مطبوعہ مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر)

بلکہ ہم نے تو بعض لوگوں کو جنازے کے آگے ہنستے ہوئے اور مذاق کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

امام شعرانی قدس سرہ نے جو اپنے زمانہ کا حال بیان فرمایا اس سے بدتر حال آج ہے۔ میں نے بعض جگہ دیکھا کہ قبر میں دیر تھی۔ لوگ علیحدہ علیحدہ جماعتیں بن کر بیٹھ گئے اور باتوں میں ایسے مشغول ہوئے کہ معلوم ہوتا تھا کہ بازار لگا ہوا ہے۔ بعض لوگ زمین پر لکیریں کھینچ کر کنکروں سے کھیلنا چاہتے تھے اس حالت کو دیکھ کر میں نے سب کو جمع کر کے وعظ کہنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو تجہیز و تکفین کے احکام بتائے۔ اس سے یہی بہتر تھا۔

لطیفہ:۔ مخالفین جنازے کے ساتھ ذکر اللہ کرنے کو تو بدعت اور حرام کہتے ہیں۔ مگر باتیں کرنا، کبھی مسائل بیان کرنا، کبھی شرک و بدعت کے فتوے سنانا، لوگوں کے آپس میں ہنسی مذاق کرنے کو نہ منع کرتے ہیں نہ اس کو برا کہتے ہیں۔ حالانکہ فقہاء بالکل خاموش رہنے کا

حکم دیتے ہیں۔ جیسا کہ اس اعتراض میں نقل کی ہوئی عبارات سے معلوم ہوا۔ یہ الٹی گنگا کیوں بہ رہی ہے کہ کلام، سلام، ہنسی، مذاق، وعظ وفتاویٰ تو سب ناجائز۔ حرام ہے تو ذکر اللہ۔ خدا سمجھ دے۔

نوٹ ضروری:۔ شاید کوئی کہے کہ اسلامی احکام تو کبھی بدلتے نہیں پھر یہ تبدیلی کیسی؟ اس کا جواب ہم پہلے دے چکے ہیں کہ جو احکام کسی علت کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ جیسے کہ اول زمانہ میں نماز پڑھانے، تعلیم قرآن دینے وغیرہ پر اجرت لینا حرام تھی۔ اب جائز ہے۔ اسی طرح مقابر اولیاء اللہ پر چادریں ڈالنا اب ضرورتاً زمانہ کے لحاظ سے جائز ہیں اسی طرح ماہ رمضان میں ختم قرآن پر دعائیں مانگنا جائز قرار دی گئیں۔ قرآن پاک میں آیات اور رکوع اور سورتوں کے نام لکھنا سلف زمانہ میں نہ تھا لیکن اب عوام کے فائدے کا لحاظ کر کے جائز قرار دیا گیا۔

عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف میں ہے۔

لاباس لکتابة اسامی السور وعد الآی وهو و ان کان احداثاً فهو بدعة حسنة و کم من شئی کان احداثاً وهو حسن و کم من شئی یختلف باختلاف الزمان والمکان۔

ترجمہ: سورتوں کے نام آیتوں کی تعداد لکھنے میں حرج نہیں۔ یہ اگرچہ بدعت ہے لیکن بدعت حسنہ ہے اور بہت سی چیزیں بدعت ہیں لیکن اچھی ہیں اور بہت سی چیزیں زمانہ اور ملک کے بدلنے سے بدل جاتی ہیں۔

(فتاوی عالمگیری کتاب الکراہیت باب آداب المصحف ج ۵ ص ۳۲۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کی بہت تفصیل ہم پہلی بحثوں میں کر چکے ہیں۔ تیسرے یہ کہ کاٹھیاواڑ وغیرہ میں میت کے آگے اس طرح نعت شریف پڑھتے ہیں کہ سننے والے جان لیتے ہیں کہ کسی کا جنازہ جا رہا ہے لہذا گھروں میں جو ہوتے ہیں وہ بھی جنازے کے لئے نکل آتے ہیں۔ تو یہ نعت خوانی میت کا اعلان بھی ہوا اور جنازے کا اعلان کرنا اس نیت سے لوگ نماز جنازے یا دفن میں شرکت کرلیں جائز ہے۔ چنانچہ درمختار دفن میت کی بحث میں ہے۔

ولاباس بنقله قبل دفنه وبالاعلام بموته و بارثه بشعر او غیره۔

ترجمہ: یعنی میت کو دفن کرنے سے پہلے اس کو منتقل کرنا اس کے جنازے کا اعلان کرنا میت کا مرثیہ پڑھنا خواہ اشعار میں ہو یا اس کے سوا جائز ہے۔

• (ردالمحتار علی درالمختار باب صلاۃ الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۶۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

اس کی شرح شامی میں ہے۔

ای اعلام بعضهم بعضاً لیقضوا حقه و کره بعضهم ان ینادی علیه فی الاقة والا سواق والاصح انه لا یکره اذا لم یکن معه تنویه بذکره۔

ترجمہ: یعنی جائز ہے کہ بعض لوگ کو خبر دیں تا کہ لوگ اس میت کے حق کو ادا کریں اور بعض لوگوں نے مکروہ جانا ہے کہ گلی کوچوں اور بازاروں میں اس کا اعلان کیا جاوے اور صحیح یہ ہے کہ یہ اعلان مکروہ نہیں ہے جبکہ اس اعلان میں میت کی زیادہ تعریف نہ ہو۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب صلاۃ الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ۱ ص ۶۶۳ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

جبکہ اعلان جنازہ کے لئے میت کا مرثیہ یا میت کے نام کا اعلان جائز ہے تو اعلان جنازہ کی نیت سے نعت شریف یا کلمہ طیبہ بلند آواز سے پڑھنا کیوں حرام ہے؟ کہ اس میں جنازے کا اعلان بھی ہے اور حضور علیہ السلام کی نعت بھی۔ اس سے معلوم ہوا کہ جس جہر کو فقہاء منع فرماتے ہیں وہ ذکر بلا فائدہ ہے جبکہ اس سے کوئی فائدہ خاص ہو تو جائز ہے اسی لئے علامہ شامی نے اسی بحث میں تتارخانیہ سے نقل کیا۔

واما رفع الصوت عند الجنائز فیحتمل ان المراد منه النوح او الدعاء للمیت بعد ما افتتح الناس الصلوٰۃ او الافراط فی مدحه کعادۃ الجاهلیة بما هو یشبه المحال واما اصل الثناء علیه فغیر مکروہ۔

ترجمہ: لیکن جنازوں کے پاس بلند آواز کرنا اس میں یہ احتمال ہے کہ اس سے مراد نوحہ کرنا یا میت کے لئے نماز شروع ہو چکنے کے بعد دعا کرنا اس کی تعریف میں مبالغہ کرنا ہے جیسا کہ اہل جاہلیت کی عادت تھی لیکن میت کی تعریف کرنا یہ مکروہ نہیں۔

(ردالمحتار علی درالمختار باب صلاۃ الجنائز مطلب فی دفن المیت ج ا ص مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ)

حاصل یہ کہ بے فائدہ بلند آواز کرنا منع ہے اور با فائدہ ذکر کرنا بلا کراہت جائز ہے فی زمانہ اس میں بہت سے وہ فائدے ہیں جو کہ عرض کردیئے گئے۔ چوتھے یہ کہ اس ذکر سے ممانعت خاص اہل علم کو ہے۔ اگر عوام مسلمین ذکر کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔ فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ عوام کو ذکر الٰہی سے نہ روکو کیونکہ وہ پہلے ہی سے ذکر الٰہی سے بے رغبت ہیں۔ اب جس قدر ذکر کریں کرنے دو۔ درمختار باب صلوٰۃ العیدین میں ہے۔

ولا یکبر فی طریقها ولا یتنفل قبلها مطلقاً وکذا لا یتنفل بعدها فی مصلاها فانه مکروہ عند العامة۔

ترجمہ: عیدگاہ کے راستہ میں تکبیر نہ کہے اور نہ عید سے پہلے نفل پڑھے اور نماز عید کے بعد بھی عیدگاہ میں نفل نہ پڑھے کیونکہ یہ عام فقہاء کے نزدیک مکروہ ہے۔

(درالمختار وعلی حاشیہ کشف الاستار باب العیدین ص ۱۱۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

پھر فرماتے ہیں۔

هذا للخواص اما العوام فلا یمنعون من تکبیر ولا تنفل اصلاً نقلة رغبتهم فی الخیرات۔

ترجمہ: یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے لیکن عوام کو اس سے منع نہ کیا جاوے نہ تکبیر کہنے سے اور نہ نفل پڑھنے سے کیونکہ ان کی رغبت کار خیر میں کم ہے۔

(درالمختار وعلی حاشیہ کشف الاستار باب العیدین ص ۱۱۵ مطبوعہ مطبع مجتبائی لاہور)

اس کے ماتحت شامی میں ہے۔ ای لا سراً ولا جهر فی التکبیر (ردالمحتار علی الدرالمختار باب صلوٰۃ العیدین ج ا ص ۶۱۴ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ) یعنی ان آہستہ اور بلند آواز سے تکبیر کہنے سے نہ روکا جاوے۔ نیز ہم ذکر بالجہر کی بحث میں بحوالہ شامی باب العیدین ذکر کر چکے ہیں کہ کسی نے امام ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ لوگ بازاروں میں بلند آواز سے تکبیریں کہتے ہیں کیا ان کو منع کیا جاوے فرمایا کہ نہیں۔ ان تمام عبارات سے معلوم ہوا کہ بعض موقعوں پر خواص کو کسی خاص ذکر سے منع کیا جاتا ہے لیکن عوام کو روکنے کا حکم نہیں۔ اسی لئے فقہاء نے یہ تو فرمادیا کہ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر نہ کرو لیکن یہ نہ فرمایا کہ ذکر کرنے والوں کو اس سے روک بھی دو۔

اس جواب کا خلاصہ یہ ہوا کہ اولاً تو یہ ممانعت کراہت تنزیہی کی بناء پر ہے دوم یہ کہ پہلے زمانہ کے لئے تھی اب یہ حکم بدل گیا۔ کیونکہ علت حکم بدل گئی۔ تیسرے یہ کہ چونکہ اس ذکر سے جنازہ کا اعلان ہے لہذا فائدے مند ہے جائز ہے۔ چوتھے یہ کہ یہ حکم خاص لوگوں کے لئے ہے عامۃ المسلمین اگر ذکر الٰہی کریں تو ان کو منع نہ کیا جاوے۔

اعتراض (۲)........۔ جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنا ہندوؤں سے مشابہت ہے کیونکہ وہ چیختے جاتے ہیں رام رام ست ہے۔ اور تم بھی شور مچاتے ہوئے جاتے ہو۔ اور کفار سے مشابہت ناجائز ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب:۔ کفار بتوں کا نام پکارتے ہیں۔اور ہم خدائے قدوس کا ذکر کرتے ہیں پھر مشابہت کہاں رہی۔کفار بت کے نام پر جانور ذبح کرتے ہیں ہم خدا کے نام پر۔کفار گنگا سے گنگا کا پانی لے کر آتے ہیں۔ہم مکہ معظمہ سے آب زمزم لاتے ہیں۔یہ مشابہت نہ ہوئی نیز جو کام کہ کفار کے قومی یا مذہبی نشان بن گئے ہوں۔ان میں مشابہت کرنا منع ہے نہ کہ ہر کام میں اگر کافر بھی اپنے جنازوں کے آگے کلمہ پڑھنے لگیں۔تو شوق سے پڑھیں یہ اچھا کام ہے۔اور اچھے کام میں مشابہت بڑی نہیں ہوتی۔

اعتراض (۳)......:۔راستہ میں کلمہ طیبہ پڑھنا بے ادبی ہے کیونکہ وہاں گندگی وغیرہ ہوتی ہے لہذا یہ منع ہے۔

جواب:۔ یہ اعتراض محض لغو ہے۔فقہاء کرام نے تصریح فرمائی ہے کہ راستوں میں چلتے ہوئے ذکر جائز ہے۔ہاں جو جگہ نجاست ڈالنے کے لئے بنائی گئی ہو وہاں ذکر بالجہر منع ہے جیسے کہ پاخانہ یا گھورا (روڑی) شامی ج ا بحث قراءت عندلمیت مطبعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ میں ہے وفی القنیته لاباس بالقرة راکباً او ماشیا اذا لم یکن ذلك الموضع معداً للنجاسة سوار یا پیدل چلتے ہوئے قرآن پڑھنے میں کوئی حرج نہیں جبکہ وہ جگہ نجاست کے لئے نہ بنائی گئی ہو۔قرآن بغل میں لے کر راستہ سے گزرنا جائز ہے اور پاخانہ میں لے جانا منع ہے۔نیز بقرعید کے دن حکم ہے کہ عیدگاہ کے راستے میں بلند آواز سے تکبیر تشریق کہتا ہوا جاوے۔درمختار (باب صلوٰۃ العیدین میں ہے ویکبر جهراً اتفاقاً فی الطریق راستے میں بلند آواز سے تکبیر کہے۔حالانکہ راستے میں نجاست وغیرہ ہوتی ہے۔اسی طرح فقہاء فرماتے ہیں کہ حمام میں تسبیح وتہلیل بلند آواز سے جائز ہے۔حالانکہ وہاں اکثر گندگی ہوتی ہے۔عالمگیری کتاب الکراہیت باب الصلوٰۃ والتسبیح ج ۵ ص ۳۱۶ مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ کوئٹہ میں اور عمدة الابرار مجموع النوازل، خانیه، سراجیه، ملتقط تجنیس وغیرہ میں ہے واما التسبیح والتهلیل لاباس بذلك وان رفع صوته یعنی حمام میں تسبیح بلند آواز سے بھی جائز ہے۔

اعتراض (۴)......:۔جنازے کے آگے بلند آواز سے ذکر کرنے میں گھر کی عورتیں اور بچے ڈر جاتے ہیں۔کیونکہ ان کو موت یاد آجاتی ہے جس کی وجہ سے وہ بیمار ہو جاتے ہیں لہذا بقاعدہ طبی بھی یہ منع ہونا چاہیے۔

جواب:۔ قرآن فرماتا ہے۔الا بذکر الله تطمئن القلوب (پارہ ۱۳ سورہ ۱۳ آیت نمبر ۲۸) اللہ کے ذکر سے دل چین میں آتے ہیں مسلمانوں کو تو اس سے چین اور راحت ہوتی ہے۔ہاں کفار ڈرتے ہوں گے۔ان کو ڈرنے دو کفار تو اذان سے بھی ڈرتے ہیں تو کیا ان کی وجہ سے اذان بند کی جاوے گی۔ہاں اگر کسی حاذق طبیب نے لکھا ہو کہ کلمہ طیبہ کی آواز وبا کے اسباب میں ہے تو پیش کیا جاوے لیکن وہ طبیب مسلمان اور حاذق ہو۔کوئی دیوبندی یا کہ وہمی طبیب نہ ہو وہمی باتوں کا اعتبار نہیں۔ثابت ہوا کہ میت کے آگے بلند آواز سے ذکر بہت بہتر اور باعث برکت ہے۔مخالفین کے پاس بجز غلط فہمی کے اور کوئی اعتراض قوی نہیں۔والحمدللہ علی ذلک۔

خاتمہ کتاب

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اب تک جس قدر مسائل میں دیو بندی اختلاف کرتے ہیں ان کی تحقیق کر دی گئی۔ لیکن ان مسائل مذکورہ میں بہت سے مسائل وہ ہیں جن پر ایمان کا دارومدار نہیں صرف کراہت اور استحباب میں ہی اختلاف ہے جس مسائل کی بنا پر عرب و عجم کے علماء نے دیو بندیوں کو کافر کہا وہ ان کے خلاف اسلامی عقائد ہیں۔ ہم مسلمانوں کی واقفیت کے لئے ان عقائد کی فہرست پیش کرتے ہیں اور ہر ایک کے مقابل میں اسلامی عقیدہ بھی بیان کرتے ہیں۔ اور ہم نے اس فہرست میں ان کا جو عقیدہ بیان کیا ہے وہ ان کی کتابوں میں چھپا ہوا موجود ہے اگر کوئی صاحب غلط ثابت کریں تو وہ انعام کے مستحق ہیں بعض صاحبوں کا اصرار تھا کہ ان عقائد باطلہ کی تردید بھی کر دی جاوے مگر اس وقت کاغذ دستیاب نہیں ہوتا۔ لہذا ہم انشاء اللہ اس کتاب کی دوسری جلد تیار کریں گے جس میں ان عقائد سے ہی بحث ہوگی۔ فی الحال صرف فہرست پیش کرتے ہیں۔

دیوبندی عقائد

﴿1﴾...... خدا تعالیٰ جھوٹ بول سکتا ہے (مسئلہ امکان کذب) براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب انبیٹھوی جہد المقل مصنفہ محمود حسن صاحب۔

﴿2﴾...... اللہ تعالیٰ کی شان یہ ہے کہ جب چاہے غیب دریافت کرے۔ کسی ولی نبی جن فرشتے بھوت کو اللہ نے یہ طاقت نہیں بخشی۔ (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)۔

﴿3﴾...... خدا تعالیٰ کو جگہ اور زمانہ اور مرکب ہونے اور ماہیت سے پاک ماننا بدعت ہے۔ ایضاح الحق مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی۔

﴿4﴾...... خدا تعالیٰ کو بندوں کے کاموں کی پہلے سے خبر نہیں ہوتی۔ جب بندے اچھے یا برے کام کر لیتے ہیں تب اس کو معلوم ہوتا ہے بلغۃ الحیر ان صفحہ ۱۵۷ زیر آیت الا علی اللہ رزقھا کل فی کتب مبین (پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت نمبر ۶) مصنفہ مولوی حسین علی صاحب بھچرانوالہ شاگرد مولوی رشید احمد صاحب۔

﴿5﴾...... خاتم النبیین کے معنی یہ سمجھنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں بلکہ یہ معنی ہیں کہ آپ اصل نبی ہیں باقی عارضی لہذا اگر حضور علیہ السلام کے بعد اور بھی نبی آجاویں تو بھی خاتمیت میں فرق نہ آویگا (تحذیر الناس مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیو بند)۔ (تحذیر الناس ص ۴۔۵ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)

﴿6﴾...... اعمال میں بظاہر امتی نبی کے برابر ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ بھی جاتے ہیں (تحذیر الناس مطبوعہ دار الاشاعت کراچی مصنفہ مولوی محمد قاسم صاحب بانی مدرسہ دیو بند)۔

﴿7﴾...... حضور علیہ السلام کا مثل و نظیر ممکن ہے۔ (یکروزی مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی مطبوعہ فاروقی صفحہ ۱۴۴)

﴿8﴾...... حضور علیہ السلام کو بھائی کہنا جائز ہے کیونکہ آپ بھی انسان ہیں (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب و تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی)

﴿9﴾......شیطان اور ملک الموت کا علم حضور علیہ السلام سے زیادہ ہے (براہین قاطعہ مصنفہ مولوی خلیل احمد صاحب)۔ (براہین قاطعہ ص۵۵ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی)

﴿10﴾......حضور علیہ السلام کا علم بچوں، پاگلوں، جانوروں کی طرح یا ان کے برابر ہے (حفظ الایمان مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب)۔ (حفظ الایمان ص۱۳ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

﴿11﴾......حضور علیہ السلام کو اردو بولنا مدرسہ دیوبند سے آگیا (براہین قاطعہ مطبوعہ دارالاشاعت کراچی مولوی خلیل احمد صاحب)

﴿12﴾...... ہر چھوٹا بڑا مخلوق (نبی غیر نبی) اللہ کی شان کے آگے چمار سے بھی ذلیل ہے (تقویۃ الایمان مصنفہ مولوی اسمٰعیل صاحب)

﴿13﴾......نماز میں حضور علیہ السلام کا خیال لانا اپنے گدھے اور بیل کے خیال میں ڈوب جانے سے بدتر ہے (صراط مستقیم مطبوعہ ادارہ نشریات الاسلام قذافی مارکیٹ اردو بازار لاہور مصنفہ مولوی اسمٰعیل دہلوی)۔

﴿14﴾...... میں نے حضور علیہ السلام کو خواب میں دیکھا کہ مجھے آپ پلِ صراط پر لے گئے اور کچھ آگے جا کر دیکھا کہ حضور علیہ السلام گرے جارہے ہیں تو میں نے حضور کو گرنے سے روکا (بلغۃ الحیر ان، مبشرات مصنفہ مولوی حسین علی صاحب شاگرد مولوی رشید احمد صاحب)۔

﴿15﴾......مولوی اشرف علی صاحب نے بڑھاپے میں ایک کمسن شاگردنی سے نکاح کیا۔ اس سے پہلے ان کے کسی مرید نے خواب میں دیکھا کہ مولوی اشرف علی کے گھر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا آنے والی ہیں جس کی تعبیر مولوی اشرف علی صاحب نے یہ کی کہ کوئی کمسن عورت میرے ہاتھ آوے گی کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا نکاح جب حضور علیہ السلام سے ہوا۔ تو آپ کی عمر سات سال تھی وہ ہی نسبت یہاں ہے کہ میں بڈھا ہوں اور بیوی لڑکی ہے (رسالہ الامداد) مصنفہ مولوی اشرف علی صاحب ماہ صفر ۱۳۳۵ھ۔

اسلامی عقائد

جھوٹ بولنا عیب ہے جیسے کہ چوری یا زنا کرنا وغیرہ اور رب تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہے ومن اصدق من اللہ حدیثاً (پارہ۵ سورہ ۴ آیت نمبر۸۷)۔ (قرآن کریم) نیز خدا کی صفات واجب ہیں نہ کہ ممکن لہذا خدا کے لئے سکتا کہنا بے دینی ہے۔ خدائے پاک ہر وقت عالم الغیب ہے اس کا علم اس کی صفت ہے اور واجب ہے جب چاہے تب معلوم کرنے کا مطلب یہ ہوا کہ نہ چاہے تو جاہل رہے یہ کفر ہے خدا کے صفات خدا کے اختیار میں نہیں وہ واجب ہیں نیز رب نے اپنے محبوبوں کی بھی علوم غیبیہ عطا کئے (قرآن کریم)

خدائے قدوس جگہ اور زمانہ اور ترکیب و ماہیت سے پاک ہے نہ وہ کسی جگہ رہتا ہے نہ اس کی عمر ہے نہ وہ اجزاء سے بنا ہے اس کو دیوبندیوں نے بھی بے خبری میں کفر لکھ دیا (کتب علم کلام)

خدا تعالیٰ ہمیشہ سے ہر چیز کا جاننے والا ہے اس کا علم واجب اور قدیم ہے جو ایک آن کے لئے کسی چیز سے اس کو بے علم ماننے بے دین ہے۔ (عام کتب عقائد) دیوبندی خدا کے علم غیب کے بھی منکر ہیں تو اگر حضور علیہ السلام کے علم غیب کا انکار کریں تو کیا تعجب ہے۔

خاتم النبیین کے یہ ہی معنی ہیں کہ حضور علیہ السلام آخری نبی ہیں حضور علیہ السلام کے زمانہ ظہور یا بعد میں کسی اصلی، بروزی، مراقی،

مذاتی کا نبی بننا محال بالذات ہے۔ اسی معنی پر سب مسلمانوں کا اجماع ہے اور یہ ہی معنی حدیث نے بیان فرمائے جو اس کا انکار کرے وہ مرتد ہے۔ (جیسے کہ قادیانی اور دیو بندی)

کوئی غیر نبی خواہ ولی ہو یا غوث یا صحابی کسی کمال علمی و عملی میں نبی کے برابر نہیں ہو سکتا بلکہ غیر صحابی صحابی کے برابر نہیں ہو سکتا۔ صحابی کا کچھ جو خیرات کرنا ہمارے صدہا من سونا خیرات کرنے سے بدرجہا بہتر ہے (حدیث)

رب تعالیٰ بے مثل خالق ہے اور اس کے محبوب بے مثل بندے وہ رحمۃ للعالمین شفیع المذنبین ہیں۔ ان اوصاف کی وجہ سے آپ کا مثل محال بالذات ہے (دیکھو رسالہ امتناع النظیر مصنفہ مولانا فضل حق صاحب خیر آبادی)۔

حضور علیہ السلام کو الفاظ عام سے پکارنا حرام ہے اور اگر بہ نیت حقارت ہو تو کفر ہے (قرآن کریم) یا رسول اللہ یا حبیب اللہ کہنا ضروری ہے۔

نسبت خود بہ سگت کردم وبس منفعلم

زانکہ نسبت بہ سگ کوئے توشد بے ادبی است

جو شخص کسی مخلوق کو حضور علیہ السلام سے زیادہ علم مانے وہ کافر ہے (دیکھو شفا شریف) حضور علیہ السلام تمام مخلوق الٰہی میں بڑے عالم ہیں۔

حضور علیہ السلام کے کسی وصف پاک کو ادنیٰ چیزوں سے تشبیہ دینا یا ان کے برابر بتانا صریح توہین ہے اور یہ کفر ہے۔

رب تعالیٰ نے ساری زبانیں حضرت آدم علیہ السلام کو تعلیم فرمائیں اور حضور علیہ السلام کا علم ان سے کہیں زیادہ ہے تو جو کہے کہ حضور علیہ السلام کو یہ زبان فلاں مدرسہ سے آئی وہ بے دین ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے **وکان عنداللہ وجیھا** (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۶۹) پھر فرماتا ہے **وللہ العزۃ وللرسولہ وللمومنین** (پارہ ۲۸ سورہ ۶۳ آیت نمبر ۸) جو نبی کو خدا کے سامنے ذلیل جانے وہ خود چمار سے ذلیل ہے۔

جس نماز میں حضور علیہ السلام کی عظمت کا خیال نہ ہو وہ نماز ہی نامقبول ہے اسی لئے التحیات میں حضور علیہ السلام کو سلام کرتے ہیں۔ وہ بھی کوئی نماز ہے یا رنہ ہو نماز ہو (دیکھو بحث حاضر و ناظر)۔

حضور علیہ السلام کے بعض غلام پل صراط سے بجلی کی طرح گزر جائیں گے۔ اور پل صراط پر پھسلنے والے لوگ حضور علیہ السلام کی مدد سے سنبھل سکیں گے آپ دعا فرمائیں گے رب سلم (حدیث) جو کہے کہ میں نے حضور علیہ السلام کو صراط پر گرنے سے بچایا وہ بے ایمان ہے۔

حضور علیہ السلام کی ساری بیویاں مسلمانوں کی مائیں ہیں (قرآن کریم) خصوصاً صدیقۃ الکبرے رضی اللہ عنہا کی وہ شان ہے کہ دنیا بھر کی مائیں ان کے قدم پاک پر قربان ہوں کوئی کمین آدمی بھی ماں کو خواب میں دیکھ کر جورو سے تعبیر نہ دے گا۔ یہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کی سخت توہین بلکہ اس جناب کے حق میں صریح گالی ہے اس سے زیادہ اور کیا بے ایمانی اور بے غیرتی ہو سکتی ہے کہ ماں کو جورو سے تعبیر دی جاوے۔

عقائد دیوبندیہ کا یہ ایک نمونہ ہے اگر تمام عقائد بیان کئے جاویں تو اس کے لئے دفتر چاہیے حق یہ ہے کہ رافضیوں اور خارجیوں نے تو صحابہ کرام یا اہل بیت عظام ہی پر تبرا کیا۔ مگر دیوبندیوں کے قلم سے نہ خدا کی ذات بچی نہ رسول علیہ السلام اور نہ صحابہ کرام کی نہ ازواج مطہرات سب کی اہانت کی گئی اگر کوئی شخص کسی شریف آدمی سے کہے کہ میں نے تمہاری والدہ کو خواب میں دیکھا اور اس کو بیوی سے تعبیر کیا

تو وہ اس کو برداشت نہیں کرسکتا، ہم ان کے غلامان غلام اپنی صدیقہ ماں کے لئے یہ باتیں کس طرح برداشت کریں۔ صرف قلم ہاتھ میں ہے اس لئے مسلمانوں کو مطلع کر دیتے ہیں تا کہ مسلمان ان سے علیحدہ رہیں یا وہ لوگ ان عقائد سے توبہ کریں۔

میرے شاگرد صاحبزادہ بلند اقبال عزیزی مولوی سید محمود شاہ صاحب سلمہ کا اصرار تھا کہ امکان کذب، امکان نظیر، دیوبندیوں کی عبارات کی توضیحوں پر بھی ہم کچھ گفتگو کریں مگر چونکہ اب کاغذ بالکل نہیں ملتا۔ اس لئے دیوبندیوں کے صرف عقائد پیش کر دیئے اور انشاء اللہ اسی کتاب کی دوسری جلد میں ان مذکورہ مسائل کی معرکتہ آرا تحقیق کریں گے جس سے علمائے دیوبند کی منطق دانی کا بھی انشاء اللہ پتہ چل جائے گا۔ اور مولوی حسین احمد صاحب و مولوی مرتضیٰ حسن صاحب نے جو کچھ توجیہات عبارات کی ہیں ان کی حقیقت بھی معلوم ہو جائے گی انشاء اللہ ہم اہل سنت پر الزام ہے کہ ہم لوگ پیر پرست ہیں۔ نبی علیہ السلام کو اور اپنے پیروں کو خدا سے ملا دیتے ہیں۔ لہذا مشرک ہیں ہم دکھاتے ہیں کہ خود دیوبندی کس درجہ کے پیر پرست ہیں۔ اور یہ حضرات اپنے پیروں کو کیا سمجھتے ہیں۔ مولوی محمود الحسن صاحب نے اپنے شیخ مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کے مرثیہ میں لکھا ہے۔ شعر

تمہاری تربت انور کو دیکر طور سے تشبیہ
کہوں ہوں بار بار ارنی مری دیکھی بھی نادانی

مولوی رشید احمد صاحب کی قبر تو طور ہوئی اور مولوی محمود حسن صاحب ارنی فرمانے والے موسیٰ ہوئے تو مولوی رشید احمد صاحب رب ہی ہوں گے؟ اس میں تو اپنے شیخ کو رب بنایا۔ اسی مرثیہ میں فرماتے ہیں۔ شعر

زبان پر اہل اہوا کی ہے کیوں اعل ھبل شاید
اٹھا دنیا سے کوئی بانی اسلام کا ثانی

اس میں مولوی رشید احمد صاحب کو بانی اسلام محمد رسول اللہ ﷺ کا ثانی کہا گیا پھر فرماتے ہیں۔

وہ تھے صدیق اور فاروق پھر کہیئے عجب کیا ۔۔۔ شہادت نے تہجد میں قدم بوسی کی گر ٹھانی ہے

اس میں ان کو صدیق اور فاروق بھی بنایا۔ پھر فرماتے ہیں۔

شعر قبولیت اسے کہتے ہیں مقبول ایسے ہوتے ہیں
عبید سود کا ان کے لقب ہے یوسف ثانی

مولوی رشید احمد صاحب کے کالے بندے ماشاء اللہ ایسے حسین ہیں کہ ان کو یوسف ثانی کا لقب دیا گیا۔ ناظرین غور فرمائیں کہ از خدا تا فاروق کونسا درجہ باقی رہا جو کہ رشید احمد صاحب کو نہ دیا گیا۔ تمام مرثیہ ہی قابل دید ہے اس میں یہ شعر بھی ہے۔

مردوں کو زندہ کیا زندوں کو مرنے نہ دیا
اس مسیحائی کو دیکھیں ذرا ابن مریم!

اس شعر میں مولوی صاحب نے حضرت روح اللہ عیسیٰ علیہ السلام کو اپنے مرشد سے مقابلہ کا چیلنج دیا ہے کہ اے عیسیٰ علیہ السلام آپ نے تو ایک کام ہی کیا یعنی مردوں کو زندہ کرنا۔ مگر میرے رشید احمد نے دو کام کئے مردوں کو زندہ کیا اور زندہ کو مرنے نہ دیا۔ یعنی اس میں رشید احمد صاحب کو عیسیٰ علیہ السلام سے افضل بتایا۔

مولوی اشرف علی صاحب ایک مرید نے مولوی صاحب موصوف کو لکھا کہ میں نے خواب کی حالت میں اس طرح کلمہ پڑھا لا الہ الا اللہ اشرف علی رسول اللہ چاہتا تھا کہ کلمہ صحیح پڑھوں مگر یہ ہی منہ سے نکلتا تھا پھر بیدار ہو گیا۔ تو درود شریف پڑھا۔ تو یوں اللھم صل علی سیدنا و نبینا و مولنا اشرف علی بیدار ہوں مگر دل بے اختیار ہے۔

اس کا جواب مولوی اشرف علی صاحب نے یہ دیا کہ اس واقعہ میں تسلی تھی کہ جس طرف تم رجوع کرتے ہو وہ بعونہ تعالیٰ متبع سنت ہے۔ ۲۴ شوال ۱۳۳۵ھ ماخوذ از رسالہ الامداد باب ماہ صفر ۱۳۳۶ھ صفحہ ۳۵ غور کرنا چاہیے کہ مولوی اشرف علی صاحب کا کلمہ پڑھ لو اور ان پر درود پڑھو مگر بے اختیاری زبان کا بہانہ کر دو۔ سب جائز ہے۔ کوئی شخص اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور کہے کہ بے اختیار زبان سے نکل گیا طلاق ہو جاتی ہے۔ یہ بہانا کافی مانا نہ گیا۔ اور اس کو پیر کے متبع سنت ہونے کی دلیل قرار دیا گیا۔

تذکرۃ الرشید صفحہ ۴۶ میں ہے کہ حاجی امداد اللہ صاحب نے خواب میں دیکھا کہ آپ کی بھاوج اپنے مہمانوں کا کھانا پکا رہی ہیں کہ جناب رسول مقبول ﷺ تشریف لائے اور ان سے فرمایا کہ اٹھ تو اس قابل نہیں کہ امداد اللہ کے مہمانوں کا کھانا پکا دے۔ اس کے مہمان علماء (یہی دیوبندی) ہیں اس کے مہمانوں کا کھانا میں پکاؤں گا۔ (چشم بددور)

مولوی اسمٰعیل صاحب دہلوی صراط مستقیم کے آخر میں اپنے مرشد سید احمد صاحب کی تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ایک دن اللہ تعالیٰ نے ان کا داہنا ہاتھ خاص اپنے دست قدرت میں پکڑا کر امور قدسیہ سے بہت بلند اور نادر چیزیں ان کے سامنے پیش کیں۔ پھر فرماتے ہیں کہ رب تعالیٰ کا سید احمد کو صاحب کو حکم ہوا کہ جو شخص تیرے ہاتھ پر بیعت کرے گا اگرچہ وہ لکھو کھہا ہی کیوں نہ ہوں ہم ہر ایک کو کفایت کریں گے۔ اسی طرح صراط ... میں اولیاء کا ذکر فرماتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اور ان کو انبیاء کے ساتھ وہی نسبت ہے جو چھوٹے بھائیوں کو بڑے بھائیوں سے کیونکہ ان کے درمیان میں من وجہ نبوت کا علاقہ ہے۔ اور من وجہ اخوت کا یعنی اولیاء اللہ میں نبوت موجود ہے معاذ اللہ کہیے آج تک کسی مرید نے اپنے پیر و مرشد کے لئے ایسی تعلیاں نہ کی ہوں گی۔ مگر ان حضرات پر فتویٰ شرک ہے نہ حکم کفر نہ یہ قبر پرست کہلائیں گے۔ جو کچھ عرض کیا گیا۔ نہ تو اس سے اپنی علمی لیاقت کا اظہار منظور ہے۔ نہ اپنی قابلیت دکھانا مقصود۔ میں کیا اور میری لیاقت کیا اور قابلیت کیا۔ یہ جو کچھ ہے حضرت مرشدی واستاذی قبلہ عالم حامی دین، ناصر مسلمین مولانا الحاج سید محمد نعیم الدین صاحب قبلہ مرادآبادی دام ظلہم الاقدس کے در کا صدقہ ہے مقصود صرف یہ ہے کہ ... اپنے دوست و دشمن کو پہنچائیں دولت ایمان کو دینی راہزنوں سے محفوظ رکھیں اور کوشش کریں کہ دنیا سے ایمان سلامت لے جاویں اور جو بھی اس سے فائدہ اٹھائے۔ اس فقیر بے نوا کے لئے دعائے حسن خاتمہ کرے۔ مولیٰ تعالیٰ اسلام کا بول بالا فرماوے۔ مسلمانوں کو راہ مستقیم پر قائم رکھے اور اس فقیر حقیر کے ان ٹوٹے پھوٹے الفاظ کو قبول فرماوے۔

آمین یا رب العلمین بجاہ حبیبک الروف الرحیم الکریم وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه و نور عرشه سیدنا و مولانا محمد و علی و آله و اصحابه اجمعین برحمته وهو ارحم الرحمین۔

ناچیز

احمد یار خاں نعیمی اشرفی اوجھانوی بدایونی

سر پرست مدرسہ غوثیہ نعیمیہ گجرات مغربی پاکستان

۶ ذیقعدہ روز ایمان افروز دوشنبہ مبارکہ ۱۳۶۱ھ۔

اس کتاب کولکھ چکنے کے بعد حضور امیر ملت قبلہ عالم محدث علی پوری دام ظلہم کا گرامی نامہ تشریف لاکر باعث عزت افزائی ہوا۔ جس میں ایک ایمان افروز نہایت باریک علمی نکتہ ارشاد فرمایا گیا ہے۔ اور مجھے حکم ملا کہ وہ کتاب لکھ دوں۔ میں نہایت فخر سے ہدیہ ناظرین کرتا ہوں۔ جولوگ حضور علیہ السلام کو اپنی طرح بشر کہتے ہیں وہ نور ایمانی سے بے بہرہ ہیں۔ حضور علیہ السلام کی شان تو بیان سے بالاتر ہے۔ جس چیز کو اس ذات گرامی سے نسبت ہو جاوے اس کی مثل کوئی نہیں ہوسکتا وہ بے مثل ہے۔ قرآن فرماتا ہے یٰنسآء النبی لستن کاحد من النسآء (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۳۲) اے نبی کی بیویو تم اور عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ معلوم ہوا کہ امت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام بے مثل امت ہے۔ مدینہ منورہ بے مثل شہر۔ قبر انور کی زمین بیمثل زمین۔ جو پانی سرکار علیہ السلام کی مبارک انگلیوں سے جاری ہوا وہ بے مثل پانی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پسینہ مبارک بے مثل پسینہ غرضکہ جس کو اس ذات کریم سے نسبت ہوئی۔ وہ بے مثل و بے نظیر ہے تو کیا وجہ ہے کہ منسوب الیہ ﷺ جن کی یہ ساری بہار ہے وہ بے مثل نہ ہوں۔ ڈاکٹر اقبال نے کیا خوب کہا ہے۔

مریم از یک نسبت عیسیٰ عزیز — از سہ نسبت حضرت زہرا عزیز

نور چشم رحمۃ للعلمین — آں امام اولین و آخرین

بانوئے آں تاجدار ہل اتی — مرتضی مشکل کشا شیر خدا

مادر آں مرکز پرکار عشق — مادر آں قافلہ سالار عشق!

رشتہ آئین حق زنجیر پاست — پاس فرمان جناب مصطفی است

ورنہ گرد تربتش گردیدمے — سجدہا بر خاک او پاشیدمے

فاطمہ زہرا اس لئے افضل ہیں کہ نبی کی لاڈلی ولی کی بیوی شہیدوں کی ماں ہیں رضی اللہ عنہا سبحان اللہ کیا طرز استدلال ہے اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے خوب فرمایا۔

اللہ کی سر تا بقدم شان ہیں یہ!

ان سا نہیں انسان وہ انسان ہیں یہ

قرآن بتاتا ہے کہ ایمان ہیں یہ

ایمان یہ کہتا ہے مری جان ہیں یہ

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وبارک وسلم

احمد یارخاں اوجھانوی عفی عنہ

قہر کبریا بر منکرین عصمت انبیاء

دیوبندیوں کی دریدہ دہنی اور توہین انبیاء نے لوگوں کو بارگاہ انبیاء بے ادبی کرنے پر دلیر کردیا۔ ہندوستان میں ایک فرقہ وہ بھی پیدا ہوگیا۔ جو انبیائے کرام کو معاذ اللہ گنہگار بلکہ مشرک کافر بھی کہتا ہے کہ وہ سب حضرات خاکش بدہن پہلے مشرک و کفار تھے۔ اور گناہ کبائر کے مرتکب بھی۔ پھر توبہ کر کے نبی ہوئے میرے پاس صرف چوب قلم ہے اور کچھ اوراق جس سے ان عقائد باطلہ کی تردید کرتا ہوں اور ناز کرتا ہوں کہ میری عزت و آبرو زبان و قلم عظمت انبیاء کے لئے ڈھال ہے سیدنا حسان نے کیا خوب فرمایا۔

فان ابی و والدتی و عرضی لعرض محمد منکم وقاء

یہ رسالہ بہت دن ہوئے الفقیہ میں قسط وار شائع ہوا۔ مسلمانوں کے اصرار پر جاء الحق کے دوسرے ایڈیشن میں بطور ضمیمہ درج کرتا ہوں۔ رب تعالیٰ قبول فرما کر نافع خلائق بنائے اس میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں۔

مقدمہ:۔ گناہ چند طرح کے ہیں۔ شرک کفر کبائر صغائر پھر صغائر دو قسم کے بعض وہ جو دنائت اور ذلت طبع پر دلالت کرتے ہیں جیسے چوری کم تولنا وغیرہ۔ اور بعض ایسے نہیں۔ پھر ان گناہوں میں بھی دو نوعیتیں ہیں عمداً اور سہواً نیز انبیائے کرام کی بھی دو حالتیں ہیں۔ ایک ظہور نبوت سے پہلے کا وقت۔ دوسرے نبوت کے بعد، انبیائے کرام شرک کفر بدعقیدگی گمراہی اور ذلیل حرکتوں سے ہر وقت بفضلہٖ تعالیٰ معصوم ہیں کہ وہ حضرات نبوت سے پہلے اور اس کے بعد عمداً سہواً ایک آن کے لئے بھی بدعقیدہ نہیں ہوسکتے کیونکہ وہ عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں مدارج اور مواہب میں ہے کہ آدم علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی ساق عرش پر لکھا ہوا پایا۔ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ اس سے آدم علیہ السلام کا پیدائشی عارف باللہ ہونا بھی ثابت ہوا۔ اور بغیر استاذ پڑھا لکھا ہونا بھی کہ پیدا ہوتے ہی لکھی ہوئی تحریر پڑھ لی۔ عیسیٰ علیہ السلام نے پیدا ہوتے ہی فرمایا۔

انی عبداللہ اتنی الکتب وجعلنی نبیا۔

ترجمہ: میں اللہ کا بندہ ہوں کہ مجھے اس نے کتاب عطا فرمائی اور نبی بنایا۔

(پارہ۱۶سورہ۱۹آیت نمبر۳۰)

نیز فرمایا۔

واوصنی بالصلوۃ والزکوۃ مادمت حیا و برا بوالدتی۔

ترجمہ: یعنی مجھے تاحین حیات، نماز، زکوۃ کا حکم دیا اور میں اپنی والدہ سے سلوک کرنے والا بھی ہوں۔

(پارہ۱۶سورہ۱۹آیت نمبر۳۱)

اس آیت سے معلوم ہوا کہ جناب مسیح بوقت پیدائش ہی حکمت نظری یعنی رب کی ربوبیت اپنی نبوت اور عطائے انجیل کو بھی جانتے تھے اور حکمت عملی، تہذیب اخلاق و تدبیر منزل سے بھی باخبر ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بچپن شریف میں ہی اپنی کافر قوم پر توحید کی ایسی قوی حجت قائم فرمائی کہ سبحان اللہ آفتاب و چاند تاروں کے ڈوبنے اور ان کے حالات بدلنے کو ان کی مخلوقیت کی دلیل بنایا کہ تاروں کو دیکھ کر فرمایا ھذا ربی اے کافر کیا رب میرا یہ ہوسکتا ہے؟ اور ڈوبتا دیکھا کر فرمایا **لا احب الافلین** کہ میں ڈوبنے والوں کو پسند نہیں کرتا بچپن شریف کی اس ساری گفتگو پاک پر بوعلی سینا اور فارابی کی ساری منطق قربان۔ اسی کو منطقی لوگ یوں بیان کرتے ہیں۔

العالم متغیر و کل متغیر حادث لھذا العالم حادث پھر یوں کہتے ہیں کہ العالم حادث ولا شئی من الحادث بمعبود فالعالم لیس بمعبود اس طرز استدلال کو رب نے پسندیدگی کی سند بخش کر فرمایا وتلک حجتنا اتیناھا ابراھیم علی قومہ حضور سید الانبیاء ﷺ نے پیدا ہوتے ہی سجدہ فرما کرامت کی شفاعت فرمائی (مدارج ومواہب) معلوم ہوا کہ رب کو اپنے کو اپنے مراتب کو اور اپنے درجات کو نیز امت مرحومہ کو جانتے پہچانتے پیدا ہوئے ہیں۔ بچپن میں بچوں نے کھیل کی رغبت دی۔ تو انہیں وہ جواب دیا کہ جس پر ارسطو وافلاطون کی ساری حکمتیں قربان۔ وہ ہی ایک جواب انسانی زندگی کا اصل مقصد ہے فرمایا۔ ما خلقنا لھذا () ہم اس لئے پیدا نہیں ہوئے رب نے اس کی تائید یوں فرمائی کہ وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون (پارہ ۲۷ سورہ ۵۱ آیت نمبر ۵۶) خود فرماتے ہیں ﷺ کنت نبیا وادم بین المآء والطین ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام آب وگل میں جلوہ گر تھے۔ تفسیرات احمدیہ میں لاینال عھدی الظلمین (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۲۴) کی تفسیر فرماتے ہیں۔ انھم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعدہ باجماع انبیاء کرام وحی سے پہلے اور وحی کے بعد کفر سے معصوم ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۴۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

اس مختصر سی گفتگو سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں ان کا دامن عصمت گمراہی سے کبھی بھی داغدار نہیں ہو سکتا ہے گناہ ان کی تفصیل یہ ہے کہ انبیاء کرام ارادتاً گناہ کبیرہ کرنے سے ہمیشہ معصوم ہیں کہ جان بوجھ کر نہ تو نبوت سے پہلے گناہ کبیرہ کر سکتے ہیں اور نہ اس کے بعد۔ ہاں نسیاناً خطاً صادر ہو سکتے ہیں مگر اس پر قائم نہیں رہتے۔ بلکہ رب کی طرف سے انہیں متوجہ کر دیا جاتا ہے۔ اور وہ اس سے علیحدہ ہو جاتے ہیں گناہ صغائر میں سے ذلیل حرکتوں سے ہمیشہ معصوم کہ نبوت سے پہلے اور بعد ان سے کبھی بھی ایسی حرکتیں صادر نہیں ہوتیں جو دنائت اور چھچھورے پن پر دلالت کریں اور وہ صغائر جو ایسے نہ ہوں انبیاء سے صادر ہو سکتے ہیں۔ یہ بھی خیال رہے کہ یہ تفصیل ان امور میں ہے جن کا تعلق تبلیغ سے نہیں رہے احکام تبلیغیہ ان میں کمی بیشی کرنے یا چھپانے سے انبیاء ہمیشہ معصوم ہیں کہ یہ حرکت ان سے نہ تو جان بوجھ کر صادر ہو نہ خطاء یہ بھی خیال رہے کہ گناہوں کی یہ تفصیل دیگر انبیائے کرام کے لئے ہے کہ ان سے بعض گناہ صغیرہ صادر ہو سکتے ہیں مگر سید الانبیاء حضور محمد مصطفی ﷺ کے متعلق امت کا اجماع ہے کہ سے کبھی بھی کسی قسم کا گناہ صادر نہیں ہوا۔ یعنی ظہور نبوت سے پہلے اور اس کے بعد آپ نے کوئی بھی گناہ صغیرہ یا کبیرہ عمداً نہیں کیا۔ چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں آیت لاینال عھدی الظلمین کی تفسیر میں ہے

لاخلاف لاحد فی ان نبینا علیہ السلام لم یرتکب صغیرۃ ولا کبیرۃ طرفتہ عین قبل الوحی وبعدہ کما ذکرہ ابو حنیفتہ فی الفقہ اکبر۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۴۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

تفسیر روح البیان آیت ما کنت تدری ماالکتب کی تفسیر میں ہے۔

یدل علیہ انہ علیہ السلام قیل لہ ھل عبدت وثنا قط قال لا قیل ھل شربت خمراً قط قال لا فما زلت اعرف ان الذی ھم علیہ کفر۔

ترجمہ: یعنی حضور علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آپ نے کبھی بت پرستی کی تھی؟ فرمایا نہیں کیا آپ نے کبھی شراب استعمال فرمائی؟ فرمایا نہیں ہم تو ہمیشہ سے جانتے تھے کہ اہل عرب کے یہ عقیدے کفر ہیں۔

(تفسیر روح البیان ج ۸ ص ۳۶۳ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

پہلا باب

عصمت انبیاء کا ثبوت

عصمت انبیاء قرآنی آیات اوراحادیث صحیحہ اجماع امت دلائل عقلیہ سے ثابت ہے اس کا انکار وہی کرے گا۔ جس کے پاس دل و دماغ کی آنکھیں نہ ہوں۔

قرآنی آیات (۱):۔ رب تعالیٰ نے شیطان سے فرمایا۔

ان عبادی لیس لك علیهم سلطن۔

ترجمه: اے ابلیس میرے خاص بندوں پر تیری دسترس نہیں۔

(پارہ ۱۴ سورہ ۱۵ آیت نمبر ۴۲)

(۲) شیطان نے خود بھی اقرار کیا تھا کہ

لا غوینهم اجمعین الا عبادك منهم المخلصین۔

ترجمه: کہ اے مولیٰ میں ان سب کو گمراہ کردونگا سوا تیرے خاص بندوں کے۔

(پارہ ۱۴ سورہ ۱۵ آیت نمبر ۳۹۔۴۰)

معلوم ہوا کہ انبیاء کرام تک شیطان کی پہنچ نہیں اور وہ انہیں نہ تو گمراہ کر سکے اور نہ بے راہ چلا سکے پھر ان سے گناہ کیونکر سرزد ہوں تعجب ہے کہ شیطان تو انبیاء کو معصوم مان کر ان کے بہکانے سے اپنی معذوری ظاہر کرے مگر اس زمانہ کے بے دین ان حضرات کو مجرم مانیں۔ یقیناً یہ شیطان سے بدتر ہیں۔ (۳) یوسف علیہ السلام نے فرمایا تھا۔

ما کان لنا ان نشرك بالله من شیی۔

ترجمه: ہم گروہ انبیاء کے لئے لائق نہیں کہ خدا کے ساتھ شرک کریں۔

(پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت نمبر ۸۸)

(۴) حضرت شعیب علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

وما ارید ان اخالفکم الی ما انهکم عنه۔

ترجمه: میں اس کا ارادہ بھی نہیں کرتا کہ جس چیز سے تمہیں منع کردوں خود کرنے لگوں۔

(پارہ ۱۲ سورہ ۱۱ آیت نمبر ۸۸)

معلوم ہوا کہ انبیائے کرام شرک اور گناہ کرنے کا بھی ارادہ نہیں فرماتے یہ ہی عصمت کی حقیقت ہے (۵) یوسف علیہ السلام نے فرمایا وما ابری نفسی ان النفس لا مارة بالسوء الا ما رحم ربی (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۵۳) یہاں یہ نہ کہا کہ میرا نفس برائی کا حکم کرتا ہے بلکہ یہ فرمایا کہ عام نفوس انسانوں کو برائی کا حکم کرتے ہیں سوا ان نفوس کے جن پر رب رحم فرمائے اور وہ نفوس انبیاء ہیں۔ معلوم ہوا کہ ان حضرات کے نفوس انہیں فریب دیتے ہی نہیں (۶) رب تعالیٰ فرماتا ہے ان الله اصطفی ادم و نوحاً و ال ابراهیم و ال عمران علی العلمین (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۳۳) جس سے معلوم ہوا کہ انبیاء کرام سارے جہان سے افضل ہیں اور جہاں میں تو ملائکہ معصومین بھی داخل ہیں۔ ملائکہ کی صفت یہ ہے کہ لا یعصون الله ما امرهم (پارہ ۲۸ سورہ ۶۶ آیت نمبر ۶) وہ کبھی نافرمانی کرتے ہی نہیں۔ اگر انبیاء گنہگار ہوں تو ملائکہ ان سے بڑھ جائیں۔

(۷) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

لاينال عهدى الظلمين۔

(پارہ۱سورہ۲آیت نمبر۱۲۴)

ہمارا عہد نبوت ظالمین یعنی فاسقین کو نہ ملے گا۔ معلوم ہوا کہ فسق ونبوت جمع ہوسکتے ہی نہیں۔ قرآن کریم نے انبیاء کرام کے اقوال کو نقل فرمایا۔

ليس بى ضللة ولكنى رسول من رب العلمين۔

ترجمہ: اے میری قوم! مجھ میں بالکل گمراہی نہیں لیکن میں رب العلمین کا رسول ہوں۔

(پارہ۸سورہ۷آیت نمبر۶۱)

لکنی سے معلوم ہوا کہ گمراہی اور نبوت کا اجتماع نہیں ہوسکتا کیونکہ نبوت نور ہے اور گمراہی تاریکی نور وظلمت کا اجتماع ناممکن ہے۔

احادیث (۱):۔ مشکوۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر شخص کے ساتھ ایک شیطان رہتا ہے جسے قرین کہا جاتا ہے۔ مگر میرا قرین مسلمان ہوگیا لہٰذا اب وہ مجھے نیک مشورہ ہی دیتا ہے۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسہ ص۱۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۲):۔ اسی مشکوۃ باب الوسوسہ میں ہے کہ ہر بچے کو بوقت ولادت شیطان مارتا ہے مگر عیسیٰ علیہ السلام کو پیدائش میں چھو بھی نہ سکا معلوم ہوا کہ یہ دو پیغمبر شیطانی وسوسہ سے محفوظ ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الایمان باب فی الوسوسہ ص۱۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۳) مشکوۃ کتاب الغسل سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیائے کرام کو خواب سے احتلام نہیں ہوتا کہ اس میں شیطانی اثر ہے بلکہ ان کی بیبیاں بھی احتلام سے پاک ہیں۔

(مشکوۃ المصابیح کتاب الغسل ص۴۸ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۴) انبیائے کرام کو جمائی نہیں آتی کیونکہ یہ بھی شیطانی اثر ہے۔ اسی لئے اس وقت لاحول پڑھتے ہیں۔

(۵) مشکوۃ شریف باب علامات نبوت میں ہے کہ حضور علیہ السلام کا سینہ مبارک چاک کر کے اس میں سے ایک پارہ گوشت نکال دیا گیا اور کہا گیا کہ یہ شیطانی حصہ ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کا نفس قدسیہ شیطانی اثر سے پاک ہے اور پھر اسے ماء زمزم سے دھویا گیا۔

(مشکوۃ المصابیح باب علامات نبوت الفصل الاول ص۵۲۴ مطبوعہ نور محمد کتب خانہ کراچی)

(۶) مشکوۃ شریف باب مناقب عمر میں ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ جس راستہ سے گزرتے ہیں وہاں سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

(صحیح بخاری کتاب فضائل الصحابۃ باب مناقب عمر بن الخطاب ج۳ ص۱۳۴۷ رقم الحدیث ۳۴۸۰ مطبوعہ دار القلم بیروت)، (صحیح مسلم کتاب فضائل الصحابۃ باب من فضائل عمر ج۴ ص۱۸۶۳ رقم الحدیث ۲۳۹۶ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)، (سنن الکبری للنسائی ج۵ ص۴۱ رقم الحدیث ۸۱۳۰ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

معلوم ہوا جن پر پیغمبر کی نظر کرم ہوجائے وہ بھی شیطان سے محفوظ رہتے ہیں پھر خود ان حضرات کا کیا پوچھنا۔

اقوال علماء امت: ہمیشہ سے امت مصطفیٰ ﷺ کا عصمت انبیاء پر اجماع رہا سوا فرقہ ملعونہ حشویہ کے کوئی اس کا منکر نہ ہوا چنانچہ شرح عقائد نسفی شرح فقہ اکبر تفسیرات احمدیہ تفسیر روح البیان مدارج النبوۃ مواہب لدنیہ شفا شریف نسیم الریاض وغیرہ میں اس کی تصریح ہے۔

تفسیر روح البیان آیت ما كنت تدرى ما الكتب الآیۃ (پارہ۲۵ سورہ۴۲ آیت نمبر۵۲) کی تفسیر میں ہے فان اهل الوصول اجتمعوا على ان الرسل عليهم السلام۔

کانوا مومنین قبل الوحی معصومین من الکبائر ومن الصغائر الموجبة لنفرة الناس عنهم قبل البعثت وبعدها فضلاً عن الکفر۔

ترجمہ: یعنی اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء کرام وحی سے پہلے مومن تھے اور گناہ کبیرہ نیز ان صغائر سے جو نفرت کا باعث ہوں نبوت سے پہلے معصوم تھے اور بعد بھی چہ جائیکہ کفر۔

(تفسیر روح البیان ج ۱ ص ۶۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

تفسیرات احمدیہ میں ہے۔

انهم معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعده بالاجماع وکذا عن تعمد الکبائر عند الجمهور۔

ترجمہ: انبیاء کرام کفر سے قبل وحی اور بعدہ بالاتفاق معصوم ہیں ایسے ہی عام علماء کے نزدیک دیدہ ودانستہ گناہ کبیرہ کرنے سے بھی معصوم ہیں۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۳ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

غرضکہ امت مرحومہ کا اجماع انبیائے کرام کی عصمت پر ہے اور یہ بالکل ظاہر ہے اس کے لئے زیادہ عبارتیں نقل کرنے کی ضرورت نہیں۔

عقلی دلائل:۔ عقل بھی چاہتی ہے کہ انبیائے کرام کفر وفسق سے ہمیشہ معصوم ہوں چند وجوہ سے۔(۱) کفر یا تو عقائد کی بے خبری سے ہوتا ہے یا نفس کی سرکشی سے یا شیطان کے اغواء سے اور ہم پہلے ثابت کر چکے ہیں کہ انبیاء کرام عارف باللہ پیدا ہوتے ہیں نیز ان کے نفوس پاک ہیں اور وہ شیطانی اثر سے محفوظ ہیں۔ جب یہ تینوں وجہیں نہیں تو اب ان سے کفر اور فسق کیونکر سرزد ہو۔

(۲) فسق بھی نفس امارہ یا شیطان کے اثر سے ہے اور وہ حضرات ان دونوں سے محفوظ ہیں۔

(۳) فاسق کی مخالفت ضروری ہے اور نبی کی اطاعت فرض کہ بہرحال ان کی فرمانبرداری کی جائے اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی اطاعت بھی ضروری ہو اور مخالفت بھی اور یہ اجماع ضدین ہے۔

(۴) فاسق کی بات بلاتحقیق نہ ماننی چاہیے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ان جآء کم فاسق بنباء فتبینوا** (پارہ ۲۶ سورہ ۴۹ آیت نمبر ۶) اور نبی کی ہر بات ماننی فرض ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے **ماکان لمومن ولا مومنته اذا قضی اللہ ورسوله امرا ان یکون لهم الخیرة** (پارہ ۲۲ سورہ ۳۳ آیت نمبر ۳۶) اگر نبی بھی فاسق ہوں تو ان کی بات بلاتحقیق ماننا بھی ضروری اور نہ ماننا بھی۔ اور یہ اجماع نقیضین ہے۔

(۵) گنہگار سے شیطان راضی ہے اسی لئے وہ حزب الشیطان میں داخل ہے اور نیک کار سے رحمان خوش اسی لئے وہ حزب اللہ میں ہے۔ اگر پیغمبر ایک آن کے لئے بھی گنہگار رہوں تو معاذ اللہ وہ شیطانی گروہ میں سے ہوں گے اور یہ ناممکن ہے۔

(۶) فاسق سے متقی افضل رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **اما نجعل المتقین کالفجار** (پارہ ۲۳ سورہ ۳۸ آیت نمبر ۲۸) اگر نبی کسی وقت گناہ کریں اور اس وقت ان کا امتی نیکی کر رہا ہو تو لازم آوے گا کہ امتی اس گھڑی نبی سے افضل ہو اور یہ باطل ہے کہ کوئی امتی ایک آن کے لئے بھی نبی کے برابر نہیں ہو سکتا۔

(۷) بدعقیدہ کی تعظیم حرام ہے حدیث میں ہے۔

من وقر صاحب بدعة فقد اعان علی هدم الاسلام۔

ترجمہ: جس نے بدعقیدہ کی تعظیم کی اس نے اسلام ڈھانے پر مدد دی۔

اور نبی کی تعظیم واجب۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وتعزروہ وتوقروہ** (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۹) اگر نبی ایک آن کے لئے بے دین ہوں تو ان کی تعظیم واجب بھی ہوا ور حرام بھی۔

(۸) گنہگاروں کی بخشش حضور کے وسیلہ سے ہے رب فرماتا ہے **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم جاء وك الآیۃ** (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۶۴) اس آیت میں عام مجرمین کو بارگاہ مصطفوی میں حاضر ہو کر ان کے وسیلہ سے استغفار کرنے کی دعوت دی گئی۔ اگر خاکش بدہن آپ کا دامن عفت گناہوں سے آلودہ ہوتو بتاؤ پھر آپ کا وسیلہ کون ہوگا؟ اور کس کے ذریعے آپ کی معافی ہوگی۔ جو سب مجرموں کا وسیلہ مغفرت ہو ضروری ہے کہ وہ جرموں سے پاک ہو اگر وہ بھی گنہگار ہوتو پھر ترجیح بلا مرجح کا سوال پیدا ہوگا اور دور یا تسلسل لازم ہوگا۔

(۹) قیمتی چیز قیمتی برتن میں رکھی جاتی ہے موتی کا ڈبہ بھی قیمتی ہوتا ہے سنہری زیوارت کا بکس بھی قیمتی دودھ کا برتن بھی ہر گندگی و ترشی سے محفوظ رکھا جاتا ہے تا کہ دودھ خراب نہ ہو جائے کارخانہ قدرت میں نبوت بڑی ہی انوکھی اور بے بہا نعمت ہے تو چاہیئے کہ اس کا ظرف یعنی انبیاء کے دل کفر وفسق اور ہر قسم کی گندگی سے پاک وصاف ہوں اسی لئے رب نے فرمایا **اللہ اعلم حیث یجعل رسالتہ** (پارہ ۸ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۲۴) اللہ ہی ان نفوس کو جانتا ہے جو اس کی رسالت کے لائق ہیں۔

(۱۰) فاسق اور فاجر کی خبر بغیر گواہی قابل اعتماد نہیں۔ اگر انبیائے کرام بھی فاسق ہوتے تو انہیں اپنی ہر خبر پر گواہی پیش کرنا ہوتی حالانکہ ان کا ہر قول صدہا گواہیوں سے بڑھ کر ہے۔ حضرت ابوخزیمہ انصاری نے اونٹ کے متعلق یہ ہی تو کہا تھا کہ یا حبیب اللہ اونٹ کی تجارت جنت و دوزخ حشر ونشر سے بڑھ کر نہیں۔ جب ہم آپ سے سن کران پر ایمان لے آئے تو اس زبان سے سن کر یہ کیوں نہ مان لیں کہ واقعی آپ نے اونٹ لیا ہے۔ جس کے انعام میں حضور نے ان ایک کی گواہی دو کے برابر کر دی۔

دوسرا باب

عصمت انبیاء پر اعتراضات وجوابات

آئندہ اعتراضات کے تفصیلی جوابات سے پہلے بطور مقدمہ اجمالی جواب عرض کئے دیتا ہوں جس سے بہت سے اعتراضات خود بخود اٹھ جائیں گے وہ یہ کہ عصمت انبیاء قطعی واجماعی مسئلہ ہے اور احادیث جن سے پیغمبروں کا گناہ ثابت ہے اگر متواتر اور قطعی نہیں بلکہ مشہور احاد ہیں وہ سب مردود کوئی بھی قابل اعتبار نہیں اگر چہ صحیح ہوں۔ تفسیر کبیر سورہ یوسف کی تفسیر میں ہے کہ جو احادیث خلاف انبیاء ہوں وہ قبول نہیں۔ راوی کو جھوٹا ماننا پیغمبر کو گنہگار ماننے سے آسان ہے اور وہ قرآنی آیات اور متواتر روایات جن سے ان حضرات کا جھوٹ یا کوئی اور گناہ ثابت ہوتا ہو سب واجب التاویل ہیں۔ کہ ان کے ظاہری معنی مراد نہ ہوں گے یا کہا جائے گا کہ یہ واقعات عطائے نبوت سے پہلے کے تھے۔ تفسیرات احمدیہ آیت **لاینال عھدی الظلمین** کی تفسیر میں ہے

واذا تقرر ھذا فما نقل عن الانبیاء مما یشعر بکذب او معصیتہ فما کان منقولا بطریق الاحاد فمردود وماکان منقولا بطریق التواتر فمصرف عن ظاھرہ ان امکن والا فمحمول علی ترك الاولی او کونہ قبل البعثت۔

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۲ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

بلکہ مدارج النبوۃ شریف جلد اول باب چہارم میں تو فرمایا کہ اس قسم کی آئتیں متشابہات کی مثل ہیں۔ جن میں خاموشی لازم دیکھو رب تعالیٰ کا قدوس، غنی، علیم، قادر مطلق بلکہ تمام صفات کمالیہ سے موصوف ہونا قطعی اجماعی ہے مگر بعض آئتیں ظاہری معنی کے لحاظ سے اس کے بالکل خلاف ہیں رب فرماتا ہے **یخدعون الله وھو خادعھم** (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۱۴۲) وہ رب کو دھوکا دیتے ہیں رب انہیں اور فرماتا ہے مکروا ومکر اللہ انہوں نے مکر کیا اور اللہ نے اور فرماتا ہے **فاینما تولوا فثم وجه الله** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۱۵) جدھر تم منہ کرو ادھر ہی رب کا منہ ہے فرماتا ہے **ید الله فوق ایدیھم** (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۱۰) ان کے ہاتھوں پر اللہ کا ہاتھ ہے فرماتا ہے **ثم استویٰ علی العرش** (پارہ ۱۳ سورہ ۱۳ آیت نمبر ۲) پھر اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہو گیا۔ رب تعالیٰ چہرہ، ہاتھ، برابری مکر اور دھوکہ سے پاک اور منزہ ہے اور ان آیتوں میں بظاہر یہ ہی ثابت ہو رہا ہے لہذا واجب ہے کہ ان میں تاویل کی جائے بلکہ ان کے حقیقی معنی خدا کے سپرد کیے جائیں جو کوئی ان آیتوں کی وجہ سے رب کو عیب دار مانے وہ بے ایمان ہے ایسے ہی جو کوئی بعض آیتوں کے ظاہری معنی کر کے انبیائے کرام کو فاسق یا مشرک جانے وہ بے دین ہے یہ ایک جواب ہی انشاء اللہ تمام اعتراضات کی جڑ کاٹ دے گا مگر پھر بھی ہم کچھ تفصیلی جواب عرض کئے دیتے ہیں۔

اعتراض (۱)........: ابلیس نے بھی سجدہ نہ کر کے خدا کی نافرمانی کی اور آدم علیہ السلام نے بھی گندم کھا کر یہ ہی جرم کیا۔ دونوں کو سزا بھی یکساں دی گئی کہ اسے فرشتوں کی جماعت سے اور انہیں جنت سے خارج کر دیا گیا جرم و سزا میں دونوں برابر ہوئے بعد میں آدم علیہ السلام نے توبہ کر کے معافی حاصل کر لی۔ ابلیس نے یہ نہ کیا معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہ تھے۔ (ملحد شحنہ شریعت کانپور)

جواب: شیطان سجدہ نہ کرنے میں مجرم بھی تھا اور سزایاب بھی ہوا۔ آدم علیہ السلام گندم کھانے میں نہ گنہگار تھے اور نہ انہیں کوئی سزا دی گئی کیونکہ شیطان نے دیدہ دانستہ سجدہ سے انکار ہی نہ کیا بلکہ حکم رب کو غلط سمجھ کر اس کے بالمقابل گفتگو کرنے کی ہمت کی کہ بولا **خلقتنی من نار خلقته من طین** (پارہ ۲۳ سورہ ۳۸ آیت نمبر ۷۶) جس کی سزا میں فرمایا گیا کہ **فاخرج منھا فانك رجیم وان علیك لعنتی الی یوم الدین** (پارہ ۲۳ سورہ ۳۸ آیت نمبر ۷۷۔۷۸) گویا یہ زمین اس کے لئے کالے پانی کی طرح سزا کی جگہ تجویز کی گئی کہ وہ قیامت تک یہاں ذلیل و خوار اور حلال کے کوڑے کھاتا پھرے۔ آدم علیہ السلام کے متعلق قرآن کریم نے بار بار اعلان فرمایا کہ وہ بھول گئے انہوں نے گناہ کا ارادہ بھی نہ کیا **فنسی ولم نجدله عزما** (پارہ ۱۶ سورہ ۲۰ آیت نمبر ۱۱۵) کہیں فرمایا **فازلھما الشیطن** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۳۶) کہیں فرماتا **فوسوس لھما الشیطن** (پارہ ۸ سورہ ۷ آیت نمبر ۲۰) غرضکہ اس واقعہ کا ذمہ دار تو شیطان کو بنایا اور ان کے متعلق فرمایا کہ دھوکہ کھا گئے ان سے خطا ہو گئی دھوکہ یہ ہوا کہ ان سے رب نے فرمایا تھا کہ تم اس درخت کے قریب نہ جانا۔ شیطان نے کہا کہ آپ کو کھانے کی ممانعت نہیں۔ وہاں جانے سے روکا گیا ہے۔ آپ وہاں نہ جائیے میں لا دیتا ہوں آپ کھا لیجئے گا۔ جھوٹی قسم کھا گیا کہ یہ پھل فائدہ مند ہے اور میں آپ کا خیر خواہ ہوں آپ سمجھے کہ کوئی بھی رب کی جھوٹی قسم نہیں کھا سکتا یا لاتقربا ممانعت تنزیہی سمجھے اس کی پوری تحقیق ہماری تفسیر کے پہلے پارہ میں اسی آیت کے ماتحت دیکھو۔ یہ تو عملوں میں فرق ہوا۔ اب رہا زمین پر آنا۔ رب تعالیٰ نے انہیں زمین ہی کی خلافت کے لئے پیدا کیا تھا کہ فرمایا **انی جاعل فی الارض خلیفة** (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۳۰) جنت میں تو کچھ روز اس لئے رکھا گیا تھا کہ وہاں کے مکانات اور باغات وغیرہ دیکھ کر اسی طرح زمین کو آباد کریں گویا وہ جگہ ان کی ٹریننگ کی تھی کسی کو ٹریننگ سکول میں ہمیشہ نہیں رکھا جاتا۔ ان کو رلا کر اس لئے بھیجا گیا کہ تمام فرشتوں نے سوائے گریہ وزاری ساری عبادتیں کی تھیں درد دل ہی تو وہ چیز ہے جس کی وجہ سے انسان ملائکہ سے افضل ہوا جنت کا بہانہ تھا در حقیقت

اپنے عشق میں رلاتا تھا۔ حسنات الابرار سیئات المقربین۔

درد دل کے واسطے پیدا کیا انسان کو
ورنہ طاعت کے لئے کچھ کم نہ تھے کرد بیاں
اے خیال یار کیا کرنا تھا اور کیا کردیا
تو تو پردہ میں رہا اور مجھ کو رسوا کردیا

یہ راز وہ سمجھے جو لذت عشق سے واقف ہو۔ رب نے شیطان سے کہا تھا اخرج منھا اور یہاں فرمایا گیا اھبطوا منھا جمیعاً (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۳۸) جس میں بتایا گیا کہ تم کچھ عرصہ کے لئے زمین میں بھیجے جارہے ہو۔ پھر اپنی کروڑ ہا اولاد کے ساتھ واپس یہیں آؤ گے یعنی دو جارہے ہو اور کروڑوں کو ساتھ لاؤ گے۔ بزرگان دین فرماتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے ہم کو جنت سے نہ نکلا۔ بلکہ ہم نے انہیں وہاں سے علیحدہ کیا کیوں کہ ان کی پشت شریف میں کفار فساق سب ہی کی روحیں تھیں جو کہ جنت کے قابل نہ تھے حکم ہوا کہ اے آدم نیچے جا کر ان خبثا کو چھوڑ آؤ۔ پھر آپ کی جگہ یہ ہی ہے (مرقات باب الایمان بالقدر و روح البیان ج ا ص ۱۴۶۔۱۴۷ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت آیت فازلھما الشیطن (پارہ ا سورہ ۲ آیت نمبر ۳۶) (۲) شیطان کا زمین پر آنا پردیس میں آنا ہے مگر آدم علیہ السلام کا یہاں آنا پردیس میں آنا نہیں کیونکہ آدم جسم اور روح کے مجموعہ کا نام ہے اور ان کا جسم چونکہ زمین پر اور مٹی سے بنا لہذا زمین ان کا وطن جسم ہوئے اور عالم ارواح گویا وطن روح اور وطن روح سے وطن جسم کی طرف آئے جو انسان مرکر جنت میں گیا۔ وہ پردیس میں نہیں بلکہ وطن جسم سے وطن روح میں گیا۔ مگر شیطان کی پیدائش آگ سے ہے لہذا زمین اس کے لئے پردیس ہوا۔ (۳) اگر آدم علیہ السلام کا زمین پر آنا عذاب ہوتا تو یہاں انہیں خلیفہ نہ بنایا جاتا۔ ان کے سر پر تاج نبوت نہ رکھا جاتا ان کی اولاد میں انبیاء و اولیاء خصوصاً سید الانبیا ﷺ پیدا نہ فرمائے جاتے ملزم کو معافی دیکر قید سے نکالتے ہیں۔ شاہی محل میں لاکر پھر اس پر انعامات کی بارش کرتے ہیں نہ کہ جیل خانہ میں ہی رکھ کر حقیقت یہ ہے کہ بڑوں کی ظاہری خطا چھوٹوں کے لئے عطا ہوتی ہے دنیا اور یہاں کی ساری نعمتیں اس خطائے اول کا ہی صدقہ ہیں لطف یہ ہے کہ آدم علیہ السلام کے لئے دانہ گندم خطا قرار دیا گیا۔ اور ان کی اولاد کے لئے وہ ہی غذا تجویز ہوئی۔

اعتراض (۲)......: حضرت آدم و حوا نے اپنے ایک بیٹے کا نام عبدالحارث رکھا۔ حارث شیطان کا نام ہے اس کو قرآن کریم نے فرمایا فلما اتاھما صلحاً جعلالہ شرکآء (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۱۹۰) جس سے معلوم ہوا کہ آدم علیہ السلام کا یہ کام بھی شرک تھا۔ ثابت ہوا کہ پیغمبر شرک بھی کر لیتے ہیں۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اس آیت میں حضرت آدم و حوا مراد ہیں۔

جواب:۔ آدم علیہ السلام اس قسم کے عیب سے پاک ہیں معترض نے اس آیت میں دھوکا دیا ہے، بہت سے مفسرین فرماتے ہیں کہ جعلا کا فاعل قصی اور اس کی بیوی ہے کیونکہ خلقکم من نفس واحدۃ وجعل منھا زوجھا (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۱۸۹) کے معنی یہ ہیں کہ اے قریش رب نے تمہیں ایک جان یعنی قصی سے پیدا فرمایا۔ اور اس قصی کی بیوی اس کی جنس سے بنائی۔ قصی نے یہ غضب کیا کہ اپنے رب سے دعائیں کر کے بیٹا مانگا تھا۔ اور اس کا نام عبدالحارث رکھ دیا (تفسیر خزائن العرفان وغیرہ) اس صورت میں کوئی اعتراض ہی نہیں اور بعض نے فرمایا جعلا میں مضاف پوشیدہ ہے اور اس کا فاعل اولاد آدم و حوا ہی ہیں یعنی آدم و حوا کی بعض اولاد نے شرک شروع کر دیا (دیکھو روح البیان و مدارک وغیرہ) اسی لئے آگے جمع کا صیغہ ارشاد ہوا۔ فتعالی اللہ عما یشرکون (پارہ ۹ سورہ ۷ آیت نمبر ۱۹۰) اگر یہ فعل حضرت آدم و حوا کا ہوتا تو یشرکان تثنیہ کا صیغہ ارشاد ہوتا۔ نیز ایک معمولی سی خطا گندم کھالینے پر عتاب ہو گیا تھا تو چاہئے تھا کہ شرک

کرنے پر بڑا سخت عذاب ہوتا لیکن بالکل نہ ہوا۔ حاکم کی یہ روایت بالکل معتبر نہیں کیونکہ وہ خبر واحد ہے اور عصمت پیغمبر یقینی وقطعی۔

اعتراض (۳)......:۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے فعصی ادم ربہ فغوی (پارہ۱۶ سورہ۲۰ آیت نمبر۱۲۱) آدم علیہ السلام نے رب کی نافرمانی کی پس گمراہ ہو گئے اس سے آدم علیہ السلام کا گناہ اور گمراہی دونوں معلوم ہوئے۔

جواب:۔ یہاں مجازاً خطا کو عصیان فرمایا گیا اور غوی کے معنی گمراہی نہیں بلکہ مقصود نہ پانا ہیں یعنی حیات دائمی کے لئے گندم کھایا تھا وہ ان کو حاصل نہ ہوئی۔ بلکہ گندم سے بجائے نفع کے نقصان ہوا یعنی اپنے مقصد کی طرف راہ نہ پائی۔ دیکھو روح البیان یہ ہی آیت۔ جب رب نے ان کے بھول جانے کا بار بار اعلان فرمایا تو عصیٰ سے گناہ ثابت کرنا کلام اللہ میں تعارض پیدا کرتا ہے۔

اعتراض (۴)......:۔ ابراہیم علیہ السلام نے چاند سورج بلکہ تاروں کو اپنا خدا مانا کہ فرمایا ھذا ربی اور یہ صریح شرک ہے معلوم ہوا کہ آپ نے پہلے شرک کیا پھر توبہ کی۔

جواب:۔ اس کا جواب مقدمہ میں گزرا کہ ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے بطریق سوال فرمایا کہ کیا یہ میرا رب ہے پھر خود ہی اس کا جواب مع دلیل بھی ارشاد کیا کہ لا احب الافلین (پارہ۷ سورہ۶ آیت نمبر۷۶) کیونکہ اس سے پہلے ارشاد ہوا و کذلک نری ابراھیم ملکوت السموت والارض ولیکون من الموقنین (پارہ۷ سورہ۶ آیت نمبر۷۵) پھر ستارے دیکھنے کا واقعہ بیان ہوا اور بعد میں فرمایا وتلک حجتنا اتینھا ابراھیم علی قومہ (پارہ۷ سورہ۶ آیت نمبر۸۳) اس ترتیب سے معلوم ہوا کہ ملکوت عالم دیکھنے کے بعد ستاروں کا واقعہ ہوا اور رب نے اس کلام کی تعریف فرمائی۔ اگر یہ بات شرک تھی تو تعریف فرمانا کیسا؟ پھر تو سخت عتاب ہونا چاہئے تھا۔

اعتراض (۵)......:۔ ابراہیم علیہ السلام نے تین بار جھوٹ بولا کہ آپ تندرست تھے مگر قوم سے فرمایا انی سقیم (پارہ۲۳ سورہ۳۷ آیت نمبر۸۹) میں بیمار ہوں خود بتوں کو توڑا مگر قوم کے پوچھنے پر فرمایا بل فعلہ کبیرھم ھذا (پارہ۱۷ سورہ۲۱ آیت نمبر۶۳) اس سے بڑے بت نے یہ کام کیا اپنی بیوی سارہ کو فرمایا ھذہ اختی یہ میری بہن ہیں اور یقیناً جھوٹ بولنا گناہ ہے معلوم ہوا کہ آپ معصوم نہیں۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ بحالت مجبوری جبکہ جان کا خطرہ ہو تو جھوٹ گناہ نہیں حتی کہ ایسی مجبوری میں منہ سے کفر بھی نکال دینے کی اجازت ہے الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان (پارہ۱۴ سورہ۱۶ آیت نمبر۱۰۶) جن موقعوں پر آپ نے یہ کلام فرمائے وہاں یا تو خطرہ جان تھا یا خطرہ عصمت تھا وہ ظالم بادشاہ آپ سے حضرت سارہ کو جبراً چھیننا چاہتا تھا اور دوسرے موقعوں پر آپ کو خطرہ جان تھا اس لئے یہ فرمایا (روح البیان آیت بل فعلہ کبیرھم) لہٰذا یہ فعل گناہ نہ ہوا دوسرے یہ کہ ان میں سے کوئی کلام جھوٹ نہیں بلکہ اس میں بعید معنی مراد لئے گئے ہیں جسے توریہ کہتے ہیں توریہ ضرورتاً جائز ہے نبی کریم ﷺ نے ایک بڑھیا سے فرمایا کہ کوئی بڑھیا جنت میں نہ جائے گی دیکھو ایک شخص نے اونٹ مانگا تو فرمایا کہ تجھے اونٹنی کا بچہ دونگا۔ ایک صحابی کی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کہ اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ وغیرہ (مشکوۃ باب المزاح) حضرت سارہ رضی اللہ عنہا کو بہن فرمانے سے دینی بہن مراد تھی نہ کہ نسبی۔ جیسے کہ داؤد علیہ السلام کے پاس دو فرشتے بشکل مدعی مدعی علیہ حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ھذا اخی لہ تسع و تسعون نعجۃ (پارہ۲۳ سورہ۳۸ آیت نمبر۲۳) یہ میرا بھائی ہے جس کے پاس ۹۹ بکریاں ہیں یہاں بھائی اور بکریوں کے مجازی معنی مراد ہیں ایسے ہی آپ کا یہ فرمانا کہ انی سقیم اس کے معنی ہیں میں بیمار ہونے والا ہوں نہ کہ فی الحال بیمار جیسے انک میت و انھم میتون (پارہ۲۳ سورہ۳۹ آیت نمبر۳۰) یا سقیم سے دلی بیماری یعنی ناراضی درنج مراد ہے یعنی میرا دل تم سے ناراض ہے اسی طرح بل فعلہ کبیرھم میں کبیر سے اللہ تعالیٰ مراد ہے اور ھذا سے اسی کی طرف اشارہ ہے کیونکہ کفار رب تعالیٰ کو بڑا خدا اور بتوں کو چھوٹے معبود سمجھتے تھے یعنی یہ کام اس رب کا ہے جسے تم ان سب

سے بڑا سمجھتے ہو نبی کا کام رب کا ہی کام ہے وہ سمجھے کہ اس بڑے سے بڑا بت مراد ہے یافعلہ شک کے طریقہ پر فرمایا یعنی بڑے بت نے کیا ہوگا اور شک انشاء ہے جس میں جھوٹ سچ کا احتمال نہیں سب سے بڑی بات یہ ہے کہ رب نے یہ واقعات بیان فرماتے ہوئے ابراہیم علیہ السلام پر کوئی عتاب نہ فرمایا بلکہ انہیں پسندیدگی کی سند عطا فرمائی۔ چنانچہ بت شکنی کے بیان سے پہلے فرمایا۔ **ولقد اتینا ابراھیم رشده الایة** (پارہ ۱۷ سورہ ۲۱ آیت نمبر ۵۱) معلوم ہوا کہ آپ کا یہ فعل رشد وہدایت تھا اور ظاہر ہے کہ جھوٹ رشد نہیں۔ بیماری کا واقعہ بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا **اذ جآء ربہ بقلب سلیم اذ قال لابیہ الآیۃ** (پارہ ۲۳ سورہ ۳۷ آیت نمبر ۸۴۔۸۵) جس سے معلوم ہوا کہ یہ کلام سلامت طبیعت پر دلالت کرتا ہے اور جھوٹ بیماری ہے نہ کہ سلامتی۔

اعتراض (۶)......:۔ داؤد علیہ السلام نے پرائی عورت یعنی اوریا کی بیوی کو نظر بد سے دیکھا جس کا واقعہ سورہ ص میں ہے اور یہ فعل یقیناً جرم ہے۔

جواب:۔ مورخین نے داؤد علیہ السلام کے قصہ میں کچھ زیادتی کر دی ہے اور جو کچھ احادیث احاد میں ہے وہ بھی نا مقبول۔ اسی لئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اعلان فرمایا تھا کہ جو کوئی داؤد علیہ السلام کا قصہ قصے کہانیوں کی طرح بیان کریگا میں اسے ایک سو ساٹھ کوڑے لگاؤں گا یعنی تہمت کی سزا ۸۰ کوڑے ہیں اور اس کو دگنے لگیں گے (روح البیان سورہ ص قصہ داؤد) واقعہ صرف یہ تھا کہ ایک شخص اوریا نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام دیا۔ داؤد علیہ السلام نے بھی اسے پیغام پر پیغام دے دیا۔ اس نے آپ کے ساتھ نکاح کرلیا۔ اور یہ شخص نکاح نہ کرسکا چنانچہ تفسیرات احمدیہ آیت **لاینال عھدی الظالمین** کی تفسیر میں ہے **وعن داؤد بکونہ اقداماً علی الفعل المشروع وھو نکاح المخطوبۃ لادریا لانظرہ منکوحۃ۔**

(تفسیرات احمدیہ ص ۳۴ مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ کانسی روڈ کوئٹہ)

مگر چونکہ اس جائز کام سے بھی نبوت کی شان بلند و بالا ہے اس لئے رب تعالیٰ نے ان کے احترام کو زیادہ فرماتے ہوئے دو فرشتوں کو ایک فرضی مقدمہ لے کر بھیجا اور انہوں نے اپنی طرف نسبت کر کے آپ سے فیصلہ کرا کر اشارتاً سمجھا دیا۔ سبحان اللہ کیا شان ہے اور انبیاء کا رب تعالیٰ کے ہاں کتنا احترام ہے کہ نہایت عمدہ طریقہ سے انہیں معاملہ سمجھایا گیا۔ رب تو ان کی عظمت فرمائے اور یہ بے دین ان حضرات پر نظر بد کا اتہام لگائیں خدا کی پناہ۔

اعتراض (۷)......:۔ یوسف علیہ السلام نے عزیز کی بیوی زلیخا سے گناہ کا ارادہ کیا جسے رب فرما رہا ہے **ولقد ھمت بہ وھم بھا لولا ان رابرھان ربہ** (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۴) یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا ارادہ کرلیا اگر اپنے رب کی برحان نہ دیکھتے تو نہ معلوم کیا ہو جاتا۔ دیکھو کتنا بڑا گناہ تھا جو یوسف علیہ السلام سے صادر ہوا؟

جواب:۔ یوسف علیہ السلام ارادہ گناہ تو کیا اس خیال سے بھی محفوظ رہے جو کہے کہ انہوں نے اس کا ارادہ کرلیا تھا وہ کافر ہے روح البیان میں اسی آیت کی تفسیر میں ہے **فمن نسب الی الانبیآء الفواحش کالعزم علی الزناء ونحوہ الذی یقولہ الحشویتہ کفر لانہ شتم لھم کذ فی القنیۃ** (تفسیر روح البیان ج ۴ ص ۳۰۹۔۳۱۰ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) رہا تمہارا اعتراض اس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کی دو تفسیریں ہیں ایک یہ کہ **ولقد ھمت بہ** پر وقف کردو اور **ھم بھا** سے علیحدہ آیت شروع ہو۔ معنی یہ ہوئے کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا قصد کرلیا اور وہ بھی قصد کر لیتے اگر اپنے رب کی دلیل نہ دیکھتے۔ اب کوئی اعتراض نہ رہا یہ معنی نقلاً وعقلاً ہر طرح صحیح ہیں خازن نے فرمایا کہ اصل عبارت یہ ہے **ولولا ان رء برھان ربہ لھم بھا**۔ مدارک شریف میں ہے کہ

ومن حق القاری اذا قدر خروجه من حکم القسم وجعله کلاماً براسه ان یقف علی به ویبتدی بقوله وهم بها۔

(تفسیر مدارک ج ۱ص۶۰۱ مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنہ پشاور)

قاری کو چاہیے کہ بہ پر وقف کرے اور هم بها سے آیت شروع کرے اور یہ ہی بات قرین قیاس بھی ہے کیونکہ قرآن کریم نے اس مقام پر زلیخا کی تو تیاریاں بیان فرمائیں و غلقت الا ابواب وقالت هیت لك (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۳) کہ اس نے آپ کو ہر طرح راغب کرنے کی کوشش بھی کی اور بلایا بھی دروازہ بھی بند کرلیا۔ مگر یوسف علیہ السلام کی بیزاری نفرت وعصمت کا ہی ذکر فرمایا۔

قال معاذ الله انه ربی احسن مثوای انه لا یفلح الظلمون۔

ترجمہ: خدا کی پناہ وہ میرا مربی ہے اس کے مجھ پر احسانات ہیں ایسی حرکت ظلم ہے اور ظالم کامیاب نہیں۔

(پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۳)

اور پھر فرمایا کذلك لنصرف عنه السوء والفحشآء (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۴) فحشاء سے زنا اور سوء سے ارادہ زنا مراد ہے معلوم ہوا کہ رب نے ارادہ زنا سے بھی ان کو محفوظ رکھا۔ آخر کار زلیخا نے بھی یہ ہی کہا کہ۔

الان حصحص الحق انار اودته عن نفسه و انه لمن الصدقین۔

ترجمہ: کہ میں نے ہی انہیں رغبت دینے کی کوشش کی تھی۔

(پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۵۱)

وہ تو بچے ہیں بلکہ شیر خوار بچے سے بھی ان کی پاکدامنی اور زلیخا کی خطا کاری کی گواہی دلوادی کہ وشهد شاهد من اهلها (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۶) عزیز مصر نے بھی یہ ہی کہ یوسف اعرض عن هذا واستغفری لذنبك انك كنت من الخطئين (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۹) اے زلیخا تم اپنے گناہ سے توبہ کرو تم ہی خطا کار ہو دیکھو شیر خوار بچے عزیز مصر خود زلیخا بلکہ خود رب تعالیٰ نے ان کے بے گناہ ہونے پر گواہیاں دیں۔ اگر زلیخا کی طرح وہ بھی ارادہ گناہ کر لیتے تو آپ بھی ملزم ہوتے اور یہ گواہیاں غلط ہو جاتیں اور وہاں صرف یہ ہوتا کہ زلیخا نے جرم کی ابتداء کی مگر بعد میں آپ بھی اس میں شریک ہو گئے۔ نیز اگر یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کیا ہوتا تو ان کی توبہ اور استغفار کا ذکر ضرور آتا۔

تفسیر مدارک میں ہے۔

ولانه لو وجد منه ذلك لذكرت توبته واستغفاره۔

(تفسیر مدارک ج ۱ص۶۰۱ مطبوعہ مکتبہ القرآن والسنہ پشاور)

غرضکہ اس آیت کے یہ معنی کرنا بہت بہتر ہیں کہ وہ بھی ارادہ کر لیتے اگر رب کی برهان نہ دیکھتے تفسیر کبیر نے فرمایا لولا کا جواب اس پر مقدم بھی ہو سکتا ہے جیسے آیت میں ہے ان کادت لتبدی به لولا ان ربطنا علی قلبها (پارہ ۲۰ سورہ ۲۸ آیت نمبر ۱۰) (تفسیر کبیر آیت ولقد همت به پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۴) دوسری تفسیر یہ ہے کہ بہ پر وقف نہ کرو بلکہ بھا تک ایک ہی جملہ مانو اور آیت کے معنی یہ ہوں کہ بے شک زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا اور انہوں نے زلیخا کا هم کرلیا لیکن اب ان دونوں هموں میں فرق کرنا ضروری ہے همت بہ میں هم کے معنی ارادہ زنا ہیں اور هم بها میں اس کے معنی ہیں قلب کی غیر اختیاری رغبت جس کے ساتھ قصد نہیں ہوتا یعنی زلیخا نے یوسف علیہ السلام کا ارادہ کیا اور ان کے دل میں رغبت غیر اختیاری پیدا ہوئی جو نہ گناہ ہے نہ جرم جیسے کہ روزہ میں ٹھنڈا پانی دیکھ کر اس طرف دل راغب تو ہوتا ہے مگر اس کے پی لینے کا ارادہ تو کیا خیال تک نہیں ہوتا صرف ٹھنڈا پانی اچھا معلوم ہوتا ہے اگر دونوں هموں کے ایک ہی معنی ہوتے تو دو جگہ یہ لفظ نہ بولا جاتا۔ بلکہ ولقد هما تثنیہ سے کہہ دینا کافی تھا یعنی ان دونوں نے قصد کرلیا دیکھو مکروا و مکر الله (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۵۴) کہ یہاں پہلے مکر کے معنی ہی اور ہیں اور دوسرے مکر کا مقصد ہی کچھ اور تفسیر خازن میں ہے قال الامام فخر الدین ان

یوسف علیہ السلام کان بریئاً من العمل الباطل والھم المحرم خیال رہے کہ زلیخا نے دروازہ پر عزیز مصر کو دیکھ کر یوسف کو زنا کی تہمت نہ لگائی بلکہ ارادہ زنا کی کہ کہا قالت ما جزاء من اراد باھلك سوء الا ان یسجن (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۵) جو تیری بیوی کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے اس کی سزا جیل کے سوا اور کیا ہے۔ اسی کی تردید یوسف علیہ السلام نے فرمائی کہ ھی راودتنی عن نفسی (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۲۶) بدکاری کا ارادہ اسی نے کیا تھا۔ اس کی تردید شیر خوار بچہ نے بھی کی اور اس کی تردید خود عزیز مصر نے قمیص مبارک پھٹی ہوئی دیکھ کر کی کہا انہ من کیدکن اور اس کی تردید مصری عورتوں نے بھی کی اور اس کی تردید آخر کار خود زلیخا نے بھی کر کے اپنا جرم قبول کر لیا اب اگر ھم بھا کے یہ معنی ہوں کہ یوسف علیہ السلام نے ارادہ زنا کر لیا تھا تو لازم آتا ہے کہ رب تعالیٰ نے زلیخا کی تائید کی اور ان سب حضرات کی تردید اور یہ کلام کے مقصد کے خلاف ہے یہ تقریر بہت خیال رہے انشاء اللہ کام آئے گی۔

اعتراض (۸)......:۔ موسیٰ علیہ السلام نے ایک قبطی کو جان سے مار دیا اور فرمایا ھذا من عمل الشیطن (پارہ ۲۰ سورہ ۲۸ آیت نمبر ۱۵) کہ یہ شیطانی کام ہے معلوم ہوا کہ آپ نے ظلماً قتل کیا جو کہ بڑا جرم ہے۔

جواب:۔ آپ کا ارادہ قتل کا نہ تھا بلکہ قبطی ظالم سے مظلوم اسرائیلی کو چھڑانا تھا جب قبطی نے نہ چھوڑا آپ نے ہٹانے کے لئے چپت لگا دی۔ وہ طاقت نبی کی نہ برداشت کر سکا مر گیا تو یہ قتل خطا ہوا اور انبیاء سے خطا ہو سکتی ہے نیز یہ واقعہ عطائے نبوت سے پہلے کا ہے روح البیان میں ہے کان ھذا قبل النبوۃ نیز وہ قبطی کافر حربی تھا جس کا قتل جرم نہیں آپ نے تو ایک ہی قبطی کو مارا۔ کچھ دنوں بعد تو سارے ہی قبطی غرق کر دیئے گئے۔ رہا اس فعل کو عمل شیطان فرمانا۔ یہ آپ کی انتہائی کسر نفسی اور عاجزی کا اظہار ہے کہ خلاف اولیٰ کام کو بھی اپنی خطا سمجھا یعنی یہ کام وقت سے پہلے ہو گیا جب قبطیوں کی ہلاکت کا وقت آتا تو یہ بھی ہلاک ہوتا فغفر لہ اور ظلمت نفسی سے دھوکا نہ کھاؤ کہ یہ الفاظ خطا پر بھی بولے جاتے ہیں یا ہذا سے قبطی کا ظلم مراد ہے یعنی یہ ظلم شیطانی کام ہے۔

اعتراض (۹)......:۔ رب تعالیٰ نے ہمارے نبی ﷺ سے فرمایا ووجدك ضآلا فھدی (پارہ ۳۰ سورہ ۹۳ آیت نمبر ۷) معلوم ہوا کہ آپ بھی پہلے گمراہ تھے بعد کو ہدایت ملی۔

جواب:۔ یہاں جو کوئی بھی ضال کے معنی گمراہ کرے وہ خود گمراہ ہے۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما ضل صاحبکم وما غوی۔

ترجمہ: تمہارے محبوب ﷺ نہ کبھی گمراہ ہوئے نہ بہکے۔

(پارہ ۲۷ سورہ ۵۳ آیت نمبر ۲)

یہاں ضال کے معنی وارفتہ محبت الٰہی ہیں اور ہدایت سے مراد درجہ سلوک ہے یعنی رب نے آپ کو اپنی محبت میں سرشار اور وارفتہ پایا تو آپ کو سلوک عطا فرمایا۔ برادران یوسف علیہ السلام نے یعقوب علیہ السلام سے عرض کیا تھا انك لفی ضلالك القدیم (پارہ ۱۳ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۹۵) یا انك لفی ضلال مبین یہاں ضلال بمعنی وارفتگی محبت ہیں۔ شیخ عبدالحق نے مدارج النبوت جلد اول باب پنجم میں فرمایا کہ عربی میں ضال وہ اونچا درخت ہے جس سے گمے ہوئے لوگ ہدایت پائیں یعنی اے محبوب ہدایت دینے والا بلند و بالا درخت رب نے تمہیں کو پایا کہ جو عرش فرش ہر جگہ سے نظر آئے لہذا تمہارے ذریعہ خلقت کو ہدایت دے دی یعنی ھدی کا مفعول عام لوگ ہیں نہ کہ نبی ﷺ اور بھی اس کے بہت سے معنی کئے گئے ہیں۔

اعتراض (۱۰)......:۔ رب فرماتا ہے لیغفرلك اللہ ما تقدم من ذنبك وما تاخر (پارہ ۲۶ سورہ ۴۸ آیت نمبر ۲) یعنی

رب تعالیٰ تمہارے اگلے پچھلے گناہ معاف کرے۔ معلوم ہوا کہ آپ گنہگار تھے۔ حضور علیہ السلام بھی ہمیشہ اپنے لئے دعائے مغفرت کرتے تھے اگر گنہگار نہ تھے تو استغفار کیسی؟

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ مغفرت سے مراد عصمت اور حفاظت ہے مطلب یہ ہے کہ اللہ آپ کو ہمیشہ گناہوں سے محفوظ رکھے۔ روح البیان المراد بالمغفرة الحفظ والعصمته ازلاً وابداً فیکون المعنی یتحفظك ویعصمك من الذنب المتقدم والمتاخر دوسرے یہ کہ ذنب سے نبوت سے پہلے کی خطائیں مراد ہیں۔ تیسرے یہ کہ ذنب میں ایک مضاف پوشیدہ ہے یعنی آپ کی امت کے گناہ جیسے کہ لک فرمانے سے معلوم ہوا۔ یعنی تمہاری وجہ سے تمہاری امت کے گناہ معاف کرے اگر آپ کے گناہ مراد ہوتے تو لک سے کیا فائدہ ہوتا (روح البیان وخازن) اس آیت کی تفسیر دوسری آیت ہے ولو انهم اذ ظلموا (پارہ ۵ سورہ ۴ آیت نمبر ۶۴) کبھی گناہ کی نسبت گنہگار کی طرف ہوتی ہے اور کبھی بخشش کے ذمہ دار کی طرف جیسے مقدمہ کبھی مجرم کی طرف منسوب ہوتا ہے اور کبھی وکیل کی طرف کہ وکیل کہتا ہے کہ یہ میرا مقدمہ ہے جس کا میں ذمہ دار ہوں یہاں نسبت دوسری طرح کی ہے یعنی آپ کے ذمہ والے گناہ جن کی شفاعت کے آپ ذمہ دار ہیں۔

اعتراض (۱۱)......:۔ حضور علیہ السلام سے رب نے فرمایا ولو لا ان ثبتناك لقد كدت تركن اليهم شيئاً قليلاً (پارہ ۱۵ سورہ ۱۷ آیت نمبر ۷۴) اگر ہم آپ کو نہ ثابت قدم رکھتے تو قریب تھا کہ آپ کفار کی طرف کچھ مائل ہو جاتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام کفار کی طرف مائل ہو چلے تھے مگر رب نے روکا۔ اور کفر کی طرف میلان بھی گناہ ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس میں شرط و جزا ہے یعنی یہ قضیہ شرطیہ ہے جس میں دونوں مقدموں کا ہونا تو کیا امکان بھی ضروری نہیں رب فرماتا ہے قل لو كان للرحمن ولد فانا اول العبدين (پارہ ۲۵ سورہ ۴۳ آیت نمبر ۸۱) اگر رب کے بیٹا ہوتا تو اس کا پہلا پجاری میں ہوتا۔ نہ خدا کا بیٹا ہونا ممکن اور نہ نبی علیہ السلام کا اس کی پوجا کرنا ایسے ہی یہاں نہ تو رب تعالیٰ کا حضور علیہ السلام کو محفوظ نہ رکھنا ممکن اور نہ آپ کا ان کی طرف مائل ہونا ممکن۔ دوسرے یہ کہ یہاں فرمایا گیا کہ اگر ہم آپ کو پہلے ہی سے معصوم اور ثابت قدم نہ فرما چکے ہوتے تو آپ ان کی طرف کسی قدر جھکنے کے قریب ہو جاتے کیونکہ ان کے مکر و فریب بہت سخت خطرناک تھے یعنی چونکہ آپ معصوم ہیں لہذا آپ کفار کی طرف نہ جھکنے کے قریب بھی نہ ہوئے۔ اس سے تو آپ کی عصمت ثابت ہوئی دیکھو خازن، مدارک، روح البیان، تیسرے یہ کہ ایک تو حضور علیہ السلام کی طبیعت مبارکہ ہے دوسرے آپ کی نبوت اور عصمت الٰہی۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ نبوت و عصمت سے قطع نظر کرتے ہوئے بھی آپ کی فطرت پاک عیب اور گناہوں سے ایسی پاک ہے جس میں اس کی صلاحیت ہی نہیں کیونکہ آپ کی روحانیت بشریت پر غالب ہے۔ یعنی اگر ہم آپ کو معصوم نہ بھی بناتے تب بھی آپ کفار سے ملتے نہیں ان کی طرف جھکتے نہیں بلکہ کچھ جھکنے کے قریب ہو جاتے اب جبکہ فطرت سلیمہ پر رب کا یہ کرم ہوا کہ آپ کو معصوم بھی بنایا سر مبارک پر نبوت کا تاج بھی رکھا۔ اب تو سبحان اللہ کیا ہی کہنا۔ کسی قصور کی گنجائش ہی نہیں۔ اس کی تفسیر میں روح البیان میں ہے

انما سماه قليلاً لان روحانيته النبى كانت فى اصل الخلقت غالباً على البشريته اذ لم يكن حينئذ لروحه شئى يحجبته عن الله تعالى فالمعنى لولا التثبت وقوة النبوة ونور الهدايته واثر نظر العنايته لقد كدت تركن۔

اعتراض (۱۲)......:۔ رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ما كنت تدرى ماالكتب ولآ الايمان۔

(پارہ ۲۵ سورہ ۴۲ آیت نمبر ۵۲)

اے نبی علیہ السلام آپ نہ جانتے تھے کہ کتاب کیا چیز ہے اور نہ یہ کہ ایمان کیا ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام پیدائشی عارف باللہ نہیں آپ کو تو ایمان کی خبر بھی نہ تھی۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ یہاں علم کی نفی نہیں بلکہ درایت یعنی اٹکل اور قیاس سے جاننے کی نفی ہے۔ پوری آیت یہ ہے وکذلك اوحينا اليك روحاً من امرنا ما كنت تدرى ما الكتب (الآیہ) (پارہ ۲۵ سورہ ۴۲ آیت نمبر ۵۲) یعنی ہم نے آپ پر اپنے فضل سے قرآن وحی کیا۔ آپ خود بخود نہ جانتے تھے یعنی اس علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہے نہ کہ محض اٹکل و قیاس۔ دوسرے یہ کہ اس سے پیدائش مبارک کا نہیں بیان ہو رہا بلکہ نوری محمدی کی پیدائش کا حال ہے۔ یعنی ہم نے آپ کو عالم ارواح میں سفید اور سادہ پیدا فرمایا تھا پھر اس پر علوم کے نقش و نگار فرما کر نبوت کا تاج سر پر رکھ کر دنیا میں بھیجا۔ آپ عالم ارواح میں ہی نبی تھے خود فرماتے ہیں۔ كنت نبياً و ادم بين الماء والطين ہم اس وقت نبی تھے جبکہ آدم علیہ السلام مٹی اور پانی میں جلوہ گر تھے۔ تیسرے یہ کہ اس سے ایمان اور قرآن کے تفصیلی احکام مراد ہیں۔ یعنی آپ وحی سے پہلے احکام اسلامی تفصیل وار نہ جانتے تھے۔ اس کی تفسیر میں روح البیان ج ۸ ص ۳۶۴ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت میں ہے ای الایمان بتفاصيل ما فى تضاعيف الكتب پھر فرماتے ہیں لانه عليه السلام افضل من يحيىٰ وعيسىٰ وقد اوتى كل الحكمة والعلم صبياً یعنی نبی علیہ السلام یحییٰ اور عیسیٰ علیہ السلام سے افضل ہیں اور انہیں تو علم و حکمت بچپن ہی میں عطاء ہو گئی تھی۔ تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ آپ بچپن شریف میں علم سے خالی رہے ہوں۔

اعتراض (۱۳)......:۔ رب فرماتا ہے فازلهما الشيطن (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۳۶) آدم و حوا علیہم السلام کو شیطان نے پھسلا دیا۔ معلوم ہوا کہ شیطان کا داؤ انبیاء پر چل جاتا ہے۔ پھر تم نے کیوں کہا کہ شیطان ان تک نہیں پہنچ سکتا۔

جواب:۔ ہم نے یہ کہا ہے کہ شیطان انہیں گمراہ نہیں کر سکتا اور نہ ان سے عمداً گناہ کبیرہ کرا سکتا ہے اس نے خود کہا تھا لاغوينهم اجمعين الا عبادك منهم المخلصين (پارہ ۱۴ سورہ ۱۵ آیت نمبر ۳۹۔۴۰) اور یہاں ہے فازلهما الشيطن گمراہی اور چیز ہے اور پھسلانا اور چیز ہے۔

اعتراض (۱۴)......:۔ یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو بہت سے لوگوں نے پیغمبر مانا ہے حالانکہ انہوں نے بڑے بڑے گناہ کئے بے قصور بھائی کو ستانا آزاد بھائی کو بیچ کر اس کی قیمت کھانا اپنے والد سے جھوٹ بول کر انہیں چالیس سال تک رلانا غرضکہ جرموں کی انتہا کر دی اور پھر بھی نبی ہوئے معلوم ہوا کہ نبی کا معصوم ہونا شرط نہیں۔

جواب:۔ جمہور علماء نے انہیں پیغمبر نہ مانا۔ ہاں ایک جماعت نے کچھ ضعیف دلائل سے ان کی نبوت کا وہم کیا ہے اسی لئے ہم نے مقدمہ میں عرض کیا کہ انبیائے کرام کا نبوت سے پہلے بدعقیدگی سے پاک ہونا اجماعی مسئلہ ہے اور گناہ کبیرہ سے پاک ہونا جمہور کا قول ہے اور بعد نبوت گناہ کبیرہ سے پاک ہونے پر بھی اجماع ہے ان حضرات کی نبوت کسی صریحی آیت یا حدیث یا قول صحابی سے ثابت نہیں۔ رب نے یہ فرمایا ہے ويتم نعمته عليك وعلى ال يعقوب (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۶) یہاں نعمت سے نبوت مراد نہیں اور نہ آل یعقوب سے ان کی صلبی ساری اولاد مراد ہے۔ رب تعالیٰ نے مسلمانوں سے فرمایا اتممت عليكم نعمتى (پارہ ۶ سورہ ۵ آیت نمبر ۳) بعضوں نے کہا کہ رب فرماتا ہے وما انزل الى ابراهيم و اسمعيل واسحق ويعقوبُ والاسباط (پارہ ۱ سورہ ۲ آیت نمبر ۱۳۶) یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ یہ بھی سب صاحب وحی تھے مگر یہ بھی کمزوری بات ہے کیونکہ نہ تو انزل میں بلا واسطہ وحی آنے کا بیان ہے نہ اس کی کوئی دلیل ہے کہ اسباط ان کے بیٹوں ہی کا لقب ہے رب فرماتا ہے قل امنا بالله وما

انزل علینا وما انزل علی ابراھیم (پارہ ۳ سورہ ۳ آیت نمبر ۸۴) یہاں انزل علینا کا یہ مطلب نہیں کہ ہم سب پر وحی آئی اور ہم سب پیغمبر ہیں اور اسباط بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کا لقب ہے اور واقعی ان میں انبیاء آتے رہے رب فرماتا ہے وقطعنا ھم اثنتی عشرۃ اسباطاً امما تفسیر روح المعانی میں ان الشیطن للانسان عدو مبین (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۵) کی تفسیر میں ہے فالذی علیه الا کثرون سلفاً وخلفاً انھم لم یکونوا انبیاء اصلاً فلم ینقل من الصحابة انه قال بنبوتھم اسی طرح تفسیر روح البیان وغیرہ نے بھی ان کی نبوت کی بہت تردید کی ہے۔ ہاں وہ سب حضرات توبہ کے بعد اولیاء اللہ بلکہ پیغمبر کے صحابی ہوئے انہیں یوسف علیہ السلام نے خواب میں تاروں کی شکل میں دیکھا کیونکہ وہ صحابی نبی تھے حضور فرماتے ہیں اصحابی کالنجوم نیز ان کے یہ سارے گناہ یعقوب علیہ السلام کی محبت حاصل کرنے کے لئے تھے۔ پھر انہوں نے ان سے بھی اور یوسف علیہ السلام سے بھی معافی حاصل کرلی اور ان دونوں حضرات نے ان کے لئے دعائے مغفرت کی لہذا یہ مغفور ہوئے۔ ان کی شان میں گستاخی سخت محرومی کی علامت ہے قابیل نے ایک عورت کی محبت میں گناہ کیا اور پھر آدم علیہ السلام سے معافی بھی حاصل نہ کرسکا لہذا وہ بے ایمان رہا اور یہ ایماندار ہوئے۔

اعتراض (۱۵)......:۔ قرآن کریم سے ثابت ہے کہ زلیخا نے ارادہ زنا کیا جو کہ سخت جرم ہے اور تم کہہ چکے ہو کہ نبی کی بیوی فاحشہ نہیں ہوتی تو زلیخا یوسف علیہ السلام کی بیوی کیونکر ہوسکتی ہے۔ وہ فاحشہ بدکار تھی لہذا یا تو مانو کہ ان کا نکاح نہیں ہوا یا یہ قاعدہ غلط ہے۔

نوٹ:۔ گجرات کے بعض جاہل دیوبندیوں نے حضرت زلیخا کے زوجہ یوسف علیہ السلام ہونے کا انکار کیا اور ان کی شان میں سخت گندے الفاظ بکے۔ انہیں کا یہ اعتراض ہے۔

جواب:۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی زوجہ اور قابل احترام بیوی ہیں ان کا یوسف علیہ السلام کے نکاح میں آنا مسلم و بخاری کی حدیث اور عام تفاسیر سے ثابت ہے انہیں سے یوسف علیہ السلام کے فرزند پیدا ہوئے۔ افرائیم اور میشاء تفسیر خازن، تفسیر کبیر، مدارک، معالم التنزیل وغیرہ میں اس کی تصریح ہے چنانچہ حضور ﷺ نے جناب ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا اور اپنی دوسری ازواج پاک سے فرمایا انکن لانتن کصواحب یوسف تم تو یوسف علیہ السلام کی بیوی کی طرح ہو گئیں یعنی زلیخا کی۔ صواحب صاحب کی جمع ہے صاحبہ بیوی کو کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں ہے ولم تکن له صاحبة (پارہ ۷ سورہ ۶ آیت نمبر ۱۰۱) آپ نہ تو فاحشہ تھیں نہ آپ سے زنا جیسا گناہ کبھی صادر ہوا۔ بیوی زلیخا سے ارادہ اجماع بیخودی عشق کی حالت میں ہو گیا جمال یوسف نے انہیں وارفتہ و دیوانہ بنادیا۔ اس والہانہ حالت میں یہ ارادہ کر بیٹھیں جب مصری عورتوں نے اسی جمال سے بیخود ہو کر اپنے ہاتھ کاٹ ڈالے تو اگر حضرت زلیخا نے اس حسن پر فریفتہ ہو کر دامن صبر چاک کردیا تو کیا تعجب ہے؟ پھر ان تمام خطاؤں سے توبہ کرلی یہ بھی خیال رہے کہ زلیخا نے صرف یوسف علیہ السلام سے ہی رغبت کی نہ کسی۔ دوسرے سے رب نے انہیں ہر طرح محفوظ رکھا۔ ہم نے انبیاء کی بیویوں کو زنا اور فحش سے محفوظ مانا ہے نہ کہ معصوم۔ حضرت زلیخا نے یہ گناہ کر کے توبہ کرلی کہ عرض کیا الان حصحص الحق انا راودته عن نفسه (پارہ ۱۲ سورہ ۱۲ آیت نمبر ۵۱) زلیخا نے اپنی خطا کا اقرار کیا اور اقرار جرم توبہ ہے اسی لئے رب تعالیٰ نے زلیخا کی خطا کا ذکر تو فرمادیا مگر ان پر عتاب یا عذاب کا ذکر نہ کیا۔ تاکہ معلوم ہو کہ ان کے گناہ کی معافی ہو چکی۔ اب ان کی خطاؤں کا بے ادبی کے طور پر ذکر کرنا سخت برا ہے ان سے زنا یا فحش کبھی صادر نہیں ہوا۔ نہ معلوم دیوبندیوں کی کس شیطان نے عقل ماردی کہ ان کا حملہ ہمیشہ انبیائے کرام کے عزت و آبرو پر ہوتا ہے۔ حضرت زلیخا یوسف علیہ السلام کی اہل بیت ہیں ان کی توہین اس باکمال پیغمبر کی توہین ہے رب تعالیٰ عقل سلیم عطا فرمائے۔

خاتمہ

خیال رہے کہ رب تعالیٰ انبیائے کرام کا رب ہے اور وہ حضرات اس کے پیارے بندے رب جس طرح چاہے ان کی لغزشوں اور خطاؤں کا ذکر فرمائے اور یہ حضرات جیسے چاہیں اپنے رب سے اپنی نیاز مندی اور بندگی کا اظہار کریں ہمیں کسی طرح حق نہیں کہ ان کی لغزشوں کو بیان کرتے پھریں یا گستاخیاں کر کے اپنا نامہ اعمال سیاہ کرلیں۔ رب تعالیٰ نے ہم کو ان کی تعظیم وتوقیر کا حکم دیا۔ دیکھو یوسف علیہ السلام چونکہ مصر میں بظاہر فروخت ہوئے تھے اہل مصر سمجھتے تھے کہ یہ عزیز مصر کے زرخرید ہیں۔ رب تعالیٰ نے اسی داغ کو ان کے دامن سے مٹانے کے لئے سات سال کی عام قحط سالی بھیجی پہلے سال میں سب نے آپ کو روپیہ پیسہ دے کر غلہ خریدا دوسرے سال زیور وجواہرات دے کر تیسرے سال جانور اور چوپائے دے کر چوتھے سال اپنے غلام باندیاں دیکر پانچویں سال اپنے مکانات وزمین دیکر چھٹے سال اپنی اولاد دے کر ساتویں سال مصر والوں نے اپنے کو یوسف علیہ السلام کے ہاتھ فروخت کردیا اور عرض کیا کہ ہم آپ کے لونڈی غلام بنتے ہیں۔ ہمیں غلہ دو۔ تب آپ نے ان پر احسان فرمایا (مدارک وروح البیان وغیرہ) یہ کیوں ہوا۔ صرف اس لئے کہ جب سارے مصر والے آپ کے غلام بن گئے تو اب انہیں غلام کون کہے۔ پتہ چلا کہ ایک پیغمبر کی عظمت برقرار رکھنے کے لئے سارے جہان کو مصیبت میں ڈالا جا سکتا ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک امام ہمیشہ نماز میں سورہ عبس پڑھتا تھا۔ آپ کو پتہ لگا تو اسے قتل کرادیا دیکھو روح البیان تفسیر سورہ عبس اس سورۃ کی نہایت عمدہ تفسیر ہماری کتاب شان حبیب الرحمٰن میں دیکھو جس میں ثابت کیا گیا ہے کہ یہ حضور کی نعت ہے رب تعالیٰ دیوبندیوں کو ہدایت دے۔ انہوں نے انبیاء کرام پر بکواس بکنے کی جرات پیدا کردی۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا ومولنا محمد واله واصحابه اجمعین
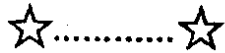
لمعات المصابیح علی رکعات التراویح

پہلا باب

بیس رکعت نماز تراویح کا ثبوت

تراویح بیس رکعت پڑھنا سنت اور آٹھ رکعت پڑھنا خلاف سنت ہے ہم بفضلہ تعالیٰ اس کا ثبوت قرآن پاک کی ترتیب و احادیث صحیحہ و اقوال علماء اور عقلی دلائل سے دیتے ہیں (۱) قرآن پاک میں سورتیں بھی ہیں آیتیں بھی اور رکوع بھی۔ وہ مضمون جس کا کوئی نام رکھ دیا گیا ہو وہ سورت کہلاتا ہے اور قرآن کا وہ جملہ جس کا علیحدہ نام نہ ہو آیت کہلاتا ہے مگر دیکھنا یہ ہے کہ رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں کیونکہ سورت کے معنی احاطہ کرنے والی چیز ہے اور آیت کے معنی ہیں نشانی۔ سورہ چونکہ ایک مضمون کو گھیرے ہوتی ہے جیسے شہر پناہ (سورہ البلد) اور آیت قدرت الٰہی کی نشانی ہے اس لئے ان کے یہ نام ہوئے۔ مگر رکوع معنی ہیں جھکنا۔ دیکھنا یہ ہے کہ قرآنی رکوع کو رکوع کیوں کہتے ہیں۔ کتب قراۃ سے معلوم ہوا کہ حضرت عمر و عثمان رضی اللہ عنہما تراویح میں جس قدر قرآن پڑھ کر رکوع فرماتے تھے اس حصہ کا نام رکوع رکھا گیا یعنی ان حضرات کے رکوع کرنے کا مقام اتنا پڑھ کر رکوع ہوا اور چونکہ تراویح بیس رکعت پڑھی جاتی تھیں اور ستائیسویں رمضان کو ختم ہوتا تھا۔ اس لحاظ سے قرآن پاک کے کل ۵۴۰ رکوع ہونے چاہئیں۔ لیکن چونکہ ختم کے دن بعض رکعتوں میں چھوٹی چھوٹی دو سورتیں پڑھ لی جاتی تھیں اس لئے قرآن کریم کے ۵۵۷ رکوع ہوئے۔ اگر تراویح آٹھ ہوتیں تو رکوع ۲۱۶ ہونے چاہیئے تھے قرآنی رکوعات کی تعداد بتا رہی ہے کہ تراویح بیس رکعت چاہئیں کیا وہابی آٹھ رکعت تراویح مان کر رکوعات قرآنی کی وجہ بتا سکیں گے؟ (۲) تراویح جمع ترویحہ کی ہے جس کے معنی ہیں جسم کو راحت دینا۔ چونکہ ان میں ہر چار رکعت پر کسی قدر راحت کے لئے بیٹھتے ہیں اس بیٹھنے کا نام ترویحہ ہے اسی لئے اس نماز کو تراویح کہا جاتا ہے یعنی راحتوں کا مجموعہ اور تراویح جمع ہے۔ جمع کم از کم تین پر بولی جاتی ہے اگر تراویح آٹھ رکعت ہوتیں تو اس کے درمیان میں ایک ترویحہ آتا پھر اس کا نام تراویح نہ ہوتا تین ترویحوں کے لئے کم از کم سولہ رکعت تراویح چاہئیں۔ جن میں ہر چار رکعت کے بعد ایک ترویحہ ہو اور وتر سے پہلے کوئی ترویحہ نہیں ہوتا۔ تراویح کا نام ہی آٹھ رکعت کی تردید کرتا ہے (۳) ہر دن میں بیس رکعت نماز ضروری ہے۔ سترہ فرض اور تین وتر، دو فرض فجر میں چار ظہر میں چار عصر میں تین مغرب میں اور چار عشاء میں۔ رمضان شریف میں رب تعالیٰ نے ان بیس رکعات کی تکمیل کے لئے بیس رکعت تراویح اور مقرر فرما دیں جس کی ہر رکعت ان کی ہر رکعت کی تکمیل کرے غیر مقلد شاید نماز پنجگانہ میں بھی آٹھ رکعت ہی پڑھتے ہوں گے۔ ورنہ آٹھ تراویح کو ان بیس رکعت سے کیا نسبت (۴) خیال رہے کہ حضور نبی کریم ﷺ نے نماز تراویح باجماعت پابندی سے ادا نہ فرمائی۔ صرف دو دن ادا کیں اور بعد میں فردیا کہ اگر اس پر پابندی کی گئی تو فرض ہونے کا اندیشہ ہے۔ جس سے میری امت کو دشواری ہوگی۔ لہذا تم لوگ اپنے گھر ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔ بعض تو کہتے ہیں کہ نماز تہجد ہی تھی جو ماہ رمضان میں اہتمام سے ادا کرائی گئی اس لئے صحابہ کرام سحری کے آخری وقت اس سے فارغ ہوتے زمانہ صدیقی میں بھی اس کا کوئی باقاعدہ انتظام نہ فرمایا گیا۔ لوگ متفرق طور پر پڑھ لیتے تھے عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا اہتمام فرمایا اور بیس رکعت تراویح مقرر فرمائیں اور باقاعدہ جماعت کا انتظام کیا لہذا صحیح یہ ہے کہ اصل تراویح سنت رسول اللہ ﷺ ہے مگر اس کی پابندی جماعت بیس رکعت

سنت فاروقی ہے چونکہ نبی کریم ﷺ نے نہ تو آٹھ رکعت کا حکم دیا اور نہ اس پر پابندی فرمائی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کا آٹھ رکعت تراویح پڑھنا صراحتاً کہیں ثابت ہی نہیں ہو لہذا صحابہ کرام کا بیس پر اتفاق کرنا سنت کی مخالفت نہیں ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ **علیکم بسنتی وسنت الخلفاء الرشدین۔**

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)

لہذا اب ہم صحابہ کرام کا عمل پیش کرتے ہیں غیر مقلدوں کو چاہیئے کہ کوئی حدیث مرفوع صحیح ایسی پیش کریں جس سے تراویح کی آٹھ رکعت صراحتاً ثابت ہوں۔ انشاء اللہ نہ کرسکیں گے ہماری احادیث ملاحظہ ہوں۔

(۱) حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے زمانہ خلافت میں بیس رکعت تراویح کی باقاعدہ جماعت کا انتظام فرمایا اسی پر صحابہ کرام کا اجماع ہوا۔ موطا امام مالک میں حضرت سائب ابن یزید رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ **قال کنا نقوم فی عهد عمر بعشرین رکعته رواه البیهقی فی الفرقته باسناد صحیح۔**

(موطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۲ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

(۲) ابن منیع نے حضرت ابی ابن کعب سے روایت کی **فصلی بهم عشرین رکعته** بیہقی میں ہے **عن ابی الحسنات ان علی ابن ابی طالب امر رجلاً یصلے بالناس خمس ترویحات عشرین رکعته۔**

(۳) ابن ابی شیبہ اور طبرانی کبیر میں اور بیہقی وعبداللہ ابن حمید وبغوی نے روایت کی **عن ابن عباس ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعته سوی الوتر۔**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۴ رقم الحدیث ۷۶۹۲ مطبوعہ مکتبہ الرشد الریاض)

اس سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس رکعت تراویح پڑھتے تھے۔

(۵) بیہقی میں ہے **وعن شکل وکان من اصحاب علی انه کان یومهم فی رمضان فیصلی خمسترویحات عشرین رکعات۔**

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۳ رقم الحدیث ۷۶۸۰ مطبوعہ مکتبہ الرشد الریاض)

(۶) اسی بیہقی میں ہے **وعن ابی عبدالرحمن السلمی ان علیاً رعی القراء فی رمضان فامر رجلاً یصلے الناس عشرین رکعته وکان علی یو تربهم۔**

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۶ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

(۷) اسی بیہقی نے باسناد صحیح نقل فرمایا **عن السائب ابن یزید قال کانوا یقومون علی عهد عمر فی شهر رمضان بعشرین رکعته۔**

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۴ مطبوعہ مکتبہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

اس کی تحقیق کے لئے صحیح البہاری **باب لم یقرا فی التراویح** دیکھوان روایات سے معلوم ہوا کہ خود حضور علیہ السلام بیس تراویح پڑھتے تھے اور عہد فاروقی میں تو اس بیس رکعات پر عمل جاری ہو گیا تھا۔ حضرت ابن عباس علی ابی بن کعب وعمر سائب ابن یزید وغیرھم تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا یہ ہی معمول تھا۔

اقوال علماء امت: (۱) ترمذی شریف ابواب الصوم باب ماجاء فی قیام شہر رمضان میں ہے۔

واکثر اهل العلم علی ما روی عن علی وعمر وغیرهما من اصحاب النبی ﷺ عشرین رکعته

وھو قول سفیان الثوری وابن المبارك والشافعی ھکذا ادرکت ببلد مکته یصلون عشرین رکعته۔

(سنن الترمذی باب ماجاء فی قیام شھر رمضان ج ۳ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۸۰۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اہل علم کا عمل اس پر ہے جو حضرت علی وعمر ودیگر صحابہ کرام سے مروی ہے یعنی بیس رکعت یہ ہی فرمان سفیان ثوری ابن مبارک اور امام شافعی نے اپنے شہر مکہ معظمہ میں یہ ہی عمل پایا کہ مسلمان بیس رکعت تراویح پڑھتے ہیں۔(۲) فتح الملہم شرح مسلم جلد دوم صفحہ ۲۹۱ میں ہے **روی محمد ابن نصر من طریق عطاء قال ادرکتھم یصلون عشرین رکعته وثلث رکعات الوتر وفی الباب اثار کثیرۃ اخرجھا ابن ابی شیبه وغیرہ وقال ابن قدامته وھذا کالاجماع** اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت پر گویا مسلمانوں کا اجماع ہوگیا (۳) عمدۃ القاری شرح بخاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ میں ہے **وروی الحارث ابن عبدالرحمٰن ابن ابی زباب عن السائب ابن یزید قال کان القیام علی عھد عمر بثلث وعشرین رکعته قال ابن عبداللہ ھذا محمول علی ان الثلث للوتر** اس سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام کے زمانہ میں بیس رکعت تراویح اور تین وتر پر عمل تھا (۴) اسی عمدۃ القاری میں جلد پنجم صفحہ ۳۰۷ اسی جگہ ہے **کان عبداللہ ابن مسعود یصلی بنا فی شھر رمضان فینصرف وعلیه لیل قال الاعمش کان یصلی عشرین رکعته۔** (۵) اسی عمدۃ القاری جلد پنجم صفحہ ۳۵۵ میں ہے۔

قال ابن عبدالبر وھو قول جمھور العلماء وبه قال الکوفیون والشافعی واکثر الفقھاء وھو الصحیح عن کعب من غیر خلاف من الصحابه۔

یعنی ابن عبدالبر نے فرمایا کہ بیس رکعت تراویح عام علماء کا قول ہے اسی کے اہل کوفہ اور امام شافعی اور اکثر فقہاء قائل ہیں اور یہ ہی حضرت ابی ابن کعب سے مروی ہے اس میں کسی صحابی کا اختلاف نہیں (۶) ملا علی قاری نے شرح نقایہ میں فرمایا

فصارا اجماعاً لما روی البیھقی باسناد صحیح انھم کانوا یصلون علی عھد عمر بعشرین رکعته وعلی عھد عثمان وعلی۔

صحابہ کرام حضرات عمر وعثمان وعلی رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں بیس تراویح پڑھتے تھے لہذا اس پر اجماع ہوگیا۔(۷) مولوی عبدالحیٔ صاحب نے اپنے فتاویٰ جلد اول صفحہ ۱۸۲ میں علامہ ابن حجر مکی ہیتمی کا قول نقل فرمایا **اجماع الصحبته علی ان التراویح عشرون رکعته** یعنی صحابہ کرام کا بیس تراویح پر اجماع ہے (۸) عمدۃ القاری شرح بخاری جلد پنجم صفحہ ۲۵۷ میں ہے

واما القائلون به من التابعین فشبر ابن شکل وابن ابی ملیکته والحارث الھمدانی وعطاء ابن ابی رباح وابو البختری وسعید ابن ابی الحسن البصری اخو الحسن وعبدالرحمن ابن ابی بکر وعمر ان العبدی۔

ان عبارات سے معلوم ہوا کہ صحابہ کرام تابعین وتبع تابعین وفقہاء محدثین کا بیس رکعت تراویح پر اتفاق ہے۔ان میں سے نہ کسی نے آٹھ تراویح پڑھیں نہ اس کا حکم دیا۔

لطیفہ:۔غیر مقلد دراصل اپنی خواہش نفس کے مقلد ہیں اس لئے انہیں اہل ہوا یعنی ہوا پرست کہا جاتا ہے۔جس میں نفس کو آرام ملے وہ ہی اُن کا مذہب۔ہم ان کے آرام وہ مسائل دکھاتے ہیں مسلمان دیکھیں اور عبرت پکڑیں (۱) دو مٹکے پانی کبھی گندا نہیں ہوتا لہذا کنواں کتنا ہی پلید ہوجائے اس کا پانی پیے جاؤ (۲) سفر میں چند نمازیں ایک وقت میں پڑھ لو۔روافض کی طرح کون بار بار اترے اور پڑھے ریل میں بہت بھیڑ ہوتی ہے (۳) عورتوں کے زیورات پر کوئی زکوٰۃ نہیں ہاں جناب کیوں ہو اس میں خرچ جو ہوتا ہے (۴) تراویح صرف آٹھ رکعت پڑھ کر آرام کرو۔ہاں صاحب نماز نفس پر گراں ہے (۵) وتر صرف ایک رکعت پڑھ کر سو رہو کیوں نہ ہو جلد نماز سے چھٹکارا اچھا (۴) ایک بار تین طلاق دے دو۔صرف ایک ہی واقع ہوگی۔دوبارہ رجوع ہوسکتا ہے کیوں نہ ہو اس میں آسانی ہے غرضکہ جس میں

آرام دہ یاروں کا دین ایمان۔

لطیفہ:۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں ہے کہ حضور علیہ السلام اور ابوبکر صدیق کے زمانہ میں تین طلاق ایک ہی ہوتی تھی۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس میں جلدی پیدا کردی لہذا اب اس سے تین طلاق ہی واقع ہونی چاہئیں۔ آرام طلب غیر مقلدین لے اڑے کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہی ہوتی ہے ان اللہ کے بندوں نے یہ نہ سوچا کہ کیا عمر رضی اللہ عنہ خلاف سنت حکم کر سکتے ہیں اور پھر لطف یہ ہے کہ آپ نے یہ قانون بنادیا اور کسی صحابی نے مخالفت نہ کی۔ بات صرف یہ تھی کہ زمانہ نبوی میں بعض لوگ یوں کہہ دیتے تھے تجھے طلاق ہے طلاق طلاق اور آخر میں دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کرتے تھے جیسے کوئی کہے میں کل جاؤں گا کل کل۔ میں روٹی کھاؤں گا روٹی روٹی۔ اب بھی اگر کوئی اس نیت سے یہ الفاظ بولے تو عند اللہ ایک ہی طلاق واقع ہوگی۔ زمانہ فاروقی میں لوگ تین طلاقیں ہی دینے لگے۔ چونکہ عمل بدل گیا حکم بھی بدل گیا تب آپ نے یہ حکم نافذ فرمایا۔ اس مسئلہ کی نہایت ہی نفیس تحقیق ہماری تفسیر جلد دوم آیت الطلاق مرتان (پارہ ۲ سورہ ۲ آیت نمبر ۲۲۹) کی تفسیر میں دیکھو جہاں بہت سی احادیث سے ثابت کیا ہے کہ ایک دم تین طلاقیں تین ہی ہوتی ہیں۔

دوسرا باب

بیس تراویح پر اعتراضات و جوابات

اعتراض (۱)......:۔ مشکوۃ باب قیام شہر رمضان اور موطا امام مالک میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ اور تمیم داری کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو گیارہ رکعتیں پڑھائیں ثابت ہوا کہ آٹھ رکعت تراویح ہے باقی وتر۔

(موطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں اولاً یہ کہ یہ حدیث مضطرب ہے اور مضطرب سے دلیل نہیں پکڑی جاسکتی کیونکہ اس کے راوی محمد ابن یوسف ہیں موطا میں تو ان سے گیارہ کی روایت ہے اور محمد ابن نصر مروزی نے انہیں محمد ابن یوسف سے بطریق محمد اسحاق تیرہ رکعت کی روایت کی اور محدث عبد الرزاق نے انہیں محمد ابن یوسف سے دوسری اسناد سے اکیس رکعت نقل کیں۔ اس کی تحقیق کے لئے دیکھو فتح الباری شرح بخاری جلد چہارم صفحہ ۱۸۰ مطبوعہ مطبع خیریہ مصر۔ ایک ہی راوی کے بیانات میں اس قدر تضاد اور اختلاف ہے اس کو اضطراب کہتے ہیں لہذا یہ تمام روایات غیر معتبر ہیں اس سے استدلال غلط ہے دوسرے یہ کہ اگر یہ حدیث آپ کے نزدیک صحیح ہے تو اس سے تراویح آٹھ رکعت ثابت ہوئیں مگر وتر تین رکعت کہیے آپ وتر ایک رکعت کیوں پڑھتے ہیں؟ آپ کے قول پر تو ۹ رکعتیں ہونی چاہئیں کیا ایک ہی حدیث کا آدھا حصہ مقبول اور آدھا غیر مقبول۔ تیسرے یہ کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں اولاً آٹھ تراویح کا حکم دیا گیا۔ پھر بارہ کا پھر آخر میں بیس پر قرار ہوا۔ کیونکہ مشکوۃ باب قیام شہر رمضان میں اسی حدیث کے بعد ہے وکان القاری یقرا سورۃ البقرۃ فی ثمان رکعات واذا قام بھا فی ثنتی عشرۃ رکعۃ رای الناس انہ قد خفف یعنی قاری آٹھ رکعت میں سورۃ بقرہ پڑھتا تھا اور جب بارہ رکعت میں یہ سورۃ پڑھتا تو لوگوں کو ہلکا پن محسوس ہوتا۔

(موطا امام مالک کتاب الصلاۃ فی رمضان باب الترغیب فی الصلاۃ فی رمضان ج ۱ ص ۱۱۵ رقم الحدیث ۲۵۳ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

اس حدیث کے ماتحت مرقاۃ میں ہے۔

نعم ثبت العشرون فی زمن عمر و فی الموطا روایتہ باحدی عشرۃ و جمع بینھما انہ وقع اولا ثم

استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث۔

یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار ہوا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی ہیں لہذا بیس رکعت پڑھا کرو۔

اعتراض (۲)......۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابو سلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا ما كان رسول الله ﷺ يزيد فی رمضان وفی غيره علی احدی عشر رکعات۔

(صحیح البخاری کتاب التہجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ ج اص ۱۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر بیس رکعت پڑھنا بدعت سیہ ہے۔

جواب:۔ اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ وہ صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لئے باب باندھا باب ماجاء فی وصف صلوة النبی ﷺ باللیل۔ (سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۰۲ رقم الحدیث ۴۳۹ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت) معلوم ہوا کہ یہ صلوۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے۔ جسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یازدہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گزارد۔ دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ ہیشگی بدعت سیہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

اذان سے قبل درود وسلام کا ثبوت

اذان سے پہلے درود وسلام پڑھنا مستحب ہے پڑھنے والے کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔اگر کوئی اذان سے پہلے درود سلام نہیں پڑھتا تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ فرض واجب نہیں مستحب ہے لیکن جو پڑھتے ہیں اس کو بدعتی نہ کہنا چاہئے اس لئے کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

یایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً۔

ترجمہ: اے ایمان والو تم بھی اس نبی ﷺ پر درود اور سلام خوب بھیجو۔

(سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ رکوع ۴)

یہ آیت کریمہ مطلق وعام ہے اس میں کسی قسم کی قید وتخصیص نہیں ہے یعنی یہ نہیں فرمایا گیا کہ بس فلاں وقت میں ہی پڑھا کرو یا فلاں وقت میں درود وسلام نہ پڑھا کرو بلکہ مطلق رکھا تا کہ تمام ممکن اوقات کو شامل رہے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انه تعالیٰ لم یوقت ذلك لیشمل سائر الاوقات۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس امر صلوٰۃ کا وقت معین نہیں کیا تا کہ تمام اوقات کو شامل رہے۔

(شرح شفا للقاری ج ۳ ص ۴۴۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے:

فی صلوتکم ومساجدکم وفی کل موطن۔

ترجمہ: یعنی اپنی نمازوں اور مسجدوں اور ہر مقام میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھو۔

(جلاء الافہام ص ۲۵۲)

زکریا کاندھلوی دیوبندی لکھتے ہیں۔

جن اوقات میں بھی (درود شریف) پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے۔

(تبلیغی نصاب فضائل درود شریف ص ۶۷)

لہٰذا مطلقاً یہ جگہ اور ہر وقت میں نبی کریم ﷺ پر درود وسلام پڑھنا جس میں اذان کا مقام بھی داخل ہے کلام الٰہی عزوجل سے مامور و ثابت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بنی النجار قالت ثم کان بیتی من اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن الیه الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ثم ینظر الی الفجر فاذا رآہ تمطی ثم قال اللهم انی احمدك واستعینك علی قریش ان یقیموا دینك قالت ثم یؤذن قالت واللہ ما علمته کان ترکها لیلة واحدۃ هذہ الکلمات۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون فرماتی ہیں کہ میرا گھر مسجد مبارک کے ارگرد والے اونچے مکانوں سے تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر صبح کی اذان کہتے تھے صبح صادق سے پہلے آتے اور اس کی چھت پر بیٹھ کر وقت کا انتظار کرتے جب صبح صادق ہو جاتی تو کھڑے ہو کر کہتے اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے قریش پر مدد چاہتا ہوں کہ وہ

حاشیہ.....☆

یصلون عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو کہ حضرت علی حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضور ﷺ کے دیگر اصحاب سے مروی ہے اور یہی (کبار تابعین) سفیان ثوری عبداللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اپنے شہر مکہ میں (اہل علم کو) بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

(سنن الترمذی کتاب الصوم ج ۳ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۸۰۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۴ رقم الحدیث ۷۶۹۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۱ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۶۵۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاہرۃ مصر)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا احمد بن یحییٰ الحلوانی قال حدثنا علی بن الجعد قال حدثنا ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان عن الحکم بن عتیبۃ عن مقسم عن بن عباس ثم ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(طبرانی اوسط ج ۱ ص ۲۴۳ رقم الحدیث ۷۹۸ مطبوعہ دارالحرمین القاہرہ مصر)، (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۳ رقم الحدیث ۱۲۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۱۷۲ مطبوعہ دارالکتاب العربی بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۴۰ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

امام عبدالرزاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علی عھد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنا فروع الفجر وکان القیام علی عھد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثۃ وعشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور (بشمول وتر) تیئس ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۴ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۷۷۳۳ المکتب الاسلامی بیروت)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقراون بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں شدت قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۷)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند مسائل پر مختصر

و

مدلل تحقیق

تصنیف و تالیف

علامہ سعید اللہ خان قادری

حاشیہ......☆

۔ مہ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی واحب الی اذا کانوا جماعۃ ان یصلوا عشرین رکعۃ۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۵)

۔ مہ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بھم عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۰۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح حضور ﷺ کی سنت مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصاً خلفاء راشدین کی سنت مبارک ہے جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عن عرباض بن ساریۃ...... فعلیکم بسنتی وسنۃ الخلفاء الراشدین المھدیین عضوا علیھا بالنواجذ و ایاکم والامور المحدثات فان کل بدعۃ ضلالۃ۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ سے ایک طویل روایت میں ہے......پس تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین المھدیین کی سنت کو پکڑ لینا لازم ہے اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ برقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۷۶۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ برقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۶۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دبئی)، (سنن کبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید و السنن ابن کثیر ج ۹ ص ۲۴۰۵ تا ۲۴۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔۶۴۷۵۔۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)۔ (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غیر مقلدین جو آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور اس پر بڑے ضرور دیتے ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت پیش کرتے ہیں کہ:

ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی ولا فی غیرہ علی احدی عشرہ رکعۃ۔

ترجمہ: یعنی کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہیں کرتے تھے۔

یہ استدلال درست نہیں اس لئے مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں ایسی نماز کا ذکر فرما رہی ہیں جو رمضان شریف میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ اور تراویح تو صرف رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں تراویح کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں۔ بلکہ تہجد کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے۔ اور تین وتر۔

ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائے گا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب:۔ الحمدللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکر پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بار الف مرۃ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے طلاق کونسا ثواب کا کام ہے۔ تاکہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اس میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وصلی اللہ تعالی علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا ومولنا محمد واله واصحبه اجمعین برحمته وھو ارحم الراحمین۔

احمد یار خاں غفرلہ ولابیہ ومرشدہ بدایونی

مقیم گجرات پاکستان

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہونگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات وجوابات۔

مقدمہ:۔ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر عورت کو بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگر چہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخیری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور کاس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیئے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑجائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہو چکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃً طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔ (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خلوت ہو چکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہرحال طلاقیں تین ہی واقع ہونگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ وشافعی ومالک واحمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہرین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فان طلقها فلا تحل له (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰) ہے

والمعنى فان ثبت طلاقها ثلاثاً فى مرة او مرات فلا تحل (الايه) كما اذا قال لها انت طالق ثلثاً او البته وهذا هو المجمع عليه۔

یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہرحال حرام ہوجائے گی۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۰۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے۔

وقد اختلف العلمآء فى من قال لامراء ته انت طالق ثلثاً فقال الشافعى ومالك وابو حنيفته واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلث وقال طاء وس بعض اهل الظاهر يقول لايقع بذلك الا واحدة۔

(شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کورد کر دیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب:۔ افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کی ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وحديث نافع ابن عجير وعبدالله ابن علي ابن يزيد ابن ركانه عن ابيه عن جده ان ركانه طلق امراء ته البتة فردها النبي ﷺ اصح لانهم ولد الرجل واهله اعلم به ان ركانته انما طلق امراء ته البتته وجعلها النبي ﷺ واحدة۔

(بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ ج ۲ ص ۱۸۶ رقم الحدیث ۲۱۹۶ مطبوعہ دارابن حزم بیروت)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آٹھ روائتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روائتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وهذا الاسناد لاتقوم به الحجته مع ثمانيته ورد عن عباس فافتاه بخلف ذلك ومع روايت اولاد ركانه ان طلاق ركانه كان واحدة وبالله التوفيق۔

(بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے۔

واما الرواية التي رواها المخالفون ان ركانه طلقها ثلثا فجعلها واحدة فروايته ضعيفته عن قوم مجهولين وانما الصحيح منها ما قدمناه انه طلقها البتته ولفظ البتته محتمل للواحدة وللثلث و لعل صاحب هذا الروايته الضعيفته اعتقد ان لفظ البتته ثلاث افرواه بالمعنى الذى فهمه وغلط فى ذالك۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض (۴)......:۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دیں تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب:۔ یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔

عن نافع عن عبدالله انه طلق امراء ة له وهي حائض تطليقة واحدة فامره رسول الله ﷺ ان يراجع

فان طلقها الی طلقته ثالثه سواء وقع الاثنتان فی مرة او مرتین والمعنی فان ثبت طلاقها ثلثا فی مرة او مرات فلا تحل۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۷ امطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں۔

کما اذا قال لها انت طالق ثلثا او البته وهذا هو الجمع علیه۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۲۷ امطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالیٰ فرماتا ہے۔

ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لاتدری لعل الله یحدث بعد ذلك امرا۔

(پارہ ۲۸ سورہ طلاق آیت نمبر ۱)

یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے۔

واحتج الجمهور بقوله تعالی ومن یتعد حدود الله فقد ظلم نفسه الخ قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونته فلو کانت الثلث لم تقع طلاقه هذا الا رجعیا فلا یندم۔

ترجمہ: وہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ امطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خثعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

لولا انی سمعت جدی وحدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امراته ثلثاً عند الاقراء او ثلثاً مبهمته لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۶ رقم الحدیث ۱۴۷۴۸ امطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔

قال جآء رجل الی علی رضی الله عنه فقال طلقت امراتی الفاً قال ثلث تحرمها علیك واقسم سائرهن بین نساء لك۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۸ امطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)،
(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطلاق باب فی الرجل یطلق امراته مائة اوالفاً فی قول واحد ج ۴ ص ۱۲ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

چاہئیں۔ ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مرتان علیحدگی بتا رہا ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے الطلاق ای التطلیق الذی یراجع بعده مرتین دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فارجع البصر کرتین (پارہ ۲۹ سورہ ۶۷ آیت نمبر ۴) آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہ ہی کہتے ہیں کہ بے شک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

اعتراض (۲)......:۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عهد رسول الله ﷺ وابی بکر وثنتین من خلافت عمر طلاق الثلاث واحدة۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصحباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے۔

ان اباالصحبآء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدة علی عهد النبی ﷺ وابی بکر وثلثاً من امارة عمر فقال ابن عباس نعم۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ:۔ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر اعتراض نہ کرنا با آواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے۔ جس سے خلوت نہ ہوئی اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایکدم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعة بعد التطلیقات الثلث میں ہے کہ ابو صحباء نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں

الجوزاء۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وما ورد فی خلاف ذلک ج ۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب من طلق ثلثا فی مجلس واحد میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایکدم دیدیں۔ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے۔

قالت طلقنی زوجی ثلثا وهو خارج الی الیمن فاجاز ذلك رسول الله ﷺ۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق من طلاق ثلاثا فی مجلس واحد ج ۲ ص ۵۰۷ رقم الحدیث ۲۰۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(سنن الدار قطنی کتاب الطلاق ج ۲ جز ۴ ص ۱۰ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی المطلقۃ ثلاثا لها السکنی والنفقۃ ام الا؟ ج ۲ ص ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)۔(مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی بس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے۔

عن عبدالله ابن علی ابن یزید ابن رکانته عن ابیه عن جده انه طلق امراته البتة فاتی رسول الله ﷺ فسئله فقال ما اردت بها قال واحدة قال او الله ما اردت بها الا واحدة قال والله ما اردت بها الا واحدة قال فردها الیه۔

(ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)،(جامع المسانید لابن کثیر ج ۳۲ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۲۸۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اگر ایک دم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا انت طالق طالق طالق اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ما اشرف هذا الحدیث یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت) ابوداؤد نے فرمایا ہے هذا اصح من حدیث ابن جریج یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریج زیادہ صحیح ہے (سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) (۱۳) امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عباس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دیدے۔اس کا کیا حکم ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کردیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔عبارت یہ ہے۔

عن محمد ابن ایاس ان ابن عباس وابا هریرة وعبدالله ابن عمرو ابن العاص سئلوا عن البکر وطلقها زوجها ثلثا قال لاتحل له حتی تنکح زوجا غیره وروی ملك عن یحی ابن سعید عن بکیر ابن اشج عن معاویته ابن ابی عیاش انه شهد هذه القصته۔

(سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث ج ۲ ص ۴۵۰ رقم الحدیث ۲۱۹۸ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)،(مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۳ رقم الحدیث ۱۱۱۲۲،۱۱۱۱۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)،(شرح معانی الآثار کتاب الطلاق ج ۲ جز ۳ ص ۵۷ رقم الحدیث ۴۴۷۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

(۱۴) بیہقی نے بسام صیرفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہوجائے گی۔

الجوزاء۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب من جعل الثلاث واحدۃ وماورد فی خلاف ذلک ج ۷ ص ۳۳۷ رقم الحدیث ۱۴۷۵۷ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)

(۱۱) ابن ماجہ شروع ابواب الطلاق باب من طلق ثلثا فی مجلس واحد میں ہے کہ فاطمہ بنت قیس فرماتی ہیں کہ مجھے میرے شوہر نے یمن جاتے وقت تین طلاقیں ایکدم دیدیں۔ ان تینوں کو حضور ﷺ نے جائز رکھا عبارت یہ ہے۔

قالت طلقنی زوجی ثلثا وھو خارج الی الیمن فاجاز ذلک رسول اللہ ﷺ۔

(سنن ابن ماجہ کتاب الطلاق من طلاق ثلاثا فی مجلس واحد ج ۲ ص ۵۰۷ رقم الحدیث ۲۰۲۴ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدار قطنی کتاب الطلاق ج ۲ جز ۴ ص ۱۰ رقم الحدیث ۳۸۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (سنن الدارمی کتاب الطلاق باب فی المطلقۃ ثلاثا لھا السکنی والنفقۃ ام لا؟ ج ۲ ص ۱۳۶ رقم الحدیث ۲۲۷۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد ج ۶ ص ۴۱۱ مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت)

(۱۲) حاکم ابن ماجہ ابوداؤد نے عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا میرے دادا رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی۔ پھر وہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوئے اور حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال کیا اور عرض کیا کہ میں نے ایک کی نیت کی تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کیا اللہ کی قسم تم نے ایک ہی کی نیت کی تھی۔ عرض کیا قسم ہے رب کی میں نے نہ نیت کی مگر ایک کی بس حضرت محمد ﷺ نے ان کی بیوی کو ان پر واپس فرمادیا چنانچہ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں ہے۔

عن عبداللہ ابن علی ابن یزید ابن رکانۃ عن ابیہ عن جدہ انہ طلق امراتہ البتۃ فاتی رسول اللہ ﷺ فسئلہ فقال ما اردت بھا قال واحدۃ قال او اللہ ما اردت بھا الا واحدۃ قال واللہ ما اردت بھا الا واحدۃ قال فردھا الیہ۔

(ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع المسانید لابن کثیر ج ۳۲ ص ۱۱۱ رقم الحدیث ۲۸۴۵ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اگر ایکدم تین طلاقوں سے ایک ہی طلاق ہوتی تو حضور علیہ السلام حضرت رکانہ سے اس نیت کی قسم کیوں لیتے انہوں نے کہا تھا انت طالق طالق طالق اور آخری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی تھی۔ اس لئے اسے ایک قرار دیا گیا یہ روایت نہایت صحیح قابل اعتماد ہے۔ چنانچہ ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ **ما اشرف ھذا الحدیث** یہ حدیث کیا ہی شریف الاسناد ہے (ابن ماجہ باب طلاق البتۃ ج ۱ ص ۶۶۱ رقم الحدیث ۲۰۵۱ مطبوعہ دار الفکر بیروت) ابوداؤد نے فرمایا ہے **ھذا اصح من حدیث ابن جریح** یہ روایت بمقابلہ روایت ابن جریح زیادہ صحیح ہے (سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب فی البتۃ ج ۲ ص ۲۶۳ رقم الحدیث ۲۲۰۸ مطبوعہ دار الفکر بیروت) (۱۳) امام مالک وشافعی وابوداؤد وبیہقی میں بروایت معاویہ ابن ابی عیاس ہے کہ کسی نے حضرت ابوہریرہ اور عبداللہ ابن عباس سے پوچھا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو ایکدم تین طلاقیں دیدے۔ اس کا کیا حکم ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک طلاق اسے جدا کردیگی اور تین حرام کہ بغیر حلالہ نکاح درست نہ ہوگا۔ عبداللہ ابن عباس نے اس کی تاکید فرمائی۔ عبارت یہ ہے۔

عن محمد ابن ایاس ان ابن عباس وابا ھریرۃ وعبداللہ ابن عمرو ابن العاص سئلوا عن البکر وطلقھا زوجھا ثلثا قال لاتحل لہ حتی تنکح زوجا غیرہ وروی ملک عن یحی ابن سعید عن بکیر ابن اشج عن معاویۃ ابن ابی عیاش انہ شھد ھذہ القصتہ۔

(سنن ابوداؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیق الثلث ج ۲ ص ۲۵۰ رقم الحدیث ۲۱۹۸ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)، (مصنف عبدالرزاق ج ۶ ص ۲۶۲-۲۶۳ رقم الحدیث ۱۱۱۱۵، ۱۱۱۲۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح معانی الآثار کتاب الطلاق ج ۲ جز ۳ ص ۵۷ رقم الحدیث ۴۲۷۹ مطبوعہ عالم الکتب بیروت)

(۱۴) بیہقی نے بسام صیرفی سے روایت کی کہ جعفر ابن محمد فرماتے ہیں کہ جو کوئی اپنی بیوی کو نادانی سے یا جان بوجھ کر تین طلاقیں دیدے وہ عورت اس پر حرام ہوجائے گی۔

چاہئیں۔ ایکدم تین طلاقیں الگ الگ کہاں ہوئیں۔ مرتان علیحدگی بتارہا ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس آیت کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ایکدم تین طلاقیں ایک ہی ہوں گی بلکہ مقصد یہ ہے کہ طلاق رجعی دو طلاقیں ہیں۔ الطلاق میں الف لام عہدی ہے پھر فرمایا کہ جو کوئی دو سے زیادہ یعنی تین دے۔ تو بغیر حلالہ اسے عورت حلال نہیں۔ تفسیر احمدی وصاوی وجلالین میں ہے الطلاق ای التطلیق الذی یراجع بعدہ مرتن دوسرے یہ کہ اگر مان لیا جاوے کہ مرتان سے تین طلاقوں کی علیحدگی مراد ہے تو یہ کہنا کہ تجھے طلاق طلاق ہے طلاق ہے اس میں بھی طلاقوں کی لفظاً علیحدگی ہے اور یہ کہنا کہ تجھے تین طلاقیں ہیں اس میں عددی علیحدگی کے بعد کیسے عدد بنے گا؟ آیت کا یہ مطلب کہاں سے نکالا گیا کہ طلاقوں کے درمیان ایک حیض کا فاصلہ ہونا شرط ہے رب تعالیٰ فرماتا ہے فارجع البصر کرتین (پارہ ۲۹ سورہ ۶۷ آیت نمبر ۴) آسمان کو بار بار دیکھو اس کا یہ مطلب نہیں کہ مہینہ میں ایک ہی بار دیکھ لیا کرو تیسرے یہ کہ تمہاری تفسیر سے بھی آیت کا یہ مطلب بنے گا کہ طلاقیں الگ الگ ہونی چاہئیں ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ بے شک ایکدم طلاقیں دینا سخت منع ہے۔ الگ الگ ہی دینا ضروری ہے مگر سوال تو یہ ہے کہ جو کوئی حماقت سے ایک دم تین طلاقیں دیدے تو واقع بھی ہونگی یا نہیں اس سے آیت ساکت ہے۔

اعتراض (۲).......:۔ مسلم شریف کتاب الطلاق میں عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی بلکہ شروع عہد فاروقی میں بھی حکم یہ تھا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہوں گی عبارت یہ ہے۔

عن ابن عباس قال کان الطلاق علی عھد رسول اللہ ﷺ وابی بکر وسنتین من خلافت عمر طلاق الثلاث واحدۃ۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

نیز اسی مسلم میں اسی جگہ ہے کہ ابو الصحباء نے حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی میں تین طلاقیں ایک مانی جاتی تھیں انہوں نے فرمایا ہاں عبارت یہ ہے۔

ان اباالصحبآء قال لابن عباس اتعلم انما کانت الثلث تجعل واحدۃ علی عھد النبی ﷺ وابی بکر وثلثاً من امارۃ عمر فقال ابن عباس نعم۔

(صحیح مسلم کتاب الطلاق طلاق الثلاث ص ۵۶۰ رقم الحدیث ۱۴۷۲ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

ان حدیثوں سے صراحتاً معلوم ہوا کہ ایک دم تین طلاقیں ایک ہیں۔

نوٹ:۔ غیر مقلدوں کا یہ انتہائی اعتراض ہے۔

جواب:۔ اس کے چند جواب ہیں۔ ایک یہ کہ یہ حدیث منسوخ ہے کیونکہ سیدنا ابن عباس ہی کی تو یہ روایت ہے اور خود ان ہی کا یہ فتویٰ ہے کہ ایک دم تین طلاقیں۔ تین طلاقیں ہی ہوں گی۔ جس کا ذکر پہلے باب میں ہو چکا اور جہاں راوی حدیث کا عمل اپنی روایت کے خلاف ہو وہاں معلوم ہوگا کہ اس راوی کے علم میں یہ حدیث منسوخ ہے، نیز صحابہ کرام کی موجودگی میں حضرت عمر فاروق کا یہ قانون بنا دینا کہ ایکدم تین طلاقیں تین ہی ہوں گی اور اس پر عمل درآمد ہو جانا اور کسی صحابی بلکہ خود سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا اس پر اعتراض نہ کرنا با آواز بلند خبر دیتا ہے کہ وہ حدیث یا منسوخ ہے یا ماول۔ کیا صحابہ کرام حدیث کے خلاف اجماع کر سکتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اس حدیث میں اس عورت کو طلاق دینا مراد ہے جس سے خلوت نہ ہوئی اور واقعی اگر کوئی شخص اپنی ایسی بیوی کو تین طلاقیں ایکدم اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے طلاق ہے تو اول ہی واقع ہوگی اور اخیر کی دو طلاقیں لغو۔ چنانچہ ابوداؤد کتاب الطلاق باب نسخ المراجعۃ بعد التطلیقات الثلث میں ہے کہ ابو صحباء نے عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ آپ کو خبر نہیں کہ زمانہ نبوی اور زمانہ صدیقی اور شروع خلافت فاروقی میں جو کوئی اپنی بیوی کو تین طلاقیں

فان طلقها الی طلقته ثالثه سواء وقع الاثنتان فی مرة او مرتین والمعنی فان ثبت طلاقها ثلثا فی مرة او مرات فلا تحل۔

(تفسیر صاوی ج ا ص ۱۲۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ اگر تین طلاقیں دیں تو واقع ہو جائیں گی خواہ ایک دم دے یا الگ الگ عورت حلال نہ رہے گی آگے فرماتے ہیں۔

کما اذا قال لها انت طالق ثلثا او البته وهذا هو الجمع علیه۔

(تفسیر صاوی ج ا ص ۱۲۷ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

یعنی اگر کوئی شخص یوں کہہ دے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تین ہی واقع ہو جائیں گی اس پر امت حضرت محمد ﷺ کا اتفاق ہے اسی طرح اور تفاسیر میں بھی ہے۔

(۲) رب تعالٰی فرماتا ہے۔

ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسه لاتدری لعل اللہ یحدث بعد ذلك امرا۔

(پارہ ۲۸ سورہ طلاق آیت نمبر ا)

یعنی جو کوئی اللہ کی حدیں توڑے کہ ایک دم تین طلاقیں دیدے تو اپنی جان پر ظلم کرتا ہے کیونکہ کبھی انسان طلاق دے کر شرمندہ ہوتا ہے اور رجوع کرنا چاہتا ہے اگر تین طلاقیں ایک دم دیدیگا تو رجوع نہ کر سکے گا اس آیت میں یہ نہ فرمایا کہ ایک دم تین طلاقیں دینے والے کی واقع نہ ہوں گی بلکہ فرمایا یہ گیا کہ ایسا آدمی ظالم ہے اگر اس سے طلاق ایک واقع ہوتی تو یہ ظالم کیسے ہوتا؟ نووی شرح مسلم باب الطلاق الثلث میں ہے۔

واحتج الجمهور بقوله تعالی ومن یتعد حدود اللہ فقد ظلم نفسه الخ قالوا معناه ان المطلق قد یحدث له ندم فلا یمکنه تدارکه لوقوع البینونته فلو کانت الثلث لم تقع طلاقه هذا الا رجعیا فلا یندم۔

ترجمہ: وہی ہے جو ہم اوپر عرض کر چکے ہیں۔

(شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ جز ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت)

(۳) بیہقی اور طبرانی میں سوید ابن غفلتہ سے روایت ہے کہ حضرت امام حسن ابن علی رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی عائشہ خشعمیہ کو ایک دم تین طلاقیں دے دیں۔ بعد میں خبر ملی کہ وہ امام حسن کے فراق میں بہت روتی ہیں تو آپ رو پڑے اور فرمانے لگے کہ اگر میں نے اپنے والد سیدنا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے نہ سنا ہوتا کہ جو کوئی اپنی بیوی کو الگ الگ یا ایک دم تین طلاقیں دیدے تو وہ عورت بغیر حلالہ اسے جائز نہیں تو میں ضرور رجوع کر لیتا حدیث کے آخری الفاظ یہ ہیں۔

لولآ انی سمعت جدی وحدثنی ابی انه سمع جدی یقول ایما رجل طلق امراءته ثلثاً عند الاقراء اوثلثاً مبهمته لم تحل له حتی تنکح زوجا غیره۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۶ رقم الحدیث ۱۴۷۳۸ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

اس سنن کبریٰ بیہقی میں حبیب ابن ابی ثابت کی روایت سے ہے۔

قال جآء رجل الی علی رضی اللہ عنه فقال طلقت امراءتی الفاً قال ثلث تحرمها علیك واقسم سائرهن بین نساء ك۔

(سنن کبریٰ للبیہقی کتاب الخلع والطلاق باب ماجاء امضاء الطلاق الثلاث وان کن مجموعات ج ۷ ص ۳۳۵ رقم الحدیث ۱۴۷۳۸ مطبوعہ مکتبہ دارالباز مکۃ المکرمۃ)،
(مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الطلاق باب فی الرجل یطلق امراته مائۃ اوالفاً فی قول واحد ج ۴ ص ۱۲ رقم الحدیث ۵ مطبوعہ دارالفکر بیروت)

اگر اکٹھی تین طلاقیں تین ہی واقع ہوتیں تو رجوع ناممکن تھا وہاں تو حلالہ کی ضرورت درپیش آتی معلوم ہوا کہ ایک طلاق باقی رکھی گئی اور دو کو رد کر دیا گیا حالانکہ خود ابورکانہ عرض کر رہے ہیں کہ میں نے تین طلاقیں دی ہیں۔ یہاں تاکید کا احتمال نہیں اور پھر بھی ایک ہی مانی گئی۔

جواب:۔ افسوس کہ معترض نے ابوداؤد اور بیہقی کی آدھی روایت نقل کی آگے اس اعتراض کا نہایت نفیس جواب وہاں ہی دیا گیا ہے جسے معترض چھوڑ گیا۔ اس جگہ ابوداؤد بیہقی میں ہے کہ نافع ابن عجیر اور عبداللہ بن علی ابن یزید ابن رکانہ نے اپنے دادا رکانہ سے روایت کی کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق بتہ دی تھی لہذا حضور نے ان کی بیوی کی ان کی طرف واپس کر دیا۔ یہ حدیث دیگر احادیث سے صحیح ہے کیونکہ اس کا بیٹا اور اس کے گھر والے اس کے حالات سے بمقابلہ غیروں کے زیادہ واقف ہوتے ہیں رکانہ کے پوتے تو فرماتے ہیں کہ میرے دادا نے میری دادی کو طلاق بتہ دی اور دیگر حضرات فرماتے ہیں کہ طلاقیں تین دیں۔ لامحالہ پوتے کی روایت زیادہ صحیح ہوگی عبارت یہ ہے۔

وحديث نافع ابن عجير وعبدالله ابن على ابن يزيد ابن ركانه عن ابيه عن جده ان ركانه طلق امراء ته البتة فردها النبى ﷺ اصح لانهم ولد الرجل واهله اعلم به ان ركانته انما طلق امراء ته البتته وجعلها النبى ﷺ واحدة۔

(بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)، (سنن ابوداؤد باب نسخ المراجعۃ ... ج ۲ ص ۲۰۶ رقم الحدیث ۲۱۹۶ مطبوعہ دار ابن حزم بیروت)

خلاصہ یہ کہ تین طلاق والی روایات سب ضعیف ہیں بلکہ امام بیہقی نے اسی جگہ فرمایا ہے کہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آٹھ روائتیں اس کے خلاف ہیں اور پھر رکانہ کی اولاد سے بھی طلاق بتہ کی روایت ہے بتاؤ کہ تین طلاقوں والی ایک روایت معتبر ہوگی یا طلاق بتہ والی آٹھ اور ایک نو روائتیں بیہقی کی عبارت یہ ہے۔

وهذا الاسناد لاتقوم به الحجته مع ثمانيته ورد عن عباس فافتاه بخلف ذلك ومع روايت اولاد ركانه ان طلاق ركانه كان واحدة وبالله التوفيق۔

(بیہقی سنن کبری ج ۷ ص ۳۳۹ مطبوعہ مکتبۃ دارالباز مکۃ المکرمۃ)

ہم پہلے باب میں عرض کر چکے ہیں کہ ابورکانہ نے بارگاہ نبوی میں عرض کیا تھا کہ یا حبیب اللہ میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی اور نبی ﷺ نے اس پر قسم بھی لی تھی تب انہیں رجوع کا حکم دیا۔ امام نووی نے فرمایا کہ ابورکانہ کی تین طلاقوں کی روایت ضعیف ہے اور مجہول لوگوں سے مروی ہے۔ ان کی طلاق کے متعلق صرف وہی روایت صحیح ہے جو ہم بیان کر چکے ہیں کہ انہوں نے طلاق بتہ دی تھی۔ اور لفظ بتہ میں ایک کا بھی احتمال ہوتا ہے اور تین کا بھی۔ شاید تین طلاق کے ضعیف راوی نے سمجھا کہ بتہ تین طلاق کو کہتے ہیں۔ اس لئے بجائے بتہ کے تین کی روایت بالمعنی کر گیا۔ جس میں اس نے سخت غلطی کی عبارت یہ ہے۔

واما الرواية التى رواها المخالفون ان ركانه طلقها ثلثا فجعلها واحدة فروايته ضعيفته عن قوم مجهولين وانما الصحيح منها ما قدمناه انه طلقها البتته ولفظ البتته محتمل للواحدة وللثلث و لعل صاحب هذا الروايته الضعيفته اعتقد ان لفظ البتته ثلآث افرواه بالمعنى الذى فهمه وغلط فى ذالك۔

(شرح صحیح مسلم للنووی ج ۵ ص جز ۱۰ کتاب الطلاق باب طلاق الثلاث ص ۶۱ رقم الحدیث ۳۶۷۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

اعتراض (۴).......:۔ سیدنا عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنی بیوی کو بحالت حیض تین طلاقیں اکٹھی دی تھیں۔ جنہیں حضور ﷺ نے ایک قرار دیا اور اس سے رجوع کرنے کا حکم دیا اگر یہ طلاقیں تین ہی ہوتیں تو رجوع ناممکن ہوتا۔

جواب:۔ یہ غلط ہے حق یہ ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمر نے اپنی بیوی کو بحالت حیض طلاق ایک ہی دی تھی۔ نبی کریم نے انہیں رجوع کا حکم دیا کیونکہ طلاق بحالت طہر ہونی چاہیے چنانچہ مسلم شریف جلد اول باب تحریم الطلاق الحائض میں ہے۔

عن نافع عن عبدالله انه طلق امراء ة له وهى حائض تطليقة واحدة فامره رسول الله ﷺ ان يراجع

رسالہ طلاق الاولہ فی حکم الطلاق الثلثہ

اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک دم تین طلاقیں دے دے تو اگر چہ اس نے برا کیا مگر اس صورت میں طلاقیں تین ہی واقع ہونگی نہ کہ ایک اور یہ عورت بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ چونکہ زمانہ موجود کے غیر مقلد وہابی اس کے منکر ہیں اور خواہش نفسانی کے ماتحت کہتے ہیں کہ اس صورت میں طلاق ایک ہی واقع ہوگی اور عورت سے رجوع کرنا صحیح ہوگا اس لئے اس بحث میں ایک مقدمہ اور دو باب لکھے جاتے ہیں پہلے باب میں مسئلہ کے دلائل اور دوسرے باب میں اس پر اعتراضات و جوابات۔

مقدمہ:۔ بہتر یہ ہے کہ اگر عورت کو طلاق دینا ہو تو صرف ایک ہی طلاق طہر میں دے۔ اور اگر تین طلاقیں ہی دینا ہوں تو ہر طہر میں ایک طلاق دے۔ لیکن اگر عورت کو بحالت حیض طلاق دیدے۔ یا تینوں طلاقیں ایک دم دیدے تو اگر چہ اس نے برا کیا۔ مگر جو طلاق دے گا وہ ہی واقع ہوگی ایک ساتھ تین طلاقیں دینے کی تین صورتیں ہیں (۱) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے صرف نکاح ہوا ہو اور خلوت نہ ہوئی ہو ایک دم تین طلاقیں اس طرح دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ اس صورت میں صرف ایک طلاق واقع ہوگی۔ اور آخری دو واقع نہ ہوں گی۔ کیونکہ پہلی طلاق بولتے ہی وہ عورت نکاح سے خارج ہوگئی اور کاس پر عدت بھی واجب نہ ہوئی۔ اور طلاق کے لئے نکاح یا عدت چاہیے ہاں اگر اس عورت سے یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں تو تینوں پڑجائیں گی کیونکہ اس صورت میں تینوں طلاقیں نکاح کی موجودگی میں پڑیں (عامہ کتب)

(۲) اگر شوہر اپنی اس بیوی کو جس سے خلوت ہوچکی ہے اس طرح طلاقیں دے کہ تجھے طلاق ہے۔ طلاق ہے۔ طلاق طلاق۔ اور اخیری دو طلاقوں سے پہلی طلاق کی تاکید کی نیت کرے۔ نہ کہ علیحدہ طلاقوں کی تب بھی دیانۃ طلاق ایک ہی ہوگی (قاضی اس کی یہ بات نہ مانے گا) کیونکہ اس شخص نے ایک طلاق کی دو تاکیدیں کی ہیں۔ جیسے کوئی کہے کہ پانی پی لو۔ پانی پانی۔ کھانا کھالو کھانا کھانا میں کل گیا تھا کل کل۔ ان سب صورتوں میں پچھلے دو لفظوں سے پہلے لفظ کی تاکید ہے۔ (۳) اگر کوئی شخص اپنی بیوی سے جس سے خلوت ہوچکی ہے۔ بیک وقت تین طلاقیں دے خواہ یوں کہے کہ تجھے تین طلاقیں ہیں یا یہ کہے کہ تجھے طلاق ہے طلاق ہے، طلاق ہے۔ بہر حال طلاقیں تین ہی واقع ہونگی اور یہ عورت اب بغیر حلالہ اس مرد کو حلال نہ ہوگی۔ اس پر امام ابوحنیفہ وشافعی و مالک واحمد اور سلفاً خلفاً جمہور علماء کا اتفاق ہے۔ ہاں بعض ظاہرین مولوی اس آخری صورت میں اختلاف کرتے ہیں۔

چنانچہ تفسیر صاوی میں پارہ دوم زیر آیت فان طلقها فلا تحل له (الایہ سورہ البقرہ آیت نمبر ۲۳۰) ہے

والمعنى فان ثبت طلاقها ثلاثاً فى مرة او مرات فلا تحل (الايه) كما اذا قال لها انت طالق ثلثاً او البته وهذا هو المجمع عليه۔

یعنی علماء امت کا اس پر اتفاق ہے کہ جو تین طلاقیں الگ الگ دے یا ایک دم۔ عورت بہر حال حرام ہوجائے گی۔

(تفسیر صاوی ج ۱ ص ۱۷۱ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت)

نیز نووی شرح مسلم جلد اول باب الطلاق الثلث میں ہے۔

وقد اختلف العلمآء فى من قال لامراته انت طالق ثلثاً فقال الشافعى ومالك وابو حنيفته واحمد وجماهير العلماء من السلف والخلف يقع الثلث وقال طاء وس بعض اهل الظاهر يقول لايقع بذلك الا واحدة۔

(شرح صحیح مسلم نووی کتاب الطلاق ج ۵ ج ۱۰ ص ۶۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ساتوں کنکر ایک دم پھینک دے تو ایک ہی رمی مانی جائے گی اور چھ کنکر اس کے علاوہ مارنے ہوں گے۔ ایسے ہی اگر کوئی قسم کھائے کہ میں ہزار درود پڑھوں گا اور پھر اس طرح پڑھے اللھم صل علی سیدنا محمد الف مرۃ تو اس کا یہ درود ہزار نہ مانا جائے گا بلکہ ایک ہی مانا جائے گا لہذا چاہیے کہ اگر کوئی ایک دم تین طلاقیں دے دے تو ایک ہی واقع ہو نہ کہ تین۔

جواب:۔ الحمدللہ آپ قیاس کے تو قائل ہوئے اور آپ نے قیاس کرنے کی زحمت گوارا فرمائی مگر جیسے آپ ویسا آپ کا قیاس جناب لعان اور رمی میں فعل مقصود ہے نہ کہ اس کا اثر اور طلاق میں اثر مقصود ہے نہ کہ محض فعل لہذا یہ قیاس صحیح نہیں۔ لعان کی ہر قسم ایک گواہ کے قائم مقام ہے۔ جب کہ زنا میں گواہیاں چار ہیں تو لعان میں جو اس کا قائم مقام ہے۔ یعنی فعل قسم بھی چار ہی چاہیے۔ بیک لفظ چار قسمیں کھانے میں فعل ایک ہی ہوا۔ نیز رمی جمروں میں سات فعل چاہئیں ایک دم سات کنکر پھینک دینے میں مفعول سات ہوئے۔ مگر فعل ایک چونکہ حضور نبی کریم ﷺ نے رمی میں سات فعل فرمائے ہیں۔ اس کی پیروی چاہیے۔ درود شریف میں ثواب بقدر محنت ملتا ہے ایک ہزار درود کی منت اتنی محنت کی منت ہے اور ظاہر ہے کہ ایک بار الف مرۃ کہہ لینے میں ہزار درود کی محنت نہیں پڑتی۔ لہذا ان کے احکام بھی مختلف قسم کا مدار عرف پر ہوتا ہے طلاق کونسا ثواب کا کام ہے۔ تا کہ اس میں زیادہ محنت کا ثواب ملے۔ غرضیکہ تمام اعتراضات مکڑی کے جالے کی طرح کمزور ہیں ان سب کی بنا تن آسانی اور نفس پروری ہے خدا تعالیٰ قرآن وحدیث کی صحیح فہم عطا فرمائے۔ اگر تین طلاقوں سے ایک ہی واقع ہو اور شوہر بیوی سے الگ ہو جائے تو کوئی مضائقہ نہیں لیکن اگر تینوں واقع ہو جائیں اور بغیر حلالہ رجوع کر لیا جائے تو عمر بھر حرام کاری ہوگی۔ لہذا احتیاط بھی اس میں ہے کہ تین طلاقیں تین ہی مانی جائیں اسی لئے علماء اصول فرماتے ہیں کہ اباحت اور حرمت میں جب تعارض ہو تو حرمت کو ترجیح ہوتی ہے۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقه ونور عرشه سیدنا ومولنا محمد واله واصحبه اجمعین برحمته وهو ارحم الراحمین۔

احمد یار خان غفرلہ ولابیہ ومرشدہ بدایونی
مقیم گجرات پاکستان

حاشیہ......☆

۔ بیہقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

قال الشافعی واحب الی اذا کانوا جماعة ان یصلوا عشرین رکعة۔

(معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۵)

۔ ذہبی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

عن الحسن ان عمر بن الخطاب رضی اللہ عنه جمع الناس علی ابی بن کعب فی قیام رمضان فکان یصلی بهم عشرین رکعة۔

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی اقتداء میں قیام رمضان کے لئے اکٹھا کیا تو وہ انہیں بیس رکعت تراویح پڑھاتے تھے۔

(سیر اعلام النبلاء ج ۱ ص ۴۰۰ مطبوعہ مؤسسۃ الرسالۃ بیروت)

اس سے معلوم ہوا کہ بیس رکعت تراویح حضور ﷺ کی سنت مبارک اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی خصوصاً خلافہ راشدین کی سنت مبارک ہے جن کے بارے میں نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

عن عرباض بن سارية...... فعلیکم بسنتی وسنة الخلفاء الراشدین المهدیین عضوا علیها بالنواجذ و ایاکم والامور المحدثات فان کل بدعة ضلالة۔

ترجمہ: حضرت عرباض بن ساریہ ﷺ سے ایک طویل روایت میں ہے...... پس تم پر میری سنت اور خلفاء راشدین المھدیین کی سنت کو پکڑ لینا لازم ہے اور ان کے طریقہ کو مضبوطی کے ساتھ دانتوں سے پکڑ لینا اور بدعات سے بچنا کیونکہ ہر بدعت (سیئہ) گمراہی ہے۔

(سنن ابن ماجہ ج ۱ ص ۱۵۔۱۶ رقم الحدیث ۴۲۔۴۳ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (جامع الترمذی جلد ۲ ص ۹۲ مطبوعہ مکتبہ اکرمیہ پشاور)، (سنن ابی داؤد ج ۴ ص ۲۰۰ رقم ۴۶۰۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (غایۃ الاحکام فی احادیث الاحکام امام محب الدین طبری ج ۱ ص ۲۵۳ رقم الحدیث ۷۶۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (مسند احمد جلد ۴ صفحہ ۱۲۶۔۱۲۷ رقم ۱۷۲۷۵۔۱۷۲۷۶ مطبوعہ مؤسسۃ قرطبۃ مصر)، (مسند الامام الطحاوی ج ۶ ص ۱۲۲ رقم الحدیث ۵۵۳۵ مطبوعہ مکتبۃ الحرمین للنشر والتوزیع دمق)، (سنن کبری بیہقی جلد ۱۰ ص ۱۱۴ مطبوعہ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (شعب الایمان جلد ۶ ص ۶۷ رقم الحدیث ۷۵۱۵۔۷۵۱۶ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (جامع المسانید والسنن ابن کثیر ج ۹ ص ۴۴۰۵ تا ۴۴۰۷ رقم الحدیث ۶۴۷۴۔۶۴۷۵۔۶۴۷۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)، (کتاب الاعتقاد والھدایۃ الی سبیل الرشاد امام بیہقی ص ۲۲۹ مطبوعہ دار الآفاق الجدیدۃ بیروت)، (دلائل النبوۃ امام بیہقی ج ۶ ص ۵۴۱ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)، (شرح السنۃ امام بغوی ج ۱ ص ۱۸۱ رقم الحدیث ۱۰۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

غیر مقلدین جو آٹھ رکعات تراویح کے قائل ہیں اور اس پر بڑے ضرور دیتے ہیں اور دلیل میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا والی روایت پیش کرتے ہیں کہ:

ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی ولا فی غیرہ علی احدی عشرہ رکعة۔

ترجمہ: یعنی کہ نبی کریم ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ سے زائد نہیں کرتے تھے۔

یہ استدلال درست نہیں اس لئے مذکورہ بالا حدیث سے تراویح کا آٹھ رکعت ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ اس لئے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا یہاں ایسی نماز کا ذکر فرما رہی ہیں جو رمضان شریف میں بھی پڑھی جاتی ہے اور غیر رمضان میں بھی۔ اور تراویح تو صرف رمضان ہی میں پڑھی جاتی ہے۔ چنانچہ یہاں تراویح کا تو سرے سے ذکر ہی نہیں۔ بلکہ تہجد کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت تہجد پڑھتے تھے۔ اور تین وتر۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

چند مسائل پر مختصر

و

مدلل تحقیق

تصنیف و تالیف

علامہ سعید اللہ خان قادری

حاشیہ......☆

یصلون عشرین رکعۃ۔

ترجمہ: اکثر اہل علم کا مذہب بیس رکعت تراویح ہے جو کہ حضرت علی حضرت عمر رضی اللہ عنہما اور حضور ﷺ کے دیگر اصحاب سے مروی ہے اور یہی (کبار تابعین) سفیان ثوری عبد اللہ بن مبارک اور امام شافعی رحمہم اللہ کا قول ہے اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا میں نے اپنے شہر مکہ میں (اہل علم کو) بیس رکعت تراویح پڑھتے پایا۔

(سنن الترمذی کتاب الصوم ج ۳ ص ۱۶۹ رقم الحدیث ۸۰۶ مطبوعہ داراحیاء التراث العربی بیروت)

امام ابن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن ابن عباس رضی اللہ عنہما قال ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۱۶۴ رقم الحدیث ۷۶۹۲ مطبوعہ مکتبۃ الرشد الریاض)، (سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۱ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (مسند عبد بن حمید ج ۱ ص ۲۱۸ رقم الحدیث ۶۵۳ مطبوعہ مکتبۃ السنۃ القاھرۃ مصر)

امام طبرانی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

حدثنا احمد بن یحییٰ الحلوانی قال حدثنا علی بن الجعد قال حدثنا ابو شیبۃ ابراھیم بن عثمان عن الحکم بن عتیبۃ عن مقسم عن بن عباس ثم ان النبی ﷺ کان یصلی فی رمضان عشرین رکعۃ سوی الوتر۔

ترجمہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ رمضان المبارک میں وتر کے علاوہ بیس رکعت تراویح پڑھا کرتے تھے۔

(طبرانی اوسط ج ۱ ص ۲۴۳ رقم الحدیث ۷۹۸ مطبوعہ دار الحرمین القاھرہ مصر)، (طبرانی کبیر ج ۱۱ ص ۳۹۳ رقم الحدیث ۱۲۱۰۲ مطبوعہ مکتبۃ العلوم والحکم الموصل)، (مجمع الزوائد ج ۳ ص ۲۷۱ مطبوعہ دار الکتاب العربی بیروت)، (الکامل فی ضعفاء الرجال ج ۱ ص ۲۴۰ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

امام عبد الرزاق رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کنا ننصرف من القیام علی عھد عمر رضی اللہ عنہ وقد دنا فروع الفجر وکان القیام علی عھد عمر رضی اللہ عنہ ثلاثۃ وعشرین رکعۃ۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ نے بیان کیا کہ ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں فجر کے قریب تراویح سے فارغ ہوتے تھے اور (بشمول وتر) تیئیس ۲۳ رکعات پڑھتے تھے۔

(مصنف عبد الرزاق ج ۴ ص ۲۶۱ رقم الحدیث ۷۷۳۳ المکتب الاسلامی بیروت)

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن السائب بن یزید قال کانوا یقومون علی عھد عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ فی شھر رمضان بعشرین رکعۃ قال وکانوا یقراون بالمئین وکانوا یتوکون علی عصیھم فی عھد عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ من شدۃ القیام۔

ترجمہ: حضرت سائب بن یزید رحمۃ اللہ علیہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ماہ رمضان میں بیس ۲۰ رکعت تراویح پڑھتے تھے اور ان میں سو آیات والی سورتیں پڑھتے تھے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں شدت قیام کی وجہ سے وہ اپنی لاٹھیوں سے ٹیک لگاتے تھے۔

(سنن الکبریٰ للبیہقی ج ۲ ص ۴۹۶ رقم الحدیث ۴۳۹۳ مطبوعہ مکتبۃ دار الباز مکۃ المکرمۃ)، (معرفۃ السنن والآثار للبیہقی ج ۴ ص ۲۰۷)

اذان سے قبل درود وسلام کا ثبوت

اذان سے پہلے درودسلام پڑھنا مستحب ہے پڑھنے والے کو اس کا ثواب بھی ملے گا۔اگر کوئی اذان سے پہلے درودسلام نہیں پڑھتا تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ یہ فرض واجب نہیں مستحب ہے لیکن جو پڑھتے ہیں اس کو بدعتی نہ کہنا چاہئے اس لئے کہ یہ بہت بڑا ظلم ہے۔

اللہ تعالیٰ ارشادفرماتا ہے:

یایها الذین امنوا صلوا علیه وسلموا تسلیماً۔

ترجمہ: اے ایمان والوتم بھی اس نبی ﷺ پر درود اور سلام خوب بھیجو۔

(سورۃ الاحزاب پارہ ۲۲ رکوع ۴)

یہ آیت کریمہ مطلق وعام ہے اس میں کسی قسم کی قید وتخصیص نہیں ہے یعنی یہ نہیں فرمایا گیا کہ بس فلاں وقت میں ہی پڑھا کرو یا فلاں وقت میں درودسلام نہ پڑھا کرو بلکہ مطلق رکھا تا کہ تمام ممکن اوقات کو شامل رہے اسی لئے ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

انه تعالی لم یوقت ذلك لیشمل سائر الاوقات۔

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اس امر صلوٰۃ کا وقت معین نہیں کیا تا کہ تمام اوقات کو شامل رہے۔

(شرح شفا للقاری ج ۳ ص ۴۳۷)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں ہے:

فی صلوتکم ومساجدکم وفی کل موطن۔

ترجمہ: یعنی اپنی نمازوں اور مسجدوں اور ہر مقام میں نبی کریم ﷺ پر درود شریف پڑھو۔

(جلاء الافہام ص ۲۵۲)

زکریا کاندھلوی دیوبندی لکھتے ہیں۔

جن اوقات میں بھی (درود شریف) پڑھ سکتا ہو پڑھنا مستحب ہے۔

(تبلیغی نصاب فضائل درود شریف ص ۶۷)

لہذا مطلقاً یہ جگہ اور ہر وقت میں نبی کریم ﷺ پر درودسلام پڑھنا جس میں اذان کا مقام بھی داخل ہے کلام الٰہی عزوجل سے مامور و ثابت ہے۔

امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ روایت کرتے ہیں۔

عن عروۃ بن الزبیر عن امرأۃ من بنی النجار قالت ثم کان بیتی من اطول بیت حول المسجد فکان بلال یؤذن الیه الفجر فیاتی بسحر فیجلس علی البیت ثم ینظر الی الفجر فاذا رآہ تمطی ثم قال اللهم انی احمدك واستعینك علی قریش ان یقیموا دینك قالت ثم یؤذن قالت واللہ ما علمته کان ترکها لیلة واحدۃ هذہ الکلمات۔

ترجمہ: حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ بنی نجار کی ایک صحابیہ خاتون فرماتی ہیں کہ میرا گھر مسجد مبارک کے ارگرد والے اونچے مکانوں سے تھا حضرت بلال رضی اللہ عنہ اس پر صبح کی اذان کہتے تھے صبح صادق سے پہلے آتے اور اس کی چھت پر بیٹھ کر وقت کا انتظار کرتے جب صبح صادق ہو جاتی تو کھڑے ہو کر کہتے اے اللہ میں تیری حمد کرتا ہوں اور تجھ سے قریش پر مدد چاہتا ہوں کہ وہ

استقر الامر علی العشرین فانه المتوارث۔

یعنی ان روایات کو یوں جمع کیا گیا کہ اولاً تو آٹھ رکعت کا حکم ہوا پھر بیس پر قرار ہوا یہ بیس رکعت ہی منقول ہیں چوتھے یہ کہ اصل تراویح سنت رسول ﷺ ہے اور تین چیزیں سنت فاروقی۔ ہمیشہ پڑھنا۔ باقاعدہ جماعت سے پڑھنا بیس رکعت پڑھنا۔ حضور علیہ السلام نے بیس رکعت ہمیشہ نہ پڑھیں اور نہ صحابہ کرام کو باقاعدہ جماعت کا حکم دیا۔ اب اگر آٹھ رکعت پڑھی جائیں تو سنت فاروقی پر عمل چھوٹ گیا اور اگر بیس رکعت پڑھی جائیں تو سب پر عمل ہو گیا۔ کیونکہ بیس میں آٹھ آجاتی ہیں۔ اور آٹھ میں بیس نہیں آتیں حدیث شریف میں ہے کہ میری اور خلفائے راشدین کی سنتوں پر عمل کرو۔ تم بھی تراویح ہمیشہ اور باقاعدہ جماعت سے پڑھتے ہو۔ حالانکہ یہ دونوں باتیں حضور سے ثابت نہیں سنت فاروقی ہیں لہذا بیس رکعت پڑھا کرو۔

اعتراض (۲)......:۔ بخاری شریف میں ہے کہ ابوسلمہ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ حضور علیہ السلام رمضان کی راتوں میں کتنی رکعت پڑھتے آپ نے جواب دیا ما کان رسول اللہ ﷺ یزید فی رمضان وفی غیرہ علی احدی عشر رکعات۔

(صحیح البخاری کتاب التھجد باب قیام النبی باللیل فی رمضان وغیرہ ج ۱ ص ۱۵۴ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

معلوم ہوا کہ حضور علیہ السلام نے تراویح آٹھ رکعت سے زیادہ کبھی نہ پڑھیں اور باقی وتر بیس رکعت پڑھنا بدعت سیئہ ہے۔

جواب:۔ اس کے بھی چند جواب ہیں ایک یہ کہ اس سے نماز تہجد مراد ہے نہ کہ تراویح کیونکہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور علیہ السلام نے رمضان اور غیر رمضان میں آٹھ رکعت سے زیادہ نہ پڑھیں جس سے معلوم ہوا کہ یہ وہی نماز ہے جو ہمیشہ پڑھی جاتی ہے نہ کہ تراویح کہ وہ صرف رمضان میں ہوتی ہے۔ نیز ترمذی میں اسی حدیث کے لئے باب باندھا باب ماجاء فی وصف صلوۃ النبی ﷺ باللیل۔ (سنن الترمذی ج ۲ ص ۳۰۲ رقم الحدیث ۴۳۹ مطبوعہ دار احیاء التراث العربی بیروت) معلوم ہوا کہ یہ صلوۃ اللیل یعنی نماز تہجد ہے نہ کہ نماز تراویح۔ نیز اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ وتر سے پہلے کیوں سو جاتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اے عائشہ ہماری آنکھیں سوتی ہیں ہمارا دل نہیں سوتا۔ جس سے معلوم ہوا کہ یہ رکعتیں سو کے اٹھ کر ادا فرماتے تھے۔ اور وتر بھی اس کے ساتھ ہی پڑھتے تھے۔ تب ہی تو حضرت صدیقہ کو تعجب ہوا کہ آپ نے ہم کو تو وتر پڑھ کر سونے کا حکم دیا اور خود سو کر مع تہجد وتر پڑھتے ہیں جواب دیا کہ چونکہ ہمیں جاگنے پر پورا بھروسہ ہے۔ جیسے بھروسہ نہ ہو وہ وتر پڑھ کر سوئے اور تراویح سونے سے پہلے پڑھی جاتی ہے اور تہجد سونے کے بعد مدارج النبوۃ جلد اول صفحہ ۴۰۰ میں ہے تحقیق آنست کہ صلوۃ آنحضرت در رمضان ہماں نماز معتاد بود یا زدہ رکعت کہ دائم در تہجد مے گزارد۔ دوسرے یہ کہ اگر بیس رکعت تراویح بدعت سیئہ ہے تو حضرت عمر و دیگر صحابہ کرام نے کیوں اختیار فرمائی اور خود حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ان کی مخالفت کیوں نہ کی۔ ان پر کیا فتویٰ لگاؤ گے نیز آج سارے غیر مقلد پورے ماہ رمضان میں باجماعت تراویح پڑھتے ہیں۔ بتاؤ ان کی یہ ہمیشگی بدعت سیئہ ہے یا نہیں؟

اگر حضور علیہ السلام نے آٹھ تراویح پڑھیں۔ تو صرف دو تین روز پڑھیں تم اس کی ہمیشگی کر کے کون ہوئے؟ اگر پورے متبع حدیث ہو تو سارے ماہ رمضان میں صرف تین دن تراویح پڑھا کرو۔

نیز ترمذی شریف کی روایت سے ثابت ہوا کہ مکہ والوں کا بیس تراویح پر اتفاق ہے اور مدینہ والوں کا اکتالیس پر ان میں سے کوئی بھی آٹھ رکعت کا عامل نہیں۔

بحث مسئلہ ضاد وظاد کی تحقیق

نحمده ونصلی ونسلم علی رسوله الکریم۔

ضاد کو ظاء یا مشابہ ظاء کر کے پڑھنا غلط ہے اور اس طرح پڑھنے سے نماز ٹوٹ جائے گی ایسا شخص امامت کا اہل نہیں ہے اور ایسے امام کے پیچھے جو نماز پڑھی ہیں اس کا اعادہ واجب ہے۔ قرآن کریم کے حروف کے ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کرنا ضروری ہے اور تمام حروف کے مخارج جدا جدا معین ہیں۔

عن حذیفة قال رسول الله ﷺ اقرؤوا القرآن بلحون العرب......

(الکامل ابن عدی ج ۲ ص ۸۷ مطبوعہ دار الفکر بیروت)

ایک حرف کو دوسرے حرف کی طرح پڑھنا ناجائز ہے۔ ض اور ظاء دونوں حرف جدا جدا ہیں۔ ان کے مخارج بھی جدا ہیں۔ لہٰذا جو شخص قصداً یہ جان کر ض کو ظاء پڑھتا ہے کہ قرآن کریم میں اس جگہ یہ حرف اس طرح ہے کافر ہے۔

امام قاضی عیاض رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وقد اجمع المسلمون...... من نقص منه حرفاً قاصداً لذلك او بدله بحرف آخر مكانه او زاد فيه حرفاً مما لم يشتمل عليه المصحف الذى وقع الاجماع عليه و اجمع على انه ليس من القرآن عامداً لكل هذا انه كافر۔

ترجمہ: بے شک اہل اسلام کا اجماع ہے...... کہ جس نے قرآن کا کوئی حرف عمداً گھٹایا یا اس کے عوض دوسرا بڑھایا یا کوئی ایسا حرف زائد کیا جو مصحف شریف کا نہیں اور عمداً ایسے کیا تو وہ شخص بالاتفاق کافر ہے۔

(الشفا بتعریف حقوق المصطفیٰ فصل فی بیان ما ھو من المقالات کفر الخ ج ۲ ص ۱۸۲ مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت)

ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

وفی المحيط سئل الامام الفضلی ممن يقراء الظآء المعجمة او يقرء اصحاب الجنة مكان اصحاب النار او على العكس فقال لا تجوز امامة ولو تعمد يكفر۔

ترجمہ: اور محیط میں ہے کہ امام فضلی رحمۃ اللہ علیہ سے سوال کیا گیا کہ اس شخص کا کیا حکم ہے جو ضاد کی جگہ ظاء یا اصحاب جنت کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ فرمایا اس شخص کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۱۶۷ مطبوعہ قدیمی کتب خانہ کراچی)

جامع الفصولین میں ہے۔

يقراء الظآء الضاد و يقراء كيف شاء اصحاب الجنة مكان اصحاب النار لم تجز امامته ولو تعمد يكفر۔

ترجمہ: جو آدمی ضاد کی جگہ ظاء پڑھے اور اصحاب الجنۃ کی جگہ اصحاب النار پڑھے۔ اس کی امامت جائز نہیں اور اگر قصداً ایسا کرے تو کافر ہے۔

(جامع الفصولین کلمات کفریہ ص ۳۱۶)

منیۃ المصلی میں ہے۔

اما اذا قرأ مكان الذال ظاء او مكان الضاد ظاء او على القلب تفسد الصلوة وعليه اكثر الائمة۔

ترجمہ: بہر حال جب ذال کی ظاء یا ضاد کی جگہ ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی اور اسی پر اکثر ائمہ کا مسلک ہے۔

(منیۃ المصلی ص ۱۱۸)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں۔

ولو قال ولا الضآلین بالظاء بطلت صلاته ارجع الوجهین الا ان يعجز عن الضاد بعد التعلم فیعذره۔

ترجمہ: جو ولا الضآلین کو ظاء کے ساتھ پڑھے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی زیادہ راجح کی وجہ پر، مگر اس صورت میں کہ تعلیم کے باوجود ضاد کو صحیح ادا کرنے سے عاجز ہے تو پھر معذور سمجھا جائے گا۔

(الاذکار المنتخبہ من کلام سید الابرار ص ۳۶ مطبوعہ بیروت)

فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

ولو قرء والعديت ظبحاً بالظاء تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اگر کوئی والعدیت ضبحا کی بجائے ظبحا ظاء سے پڑھا تو نماز فاسد ہو جاتی ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۱)، (کبیری ص ۴۴۹)

نیز اسی فتاویٰ قاضی خان میں ہے۔

وكذا لو قرء غير المغظوب بالظاء او بالذال تفسد صلاته۔

ترجمہ: اور اسی طرح اگر غیر المغضوب کی بجائے غیر المغظوب ظاء یا ذال سے پڑھے تو نماز ٹوٹ جائے گی۔

(فتاویٰ قاضی خان ج ۱ ص ۱۴۲)، (کبیری ص ۴۴۹)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے۔

قال القاضی الامام ابو الحسن والقاضی الامام ابو عاصم ان تعمد فسدت۔

ترجمہ: قاضی امام ابوالحسن رحمۃ اللہ علیہ اور قاضی امام ابو عاصم رحمۃ اللہ علیہ نے کہا اگر عمداً ضاد کو ظاء پڑھے تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۹۷)، (فتاویٰ عالمگیری مترجم امیر علی دیوبندی ج ۱ ص ۱۲۲ مطبوعہ دار الاشاعت کراچی)، (فتاویٰ بزازیہ ج ۱ ص ۴۲)

مولوی قطب الدین اپنی تفسیر میں تحت آیت **وما هو على الغيب بضنين** میں لکھتے ہیں۔

کہ حرمین شریفین غیرہما اکثر ممالک میں تو سب (ضاد کو) دال مفخم کی طرح پڑھتے ہیں اور دہلی وغیرہ یا اکثر ہند کے ممالک میں بھی پہلے اسی طرح پڑھتے تھے مگر اب ان ایام میں بعض دنیا سازوں نے ظاء کے طور پڑھنے کا فتویٰ دیا جو کہ سراسر غلط ہے ایک مجلس میں بھی اس کی تحقیق کے لئے منعقد ہوئی اکثر و کل قراء کی رائے بطور سابق کے ضاد پڑھنے پر غالب رہی۔

(جامع التفاسیر ص ۳۶۱)

یہ وہی مولوی ہیں جنہوں نے مظاہر حق لکھی ہے اس پر دیوبندیوں کو اعتماد ہے کیونکہ مولوی محمد اسحاق کے شاگرد ہیں ان سے یہ پتہ چلا کہ اکابر دیوبند بھی ظاء نہیں پڑھتے تھے۔

بانی دار العلوم دیوبند قاسم نانوتوی لکھتے ہیں۔

سوال: خدمت میں علماء دین کی عرض ہے کہ ایک شخص کو ولنڈھورہ پرگنہ ضلع بجنور کا رہنے والا آیا ہے کہتا ہے کہ ضاد بمخرج ظاء پڑھ ورنہ نماز باطل ہو جائے گی جواب ہر ایک امر کا اپنی مہر سے مذین فرما کر ارسال کریں کہ اس شخص کو جواب دیا جائے۔